سِلسلۂ مطبوعاتِ انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند) نمبر ۱۷۷

الف لیلہ و لیلہ

حِصّۂ سوم

مُترجمہ

ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد صاحب (مرحوم)

پروفیسر مُسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

شائع کردہ

انجمنِ ترقیٔ اُردو (ہند)، دہلی

۱۹۴۲ء

قیمت مجلد صہ غیر مجلد للعہ

دوسو بیسویں رات

دوسو بیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! جو کچھ ملکہ بدور نے اپنے شوہر سے کہا تھا ویسا ہی ملکہ حیات النفوس نے بھی کہا یعنی میرے ساتھ بھی تیرے بیٹے امجد نے وہی حرکت کی اور یہ کہہ کر خوب فیل مچائے۔ بولی اگر تو میرے ساتھ انصاف نہ کرے گا تو میں اپنے باپ بادشاہ ارماتوس سے شکایت کروں گی۔ غرض کہ دونوں سوکنیں اپنے شوہر بادشاہ قمرالزماں کے آگے بلک بلک کر خوب روئیں۔ جب بادشاہ نے اپنی دونوں بیویوں کا قصہ سنا، اُن کو روتے دیکھا تو اسے یقین آگیا۔ وہ سچ کہتی ہیں اس پر اُسے حد سے زیادہ طیش آیا وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس نے پختہ ارادہ کر لیا کہ اپنے دونوں بیٹوں کو قتل کر ڈالے اتنے میں اس کا خسر بادشاہ ارماتوس آگیا کیونکہ اُسے معلوم ہوا تھا کہ داماد شکار سے لوٹ آیا ہے۔ اس نے دیکھا کہ قمرالزماں تلوار کھینچے ہوئے ہے اور مارے غصے کے اس کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے۔ جب اُس نے اس کی وجہ پوچھی تو اُس نے اپنے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کی بدنظریوں کا ماجرا سنایا اور کہا کہ میں ابھی جا کر انھیں قتل کرتا ہوں۔ اپنے ہاتھ سے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بادشاہ ارماتوس کو بھی ان دونوں پر بہت غصہ آیا اور کہنے لگا بیٹا تیرا یہ غصہ ناواجب نہیں۔ خدا اُن پر لعنت بھیجے اولاد ہو کر اپنے باپ کے حق میں بُرائی کرتے ہیں! لیکن بیٹا، تو نے سُنا ہو گا کہ جو انجام پر غور نہیں کرتا زمانہ اُس کا ساتھ نہیں دیتا۔ بہرحال وہ تیرے بیٹے ہیں اس لیے یہ مناسب نہیں کہ تو خود انھیں اپنے ہاتھ سے قتل کرے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد ازاں تجھے افسوس ہو اور تو انھیں قتل کر کے پچھتائے اور پھر پچھتانے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ بہتر ہے کہ تو انھیں کسی غلام کے ہمراہ

جنگل میں بھیج دے تاکہ وہ انھیں وہاں قتل کرائے اور ان کا خون تیری آنکھوں کے سامنے نہ ہے۔
مثل ہے کہ دوست سے دوری بہتر ہے، نہ آنکھ دیکھے نہ دل دُکھے۔ قمرالزماں کو اپنے خسر بادشاہ
ارمانوس کی یہ رائے درست معلوم ہوئی۔ اُس نے اپنی تلوار میان میں کر لی اور حکومت کے
تخت پر بیٹھ کر خزانچی کو بُلایا، یہ خزانچی بہت بوڑھا تھا اور سیاست اور زمانے کے اُتار چڑھاؤ
سے خوب واقف۔ اس سے کہا کہ میرے دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کے پاس جا کر ان کی
مشکیں باندھ انھیں دو صندوقوں میں بند کر کے خچر پر لاد اور سوار ہو کر انھیں کسی اُجاڑ
جنگل میں لے جا کر ذبح کر ڈال اور دو تھیلوں میں اُن کا خون بھر کر جلد میرے پاس لا۔
خزانچی حکم پاتے ہی فوراً امجد اور اسعد کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ محل سے نکل کر آ رہے
ہیں۔ بہترین پوشاکیں پہنے خوش خوش اپنے باپ بادشاہ قمرالزماں کے پاس جانے کا ارادہ
ہے تاکہ اُسے سلام کریں اور سلامتی کے ساتھ شکار سے واپس آنے کی مبارک باد دیں۔ جب
خزانچی کی نظر اُن پر پڑی تو اُس نے انھیں روک لیا اور کہنے لگا برخوردارو، سنو، میں
فرماں بردار غلام ہوں اور تمھارے باپ نے مجھے ایک حکم دیا ہے کیا تم اس کے حکم کی تعمیل
کرو گے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں۔ یہ سُن کر خزانچی اُن کی طرف بڑھا اور ان کی مشکیں
باندھ کر انھیں دو صندوقوں میں بند کر دیا پھر انھیں ایک خچر پر لاد کر شہر سے باہر روانہ
ہو گیا اور ظہر تک جنگل میں چلتا رہا۔ جب ایک سنسان ڈراؤنی جگہ آ گئی تو خود گھوڑے
سے اُتر پڑا اور دونوں صندوقوں کو خچر پر سے اتار کر کھولا۔ ان میں سے امجد اور اسعد کو
نکالا۔ جب اُس کی نظر ان پر پڑی تو وہ ان کا حُسن و جمال دیکھ کر رونے لگا اور تلوار
کھینچ کر اُن سے کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو، تمھارے ساتھ بُرائی کرنا مجھ پر گراں
گزرتا ہے لیکن مجبور ہوں ایک غلام کو فرماں برداری کے سوا چارہ نہیں۔ تمھارے باپ
بادشاہ قمرالزماں نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمھاری گردن اُڑا دوں۔ وہ بولے کہ اے امیر
بادشاہ کے حکم کی تعمیل کر۔ تقدیر پر ہم صابر ہیں تجھ پر ہمارے خون کا کوئی بدلہ نہیں۔

اس کے بعد دونوں شہزادے ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ اسعد نے خزانچی سے کہا کہ چچا، مجھ کو میرے بھائی سے پہلے قتل کیجیو تاکہ مجھے اس کے مرنے کا افسوس نہ ہو اور اس کی لاش کو تڑپتے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھوں، یہ میرے لیے آسان تر ہے۔ امجد نے بھی خزانچی سے یہی الفاظ دہرائے اور اُسے اِس بات پر مائل کرنا چاہا کہ وہ اُسے اُس کے بھائی سے پہلے قتل کرے۔ وہ کہنے لگا کہ میرا بھائی مجھ سے چھوٹا ہے، اس کا رنج مجھے نہ دیکھنا پڑے۔ یہ کہہ کر دونوں اتنا روئے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔ ان کو روتا دیکھ کر خزانچی بھی رونے لگا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اکیسویں رات

جب دو سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! خزانچی اُن کو روتا دیکھ کر خود بھی رونے لگا اور دونوں بھائی ایک دوسرے کے گلے میں باہیں ڈال کر لپٹ گئے۔ ایک بھائی نے دوسرے سے کہا کہ یہ ساری مصیبت ہم پر دونوں خائن عورتوں میری ماں اور تیری ماں کی وجہ سے آئی ہے اور یہ ان بھلے سلوکوں کا نتیجہ ہے جو میں نے تیری ماں کے ساتھ اور تو نے میری ماں کے ساتھ کیے ہیں لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ امجد نے جو اسعد کو یہ کہتے سنا تو اس کی ہچکی بندھ گئی، وہ بھی پچھاڑیں کھانے لگا اور خزانچی سے بولا کہ میں تجھے اُس خدا کی قسم دیتا ہوں جو تنہا ہے اور زبردست مالک اور پردہ پوش کہ تو مجھے میرے بھائی اسعد سے پہلے قتل کیجیو تاکہ میرے دل کی آگ بھڑکنے نہ پائے بلکہ بجھ جائے۔ یہ سُن کر اسعد نے کہا کہ نہیں، بلکہ میں پہلے قتل ہوں گا۔ امجد نے کہا کہ اچھا یوں کریں کہ ہم دونوں ایک

دوسرے سے لپٹ جائیں اور تلوار ہم دونوں کو ایک ساتھ قتل کر دے۔ جب وہ دونوں ایک دوسرے سے سینے سے سینہ اور منہ سے منہ ملا کر ہم آغوش ہو گئے اور ایک نے دوسرے کو چپٹا لیا تو خزانچی نے دونوں کو رسّی سے کس کر باندھا، مگر وہ روتا جاتا تھا اور اپنی تلوار کھینچ کر کہنے لگا کہ ای میرے آقازادو مجھ پر تمہارا قتل کرنا بہت شاق گزر رہا ہے، اگر تمہاری کوئی حاجت ہو تو میں اُسے پورا کروں گا، اگر کوئی وصیت ہو تو اُس کی تعمیل کروں گا اور اگر کوئی پیغام ہو تو پہنچا دوں گا۔ امجد نے کہا کہ ہماری کوئی حاجت نہیں میری صرف ایک خواہش ہے وہ یہ کہ میرے بھائی اسعد کو نیچے لٹائیو اور مجھے اوپر اس لیے کہ تلوار پہلے میرے اوپر پڑے۔ اور یہ ایک وصیت کہ ہمیں قتل کر چکنے کے بعد جب تو بادشاہ کے پاس جائے اور وہ تجھ سے پوچھے کہ تو نے مرنے کے پہلے ہمیں کیا کہتے سُنا تو اس سے کہیو کہ تیرے بیٹوں نے تجھے سلام کہا ہے اور عرض کیا ہے کہ تجھے معلوم نہیں کہ ہم دونوں مجرم ہیں یا نہیں، بغیر اس کے کہ تو ہمارے جُرم کی تحقیق کرتا اور اصل حال سے خبر ہوتی تو نے ہمیں قتل کرا دیا ہے اور اس نے یہ دو شعر پڑھے: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں، شیطانوں کے مکر و فریب سے خدا کی پناہ! قلبی بلائیں لوگوں میں دنیا اور دین کے متعلق پیدا ہوتی ہیں ان کی جڑ یہی عورتیں ہیں" اس کے بعد کہا کہ اس کے سوا ہماری اور کوئی تمنا تجھ سے نہیں ہے کہ یہ دونوں شعر جو تو نے سُنے ہیں بادشاہ کو پہنچا دے۔ اتنے میں شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو بائیسویں رات

جب دوسو بائیسویں رات آئی تو اُس نے کہا کہ ای نیک نہاد بادشاہ! امجد نے

خزانچی سے کہا کہ سوائے اس کے ہماری اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ تو ان دونوں شعروں کو جو تو نے سُنے ہیں بادشاہ کو پہنچا دے اور خدا کے لیے اتنا اور ٹھیر جا کہ میں دو شعر اپنے بھائی کو سنا دوں۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور یہ دو شعر پڑھے: "گزشتہ بادشاہ ہمارے لیے بہت سی عبرتیں چھوڑ گئے ہیں۔ اس راہ میں کتنے کچھ چھوٹے بڑے مر مٹے ہیں۔" امجد کا یہ کلام سُن کر خزانچی اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی اور اسعد کی آنکھیں تو دریا بن گئیں۔ آنسوؤں کی لڑیاں اس کے رخسار پر بہنے لگیں۔ بعد ازاں اسعد اپنے بھائی امجد کے گلے سے لپٹ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دونوں ایک قالب ہیں۔ اب خزانچی نے تلوار کھینچ کر چاہا کہ ان پر وار کرے اتنے میں اس کا گھوڑا بدکا اور جنگل کی طرف نکل بھاگا۔ اس گھوڑے کی قیمت ایک ہزار دینار تھی اور اس کا زین بے حد قیمتی تھا۔ خزانچی تلوار ہاتھ سے پھینک کر گھوڑے کے پیچھے دوڑا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسوتیئیسویں رات

جب دوسوتیئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! خزانچی اپنے گھوڑے کے پیچھے دوڑا کیونکہ گھوڑے کے بھاگنے سے وہ بہت غمگین تھا۔ دوڑتے دوڑتے وہ آگے پیچھے جھاڑیوں میں داخل ہو گئے۔ اب گھوڑا جھاڑیوں کو چیرتا پھاڑتا اندر گھس کر زمین پر اپنی ٹاپیں مارنے لگا یہاں تک کہ گرد اُٹھ اُٹھ کر پھیلنے لگی گھوڑے کے خرخر کرنے اور ہنہنانے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ اُن جھاڑیوں میں ایک شیر رہتا تھا جو بڑا جگادری اور ڈراونی شکل کا تھا۔ اس کی آنکھوں سے چنگاریاں اُڑتی تھیں۔ اس کی صورت نہایت ہیبت ناک تھی، اُسے دیکھ کر لوگ ڈر جاتے تھے جب خزانچی

کی نظر . . . . اُس پر پڑی تو اُس نے دیکھا کہ وہ اسی طرف آ رہا ہے۔ جھاڑیاں گنجان،
نہ کسی طرف بھاگنے کا راستہ نہ اُس کے ہاتھ میں تلوار، وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ لَاحَوْلَ
وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم! یہ امجد اور اسعد کا صبر مجھ پر پڑا ہے۔ یہ سفر شروع
ہی سے منحوس ثابت ہوا۔ اِدھر امجد اور اسعد کو گرمی سے اتنی پیاس لگنے لگی
کہ اُن کی زبانیں نکل پڑیں اور وہ مارے پیاس کے چلّانے لگے لیکن وہاں کون اُن
کی چیخ پکار سنتا۔ کہنے لگے کاش ہم قتل ہو گئے ہوتے اس تشنگی سے تو نجات ملتی! معلوم
نہیں کہ گھوڑا بدک کر کہاں چلا گیا کہ خزانچی بھی ہمیں بندھا چھوڑ کر اس کے پیچھے ہو لیا
کہیں وہ آ کر ہمیں قتل کر دے اور ہم اس عذاب سے چھٹکارا پائیں! اسعد بولا بھائی،
ذرا ٹھیر۔ خدا کی طرف سے عنقریب ہمارے لیے خوشی آنے والی ہے کیونکہ گھوڑے کا
بدکنا خالی از حکمت نہیں۔ سمجھ لے کہ اللہ کی مہربانی کی یہ علامت ہے اور اب پیاس
کے سوا ہمیں اور کسی چیز سے ضرر نہ پہنچے گا۔ یہ کہہ کر اس نے داہنے بائیں ہل کر زور لگایا
یہاں تک کہ رسیاں ڈھیلی پڑ گئیں۔ وہ اُٹھ بیٹھا اور اپنے بھائی کے بندھن بھی کھول
دیے اور خزانچی کی تلوار اٹھا کر کہنے لگا واللہ جب تک ہمیں اس کی خبر نہ مل جائے
اور ہمیں یہ نہ معلوم ہو جائے کہ اس پر کیا گزری ہم یہاں سے نہ ٹلیں گے۔ یہ کہہ کر
وہ خزانچی کے پاؤں کے نشان پر چلنے لگے اور چلتے چلتے جھاڑی کے پاس پہنچ گئے
اور ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ گھوڑا اور خزانچی اس جھاڑی سے آگے نہ گئے
ہوں گے۔ اسعد نے امجد سے کہا کہ تو یہیں ٹھیر میں جھاڑی میں جا کر اِدھر اُدھر دیکھتا
ہوں۔ امجد نے جواب دیا کہ میں تجھے اکیلا نہیں جانے دوں گا، ہم دونوں ساتھ ساتھ
رہیں گے تاکہ اگر سلامتی ہو تو دونوں کے لیے اور اگر مارے جائیں تو دونوں ساتھ ساتھ۔
قصہ مختصر وہ دونوں جھاڑی کے اندر داخل ہوئے دیکھتے کیا ہیں کہ شیر نے خزانچی کو دبوچ رکھا ہے
اور وہ شیر کے نیچے پڑا آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے خدا سے مدد مانگ رہا ہے امجد یہ دیکھتے ہی

لپکا اور شیر پر تلوار کا وار کیا۔ تلوار شیر کی پیشانی پر پڑی اور وہ مر کر زمین پر گر پڑا۔ خزانچی کو اس پر سخت تعجب ہوا، حواس درست ہوئے، نظر اٹھائی تو دیکھا کہ اس کے آقا کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد وہاں کھڑے ہیں۔ وہ اُن کے پاؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا زادو اب یہ نہیں ہو سکتا کہ میں تمھیں قتل کروں اور اگر کسی نے تمھیں قتل کرنے کا ارادہ کیا تو میں اپنی جان لڑا دوں گا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چوبیسویں رات

دو سو چوبیسویں رات آئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خزانچی نے امجد اور اسعد سے کہا کہ میں تمھارے لیے اپنی جان لڑا دوں گا۔ کھڑے ہو کر دونوں شہزادوں کو گلے لگایا اور اُن سے پوچھا کہ تم کس طرح رسّیاں کھول کر یہاں آ گئے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں پیاس لگی تھی اتفاق سے ایک کی بندش ڈھیلی پڑ گئی اس نے نکل کر دوسرے کو بھی کھول دیا اور یہ محض خدا کی مہربانی اور نیت کا پھل تھا۔ پھر ہم نے نشانِ قدم پر چلنا شروع کیا اور تیرے پاس پہنچ گئے۔ یہ سن کر اس نے اُن کا شکریہ ادا کیا اور انھیں ساتھ لے کر جھاڑی کے باہر آیا۔ جب وہ جھاڑی سے نکلے تو ان دونوں نے کہا کہ چچا ہمارے باپ کے حکم کی تعمیل کر۔ اس نے کہا کہ خدا نہ کرے کہ میں تمھیں نقصان پہنچاؤں۔ لیکن میں تمھارے کپڑے اتار کر تمھیں دوسرے کپڑے پہنا دوں گا اور دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر کر تمھارے باپ کے پاس جاؤں گا اور اس سے کہوں گا کہ میں نے انھیں قتل کر دیا ہے اور تم یہاں سے جدھر تمھارے سینگ سمائیں چلے جاؤ۔ خدا کی زمین وسیع ہے حالانکہ تمھاری جدائی مجھ پر شاق گزرے گی۔ یہ کہہ کر خزانچی رونے لگا اور اس کے ساتھ

دونوں لڑکے بھی رونے لگے۔ خزانچی نے ان کے کپڑے اتار کر انھیں دوسرے کپڑے پہنا دیے اور ان کپڑوں کو دو گٹھریوں میں باندھ کر دو بوتلوں میں شیر کا خون بھر گٹھریوں کو گھوڑے پر اپنے آگے رکھا اور اُن دونوں سے رخصت ہو کر شہر کی طرف بادشاہ کے پاس روانہ ہوگیا۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اُس کے تخت کو بوسہ دیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ اس کی حالت دگرگوں ہے جو شیر کی وجہ سے تھی خیال کیا کہ یہ میرے بیٹوں کے قتل کرنے کی وجہ سے ہے۔ وہ خوش ہو کر کہنے لگا کہ کیا تو اپنا کام پورا کر آیا؟ خزانچی نے عرض کیا اے میرے آقا ہاں۔ اور وہ دونوں گٹھریاں جن میں کپڑے تھے اور دونوں بوتلیں جن میں خون تھا پیش کیں۔ بادشاہ نے پوچھا وہ کس حالت میں تھے اور آیا انھوں نے کوئی وصیت کی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ وہ اپنی مصیبت پر صابر و شاکر تھے اور مجھ سے کہتے تھے کہ ہمارا باپ معذور ہے۔ اسے ہمارا سلام دینا اور کہنا کہ تجھ پر ہم نے اپنا خون معاف کر دیا مگر یہ دو شعر ضرور سُنانا: "عورتیں شیطان ہیں جو ہمارے لیے پیدا کی گئی ہیں، شیطان کے مکر و فریب سے خدا بچائے! جتنی بلائیں لوگوں پر دین و دنیا کے متعلق آتی ہیں اُن کی جڑ یہی عورتیں ہیں۔" خزانچی کی یہ باتیں سُن کر بادشاہ اپنا سر دیر تک جھکائے رہا اور اُسے معلوم ہوگیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ میرے بیٹے ناحق مارے گئے۔ وہ دیر تک عورتوں کے مکر و فریب اور دغا بازی کا تصور کرتا رہا۔ بعد ازاں دونوں گٹھریاں لے کر کھولیں، کپڑوں کو اُلٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔ شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چھبیسویں رات

دو سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ قمرالزماں بادشاہ

دونوں گٹھریوں کو کھول کر کپڑوں کو اُلٹنے پلٹنے اور رونے لگا۔ جب اس نے اپنے بیٹے اسعد کے کپڑے کھولے تو اس کی جیب میں اُسے اپنی بیوی بدوہ کے قلم کا لکھا ہوا ایک رقعہ ملا جس میں اس کے بالوں کی ایک لٹ بھی تھی۔ خط کھول کر اس نے پڑھا تو اُسے معلوم ہو گیا کہ اس کا بیٹا اسعد مظلوم تھا۔ پھر اس نے امجد کا بقچہ کھولا اس کی جیب میں اپنی دوسری بیوی حیات النفوس کے ہاتھ کی تحریر پائی اسی طرح بالوں میں لپٹی ہوئی۔ یہ لکھوں کر پڑھا تو سر پیٹ لیا۔ اسے یقین آگیا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ دونوں بیٹے ناحق مارے گئے۔ اب تو ہاتھ مل مل کر روتا اور کہتا۔ ہائے میرے بیٹو۔ تم پر ایک باپ نے ظلم کیا! ہائے ہائے یہ قیامت ہوئی!!! اور اُس نے حکم دیا کہ دو قبریں ایک ہی جگہ بنائی جائیں۔ قبریں بنوا کر ایک مقبرہ بنوایا اور بیت الاحزان اس کا نام رکھا، ان پر اپنے دونوں بیٹوں کا نام لکھا اور کبھی امجد کی قبر پر گر گر کر روتا فریاد کرتا۔ کبھی اسعد کی قبر پر لوٹتا اور پچھاڑیں کھاتا۔ بادشاہ کی آہ و فریاد روزانہ بڑھتی جاتی یہاں تک کہ اس نے امیروں، وزیروں، دوست، آشناؤں سے ملنا ترک کر دیا۔ دربار و محلات سب سے ہاتھ اُٹھالیا، بیویوں سے بھی کنارہ کشی کر لی۔ بیت الاحزان میں اکیلا بیٹھا اپنے بیٹوں پر رویا کرتا۔ بادشاہ کو تو یہاں۔۔۔ چھوڑیے اور اب امجد اور اسعد کا قصہ سُنیے۔ ایک مہینے تک وہ پھل کھاتے اور گڑھوں میں سے بارش کا پانی پیتے ہوئے صحرا بہ صحرا چلا کیے۔ چلتے چلتے آخر ایک پہاڑ کے پاس پہنچے جو کالے چقماق کا تھا۔ پہاڑ کی اونچائی اور لمبائی اللہ ہی کو معلوم تھی۔ یہاں سے دو راستے نکلتے تھے، ایک تو پہاڑ کو کاٹ کر بیچ میں سے گیا تھا اور دوسرا پہاڑ کے اوپر کی طرف۔ وہ پہاڑ کے اوپر والے راستے پر ہو لیے۔ پانچ دن تک برابر چڑھتے چلے گئے لیکن اس کی انتہا نظر نہ آئی نہ وہ کبھی اتنا چلے تھے نہ انھیں پیدل چلنے کی عادت تھی۔ پھر پہاڑ کی چڑھائی اور منزل لاپتا۔ جب انھیں اس راستے کے آخر تک پہنچنے سے ناامیدی ہو گئی

تو وہ لوٹ پڑے اور اس راستے پر روانہ ہوئے جو پہاڑ کے بیچ میں سے ہو کر جاتا تھا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چھبیسویں رات

جب دوسو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ قمرالزماں کے دونوں بیٹے امجد اور اسعد پہاڑ پر جانے والے راستے سے اتر کر بیچ کے راستے پر ہولیے اور دن بھر چلتے رہے یہاں تک کہ رات ہوگئی۔ اسعد چلتے چلتے تھک گیا تھا۔ اپنے بھائی سے کہنے لگا بھائی اب مجھ میں چلنے کی سکت نہیں رہی، میں بہت کمزور ہوگیا ہوں۔ امجد بولا بھائی ذرا اور ہمت کر ممکن ہے کہ خدا ہماری مصیبت دُور کر دے۔ اس کے بعد وہ ایک پہر رات اور چلتے رہے۔ آخر اندھیرے نے چاروں طرف سے گھیر لیا اور اسعد کی ٹانگیں لڑکھڑانے لگیں وہ کہنے لگا بھائی میری حالت بہت خراب ہے، میں ایک قدم نہیں چل سکتا اور یہ کہتے کہتے وہ زمین پر گر پڑا اور رونے لگا۔ امجد نے اُسے تسلی دی اُٹھا کر اپنی پیٹھ پر لاد لیا اور آگے بڑھا چلا اور پھر تھوڑی دیر تک بیٹھ کر سستاتا حتیٰ کہ سویرا ہونے لگا سامنے دیکھا کہ پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک انار کا درخت اور ایک محراب ہے۔ انھیں اس بات کا یقین نہ آتا تھا کہ یہ چیزیں واقعی وہاں ہیں بہرحال انھوں نے چشمے کے پاس بیٹھ کر پانی پیا اور درخت سے انار توڑ کر کھائے اور وہیں سو گئے جب سورج اچھی طرح نکل آیا تو وہ اُٹھ بیٹھے۔ چشمے میں غسل کیا، دماغ کو فرحت ہوئی۔ کھانے کو جو کیا تھا وہی انار کھا کر پھر سو گئے اور عصر کے وقت تک سوتے رہے جب آنکھ کھلی اور انھوں نے چلنے کا ارادہ کیا تو اسعد چلنے سے معذور نکلا کیونکہ اس کے پاؤ

سوُج گئے تھے اس لیے وہ وہاں تین دن تک آرام کرنے کے لیے ٹھیرے رہے۔ پھر وہ کئی دن برابر چڑھائی پر چلتے رہے۔ یہ پہاڑ بالکل چٹیل تھے نہ کوئی درخت نہ کہیں آب شار، مارے پیاس کے اُن کی بُری حالت تھی۔ آخرکار انھیں دامنِ کوہ میں دور سے ایک شہر دکھائی دیا اور وہ خوش ہو کر اس کی طرف اُترنے لگے۔ قریب پہنچے تو خدا کا شکریہ ادا کیا اور امجد اسعد سے کہنے لگا بھائی تو یہیں ٹھیر جائیں اس شہر میں جاکر دیکھتا ہوں کہ وہ آباد ہی یا اُجڑ اور کیسے لوگ اس میں رہتے ہیں، کون یہاں کا بادشاہ ہی اور ہم اس وقت خدا کی وسیع زمین پر کس جگہ ہیں اور اس پہاڑ کی لمبائی چوڑائی میں ہم نے کتنی مسافت طے کی۔ اگر ہم اس پہاڑ کے دامن دامن چلتے تو ایک سال میں بھی اس شہر تک نہ پہنچتے شکر ہی خدا کا کہ ہم صحیح و سلامت انسانوں کی بستی تک تو آ پہنچے۔ اسعد بولا کہ اچھا اب تو یہاں ٹھیر میں جاکر دیکھوں۔ دونوں میں بحث ہونے لگی وہ کہتا میں جاؤں وہ کہتا میں۔ انجام کار امجد نے کہا کہ اچھا تو ہی جا مگر دیر نہ لگائیو۔ اسعد اپنے ساتھ کچھ دینار لے کر چلا اور اُس کا بھائی اکیلا بیٹھ کر اس کی راہ دیکھنے لگا۔ اسعد شہر میں پہنچ گیا اور اُس کی گلیوں میں پھرنے لگا۔ راہ میں اُسے ایک شخص ملا جو بہت بوڑھا تھا اس کی ڈاڑھی اس کے سینے تک لمبی تھی اور دو حصّوں میں تقسیم کی ہوئی۔ اُس کے ہاتھ میں ایک عصا تھا، اُس کے کپڑے نہایت قیمتی تھے اور سر پر لال رنگ کا چھینٹا بندھا ہوا، اس کا لباس اور انداز دیکھ کر اسعد کو تعجب ہوا اس نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور پوچھا ای میرے آقا بازار کا راستہ کون سا ہی؟ یہ سُن کر بوڑھا مسکرایا اور کہنے لگا بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہی کہ تو پردیسی ہی۔ اسعد نے کہا ہاں میں پردیسی ہوں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ستائیسویں رات

دو سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک دل بادشاہ! بوڑھا اسعد کو دیکھ کر مسکرایا اور کہنے لگا کہ بیٹا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو پردیسی ہے۔ اسعد بولا ہاں میں پردیسی ہوں۔ بوڑھے نے کہا کہ تو نے اپنے وطن کو اجاڑ کر ہمارے وطن کو آباد کیا ہے، تجھے بازار کی کیوں تلاش ہے؟ اسعد نے کہا کہ چچا میرا ایک بھائی ہے جس کو میں پہاڑ پر چھوڑ آیا ہوں ہم دونوں بہت دور سے تین مہینے کا سفر کر کے اس شہر تک پہنچے ہیں۔ میں اپنے بڑے بھائی کو وہاں چھوڑ کر اس لیے یہاں آیا ہوں کہ کچھ کھانا وغیرہ لے کر اس کے پاس جاؤں اور ہم دونوں کھائیں۔ بوڑھے نے کہا کہ بیٹا، خوش ہو کہ تیرے آگے بھلائی ہی بھلائی ہے کیونکہ میرے ہاں آج دعوت ہے اور بہت سے مہمان آئے ہوئے ہیں میں نے ایسے عمدہ عمدہ کھانے تیار کرائے ہیں جن کے کھانے کو جی للچائے۔ اگر تو میرے ساتھ چلے تو جو تو چاہے گا میں دوں گا اور تجھ سے اس شہر کا قصہ بھی بیان کروں گا۔ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ تو میرے ہاتھ پڑا کسی اور کے نہیں۔ اسعد نے کہا کہ جو تیری مرضی ہو کر، مگر دیر نہ کر کیونکہ میرا بھائی میری راہ دیکھ رہا ہوگا اور اس کا جی مجھ ہی میں لگا ہوگا۔ بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک تنگ گلی کی طرف مڑا اور کہتا جاتا تھا کہ پاک ہے وہ ذات جس نے تجھے اس شہر والوں سے نجات دی۔ چلتے چلتے وہ ایک وسیع مکان میں پہنچا جس کے اندر چالیس بوڑھے بیٹھے دیکھے جو ایک جلتی ہوئی آگ کے گرد حلقہ باندھے اس کی عبادت اور اس کے آگے سجدہ کر رہے تھے۔ اس نظارے سے مارے ڈر کے اسعد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ یہ لوگ کون ہیں۔ بوڑھے نے ان لوگوں کو پکار کر کہا کہ اے آگ کے پجاری، پرستارو، آج کا دن بڑا مبارک ہے! پھر اس نے اے غضبان! کہہ کر زور سے آواز دی۔ آواز سن کر ایک کالا بھجنگ لمبا تڑنگا غلام آیا۔ اس کی شکل

ڈراؤنی تھی، تیور چڑھے ہوئے اور ناک لگی ہوئی۔ بڑھے نے غلام کو اشارہ کیا اور اس نے اسعد کی پشت پھیر کر اس کی مشکیں باندھ دیں۔ اس کے بعد بوڑھے نے کہا کہ اسے تہ خانے میں لے جا کر چھوڑ آ اور فلاں لونڈی سے کہہ کہ اسے دن رات سزا دے۔ غلام اسے تہ خانے میں لے جا کر لونڈی کے سپرد کر آیا۔ وہ لونڈی اسے مارتی اور ایک روٹی صبح ایک شام کھانے کو دیتی اور ایک ایک کوزہ دونوں وقت کھاری پانی کا۔ اب وہ بوڑھے آپس میں کہنے لگے کہ جب آگ کی عید ہوگی تو ہم اسے پہاڑ پر ذبح کر کے آگ کے بھینٹ چڑھائیں گے۔ لونڈی اتر کر اس کے پاس گئی، اُسے اتنا مارا کہ اس کے پہلوؤں سے خون بہنے لگا، وہ بے ہوش ہوگیا اور پھر اُس کے پاس ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر چلتی ہوئی۔ آدھی رات کے وقت جب اسعد کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کے بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں اور اتنی مار پڑی ہے کہ بدن کی ساری ہڈیاں دکھ رہی ہیں وہ زار زار رونے لگا اور اُسے اپنی پہلی عزت اور راحتِ حکومت اور شان و شوکت اور باپ کی جدائی کی یاد آگئی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اٹھائیسویں رات

جب دوسو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک دل بادشاہ جب اسعد نے دیکھا کہ وہ بیڑیوں سے جکڑا ہوا ہے اور اس پر مار پڑی ہے جس سے اس کے بدن میں درد ہے تو وہ اپنے گزشتہ عیش و راحت، حکومت اور شان و شوکت کو یاد کر کے رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ روتے روتے سر کی طرف جو اس کا ہاتھ بڑھا تو اسے وہاں ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا ملا اس نے دو چار نوالے کھائے تاکہ

سانس چلتا رہے اور تھوڑا سا پانی پیا مگر گھٹنوں اور جوڑوں کی وجہ سے اُسے رات بھر
نیند نہ آئی سویرا ہوا تو وہ لونڈی اس کے پاس آئی اور اس نے اس کے کپڑے بدلے
جو خون میں ڈوبے ہوئے تھے اور اس کے بدن سے چپک گئے تھے قمیص کے ساتھ
اس کی کھال بھی اُتر آئی۔ بلبلا اٹھا اور کہنے لگا خداوندا اگر تو اس میں خوش ہو تو مجھے
اور زیادہ سزا دے پروردگار تو اس بات سے بے خبر نہیں ہو کہ کس نے مجھ پر ظلم کیا۔ لہٰذا
اس سے میرا بدلہ لے۔ یہ کہہ کر وہ پھر چلّانے لگا اور لونڈی نے پھر مارنا شروع کیا اور اتنا مارا
کہ اُسے غش آگیا اور ایک روٹی اور ایک کوزہ کھاری پانی کا رکھ کر اس کے پاس سے چلی گئی۔
اس کے بدن سے خون بہہ رہا تھا۔ ہاتھ پاؤں زنجیروں سے کسے ہوئے تھے۔ وطن سے
دُور، احباب سے الگ، اور یہ مصیبت، نہ رفتا تو آہ کیا کرتا۔ بھائی کی یاد نے اس کو اور
بھی زیادہ بے چین کر دیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند
کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اٹھتیسویں رات

جب دوسو اٹھتیسویں رات آئی تو اس نے کہا، ی نیک نہاد بادشاہ! اسعد کو اپنے
بھائی کی یاد آئی تو زیادہ تڑپنے، آہیں بھرنے اور آہ و بکا کرنے لگا۔ اس کے آنسو جاری
تھے۔ اور وہ اپنی موجودہ حالت پر غور کر کے بھائی کی جُدائی میں بے قرار تھا۔ ادھر یہ
مصیبت میں مبتلا اُدھر اُس کے بھائی امجد کی آنکھیں راہ تکتے تکتے دکھی جاتی تھیں
جب دوپہر ہوگئی اور وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ جدائی کی تکلیف
اور زیادہ بڑھ گئی؛ بے تحاشا آنسو بہنے لگے۔ شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے
وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسوتیسویں رات

دوسوتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک بخت بادشاہ! امجد اپنے بھائی اسعد کی راہ دوپہر تک دیکھتا رہا جب وہ نہ لوٹا تو اس کا دل دھڑکنے لگا اور جدائی کا صدمہ دوبالا ہوگیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور اس نے چلّاکر کہا کہ ہائے میرا بھائی ہائے میرا ساتھی واویلا! یہ جدائی کس قدر مصیبت ناک ہے! اب وہ روتا ہوا پہاڑ پر سے اترا اور شہر میں داخل ہوا اور پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے اور اس کے رہنے والے کون لوگ ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اس کا نام مدینۃ المجوس ہے اور بادشاہ کے سوا تمام باشندے آگ کی پرستش کرتے ہیں پھر اس نے مدینۃ الآبنوس کے متعلق دریافت کیا وہ بولے کہ مدینۃ الآبنوس یہاں سے خشکی کے راستے ایک سال کی راہ ہے اور پانی سے چھ مہینے کی۔ وہاں کے بادشاہ کا نام ارمانوس ہے۔ اس نے ایک شہزادے کو اپنا داماد بناکر اپنے تخت پر بٹھا دیا ہے۔ اس بادشاہ کا نام قمرالزماں ہے اور وہ بڑا منصف مزاج ہے اور لوگوں کے ساتھ احسان اور بخشش کرتا اور انھیں امن وامان سے رکھتا ہے۔ جب امجد نے اپنے باپ کا نام سنا تو وہ رونے اور آہیں بھرنے اور فریاد کرنے لگا۔ اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ بالآخر اس نے کچھ کھانا پینا خریدا اور ایک کنارے جاکر بیٹھ گیا۔ کھانے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ اسے اپنے بھائی کی یاد آگئی ہچکیاں لے لے کر رونے لگا اور زبردستی ایک دو لقمے حلق سے اتارلیے تاکہ جان نہ نکل جائے اور اپنے بھائی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھرنا شروع کیا۔ اتنے میں اسے ایک مسلمان درزی دکھائی دیا۔ اس کی دکان پر بیٹھ کر اس نے اپنا قصہ بیان کیا۔ درزی نے کہا کہ اگر تیرا بھائی کسی آتش پرست کے ہاتھ پڑگیا ہے تو اس کا ملنا مشکل ہے۔ خدا تم دونوں کو ملادے! پھر اس نے کہا کہ بھائی اگر تیرا جی چاہے تو میرے گھر میں رہ۔ امجد رضامند

ہو گیا۔ درزی کو بہت ہی خوشی ہوئی۔ اب شہزادہ درزی کے ساتھ رہنے لگا۔ وہ اس کی تسلی تشفی کرتا، صبر دلاتا اور سینے پرونے کی تعلیم بھی دیتا۔

ایک روز امجد نے دریا کے کنارے جا کر اپنے کپڑے دھوئے اور حمام میں غسل کر کے صاف ستھرا ہو کر شہر کی سیر کرنے لگا۔ راستے میں اُسے ایک نہایت حسین و جمیل عورت ملی جس کا قد اور ناک نقشہ لاجواب تھا۔ جب عورت کی نظر اس پر پڑی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی۔ بھووں اور ہونٹوں سے اشارے کرنے اور آنکھیں مارنے لگی۔ اس کی اشارہ بازیوں پر امجد کا دل بھی آ گیا اور طبیعت ادھر کھنچنے لگی۔ اس نے محبت سے اس کی طرف نظر کی۔ عورت نے ٹھنڈا سانس لیا۔ امجد کہنے لگا کہ تو میرے ساتھ چلے گی یا میں تیرے ساتھ چلوں؟ عورت نے مارے شرم کے اپنی آنکھیں نیچی کر لیں اور قرآن کی یہ آیت پڑھی کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔ امجد اس کا مقصد سمجھ گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اکتیسویں رات

دوسو اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! امجد اس عورت کا مقصد سمجھ گیا کہ وہ اس کے ساتھ چلنا چاہتی ہے۔ اب وہ مجبور ہوا کہ اس کے لیے کوئی مکان تلاش کرے کیونکہ وہ اُسے اپنے اُستاد درزی کے پاس لے جانے سے شرماتا تھا۔ وہ آگے آگے اور عورت پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ ایک گلی سے نکلتا دوسری گلی میں جاتا۔ کبھی اِدھر کبھی اُدھر۔ آخر اس کوچہ بہ کوچہ پھرنے میں وہ لڑکی تھک گئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا تیرا گھر کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی آتا ہے، ذرا صبر کر۔

یہ کہتا ہوا وہ ایک خوب صورت گلی میں مُڑا اور چلنے لگا لڑکی پیچھے پیچھے ہولی یہاں تک کہ وہ گلی بھی ختم ہو گئی اور اس کے آگے کوئی راستہ نہ تھا۔ امجد اپنے دل میں لاحول پڑھنے لگا اور اس نے دیکھا کہ گلی کے آخر میں ایک بڑا دروازہ ہے جس کے آگے پتھر کی دو چوکیاں بنی ہوئی ہیں لیکن دروازہ بند ہے۔ ایک چوکی پر امجد بیٹھ گیا اور دوسری پر لڑکی۔ لڑکی بولی اے میرے آقا کس بات کا انتظار ہے؟ امجد نے سر نیچا کر لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا کہ میں اپنے غلام کی راہ دیکھ رہا ہوں کیونکہ کنجی اس کے پاس ہے میں اس سے کہہ گیا تھا کہ جب تک میں حمام سے نکلوں ہمارے لیے کھانے پینے اور مے نوشی کا سامان مہیا کیجیو۔ اس کے بعد وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب وہ بیٹھے بیٹھے تھک جائے گی تو اپنے آپ چلی جائے گی اور پھر میں بھی اپنی راہ لوں گا۔ بہت دیر ہو گئی تو لڑکی پوچھنے لگی اے میرے آقا، غلام نے بہت دیر لگائی اور ہم یہاں سڑک پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ تو کچھ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھی اور ایک پتھر لے کر قفل کے پاس پہنچی امجد نے کہا کہ جلدی مت کر، غلام کو آجانے دے۔ لیکن اس نے ایک نہ سُنی بلکہ قفل پر اس زور سے پتھر مارا کہ قفل کے دو ٹکڑے ہو گئے اور دروازہ کھُل گیا۔ امجد نے کہا کہ تو نے کیا سوچ کر ایسا کیا؟ وہ بولی کہ چل ہٹ آخر ہوا کیا! کیا یہ تیرا گھر اور تیری ملکیت نہیں ہے؟ امجد نے کہا کہ ہے لیکن قفل کے توڑنے کی کیا ضرورت تھی! لڑکی نے کچھ پروا نہ کی اور بے تکلف اندر چلی گئی۔ امجد حیران پریشان اور گھر والوں کا خوف کہ اگر آگئے تو کیا ہوگا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ لڑکی نے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور اور دل کے سرور اندر کیوں نہیں آتا؟ اس نے جواب دیا کہ ابھی حاضر ہوا لیکن غلام کم بخت نہ جانے کہاں مر گیا اور معلوم نہیں کہ میں نے جن باتوں کا حکم دیا تھا وہ اُس نے کیں یا نہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی لڑکی کے ساتھ ڈرتے ڈرتے پہنچا۔

جب وہ مکان کے اندر پہنچا تو اُسے وہاں ایک نفیس کمرہ نظر آیا جس میں آمنے سامنے

چار چوکیاں پڑی ہوئی تھیں اور صندوق رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ ریشم اور اطلس کا فرش تھا، بیچ میں ایک قیمتی فوارہ جس کے اردگرد جواہرات سے جڑی ہوئی سینیاں۔ ان سینیوں میں میوے اور خوشبوئیں بھری ہوئی تھیں اور اُن کے قریب مے نوشی کا سامان، پاس ہی ایک شمع دان تھا جس میں ایک شمع لگی ہوئی تھی۔ سارا کمرہ نفیس کپڑوں سے بھرا ہؤا تھا عمدہ عمدہ صندوق اور کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ ہر کرسی پر ایک بُغچہ تھا اور اس کے اُوپر درہموں اور دیناروں سے بھری ہوئی ایک ایک تھیلی۔ مکان کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کسی خوش حال شخص کا دولت کدہ ہے۔ کیونکہ اس کا فرش بھی مرمر کا تھا۔ امجد نے یہ ساری چیزیں دیکھیں تو وہ اپنے اوپر ملامت کرنے اور دل میں کہنے لگا کہ اب میری جان گئی۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ! لیکن لڑکی اس جگہ کو دیکھ کر بے حد خوش ہوگئی اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا غلام نے بالکل کوتاہی نہیں کی۔ اس نے مکان کو جھاڑ پونچھ کر کھانے لگانے اور میوے سجانے میں پورا سلیقہ کیا اور میں یہاں بڑے اچھے وقت پہنچی ہوں۔ امجد نے اس کی طرف بالکل توجہ نہ کی کیونکہ اُسے مکان والوں کا ڈر لگا ہؤا تھا۔ لڑکی نے کہا کہ اے میرے آقا، اے میرے دل کے مالک واہ وا! تو اس طرح کیوں کھڑا ہے؟ یہ کہہ کر وہ خوب قہقہا مار کر ہنسی اور اس نے امجد کا اس زور سے بوسہ لیا جیسے اخروٹ ٹوٹتا ہے اور کہنے لگی کہ اے میرے آقا اگر تُو نے کسی دوسرے سے وعدہ کیا ہے تو میں کمر باندھ کر اس کی خدمت کروں گی۔ اس فقرے پر امجد بھی ہنس پڑا لیکن اس کا دل غصے میں بھرا ہؤا تھا اور خاموش کچھ سوچنے لگا۔ اس کا سانس پھولا ہؤا تھا اور وہ اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ اگر مکان کا مالک آگیا تو میری جان کی خیر نہیں۔ لڑکی اس کے پاس آکر بیٹھ گئی اور اس کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے لگی۔ امجد کے چہرے سے رنج کے آثار نمودار تھے اور دل میں ہزاروں وسوسے۔ اس کو یہ سوچ تھا کہ مکان کا مالک ضرور

آتا ہوگا۔ میں اس سے کیا کہوں گا! وہ بلاشک مجھے مار ڈالے گا اور میری جان مفت میں جائے گی۔

اتنے میں لڑکی نے اپنی آستینیں چڑھائیں اور ایک خوان لے کر دسترخوان بچھایا اور کھانا کھانے لگی۔ امجد سے بھی کہا کہ اے میرے آقا کھا۔ امجد کھانے کے لیے آگے بڑھا لیکن کھانے کو اس کا جی نہ چاہا۔ اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی رہیں یہاں تک کہ لڑکی سیر ہوگئی اور دسترخوان بڑھا کر پھلوں کی سینی لے آئی اور پھل کھانے شروع کر دیے۔ اس کے بعد وہ شراب لائی اور صراحی کھول کر ایک جام بھرا اور امجد کو دیا۔ اس نے جام لے تو لیا لیکن اپنے دل میں کہہ رہا تھا کہ کہیں مکان کا مالک نہ آجائے اور مجھے نہ دیکھ لے۔ ہاتھ میں جام تھا اور آنکھیں آہٹ پہ لگی ہوئی۔ اسی حالت میں مکان کا مالک آپہنچا۔ وہ ایک غلام تھا شہر کا بڑا آدمی بادشاہ کے اصطبل کا داروغہ اور یہ گھر اس نے عیش اڑانے کے لیے رکھا تھا تاکہ جب چاہے وہاں آ کر دل بہلائے اور جس کے ساتھ چاہے تنہائی میں بیٹھے۔ آج اس نے اپنے ایک معشوق کو بلایا تھا اور اسی کے لیے مکان کی آراستگی کی تھی۔ اس غلام کا نام بہادر تھا۔ اس کی سخاوت مشہور تھی۔ لوگوں کے ساتھ بے حد فیاضی اور نیکی کے ساتھ پیش آتا۔ غریبوں کو خیرات دیتا اور احسان کرتا۔ جب وہ قریب آیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو بتیسویں رات

دو سو بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب گھر کا مالک اصطبل کا داروغہ بہادر دروازے کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ وہ کھلا ہوا ہے تو وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھا

اندر جھانکا تو کیا دیکھتا ہے کہ امجد اور لڑکی دونوں بیٹھے ہوئے ہیں ان کے آگے میووں کی سینی اور صراحی رکھی ہے۔ امجد نے ابھی پیالہ منہ کو نہیں لگایا تھا اس کی آنکھیں دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ اس کی نظر داروغہ بہادر پر پڑی۔ آنکھیں چار ہوتے ہی امجد کا رنگ فق ہو گیا، اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ ادھر بہادر بھی حیرت زدہ کچھ غصہ کچھ ہنسی۔ اس نے اپنے کو ضبط کر کے ہونٹوں پر انگلی رکھی اور اشارے سے کہا کہ چپ رہ اور میرے پاس آ۔ امجد نے پیالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ لڑکی نے پوچھا کہ کہاں؟ اس نے سر کے اشارے سے کہا کہ پیشاب کرنے اور دروازے کی طرف ننگے پاؤں روانہ ہوا جب اس نے بہادر کو دیکھا تو اسے یقین ہو گیا کہ یہی گھر کا مالک ہے اور جلدی سے اس کے پاس پہنچ کر اس نے بہادر کے ہاتھ چومے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا خدا کے لیے قبل اس کے کہ تو مجھے سزا دے میری بات سن لے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا کہ اس نے اپنا ملک و وطن کیونکر چھوڑا، نیز یہ کہ وہ اپنی مرضی سے مکان میں داخل نہیں ہوا بلکہ لڑکی نے قفل توڑ کر دروازہ کھول دیا اور یہ ساری کارروائی کی۔ امجد کی باتیں اور اس کی تمام روداد سننے کے بعد بہادر سمجھ گیا کہ وہ شاہ زادہ ہے۔ اسے اس پر ترس آیا اور رحم کھا کر اس نے کہا کہ امجد میری بات سن، میرا کہنا مان اور میں اس کا ذمہ لیتا ہوں کہ جس چیز سے تو ڈر رہا ہے اس سے میں تجھے امن و امان میں رکھوں گا۔ ہاں اگر تو نے میری بات نہ مانی تو پھر مجھ سے برا بھی کوئی نہیں۔ امجد نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے حکم دے میں اس کی تعمیل کروں گا کیونکہ میں تیری مروت کا آزاد بندہ ہوں۔ بہادر بولا کہ اچھا جا اسی کمرے میں بیٹھ جہاں تو بیٹھا تھا اور بے فکر رہ۔ میں ابھی تیرے پاس آؤں گا، میرا نام بہادر ہے۔ جب میں تیرے پاس پہنچوں تو تو مجھے برا بھلا کہیو اور ڈانٹیو ڈپٹیو اور کہیو کہ تو اب تک کہاں غائب رہا اور میرا کوئی عذر نہ سنیو بلکہ اٹھ کر مجھے ماریو۔ اگر تو نے ذرا

بھی لحاظ کیا تو میں تجھے بے مارے نہ چھوڑوں گا۔ اب اندر جا اور مزے اُڑا بلکہ تجھے اور جس چیز کی خواہش ہو گی وہ میں تیرے لیے فوراً حاضر کر دوں گا۔ آج رات جس طرح تیرا جی چاہے گزار اور کل صبح اپنی راہ لیجیو۔ یہ اس وجہ سے کہ تو پردیسی ہے اور میں پردیسیوں سے محبت کرتا اور ان کی عزت کرتا ہوں۔

یہ سن کر امجد نے اُس کے ہاتھ کو بوسہ دیا اور اندر گیا۔ اس کا چہرہ خوشی سے کھلا ہوا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی اس نے لڑکی سے کہا کہ اے حسینہ تو اس جگہ خوشی لے کر آئی ہے اور آج کی رات مبارک ہے۔ لڑکی بولی کہ یہ عجیب بات ہے کہ اب تو میرا خیر مقدم کر رہا ہے۔ امجد نے کہا میرا گمان تھا کہ غلام میرے ہیرے کے ہار لے کر کہیں چمپت نہ ہو گیا ہو جس میں سے ہر ایک کی قیمت دس دس ہزار دینار ہے۔ اسی لیے میرے حواس درست نہ تھے اور اسی کی تلاش میں ابھی میں باہر گیا تھا۔ لیکن جستجو کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ سب موجود ہیں۔ نہ معلوم غلام نے اتنی دیر کیوں لگائی، خیر آ جائے میں اُسے ضرور سزا دوں گا۔ امجد کی باتیں سن کر لڑکی کو اطمینان ہوا اور دونوں ہنسی مذاق کرنے اور شراب پینے اور گل چھرے اُڑانے لگے۔ مغرب کا وقت ہوا تو بہادر کپڑے بدل کر سے پٹکا باندھ اور وہ جوتے پہن کر جو غلام پہنا کرتے ہیں ان کے پاس آیا اور سلام کر کے زمین چومی اور ہاتھ پیچھے باندھ کر سر جھکا لیا گویا وہ اپنے جرم کا اقرار کرتا ہے۔ امجد نے غصے سے اس کی طرف دیکھا اور کہا کہ اے منحوس ترین غلام تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا کہ اے میرے آقا میں اپنے کپڑے دھو رہا تھا مجھے خبر نہ تھی کہ تو یہاں ہے کیونکہ تو نے مجھے عشا کا وقت دیا تھا۔ امجد اُسے ڈانٹ کر بولا اے منحوس ترین غلام تو جھوٹا ہے میں ابھی تیرے ڈنڈے لگاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور اس نے بہادر کو زمین پر لٹایا اور ڈنڈا لے کر اُسے آہستہ آہستہ مارنے لگا۔ یہ دیکھ کر لڑکی اٹھی اور امجد کے ہاتھ سے ڈنڈا لے کر بہادر کو اتنے زور سے مارنے لگی

کہ مارے تکلیف کے اُس کے آنسو نکل پڑے اور دہائی مانگنے اور دانت پیسنے لگا۔ امجد لڑکی کو ڈانٹتا تھا کہ بس کر اور وہ کہتی تھی کہ مجھے اپنا غصہ اتار لینے دے۔ بالآخر امجد نے ڈنڈا اس کے ہاتھ سے چھین کر پھینک دیا۔ بہادر نے اُٹھ کر اپنے آنسو پونچھے اور اور تھوڑی دیر تک ان دونوں کی خدمت میں کھڑے رہنے کے بعد کمرے کو جھاڑا پونچھا اور قندیلیں جلائیں جب بہادر اندر آتا یا باہر جاتا تو لڑکی اُسے لعنت ملامت کرتی مگر امجد اس پر ناراض ہوتا اور کہتا کہ خدا کے لیے میرے غلام کو مت چھیڑ کیونکہ اُسے اس کی عادت کی عادت نہیں۔ اس کے بعد وہ دونوں کھانے پینے میں مشغول ہو گئے اور بہادر ان کی خدمت میں کھڑا رہا۔ جب آدھی رات ہو گئی اور وہ خدمت کرتے کرتے تھک گیا اس کے بدن کی جوئیں بھی کسکنے لگی تھیں تو وہ بیچ کمرے میں سو گیا اور خراٹے لینے لگا اتنے میں لڑکی کو نشہ چڑھ چکا تھا اس نے امجد سے کہا کہ اُٹھ اور اس تلوار کو لے کر جو لٹکی ہوئی ہے اس غلام کی گردن اڑا دے۔ اگر تو ایسا نہ کرے گا تو میں تجھے جان سے مار ڈالوں گی۔ امجد نے کہا کہ آخر تو میرے غلام کی جان کے پیچھے کیوں پڑی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ بغیر اسے قتل کیے ہمیں پورا مزہ نہ آئے گا۔ اگر تو نہیں اُٹھتا تو میں اُٹھ کر اُسے قتل کیے دیتی ہوں۔

امجد نے کہا کہ خدا کے لیے ایسا مت کر۔ اس نے کہا کہ یہ تو میں کر کے چھوڑوں گی۔ روکتے روکتے اس نے تلوار اُتار لی اور سونت کر غلام کو قتل کرنے چلی۔ امجد نے اپنے دل میں کہا کہ اس شخص نے ہم پر احسان کیے ہیں، ہماری پردہ پوشی کی ہے اور اپنے آپ کو میرا غلام ظاہر کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں نیکی کے بدلے بدی کروں اور اس کا خون اپنی گردن پر لوں۔ یہ سوچتے ہوئے وہ لڑکی سے بولا اگر غلام کو قتل کرنا ہی ہے تو تجھ سے زیادہ میں اس کا مستحق ہوں۔ یہ کہہ کر اس نے لڑکی کے ہاتھ سے تلوار لے لی اور لڑکی کی گردن پر اس زور سے ہاتھ مارا کہ اس کا سر تن سے جدا ہو کر مالک مکان

کے قریب جا گرا۔ دھماکے سے اُس کی آنکھ کھل گئی وہ اُٹھ بیٹھا اور دیکھا کہ آمجد کھڑا ہوا ہے اور خون میں رنگی ہوئی تلوار اُس کے ہاتھ میں ہے۔ جب اس کی نظر لڑکی پر پڑی تو اُسے مُردہ پایا گھبرا کر پوچھا کہ ظالم یہ تو نے کیا حرکت کی۔ آمجد نے لڑکی کا سارا قصہ دُہرایا اور کہا کہ وہ تیرے قتل سے باز نہ آتی تھی ایسی ناسزا کی یہی سزا ہے۔ بہادر نے آمجد کے سر کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا کاش تو نے اُسے معاف کر دیا ہوتا! اب سوائے اس کے اور چارہ نہیں کہ صبح سے پہلے اس کی لاش کہیں پھینک دی جائے۔ یہ کہہ کر بہادر نے کمر کسی لڑکی کی لاش عبا میں لپیٹی پھر اُسے ایک تھیلے میں رکھ کر اپنی پیٹھ پر لادا اور آمجد سے بولا کہ تو تو پردیسی ہے اور کسی سے واقف نہیں لہذا یہیں بیٹھ کر صبح تک میرا انتظار کر۔ اگر میں واپس آگیا تو تجھے ضرور مالا مال کر دوں گا اور تیرے بھائی کا پتا لگانے میں کوشش کروں گا اور اگر سورج نکلے تک میں نہ لوٹا تو جان لیجیو کہ میرا کام تمام ہو گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اور یہ سب مال و دولت تیری ملکیت ہے۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور گلیوں میں سے گزرتا سمندر کی طرف چلا تاکہ اُسے پانی میں ڈبو دے۔ سمندر کے قریب پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ والی اور اُس کے سپاہیوں نے چاروں طرف سے آگھیرا۔ وہ بہادر کو پہچان کر حیران رہ گئے لیکن تھیلے کو کھول کر دیکھا تو اس میں ایک عورت کی لاش پائی۔ اب کیا تھا انھوں نے اس کو گرفتار کر لیا اور رات بھر قید میں رکھا۔ صبح ہوئی تو وہ اُسے اور تھیلے کو بجنسہٖ لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ تیش میں آگیا اور اس سے کہنے لگا کہ مردود کیا تو ہمیشہ یہی کام کرتا ہے کہ لوگوں کو قتل کر کے سمندر میں ڈال آتا ہے اور ان کا مال و دولت لے لیتا ہے؟ نہ جانے اس طرح تو نے کتنوں کو قتل کیا ہو گا؟ بہادر نے اپنا سر نیچا کر لیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو تینتیسویں رات

جب دوسو تینتیسویں رات آئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بہادر نے بادشاہ کے سامنے سر جھکا لیا اور بادشاہ نے کہا کہ مردود اس لڑکی کو کس نے قتل کیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مالک میں نے قتل کیا ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ پھر تو بادشاہ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور اس نے فوراً اُسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ بادشاہ کا حکم صادر ہوتے ہی جلاد اُسے قتل گاہ کی طرف لے چلا اور والی شاہی اصطبل کے داروغہ بہادر کے مارے جانے کی خوشی میں شہر کی سڑکوں پر ڈھنڈورا پٹوانے اور اس کی تشہیر کے درپے ہوا۔

یہ تو بہادر کا ماجرا ہوا۔ اب آمجد کا حال سنو۔ جب سویرا ہو گیا، سورج نکل آیا اور بہادر نہیں لوٹا تو وہ کہنے لگا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ خدا جانے اس پر کیا گزری اور وہ کس حالت میں ہے! وہ اسی سوچ میں تھا کہ اُس نے بہادر کے متعلق ڈھنڈورا سنا کہ وہ آج دوپہر کو پھانسی چڑھے گا۔ یہ سنتے ہی آمجد کے آنسو جاری ہو گئے اس نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَیْهِ رَاجِعُوْن! وہ ناحق میری وجہ سے ہلاک ہو رہا ہے اس لڑکی کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ واللہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اور دل میں بہادر کے بچانے کا پکا ارادہ کر وہ کمرے سے نکلا اور گھر میں قفل ڈال کر شہر میں ہوتا ہوا بہادر کے پاس پہنچا اور والی کے سامنے کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے میرے آقا بہادر کو قتل مت کر کیونکہ وہ بے جرم ہے۔ اس لڑکی کا قاتل میں ہوں۔ یہ سن کر والی اُسے اور بہادر کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور جو کچھ آمجد سے سنا تھا کہہ سنایا۔ بادشاہ نے آمجد کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو نے اس لڑکی کو قتل کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ لڑکی کو قتل کرنے کا سبب بتا مگر سچ کہیو۔ اس نے کہا کہ اے

بادشاہ میرا ماجرا اتنا عجیب و غریب ہی کہ اگر اُسے سوئیوں سے آنکھوں کے پردوں پر لکھا جائے تو لوگ اس سے سبق حاصل کریں گے۔ یہ کہہ کر اُس نے بادشاہ سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ اس پر اور اس کے بھائی پر گزری تھی اوّل سے لے کر آخر تک کہہ سنایا۔ بادشاہ سخت متعجب ہوا اور اُس سے کہنے لگا کہ تو بے جرم ہی۔ لیکن ای جوان کیا تو میرا وزیر بننا چاہتا ہی؟ امجد نے جواب دیا کہ بسر و چشم۔ اب بادشاہ نے اُسے اور بہادر کو عمدہ عمدہ خلعت دیے اور رہایش کے لیے اُسے ایک خوبصورت مکان اور نوکر چاکر عنایت کیے۔ اس کی ضرورت کے سارے سامان کیے۔ اُس کی تنخواہ اور روزینہ مقرر کر دیا اور اس سے کہا کہ اپنے بھائی اسعد کا پتا چلا۔ امجد وزیر کی کرسی پر بیٹھا، نئے نئے احکام جاری اور عدل کے ساتھ فیصلے کرنے لگا۔ کسی کو رتبہ دیا اور کسی کو معزول کیا، کسی کا مال ضبط کیا اور کسی کو عطا کیا اور اپنے بھائی اسعد کے متعلق شہر کے گلی کوچوں میں ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ ڈھنڈورا ایک مدت تک پٹتا رہا مگر اس کا نہ کہیں پتا چلا نہ کوئی سراغ لگا۔

یہ تو امجد کی سرگزشت ہوئی اب اسعد کی داستان سُنیے۔ آتش پرست اُسے دن رات مارتے پیٹتے یہاں تک کہ ایک سال گزر گیا اور مجوسیوں کی عید کا زمانا آگیا آتش پرست بہرام نے سفر کی تیاری کی اور ایک کشتی کا انتظام کیا۔ اتنے میں شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چونتیسویں رات

دو سو چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ آتش پرست بہرام نے سفر کے لیے کشتی تیار کر لی تو اسعد کو ایک صندوق میں بند کیا اور اس میں قفل ڈال کر اُسے کشتی کے اندر لے گیا۔ جس وقت بہرام اسعد کو صندوق میں بند کر کے کشتی

میں لے جا رہا تھا اتفاقاً امجد اپنے جھروکوں سے سمندر کی سیر کر رہا تھا اس نے دیکھا کہ کچھ لوگ کشتی میں سامان لے جا رہے ہیں۔ اُس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کا گھوڑا لائیں، وہ سوار ہوا اور اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے سمندر کی طرف چل کھڑا ہوا اور آتش پرست کی کشتی کے پاس کھڑے ہو کر اپنے آدمیوں کو حکم دیا کہ کشتی کے سامان کی تلاشی لیں۔ لیکن تلاشی میں کوئی چیز قابلِ اعتراض نہ ملی اور امجد واپس لوٹ آیا۔ راستے میں پھر کچھ خیال آیا اور اس آتش پرست کے مکان پر گیا وہاں پہنچ کر پھر اس کے دل میں ایک قسم کی بے چینی سی معلوم ہوئی اور ایک جگہ مکان کی دیوار پر یہ دو شعر لکھے ہوئے دیکھے: "دوستو اگرچہ تم میری آنکھوں کے آگے نہیں لیکن تم میرے دل سے غائب نہیں ہو۔ تم نے مجھے بیکسی کی حالت میں چھوڑ دیا ہے میرا سونا سوگند ہو گیا ہے اور خود تم سو رہے ہو۔" یہ پڑھ کر امجد کو اپنے بھائی کی یاد آگئی اور وہ رونے لگا۔

اس کو یہاں چھوڑ کر اب آتش پرست بہرام کا ماجرا سنیے۔ اس نے کشتی پر سوار ہو کر ملاحوں سے کہا کہ جلدی سے بادبان کھولو۔ بادبان کھول دیے گئے اور کشتی روانہ ہوئی۔ کئی دن اور رات چلتے رہے۔ آتش پرست ہر دوسرے دن اسعد کو نکالتا اور اُسے تھوڑا سا کھانا کھلا کر تھوڑا سا پانی پلا دیتا آخر وہ آتش فشاں پہاڑ کے پاس پہنچ گئے۔ کنارہ ابھی دور تھا کہ طوفان آ گیا اور کشتی راہ سے بے راہ ہو گئی اور جہاں وہ جانا چاہتے تھے اس سے ہٹ گئے کشتی موجوں کے تھپیڑے کھاتی ہوئی دوسرے سمندر میں جا نکلی اور لبِ ساحل ایک شہر پر جا لگی جس کے قلعے کی کھڑکیاں سمندر کی طرف تھیں۔ اس شہر پر ایک عورت حکمراں تھی، جس کا نام ملکہ مرجانہ تھا۔ ناخدا نے بہرام سے کہا کہ اے میرے آقا ہم راستے سے بھٹک گئے ہیں اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم اس شہر میں جا کر آرام کریں۔ اس کے بعد جو خدا کو منظور ہو گا۔ بہرام نے کہا کہ جو کچھ تو نے کیا ٹھیک کیا اور جو تیری رائے ہے درست ہے اور میں تیری ہی رائے کے موافق کام

کروں گا۔ ناخدا نے کہا کہ اگر ہمیں ملکہ نے بلا کر پوچھا تو ہم کیا جواب دیں گے؟ بہرام نے کہا کہ ہم اس مسلمان کو جو ہمارے ساتھ ہی غلاموں کا لباس پہنا کر اپنے ساتھ لے لیں گے۔ جب ملکہ اُسے دیکھے گی تو اس کا خیال ہو گا کہ یہ غلام ہی اور ہمیں پوچھا تو میں کہ دوں گا کہ غلاموں کی تجارت کرتا ہوں۔ میرے پاس بہت سے غلام تھے جن کو میں نے بیچ ڈالا ہی اب اس غلام کے سوا اور کوئی باقی نہیں رہا۔ ناخدا نے کہا کہ یہ تو نے خوب بات کہی۔ اس کے بعد انھوں نے لنگر ڈال دیا، بادبان لپیٹ دیے اور کشتی سے اُتر پڑے۔

اتنے میں ملکہ مرجانہ اپنے خدم وحشم کے ساتھ وہاں پہنچی اور کشتی کے پاس کھڑے ہو کر ناخدا کو آواز دی۔ اس نے ملکہ کے پاس آ کر زمین کو بوسہ دیا۔ ملکہ نے پوچھا کہ تیری اس کشتی میں کیا کیا سامان ہی؟ اور تیرے ساتھ کون کون لوگ ہیں؟ اس نے کہا جہاں پناہ میرے ساتھ ایک تاجر ہی جو غلاموں کی خرید و فروخت کرتا ہی۔ ملکہ نے کہا کہ اُسے بُلا۔ اتنے میں بہرام نکلا اسعد غلاموں کے انداز میں اس کے پیچھے پیچھے تھا۔ جب بہرام ملکہ کے پاس پہنچا تو زمین چوم کر مؤدب کھڑا ہو گیا۔ ملکہ نے کہا کہ تو کون ہی؟ اس نے جواب دیا میں غلاموں کا تاجر ہوں۔ اب ملکہ کی نظر اسعد پر پڑی وہ سمجھی کہ یہ غلام ہی اور اس سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہی؟ رونے کی وجہ سے اس کی ہچکی بندھی ہوئی اور اس نے بڑی مشکل سے کہا میرا نام اسعد ہی۔ ملکہ کو اُس پر ترس آگیا اور اس نے پوچھا کہ تجھے لکھنا پڑھنا آتا ہی؟ اسعد نے عرض کیا 'ہاں'۔ ملکہ نے اُسے دوات اور قلم اور کاغذ دے کر کہا کہ کچھ لکھ تاکہ میں دیکھوں اس نے لکھا: "جس شخص کے اوپر قسمت کی چکی چل رہی ہو اس کے لیے کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ اس کی مشکیں باندھ کر پانی میں ڈال دیا گیا ہی اور اس سے کہا جاتا ہی کہ خبردار بھیگیو مت"۔ یہ پڑھ کر جذبۂ رحم سے ملکہ کا دل کانپ اٹھا اور وہ بہرام سے کہنے لگی کہ اس غلام

کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا کہ ای میری آقا اس کا بیچنا ممکن نہیں میں اپنے سارے غلام بیچ چکا ہوں اور اب اس کے سوا کوئی باقی نہیں رہا۔ ملکہ مرجانہ بولی میں اسے تجھ سے لے کر رہوں گی خواہ تو بیچے یا ہدیہ دے۔ بہرآم نے کہا نہ میں بیچوں گا اور نہ ہدیہ دوں گا۔ یہ سُن کر ملکہ نے اسعد کا ہاتھ پکڑا اور اُسے لے کر قلعے میں چلی گئی اور بہرآم کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر تو آج ہی رات کو ہمارے شہر سے نہ چلا گیا تو میں تیرا مال ضبط کروں گی اور تیری کشتی توڑ ڈالوں گی۔ جب بہرآم کے پاس یہ پیغام پہنچا تو اُسے بڑا رنج ہوا اور اس نے کہا کہ یہ سفر سخت منحوس ہے اور اٹھ کر سفر کی تیاری کرنے لگا تمام ضروری چیزیں اپنے ساتھ لے لیں اور انتظار کرنے لگا کہ رات ہو تو روانہ ہو جاؤں۔ اس نے ملاحوں سے کہا کہ چلنے کی تیاری کرو، مشکوں میں پانی بھر لو اور پچھلی رات کو بادبان کھول دو۔ ملاح اپنے کام میں لگ گئے اور رات کا انتظار کرنے لگے یہاں تک کہ رات ہو گئی۔

یہ تو ان کا حال ہوا۔ اب ملکہ مرجانہ کی سنو۔ وہ اسعد کو لے کر قلعے میں گئی سمندر کی طرف والی کھڑکیاں کھول دیں اور لونڈیوں سے کہا کہ کھانا لائیں۔ جب وہ ان دونوں کے لیے کھانا لائیں تو انھوں نے کھایا۔ اس کے بعد ملکہ نے شراب لانے کا حکم دیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو پینتیسویں رات

جب دو سو پینتیسویں رات آئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! ملکہ مرجانہ نے کنیزوں کو حکم دیا کہ شراب پیش کریں۔ انھوں نے شراب پیش کی اور اس نے اسعد

کے ساتھ شراب پی۔ خدا نے اس کے دل میں اسعد کی محبت ڈال دی وہ اسے جام پر جام پلائے جاتی حتیٰ کہ اس کے ہاتھ پانو قابو میں نہ رہے۔ اتنے میں اسے رفع حاجت کی ضرورت ہوئی۔ لڑکھڑاتا ہوا مدہوش تھا نکلا چلا گیا۔ چلتے چلتے ایک بہت بڑے باغ میں جا پہنچا جس میں ہر طرح کے میوے اور پھول تھے۔ وہیں اس نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر اپنی حاجت رفع کی اور وہاں سے اُٹھ کر ایک حوض کے پاس گیا جو باغ میں تھا اور پاجامہ باندھتے باندھتے نشہ کے جھونکے میں چت گر پڑا۔ ٹھنڈی ہوا تھی پڑتے ہی سو گیا اور رات ہو گئی۔

اِدھر اسعد پڑا سو رہا تھا۔ اُدھر جب رات ہوئی تو بہرام نے چلّا کر ملّاحوں سے کہا کہ بادبان کھول دو اور چلو۔ انھوں نے کہا کہ ابھی چلتے ہیں، اتنا ٹھیر جا کہ ہم اپنی مشکیں بھر لیں اور سوار ہو جائیں۔ یہ کہہ کر ملّاح مشکوں کو لے کر پانی بھرنے نکلے قلعے کے چاروں طرف گھومتے رہے لیکن باغ کی دیوار کے سوا انھیں اور کچھ دکھائی نہ دیا اس لیے وہ دیوار پر چڑھ کر باغ میں اُتر گئے اور پانی کی تلاش میں اس روش پر ہو لیے جو حوض کی طرف جاتی تھی۔ جب وہ حوض کے پاس پہنچے تو انھوں نے ایک نوجوان کو چت پڑا دیکھا اور اسعد کو پہچان کر خوش ہو گئے، اپنی مشکیں بھرنے کے بعد اُسے بھی اٹھا لیا، دیوار پھاند کر جلد جلد بہرام کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ خوش ہو کہ تیری مُراد بر آئی تیرا دل ٹھنڈا ہوا اور تیرا بول بالا رہا کیونکہ جس تیرے قیدی کو ملکہ مرجانہ زبردستی لے گئی تھی وہ ہمیں مل گیا اور ہم اُسے تیرے پاس لے آئے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اسعد کو اس کے آگے ڈال دیا۔ بہرام کی نظر اس پر پڑی تو مارے خوشی کے اس کا دل اُچھلنے لگا اسے اطمینان ہوا اور اس نے ملّاحوں کو انعام دیے اور اُن سے کہا کہ اب جلدی سے بادبان کھول دو۔ وہ بادبان کھول کر آتش فشاں پہاڑ کی طرف روانہ ہو گئے اور صبح تک چلتے رہے۔

وہاں کشتی چلی جا رہی تھی اور یہاں اسعد کے باہر جانے کے بعد ملکہ مرجانہ نے تھوڑی دیر تک تو انتظار کیا اور جب وہ نہ آیا تو خود اُٹھ کر اسے ڈھونڈنے نکلی مگر اس کا کوئی نشان نہ پایا۔ اس نے موم بتیاں جلائیں اور کنیزوں سے کہا کہ اُسے تلاش کریں۔ اس کے بعد وہ خود باہر آئی اس نے دیکھا کہ باغ کا دروازہ کھلا ہوا ہے اس کا خیال ہوا کہ وہ باغ میں گیا ہوگا وہ باغ میں گئی اور دیکھا کہ حوض کے پاس اس کا جوتا پڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس نے سارے باغ کا چکر لگایا کہ شاید کہیں مل جائے غرض کہ صبح تک باغ کے کونے کونے میں ڈھونڈتی رہی۔ وہ ہوتا تو ملتا۔ پھر اس نے کشتی کے متعلق پوچھا تو معلوم ہوا کہ تہائی رات گزرے اس نے لنگر اٹھا دیا ہے۔ اُسے یقین ہوگیا کہ وہی لوگ اسے لے گئے۔ اُسے افسوس ہوا اور وہ غضبناک ہوگئی۔ حکم دیا کہ ابھی دس بڑے جہاز تیار کیے جائیں۔ اُس نے جنگ کی ٹھان لی اور ان دس جہازوں میں سے ایک پر خود سوار ہوکر اپنے ساتھ غلام اور لونڈیاں اور ایسے سپاہی جن کے پاس بہترین جنگ کا سامان اور ہتھیار تھے، اور بادبان کھول دیے اور سرداروں سے کہنے لگی کہ اگر تم نے اُس آتش پرست کی کشتی کو پکڑ لیا تو میں تمھیں خلعتیں اور مال و دولت دوں گی اور اگر نہ پکڑا تو ایک ایک کو قتل کر دوں گی۔ یہ سُن کر ملاحوں کو ڈر بھی لگا اور امید بھی ہوئی اور انھوں نے جہازوں کو کھینا شروع کیا۔ دن بھر اور رات بھر اور پھر دوسرے دن اور تیسرے دن برابر چلتے رہے۔ چوتھے دن انھیں اس آتش پرست بہرام کی کشتی دکھائی دی اس وقت اس نے اسعد کو باہر نکالا تھا اور اُس غریب پر کوڑے پڑ رہے تھے اور اسعد مدد مانگ رہا اور دُہائیاں دے رہا تھا لیکن انسانوں میں سے نہ کوئی اس کی مدد کو آتا اور نہ پناہ دیتا تھا۔ کوڑوں کی وجہ سے اُس کی بوٹی بوٹی کانپ رہی تھی۔ ابھی وہ اُسے مار ہی رہا تھا کہ اُس نے دیکھا کہ جہازوں نے اُس کی کشتی کو گھیر لیا ہے اور وہ اس کے گرد اس طرح چکر لگا رہے ہیں جیسے آنکھ کی سفیدی

سپاہی کے گرد، اُسے یقین آگیا کہ اب میں ضرور مارا جاؤں گا۔ بہرام نے ایک آہ بھری اور کہنے لگا کہ لعنت ہو تجھ پر ای اسعد، یہ ساری مصیبت تیری وجہ سے آئی ہے، اور اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے آدمیوں سے کہا کہ اسے سمندر میں پھینک دو اور اس سے کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں اپنے مرنے سے پہلے تجھے مار کر چھوڑوں گا۔ لوگوں نے اس کے ہاتھ پانو پکڑ کر اسے سمندر میں ڈال دیا۔ چونکہ خدا کو منظور تھا کہ وہ بچ جائے اور ابھی کچھ اور دن زندہ رہے اس لیے وہ ڈوب کر اُبھرا اور ہاتھ پانو مارنے لگا اور خدا نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ لہروں نے اسے اُٹھا کر آتش پرست کی کشتی سے دور پھینک دیا اور وہ خشکی پر جا پہنچا مگر اُسے اپنی نجات کا یقین نہ آتا تھا۔ خشکی پر پہنچ کر اُس نے اپنے کپڑے اتارے، انھیں نچوڑ کر پھیلایا اور ننگا بیٹھ کر اپنے حال اور مصائب، اپنی بے کسی، قید اور غربت پر رونے لگا۔ اس کے بعد اس نے اٹھ کر پھر اپنے کپڑے پہن لیے۔ اس کی سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ کہاں جائے اور کیا کرے۔ وہ گھاس پات اور درختوں کے پھل کھاتا، چشموں کا پانی پیتا دن رات چلتا رہا آخر ایک شہر کے قریب پہنچا اور خوش ہو کر تیز تیز چلنے لگا۔ جب وہ شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چھتّیسویں رات

دو سو چھتّیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ! جب اسعد شہر کے پاس پہنچا تو شام ہو گئی تھی اور شہر کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ یہ وہی شہر تھا جہاں وہ قید تھا اور بھائی کی وزارت تھی۔ اسعد

نے شہر کو بند پایا تو وہ مقبرے کی جانب چل دیا۔ قبرستان میں پہنچ کر دیکھا کہ ایک مقبرہ
بغیر دروازے کے ہے وہ اس میں داخل ہوا اور اپنی آستین میں منہ ڈال کر سو گیا۔

اُدھر جب ملکہ مرجانہ جہاز لے کر بہرام آتش پرست کے پاس پہنچی تو وہ اُسے
چکما دے کر نکل گیا اور فوراً خوش خوش چل کر صحیح و سالم اپنے شہر میں جا اُترا۔ سمندر سے
اس کے گھر کا راستہ بھی قبرستان سے ہو کر تھا۔ مقبروں کے درمیان گزرتے گزرتے اتفاق
کی بات اس کی اس کھلے ہوئے مقبرے پر نظر پڑی جس میں اسعد سو رہا تھا اسے بڑا
تعجب ہوا کہ یہ مقبرہ کیوں کھلا ہوا ہے وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ چلو اندر چل کر دیکھیں۔
اندر گیا تو دیکھا کہ اسعد قبر کے پہلو میں پڑا سو رہا ہے اور اس کا سر آستین کے اندر ہے۔
اس نے جلدی سے اس کا چہرہ دیکھا اور اُسے پہچان کر کہنے لگا کہ تو ابھی تک
زندہ ہے! اور وہ اُسے پکڑ کر اپنے گھر لے گیا جہاں مسلمانوں کو مارنے پیٹنے کے لیے
ایک تہ خانہ تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی جس کا نام بستان تھا۔ آتش پرست نے اسعد کے
پاؤں میں بھاری بھاری بیڑیاں ڈال کر اُسے تہ خانے میں بند کر دیا اور اپنی بیٹی کو
اس پر مقرر کر دیا کہ وہ اُسے دن رات مارے یہاں تک کہ وہ مر جائے۔ اس کے
بعد اس نے اسے خوب مارا اور تہ خانے میں قفل ڈال کر اس کی کنجی اپنی بیٹی کو دے دی۔
اب اس کی بیٹی بستان نے تہ خانہ کھولا اور اُسے مارنے کے لیے نیچے اُتری لیکن اس
نے دیکھا کہ وہ خوب صورت نوجوان ہے، اس کی بھویں کمان کی طرح ہیں اور آنکھیں
کالی کالی، اس کے دل میں اس کی محبت سما گئی۔ اس نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس
نے جواب دیا کہ میرا نام اسعد ہے۔ لڑکی نے کہا کہ مبارک ہو تو اور مبارک ہو تیری زندگی!
تو مارے جانے اور تکلیف دیے جانے کا مستحق نہیں کیونکہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو مظلوم
ہے پھر لڑکی نے اُسے تسلی دی، اس کی بیڑیاں کھول دیں اور اسلام کے متعلق اس سے
سوال کیے۔ شہزادے نے کہا کہ وہی سچا اور مضبوط دین ہے اور ہمارے سردار محمد صاف معجزے

اور کھلی ہوئی نشانیاں لے کر آئے ہیں اور آگ نقصان پہنچاتی ہے فائدہ نہیں دیتی. وہ اسلام اور اس کے ارکان کے متعلق اُسے بتاتا رہا یہاں تک کہ لڑکی کے دل میں ایمان نے گھر کر لیا اور ساتھ ہی خدا نے اسعد کی محبت بھی اس کے اندر پیدا کر دی اور شہادت کے دونوں کلمے پڑھ کر سعادت مندوں میں سے ہو گئی۔ وہ اُسے کھلاتی پلاتی اور اس کے ساتھ باتیں کرتی اور نماز پڑھتی اور اس کے لیے مرغی کی یخنیاں پکاتی اس طرح خدا نے اس کی رکھوالی کی کہ اس میں قوت آگئی اور اس کی ساری بیماریاں دُور ہو گئیں اور وہ پہلے کی طرح تندرست ہو گیا۔

یونہی روز و شب گزر رہے تھے کہ ایک دن بہرآم کی بیٹی کوئی آواز سُن کر اسعد کے پاس سے اٹھی اور جا کر دروازے پر کھڑی ہو گئی۔ اس نے ایک شخص کو ڈھنڈورا پیٹتے سُنا کہ جس کے پاس ایک حسین جوان ہو جس کا حلیہ اس اس طرح کا ہے اور وہ اُسے پیش کر دے تو وہ جس قدر مال و دولت مانگے گا اُسے ملے گی اور اگر اُسے پیش نہ کیا تو اُسے اُس کے دروازے پر پھانسی دے دی جائے گی اور اس کا مال لوٹ لیا جائے گا اور اس کا خون ہدر کر دیا جائے گا۔ اسعد بہرآم کی بیٹی بستان سے اپنا سارا ماجرا بیان ہی کر چکا تھا اس لیے جب اس نے یہ ڈھنڈورا سنا تو سمجھ گئی کہ یہ اسی کے لیے ہے اور اندر جا کر اُس نے اُسے خبر کی اور وہ نکل کر وزیر کے گھر کی طرف روانہ ہوا۔ اسعد کی نظر وزیر پڑی تو وہ کہنے لگا کہ واللہ، یہ وزیر تو میرا بھائی آمجد ہے. اسعد اپنے بھائی کو دیکھ کر اس سے لپٹ گیا۔ آمجد نے بھی اُسے پہچان کر اپنی باہیں اس کے گلے میں ڈال دیں اور اُسے گلے لگایا اور سارے غلام ان کے گرد جمع ہو گئے۔ تھوڑی دیر تک اسعد اور آمجد دونوں غشی کی حالت میں رہے اور جب انھیں ہوش آیا تو امجد اپنے بھائی کو لے کر بادشاہ کے پاس گیا اور سارا ماجرا سنایا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ بہرآم کا گھر لوٹ لیا جائے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی

جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو سینتیسویں رات

جب دو سو سینتیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ سلطان نے آمجد کو حکم دیا کہ بہرآم کا گھر لوٹ لیا جائے اور اُسے پھانسی پر چڑھا دیا جائے۔ وزیر نے اس کام کے لیے ایک جماعت روانہ کی اور انھوں نے جاکر بہرآم کے گھر کو لوٹ لیا اور اس کی بیٹی کو وزیر کے پاس لائے اس نے اس کی آؤ بھگت کی اور اسعد نے اپنے بھائی سے اپنی ساری تکالیف اور اُن احسانات کا ذکر کیا جو بہرآم کی بیٹی نے اس کے ساتھ کیے تھے۔ اس پر آمجد نے اس کی اور بھی زیادہ تعظیم کی بعدازاں آمجد نے اسعد سے وہ سارا ماجرا بیان کیا جو اُسے لڑکی کے ساتھ پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ کس طرح پھانسی پر چڑھتے چڑھتے رہ گیا اور وزیر ہو گیا اور پھر دونوں ایک دوسرے سے جدائی کا دکھڑا رونے لگے۔ اس اثنا میں سلطان نے بہرآم کو بلا کر پھانسی کا حکم دے دیا۔ بہرآم نے کہا کہ ای زبردست بادشاہ کیا تو نے میرے قتل کی ٹھان لی ہی؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ بہرآم بولا کہ ای بادشاہ ذرا صبر کر۔ یہ کہہ کر اس نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر شہادت کا کلمہ پڑھا اور سلطان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا۔ سب اس کے مسلمان ہونے پر خوش ہو گئے اور آمجد اور اسعد نے اس سے اپنے سارے قصے بیان کیے جسے سُن کر اُسے سخت اچنبھا ہوا اور وہ اُن سے کہنے لگا کہ ای میرے آقاؤ، سفر کی تیاری کرو اور میں تمھارے ساتھ چلتا ہوں۔ اس کے اسلام لانے اور اس کی گفتگو پر دونوں بھائی فرطِ خوشی سے زار زار رونے لگے۔ بہرآم نے کہا کہ ای میرے آقاؤ یہ رونے کا نہیں ہنسنے کا وقت ہی۔ اللہ نے چاہا تو اس سفر کی وجہ سے

تم سب آپس میں مل جاؤ گے جس طرح نعمت اور نعم ملے تھے۔ انھوں نے پوچھا کہ نعمت اور نعم کی کیا کہانی ہی؟

نعمت بن الربیع اور اُس کی کنیز نعم کی کہانی

بہرام نے کہا کہ خدا بہتر جانتا ہی مگر لوگ یوں بیان کرتے ہیں کہ کوفے میں ایک شریف آدمی رہتا تھا جس کا نام ربیع بن حاتم تھا، نہایت مال دار اور خوش حال، خدا نے اُسے ایک بیٹا دیا جس کا نام اس نے نعمت اللہ رکھا۔ ایک دن جبکہ وہ غلاموں کے بازار میں گشت کر رہا تھا اُس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو بکنے کے لیے آئی تھی اور جس کے ساتھ ایک خوب صورت چھوٹی سی لڑکی تھی۔ ربیع نے دلال کو اشارہ کرکے کہا کہ اس عورت اور اس کی بیٹی کے کیا دام ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پچاس دینار۔ ربیع نے کہا کہ بیع نامہ لکھ دے اور دام لے کر اس کے مالک کو دے دے۔ یہ کہہ کر اُس نے دلال کو کنیز کی قیمت اور اس کی دلالی دے دی اور کنیز اور اس کی بیٹی کو لے کر گھر چلا گیا۔ جب اس کی چچیری بہن نے کنیز کو دیکھا تو اس سے کہنے لگی کہ ای چچیرے بھائی یہ کنیز کون ہی؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے اُس بچّی کی خاطر خریدا ہی جو اس کے ساتھ ہی کیونکہ جب یہ بڑی ہوگی تو عرب اور عجم میں اس کا جواب نہ ہوگا۔ اس کی چچیری بہن نے کہا کہ تیرا خیال بجا ہی۔ یہ کہہ کر اس نے کنیز سے کہا کہ تیرا نام کیا ہی؟ اس نے کہا کہ ای میری آقا میرا نام توفیق ہی۔ پھر اس نے پوچھا کہ تیری بیٹی کا کیا نام ہی؟ اس نے کہا کہ سعد۔ اس نے کہا کہ تو سچ کہتی ہی، مبارک ہو تو اور وہ جس نے تجھے خریدا ہی! اس کے بعد اس نے کہا کہ ای میرے چچیرے بھائی، تو اس کا نام کیا رکھے گا؟ ربیع نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے۔ اس نے کہا کہ نعم۔ ربیع نے کہا کہ بہت مناسب!

اب نعم کی پرورش نعمت بن الربیع کے ساتھ ایک ہی گہوارے میں ہونے لگی یہاں تک کہ دونوں دس دس سال کے ہوگئے اور دونوں ایک دوسرے سے زیادہ خوب صورت تھے۔ لڑکا اُسے بہن کہتا اور وہ اُسے بھائی کہہ کر پکارتی۔ نعمت سنِ بلوغ کو پہنچا تو ایک دن اُس کے باپ نے کہا کہ بیٹا نعم تیری بہن نہیں ہے بلکہ تیری کنیز ہے۔ جب تو گہوارے میں تھا تب میں نے اُسے خرید کر تیرا ہمنام بنایا آج سے اُسے بہن نہ کہا کر۔ نعمت نے اپنے باپ سے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو میں اس سے شادی کروں گا۔ اس نے اپنی ماں کے پاس جاکر بھی یہی کہا۔ اُس نے جواب دیا کہ بیٹا وہ تیری کنیز ہے۔ چنانچہ نعمت بن الربیع نے اس کنیز کے ساتھ خلوت کی اور دونوں میں محبت ہوگئی۔ اسی طرح ایک مدت گزر گئی۔ کوفے بھر میں اس سے زیادہ حسین و جمیل کوئی لڑکی نہ تھی بڑی ہوکر اس نے قرآن اور علوم کی تعلیم حاصل کی، مختلف باجے بجانے سیکھے اور گانے بجانے میں بڑا کمال پیدا کیا۔ ایسی ہنرمند ہوئی کہ زمانے میں اس کا جواب نہ رہا۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ مے نوشی کرتی، کبھی کوئی ساز بجاتی، کبھی مزے میں آکر گانے لگتی اور جب وہ گا بجا چکتی تو نعمت کہتا ماشاءاللہ، اے نعم ماشاءاللہ!

اِدھر وہ عیش و عشرت میں زندگی بسر کر رہے تھے اور اُدھر حجاج اپنے محل میں بیٹھا یہ سوچ رہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح اُس لڑکی کو اڑانا چاہیے جس کا نام نعم ہے اور اُسے امیر المؤمنین عبدالملک بن مروان کے پاس بھیجنا چاہیے کیونکہ اُس کے محل میں نہ اس لڑکی سے زیادہ کوئی خوب صورت ہے نہ بہتر گانے والی۔ سوچتے سوچتے اس نے اپنے گھر کی ایک بڑھیا کو بلا کر کہا کہ ربیع کے گھر جاکر نعم کنیز سے مل اور کسی ترکیب سے اسے اڑا لا کیونکہ وہ دنیا بھر میں لاجواب ہے۔ بڑھیا نے حجاج کا کہنا مان لیا۔ صبح ہوتے ہی اس نے اپنا صوفیانہ لباس پہنا، گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈالی ایک ہاتھ میں جریب اور دوسرے میں یمنی کوزہ لیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی

اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسوانتیسویں رات

جب دوسوانتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بڑھیا گلے میں ہزار دانہ تسبیح ڈال اور جریب اور لمبی کوزہ لے سُبحَانَ اللّٰہِ وَالحَمدُ لِلّٰہِ وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکبَرُ وَلَا حَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ العَلِیِّ العَظِیمِ کہتی ہوئی چل کھڑی ہوئی۔ زبان سے تسبیح و تہلیل پڑھتی دل میں مکر و فریب گانٹھتی وہ ظہر کی نماز کے وقت نعمت بن الربیع کے گھر پہنچی اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے دروازہ کھول کر پوچھا کہ کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا میں ایک اللہ والی عورت ہوں، ظہر کا وقت ہوا ہے، چاہتی ہوں کہ اس مبارک مکان میں نماز پڑھوں۔ دربان نے کہا بڑھیا! یہ نعمت بن الربیع کا مکان ہے نہ جامع ہے نہ مسجد۔ بڑھیا بولی کہ میں بھی جانتی ہوں۔ نعمت بن الربیع کے مکان کی شکل جامع اور عبادت گاہ کی سی نہیں مگر نماز تو ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں اور میں کوئی ایسی ویسی نہیں امیر المومنین کے محل کی خادمہ ہوں عبادت اور سیاحت کی خاطر یہاں آنا ہوا ہے۔ دربان نے کہا کچھ بھی سہی میں تجھے اندر نہیں جانے دوں گا۔ اب دونوں میں جھگڑا ہونے لگا بڑھیا اس کے پیچھے پڑ گئی اور کہنے لگی کہ تو مجھ جیسی عورت کو نعمت بن الربیع کے مکان میں جانے سے روکتا ہے حالانکہ میں امرا اور اکابر کے مکانوں میں آتی جاتی ہوں۔ اتنے میں نعمت باہر نکل آیا اور بڑھیا کی باتیں سن کر ہنسنے لگا اور اس سے کہا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ نعمت آگے آگے چلا اور بڑھیا اس کے پیچھے پیچھے ہولی وہ اسے نعم کے پاس لے گیا۔ بڑھیا نے اسے سلام کیا، اور بڑھیا اسے دیکھ کر ہکا بکا ہو گئی اور حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی پھر بولی بیگم میں تجھے اس خدا کی پناہ دیتی ہوں جس نے تجھے اور تیرے آقا کو ایک ہی حُسن کے سانچے میں

ڈھالا ہے۔

یہ کہہ کر بڑھیا محراب کے اندر کھڑی ہو کر رکوع و سجود، استغفار و دعا میں مشغول ہو گئی یہاں تک کہ دن ختم ہو گیا اور رات کا اندھیرا چھانے لگا۔ لڑکی نے بڑھیا سے کہا کہ مادرِ مہربان زرا اپنے پاؤں کو آرام لینے دے۔ بڑھیا بولی نور چشم جو آخرت کا خواہش مند ہوتا ہے وہ دنیا میں اپنی جان جوکھوں میں ڈالتا ہے اور جو اپنی جان دنیا میں جوکھوں میں نہیں ڈالتا اُسے آخرت میں نیکوں کا درجہ حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے بعد نعم نے بڑھیا کے آگے کھانا پیش کر کے کہا کہ میرا کھانا کھا اور میرے لیے توبہ اور رحمت کی دعا کر۔ بڑھیا نے کہا کہ برخوردار میرا روزہ ہے تو ابھی لڑکی ہے، تیرے لیے کھانا پینا اور خوشی منانا جائز ہے خدا تیری توبہ قبول کرے گا۔ خدا کہتا ہے کہ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحًا۔ الغرض لڑکی بڑھیا کے ساتھ تھوڑی دیر بیٹھی باتیں کرتی رہی۔ بعد ازاں نعم نے نعمت سے کہا کہ اے میرے آقا اس بڑھیا کو قسم دے کہ ہمارے ہاں کچھ مدت تک رہے اس کے چہرے سے عبادت کا اثر نمودار ہے۔ نعمت بولا میں اس کے لیے ایک کمرہ خالی کرائے دیتا ہوں جہاں وہ عبادت کیا کرے اور وہاں کوئی اور نہ جانے پائے تاکہ اُس کی برکت سے خدا ہمیں فائدہ پہنچائے اور ہمارے درمیان جدائی نہ ڈالے۔

اس رات بڑھیا صبح تک وہیں نماز پڑھتی اور تلاوت کرتی رہی۔ جب سویرا ہوا تو وہ نعمت اور نعم کے پاس آئی اور صباح بخیر کہہ کر کہنے لگی کہ میں تم دونوں کو خدا کے سپرد کرتی ہوں۔ نعم نے کہا کہ اماں تو کہاں جاتی ہے؟ میرے آقا نے تو مجھ سے کہا ہے کہ میں تیرے لیے ایک کمرہ خالی کرا دوں جہاں تو عبادت میں مشغول رہے اور نماز پڑھا کرے بڑھیا بولی کہ خدا اُسے سلامت رکھے اور تم دونوں کو اپنی نعمتوں سے ہمیشہ مالا مال کرتا رہے۔ میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم اپنے دربان سے کہہ دو کہ وہ مجھے تمھارے پاس آنے سے نہ روکے۔ انشاء اللہ میں متبرک جگہوں میں جا کر نماز اور عبادت کے بعد دن رات

تمھارے لیے دعا کروں گی ــــ یہ کہہ کر بڑھیا چل دی اور کنیز نعم اس کی جدائی میں رونے لگی اور اس بات کی طرف اس نے بالکل خیال نہ کیا کہ بڑھیا اس کے پاس کیوں آئی تھی۔

بڑھیا حجاج کے پاس پہنچی تو اس نے کہا کہ کیا کر آئی ؟ بڑھیا بولی میں لڑکی کو دیکھ کر آئی ہوں۔ اس زمانے میں کسی عورت نے اُس سے زیادہ حسین لڑکی پیدا نہیں کی ہے۔ حجاج کہنے لگا کہ اگر تو نے میرا کام کر دیا تو میں تجھے مالا مال کر دوں گا بڑھیا نے عرض کیا مجھے ایک مہینے کی مہلت دے۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے ایک مہینے کی مہلت دی۔ اس کے بعد بڑھیا نے نعمت اور اس کی کنیز نعم کے گھر آمد و رفت جاری کر دی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اُنتالیسویں رات

جب دو سو اُنتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بڑھیا نعمت اور نعم کے ہاں آیا جایا کرتی اور وہ آئے دن اس کی زیادہ سے زیادہ آؤ بھگت کرتے۔ بڑھیا صبح شام اُن کے پاس پہنچ جاتی اور سارے گھر والے اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے۔ اب بڑھیا ایک روز لڑکی سے تنہائی میں ملی اور کہنے لگی اے میری آقا اگر میرا جانا متبرک مقاموں پر ہوا تو میں تیرے لیے دُعا کروں گی لیکن میری خواہش ہے کہ تو بھی میرے ساتھ چل کر پہنچے ہوئے بزرگوں کی زیارت کر اور جس بات کی طالب ہو وہ تیرے لیے دعا کریں۔ نعم نے کہا اماں خدا کے لیے مجھے ساتھ لے چل۔ اس نے جواب دیا کہ پہلے اپنی ساس سے اجازت لے

پھر میں تجھے اپنے ساتھ لے چلوں گی۔ لڑکی نے اپنی ساس نعمت کی ماں سے کہا کہ ای
گھر کی بڑی بوڑھی میرے آقا سے میرے لیے اجازت مانگ کہ میں اور تو ایک دن اس
خدا رسیدہ بڑھیا کے ساتھ متبرک مقامات پر جل کر فقرا کے ساتھ نماز پڑھیں اور دُعا
مانگیں جب نعمت گھر آیا اور بیٹھا تو بڑھیا نے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومنے چاہے مگر اس
نے منع کیا، بڑھیا اُسے دعا دے کر چلی گئی۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا پھر آئی نعمت گھر
میں نہ تھا، بڑھیا نے نعم سے مخاطب ہو کر کہا میں نے کل تمھارے لیے دعا کی تھی لیکن
تیرا چلنا بھی ضروری ہے اس لیے ابھی اُٹھ اور قبل اس کے کہ تیرا آقا آئے زیارت کر کے
لوٹ آئیو۔ لڑکی نے اپنی ساس سے کہا کہ خدا کے لیے مجھے اجازت دے دے کہ میں
اس نیک بڑھیا کے ساتھ متبرک مقاموں پر جا کر خدا کے ولیوں کو دیکھ آؤں میں اپنے
آقا کی واپسی سے پہلے لوٹ آؤں گی۔ نعمت کی ماں بولی مجھے ڈر ہے کہ کہیں تیرے
آقا کو خبر نہ ہو جائے۔ بڑھیا نے کہا کہ میں اُسے زمین پر بیٹھنے تک نہ دوں گی۔ کھڑے
کھڑے جائیں گے اور چلے آئیں گے، دیر کا کیا کام۔ اس حیلے سے وہ لڑکی کو لے کر حجاج
کے محل میں جا پہنچی اور اس سے کہا کہ میں لڑکی کو لے آئی ہوں اور اُسے ایک حجرے
میں بٹھا دیا ہے۔ حجاج آیا تو اس نے دیکھا کہ یہ دنیا کی حسین ترین عورت ہے اور ایسی خوبصورت
اس کی نظر سے کبھی نہیں گزری تھی نعم کی نظر حجاج پر پڑی تو اس نے اپنا مُنہ
ڈھانک لیا۔ حجاج دور ہی کھڑا رہا اور اپنے حاجب کو بلا کر اس کے ساتھ پچاس
سوار کیے اور اُسے حکم دیا کہ لڑکی کو ایک اصیل اونٹنی پر بٹھا کر دمشق لے جا اور
امیر المومنین عبد الملک بن مروان کے سپرد کر آ۔ اس کے بعد اس نے خلیفہ کو ایک خط
لکھا اور حاجب سے کہا کہ یہ خط اُسے دے کر جواب لائیو اور جلد لوٹیو۔ حاجب نے
لڑکی کو جلدی سے اونٹنی پر بٹھا کر کوچ کر دیا۔ لڑکی اپنے آقا کی جدائی میں روتی رہ
گئی وہ قافلہ دمشق پہنچا اور امیر المومنین سے حاضر ہونے کی اجازت مانگی۔ اس نے

اجازت دے دی حجاج کے حاجب نے خلیفہ کے پاس حاضر ہو کر لڑکی کا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ نے اس کے لیے ایک خلوت خانہ خالی کرایا اور اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ حجاج نے میرے لیے کوفے کی ایک شاہ زادی دس ہزار دینار میں خریدی ہے اور یہ خط بھیجا ہے۔ اس کی بیوی بولی اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

پوری دوسو چالیسویں رات

جب دوسو چالیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب اُس نے اپنی بیوی سے لڑکی کا قصہ بیان کیا تو وہ کہنے لگی کہ خدا اپنا فضل و کرم تجھ پر زیادہ کرے! اتنے میں خلیفہ عبدالملک کی بہن اس لڑکی کے پاس آئی اور اُسے دیکھ کر کہنے لگی کہ تو جس کے مکان میں ہو اُسے کوئی خسارہ نہیں خواہ اس نے تیری قیمت ایک لاکھ دینار ہی کیوں نہ ادا کی ہو نعم نے اس سے پوچھا اے حسینہ! یہ کس بادشاہ کا محل ہے اور اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ شہر دمشق ہے اور یہ میرے بھائی امیرالمومنین عبدالملک بن مروان کا محل ہے۔ پھر وہ لڑکی سے کہنے لگی کہ کیا تجھے یہ معلوم نہ تھا؟ لڑکی بولی اے میری آقا! خدا کی قسم مجھے اس کا بالکل علم نہیں خلیفہ کی بہن نے کہا کہ جس شخص نے تجھے بیچا اور تیرے دام لیے تجھ سے یہ نہیں کہا کہ خلیفہ نے تجھے خریدا ہے۔ یہ سُن کر لڑکی کے آنسو بہنے لگے اور وہ رونے لگی۔ اس نے اپنے دل میں کہا کہ میرے اُوپر فریب پُورا پُورا چل گیا اور اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ اگر میں نے اس سوال کا جواب دیا تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اس لیے بہتر ہے کہ میں چُپ رہوں اور صبر کروں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ خدا عنقریب خوشی بھیجنے والا

ہے۔ یہ سوچ کر اس نے سر جھکا لیا۔ سفر اور دھوپ کی وجہ سے اس کے رخسار سرخ ہو گئے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ وہ تھکی ہوئی ہے خلیفہ کی بہن اُس روز اُسے چھوڑ کر چلی گئی اور دوسرے روز اس کے لیے کپڑے اور جواہرات کے ہار لائی اُسے بنایا سنوارا اور خلیفہ آ کر اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ دیکھو خدا نے اس لڑکی کو کیسا مکمل حسن و جمال عطا کیا ہے خلیفہ نعم سے مخاطب ہو کر بولا کہ منہ سے نقاب اٹھا لیکن اس نے منہ سے نقاب نہ اٹھائی اور وہ اس کا چہرہ نہ دیکھ سکا صرف اس کی کلائیاں ہی دیکھ کر اس پر لٹو ہو گیا اور اپنی بہن سے کہنے لگا کہ میں تین دن سے پہلے اس سے خلوت بہار کروں گا اس اثنا میں یہ تجھ سے مانوس ہو جائے گی اتنا کہہ کر وہ اٹھا اور اس کے پاس سے چل دیا لڑکی سوچ میں پڑ گئی اس کا دل اپنے آقا نعمت کی جدائی میں تڑپ رہا تھا۔ اس رات لڑکی کو بخار آ گیا، نہ اس نے کچھ کھایا نہ پیا اس کی رنگت پھیکی پڑ گئی خوب صورتی میں فرق آ چلا۔ اس کی خبر خلیفہ کو پہنچی تو اُسے افسوس ہوا اور وہ طبیبوں اور حکیموں کو لے کر اس کے پاس پہنچا لیکن کوئی اس کا علاج نہ کر سکا۔

یہ تو اس کی کیفیت رہی۔ اب اس کے آقا نعمت کا ماجرا سنیے۔ وہ گھر آ کر فرش پر بیٹھ گیا اور آواز دی کہ اے نعم! کوئی جواب نہ ملا تو اس نے خادموں کو آواز دی ان میں سے بھی کوئی اس کے پاس نہ آیا۔ گھر کی ساری لونڈیاں، غلام اپنے آقا سے خائف تھے۔ اب نعمت اپنی ماں کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ ہاتھ پر اپنا رخسار ٹیکے بیٹھی ہے اس سے پوچھا کہ اماں نعم کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بیٹا اسی پارسا بڑھیا کے ساتھ جو مجھ سے زیادہ معتمد ہے نعم کو وہ لے گئی ہے تاکہ فقرا کی زیارت کر کے لوٹ آئے۔ نعمت نے سوال کیا کب سے اُس کی یہ عادت پڑی ہے اور وہ کس وقت یہاں سے گئی؟ بولی آج صبح۔ اس نے کہا کہ تو نے اُسے کیوں جانے دیا؟ وہ کہنے لگی بیٹا خود اس کی یہ خواہش تھی۔ نعمت لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ کہتا ہوا نیم بے ہوشی

کی سی حالت میں گھر سے نکلا اور کوتوال شہر کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ کیا تو نے دغابازی سے میرے مکان سے میری کنیز کو غائب کر دیا ہے؟ اگر کیا ہے تو میں تیری شکایت امیرالمومنین کے پاس کروں گا۔ کوتوال نے پوچھا کہ اُسے کون لے گیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس اس حلیے کی ایک بُڑھیا جو صوفیوں کے لباس میں تھی اور اُس کے پاس ایک تسبیح تھی جس میں کئی ہزار دانے تھے۔ کوتوال نے کہا کہ مجھے اس بڑھیا کو دکھا دے میں تیری کنیز کو چھڑا کر تیرے حوالے کر دوں گا۔ نعمت بولا کہ بڑھیا کا پہچاننے والا کہاں سے لاؤں! کوتوال نے کہا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کس کو ہے! کوتوال کو معلوم تھا کہ بڑھیا حجاج کی کٹنی ہے۔ نعمت کہنے لگا کہ لڑکی کے بارے میں تیری ہی شرارت ہے اب میرا اور تیرا فیصلہ حجاج کے سامنے ہوگا۔ اس نے جواب دیا کہ جس کے پاس تیرا جی چاہے جا۔ اس کے بعد نعمت حجاج کے محل میں گیا۔ اس کا باپ کوفے کے بڑے آدمیوں میں سے تھا سب اُسے جانتے تھے جب وہ حجاج کے دروازے پر پہنچا تو حاجب نے حجاج کے پاس جا کر سارا قصہ بیان کیا۔ حجاج نے اُسے بُلایا جب وہ سامنے آکر کھڑا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مقصد کیا ہے؟ نعمت نے جواب دیا کہ میں فلاں معاملے میں آیا ہوں۔ حجاج نے حکم دیا کہ کوتوال کو بُلاؤ تاکہ میں اُسے بُڑھیا کو تلاش کرنے کی ہدایت کروں۔ وہ جانتا تھا کہ کوتوال بڑھیا کو پہچانتا ہے اس لیے وہ حاضر ہوا تو حجاج نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو نعمت بن الربیع کی کنیز کو ڈھونڈ نکال۔ کوتوال نے عرض کیا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ حجاج بولا سچ ہے مگر تو گھوڑے پر سوار ہو کر گلی گلی اور کوچے کوچے کو تلاش کر اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسواکتالیسویں رات

دوسواکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ حجاج نے کوتوال سے کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر کوچے کوچے اور گلی گلی پھرے اور کنیز کی جستجو کرے اور نعمت کی طرف مخاطب ہو کہا کہ اگر تیری کنیز نہ آئی تو میں دس کنیزیں اپنے محل سے اور دس کوتوال کے محل سے تجھے دوں گا۔ اُدھر کوتوال چلا اور ادھر نعمت غمگین اپنے گھر آیا۔ اسے اپنی جان کی پروا نہیں رہی تھی۔ اس وقت اس کا سن کوئی چودہ پندرہ سال کا تھا ابھی اس کی داڑھی مونچھیں تک نہ نکلی تھیں وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا گھر والوں میں سے کسی سے بات تک نہ کی۔ وہ اور اُس کی ماں صبح تک روتے رہے۔ اتنے میں اس کا باپ آیا اس نے کہا کہ بیٹا حجاج نے فریب سے لڑکی کو بلوالیا ہے۔ خدا تجھ پر رحم کرے اور تجھے خوشی نصیب ہو! یہ سن کر نعمت اور زیادہ متفکر ہو گیا۔ رنج و غم نے اس کا یہ حال کر دیا کہ اپنے آپے کی خبر نہیں رہی نہ کسی کے آنے کی خبر تھی نہ جانے کی، نہ کھانے پینے کا ہوش، نہ بات کرنے کی سُرت تین مہینے تک بیمار پڑا رہا۔ اُس کی حالت روز بروز بدتر ہوتی جاتی تھی۔ ماں باپ اس کی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ طبیبوں نے کہہ دیا کہ کنیز کے سوا اس کا اور کوئی علاج نہیں۔

ایک دن اس کے باپ نے کسی عجیب وغریب ایرانی طبیب کا ذکر سُنا۔ لوگ اس کی تعریف کر رہے تھے کہ طب اور نجوم و رمل میں اُسے مہارتِ کلی حاصل ہے۔ ربیع نے اُسے بلوایا جب وہ آیا تو اُسے اپنے پہلو میں بٹھایا اُس کی بڑی تعظیم و تکریم کی اور اُس سے کہا کہ میرے بیٹے کا علاج کر۔ اس نے نعمت سے کہا کہ اپنی نبض دکھا۔ اس نے نبض دکھائی۔ طبیب نے اس کے جوڑ جوڑ دیکھے اس کے چہرے کو ملاحظہ کیا اور ہنسا۔ پھر اُس کے باپ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تیرے بیٹے کو دل کی بیماری کے سوا

اور کوئی بیماری نہیں۔ اس نے کہا کہ اے حکیم تیرا کہنا ٹھیک ہے۔ اب اپنے علم کے زور سے میرے بیٹے کا سارا حال دریافت کر اور مجھے بتا اور مجھ سے کوئی بات پوشیدہ نہ رکھ۔ ایرانی بولا کہ تیرا بیٹا ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار ہے اور وہ لڑکی یا تو بصرے میں ہے اور یا دمشق میں اور اس کا علاج محض اس کا وصال ہے۔ ربیع نے کہا کہ اگر تو دونوں کو ملا دے تو تیرے لیے خوشی ہی خوشی ہے اور تو اپنی زندگی مال و دولت میں بسر کرے گا۔ ایرانی کہنے لگا یہ کام تو بہت آسان ہے، جلد ہو جائے گا۔

اس کے بعد ایرانی نعمت کی طرف مخاطب ہو کر بولا گھبرا نہیں، دل کو مضبوط رکھ، خوش ہو اور آنکھیں ٹھنڈی کر اور پھر ربیع سے اس نے کہا کہ چار ہزار دینار اپنی جیب سے نکال۔ اس نے دینار نکال کر ایرانی کے حوالے کیے۔ دینار لے کر وہ کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ تیرا بیٹا میرے ساتھ دمشق چلے، اگر خدا نے چاہا تو ہم بغیر کنیز کے واپس نہ آئیں گے۔ اب ایرانی نے لڑکے سے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ وہ بولا نعمت۔ ایرانی نے کہا کہ نعمت اطمینان رکھ اور خدا کی امان تیرے شامل رہے! بس یقین کر لے کہ خدا نے تجھے تیری کنیز سے ملا دیا ہے۔ یہ سن کر نعمت سیدھا ہو بیٹھا۔ ایرانی کہنے لگا ہم آج ہی روانہ ہوتے ہیں، چاق چوبند ہو جا۔ خوب کھا پی۔۔ کہ تجھ میں سفر کی قوت آ جائے۔ یہ باتیں کر کے ایرانی نے تمام عمدہ عمدہ چیزیں جن کی سفر کے لیے ضرورت تھی مہیا کیں اور نعمت کے باپ سے کہا کہ دس ہزار دینار پورے کر دے تاکہ راہ کی باربرداری کے لیے گھوڑے اور اونٹ وغیرہ لیے جائیں۔ نعمت اپنے والدین سے رخصت ہو کر حکیم کے ساتھ چل دیا۔ حلب پہنچ کر اُسے کنیز کی کوئی خبر نہ ملی اس لیے وہ دمشق روانہ ہو گئے اور وہاں تین دن ٹھیر کر پہلے آرام کیا پھر ایرانی نے ایک دُکان کرائے پر لی۔ الماریوں میں چینی کے قیمتی برتن سجائے، پردے ڈالے اور الماریوں پر سونے کا کام کر کے ان میں قیمتی پتھروں کے ٹکڑے جڑے اور اپنے آگے بلوری

صراحیاں چنیں، اُن میں تیل اور قسم قسم کے شربت بھرے، اُس پاس چینی اور شیشے
کے پیالے رکھے اور اپنے آگے ایک چوکی بچھائی جس پر اصطرلاب رکھا اور خود حکیموں اور
طبیبوں کا لباس پہن کر نعمت کو سامنے کھڑا کیا۔ اُسے ریشمی قمیص اور قبا پہنائی، کمر سے
ایک ریشمی پٹکا باندھا جس پر سونے کا کام تھا اور اس سے کہا اے نعمت آج سے تو میرا
بیٹا ہی باپ کے سوا اور کسی نام سے مجھے نہ پکاریو اور میں تجھے ہمیشہ بیٹا کہہ کر مخاطب
کروں گا۔ نعمت نے کہا بہت خوب۔ دمشق والے ایرانی کی دکان پر جمع ہوتے۔ نعمت
کے حسن اور دکان اور اس کی چیزوں کی خوب صورتی کو دیکھتے۔ ایرانی نعمت سے
فارسی میں باتیں کرتا اور وہ بھی یہی بولی بولتا کیونکہ بڑے لوگوں کے بیٹے اس
زبان سے واقف تھے۔ اس ایرانی کا دمشق میں بہت جلد چرچا ہوگیا۔ لوگ آتے
بیماریاں بیان کرتے اور وہ انھیں دوا دیتا۔ بعض مریضوں کے قارورے لاتے
اور وہ دیکھ کر بتا دیتا کہ فلاں قارورے کے مریض کو فلاں بیماری ہے۔ دمشق والے اس
کے علم و کمال کے قائل ہوگئے۔ ایرانی کو بڑا ماہر طبیب جاننے لگے۔ اس طرح وہ لوگوں
کی حاجت روائی کرتا اور اس کی دکان پر شہر والوں کا جمگھٹ لگا رہتا یہاں تک
کہ اس کی دھوم گھر گھر پہنچ گئی خاص کر بڑے لوگوں کے گھروں میں اس کا چرچا ہونے لگا۔

ایک دن وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک بڑھیا گدھے پر سوار اس کے
پاس پہنچی جس کا زین دیباج کا تھا اور اس پر جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ بڑھیا ایرانی
کی دکان کے سامنے لگام روک کر ٹھہر گئی اور اشارے سے ایرانی کو بلایا اور کہا میرا ہاتھ
تھام۔ ایرانی نے ہاتھ تھام کر بڑھیا کو گدھے سے اُتار لیا۔ بڑھیا نے پوچھا کیا تو وہی ایرانی
طبیب ہے جو عراق سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بڑھیا بولی سُن میری ایک بیٹی
ہے اور وہ بیمار ہے۔ یہ کہہ کر اس نے قارورہ نکالا اور اسے دکھایا۔ ایرانی نے قارورہ دیکھ کر
دریافت کیا کہ لڑکی کا نام کیا ہے تاکہ اس کے ستارے کا حساب لگا کر دیکھوں کہ اس کے

لیے کس ساعت میں دوا پینا مناسب ہی۔ بڑھیا نے کہا کہ ای ایرانی بزرگ اس کا نام نعم ہی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو بیالیسویں رات

دوسو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ جب ایرانی نے نعم کا نام سُنا تو وہ اپنے ہاتھ پر کچھ لکھنے اور انگلیوں پر حساب لگانے لگا اور پھر بڑھیا سے بولا ای میری آقا ئیں اُس وقت تک اس دوا کی تجویز نہیں کر سکتا جب تک مجھے یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کس جگہ کی رہنے والی ہی کیونکہ ہر جگہ کی آب و ہوا مختلف ہوتی ہی۔ لہٰذا مجھے یہ بتا کہ اس کی تربیت کس ملک میں ہوئی ہی اور اس کا سن و سال کیا ہی؟ بڑھیا نے کہا کہ وہ چودہ سال کی ہی اور اس کی تربیت کوفے میں ہوئی ہی جو عراق میں ہی۔ ایرانی نے پوچھا اور وہ یہاں کب سے ہی؟ بڑھیا نے جواب دیا اُسے یہاں آئے تھوڑے ہی دن ہوئے ہیں۔

نعمت بھی بڑھیا کی باتیں سُن رہا تھا اُسے یقین ہو گیا کہ بڑھیا نے اُسی کنیز کا نام لیا ہی۔ اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس پر غشی کی سی حالت طاری ہو گئی۔ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ اس کے لیے فلاں فلاں دوا مناسب ہو گی۔ بڑھیا بولی جو تیرا جی چاہے پڑیاں باندھ کر مجھے دے دے اور اپنی تشخیص کے مطابق دوا عنایت کر، خدا برکت دے! یہ کہہ کر اس نے دس دینار دکان میں پھینک دیے حکیم نے نعمت کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ بڑھیا کے لیے نسخے کے اجزا تیار کر دے۔ اب بڑھیا نعمت کی طرف دیکھنے لگی اور کہا کہ بیٹا خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے! لڑکی کی شکل بالکل تیری جیسی ہی۔

پھر ایرانی کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی اے ایرانی سردار! یہ تیرا غلام ہے یا بیٹا؟ ایرانی حکیم نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ اس کے بعد نعمت نے دواؤں کی پڑیا باندھ کر اسے ایک ڈبیا میں رکھا اور کاغذ لے کر اپنی طرف سے دو شعر لکھے۔ اس کاغذ کو لپیٹ کر مہر کی اور اُسے ڈبیا کے اندر رکھ دیا اور ڈبیا کے ڈھکنے پر کوفی خط میں لکھا کہ میں کوفے کا باشندہ نعمت بن الربیع ہوں اور وہ ڈبیا بڑھیا کے آگے رکھ دی۔ بڑھیا نے ڈبیا اُٹھالی اور اُن دونوں سے رخصت ہو کر خلیفہ کے محل میں واپس گئی۔ لڑکی کے سامنے اور چیزوں کے ساتھ دوا کی ڈبیا بھی رکھ دی اور کہنے لگی کہ اے میری آقا ہمارے شہر میں ایک ایرانی طبیب آیا ہے جس سے زیادہ حاذق اور بیماریوں کا پہچاننے والا میری نظر سے نہیں گزرا۔ قارورہ دکھا کر میں نے اُسے تیرا نام بتایا تو تیرا مرض پہچان گیا۔ تیرے لیے نسخہ تجویز کیا اور اپنے بیٹے کو دوا دینے کا حکم دیا۔ اس نے تیری دوا باندھ دی۔ اس کے بیٹے سے زیادہ حسین دمشق بھر میں کوئی نہیں، نہ کسی کی جوانی پر میں نے ایسی بہار دیکھی اور نہ اس طرح کی سجی ہوئی کوئی دکان یہاں ہے۔ جب نعم نے ڈبیا اٹھا کر دیکھی تو اس کے ڈھکنے پر اس کے آقا کا نام مع ولدیت لکھا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر اس کا رنگ فق ہو گیا۔ وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ دکان والا ضرور کھوج لگانے آیا ہے۔ پھر اس نے بڑھیا سے کہا کہ جوان کا حلیہ بیان کر۔ بڑھیا بولی اس کا نام نعمت ہے اور اس کی بائیں بھنوں پر ایک نشان ہے، اس کی پوشاک نہایت عمدہ ہے اور وہ حسن کا پتلا ہے۔ لڑکی کہنے لگی اچھالا دوا دے، خدا برکت دینے والا اور مدد کرنے والا ہے! دوا لے کر وہ پی گئی اور ہنس کر کہا یہ مبارک دوا ہے۔ اس کے بعد وہ ڈبیا میں کچھ ٹٹولنے لگی اور اسے وہ کاغذ ملا اس نے اُسے کھول کر پڑھا تو خوش ہو گئی اور اُسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کا آقا ہے۔

بڑھیا نے اُسے ہنستے دیکھا تو کہا کہ آج کا دن مبارک دن ہے۔ نعم نے کہا

کہ ای خادمہ میں چاہتی ہوں کہ کچھ کھاؤں پیوں۔ بڑھیا نے کنیزوں سے کہا کہ اپنی آقا کے لیے دسترخوان بچھا کر اس پر عمدہ عمدہ کھانے چنو۔ دسترخوان لگایا گیا اور وہ کھانے بیٹھی ابھی کھا ہی رہی تھی کہ عبدالملک بن مروان آپہنچا دیکھا کہ لڑکی بیٹھی کھانا کھا رہی ہے۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ خادمہ نے عرض کیا ای امیرالمومنین اپنی کنیز کی صحت پر خوشی منا، اب یہ اچھی ہو گئی۔ اس شہر میں ایک طبیب آیا ہے جس سے زیادہ مرض اور دوا کا ماہر میری نظر سے نہیں گزرا۔ اُس سے میں لڑکی کے لیے دوا لائی ہوں۔ ایک ہی خوراک میں ای امیرالمومنین اس کی ساری بیماری جاتی رہی۔ خلیفہ نے کہا کہ ایک ہزار دینار لے جا اور لڑکی کے بالکل تندرست ہونے تک اس کا علاج کر۔

ادھر تو وہ لڑکی کی صحت سے خوش ہو کر چل دیا اور اُدھر بڑھیا نے ایرانی کی دکان پر جا کر اسے ایک ہزار دینار دیے اور اس سے کہا کہ لڑکی خلیفہ کی کنیز ہے اور اُسے وہ خط دیا جو نعم نے لکھا تھا۔ ایرانی نے خط لے کر نعمت کے حوالے کیا۔ اس کا خط دیکھتے ہی نعمت پہچان گیا اور غش کھا کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو خط کھول کر پڑھا اُس میں لکھا تھا: "یہ خط اس کنیز کا ہے جس کی نعمتیں چھن گئی ہیں عقل ٹھکانے نہیں رہی اور جو اپنے دلی حبیب سے جدا ہے۔ تمھارا خط ملا روح تازہ اور دل شاد شاد ہو گیا" خط پڑھتے پڑھتے نعمت کے آنسو جاری ہو گئے۔ یہ دیکھ کر خادمہ نے پوچھا بیٹا تو کیوں روتا ہے؟ خدا تیری آنکھوں کو نہ رُلائے! ایرانی نے کہا ای میری آقا آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے! وہ اس کی کنیز ہے اور یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا۔ لڑکی کی تندرستی اس کے دیدار پر منحصر ہے اُسے اِس کی محبت کے سوا اور کوئی بیماری نہیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو تینتالیسویں رات

جب دو سو تینتالیسویں رات آئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ایرانی نے بڑھیا سے کہا کہ آخر میرا بیٹا کیوں نہ روئے۔ یہ اس کا آقا نعمت بن الربیع کوفے کا رہنے والا ہے اور لڑکی کی تندرستی اِس کے دیدار پر منحصر ہے اُسے اس کی محبت کے سوا اور کوئی مرض نہیں۔ پھر تھیلی بڑھیا کے آگے رکھ کر بولا اے میری آقا یہ ہزار دینار تو لے لے اور اس سے زیادہ میں تجھے دوں گا۔ ہمارے اُوپر عنایت کی نظر رکھیو کیونکہ تیرے سوا اور کسی کے پاس اس کا علاج نہیں۔ بڑھیا نے نعمت سے پوچھا کہ کیا تو اُس لڑکی کا آقا ہے؟ اس نے کہا کہ ہاں۔ بڑھیا بولی تو سچ کہتا ہے اس لیے کہ لڑکی کی زبان پر بھی ہمیشہ تیرا ذکر رہتا ہے۔ اب نعمت نے بڑھیا سے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور بڑھیا نے کہا اے جوان میرے بغیر تیری رسائی اس تک نہیں ہو سکتی۔ یہ کہتی ہوئی وہ فوراً سوار ہو گئی اور لڑکی کے پاس پہنچ کر پہلے تو اُسے غور سے دیکھا اور پھر ہنسنے لگی اور کہا بیٹی اپنے آقا نعمت بن الربیع کی وجہ سے تیرا رونا اور بیمار پڑ جانا بجا ہے۔ نعم بولی کیا تجھ پر میرا راز کھل گیا اور تجھے حقیقت معلوم ہو گئی بڑھیا نے کہا کہ خوشی منا اور دل شاد ہو جا۔ خدا کی قسم میں تم دونوں کو ملا کر رہوں گی خواہ اس میں میری جان ہی کیوں نہ جائے۔ اب بڑھیا نعمت کے پاس لوٹ کر گئی اور اُس سے کہنے لگی کہ میں تیری کنیز کے پاس جا کر بیٹھی تھی میں نے دیکھا کہ جتنا اشتیاق تجھے اس کا ہے اُس سے زیادہ اُسے تیرا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امیر المومنین اس کے ساتھ خلوت کرنا چاہتا ہے اور وہ اُسے روکنا چاہتی ہے۔ اگر تیرا دل مضبوط ہو اور تجھ میں ہمت ہے تو میں تم دونوں کو ملا دوں گی اور اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کوئی نہ کوئی ترکیب اور تدبیر نکالوں گی کہ تو امیر المومنین

کے محل میں جاکر لڑکی سے ملے کیونکہ وہ باہر نہیں آسکتی۔ نعمت نے کہا جزاک اللہ
یہ کہہ کر بڑھیا نعمت سے رخصت ہوئی اور لڑکی کے پاس آکر اس نے کہا کہ
تیری محبت میں تیرے آقا کی جان نکل رہی ہے اور وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ تیری
کیا رائے ہے؟ نعم نے کہا کہ میں بھی یہی چاہتی ہوں کیونکہ میری جان بھی لبوں پر
آگئی ہے اور میں اس سے ملے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے بعد بڑھیا نے ایک بقچہ سنبھالا
جس میں عورتوں کے زیور اور کپڑے تھے اور اُسے لے کر نعمت کے پاس پہنچی اور
اس سے کہنے لگی میرے ساتھ کسی تنہا جگہ چل۔ نعمت اُسے دکان کے پیچھے ایک کمرے
میں لے گیا۔ وہاں بڑھیا نے نعمت کے مُنہ پر غازہ ملا اور اس کی کلائی پر نقش و نگار
بنائے۔ اُس کے بال گوندھے۔ اُسے لڑکیوں کا لباس پہنایا اور اُسے اس طرح آراستہ کیا
جیسے لڑکیوں کو بہترین طریقے پر آراستہ کیا جاتا ہے۔ وہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے جنت کی
حور۔ خادمہ نے جب اُسے اس صورت سے بنا سنورا دیکھا تو کہنے لگی تَبَارَكَ اللّٰهُ
أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ۔ خدا کی قسم تو اس لڑکی سے بھی زیادہ حسین ہے۔ اب بڑھیا نے
اس سے کہا کہ ذرا چل تو سہی اس طرح سے کہ بایاں ہاتھ آگے رہے اور دہنا پیچھے اور
کولھے مٹکا۔ جس طرح بڑھیا نے کہا تھا اس نے چل کر دکھایا۔ جب بڑھیا کو یقین آگیا
کہ اُسے زنانہ چال آگئی ہے تو اس نے کہا ایک روز اور صبر کر میں انشاءاللہ کل رات کو
تجھے محل میں لے جاؤں گی اور اگر حاجبوں یا نوکروں کی نظر تجھ پر پڑ جائے تو دل
مضبوط کر کے بیجیو اور سر نیچا رکھیو اور کسی سے بات نہ کیجیو، میں خود ان کی باتوں کا جواب
دے لوں گی اور کامیابی خدا کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا دن ہوا تو بڑھیا آئی اور اُسے
لے کر محلاتِ شاہی کی طرف چلی۔ آگے آگے وہ داخل ہوئی اور پیچھے پیچھے نعمت۔
حاجب نے نعمت کو روکنا چاہا۔ بڑھیا ڈانٹ کر بولی۔ اے منحوس غلام یہ لونڈی ہے
نعم کی جو امیرالمومنین کی چہیتی ہے تو اُسے اندر جانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس کے

بعد بڑھیا نے نعمت سے کہا کہ ای لونڈی اندر چل اور وہ بڑھیا کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔
دونوں چلتے چلتے اُس دروازے میں پہنچے جہاں سے صحن میں جانے کا راستہ تھا۔ بڑھیا
نے کہا ای نعمت اپنا دل مضبوط کر کے اندر جا۔ بائیں ہاتھ کی طرف پانچ دروازے گن کر
چھوڑ دیجیو اور چھٹے میں داخل ہو جائیو کیونکہ وہی اُس مکان کا دروازہ ہی جو تیرے
لیے آراستہ کیا گیا ہی اور کسی بات سے نہ ڈریو اور اگر کوئی تجھ سے کچھ کہے تو اس سے
بولیو نہیں اور نہ ٹھیریو۔ یہ کہہ کر بڑھیا اس کے ساتھ روانہ ہو گئی اور اس جگہ پہنچی جہاں
ڈیوڑھیاں تھیں۔ ان ڈیوڑھیوں کے دربان نے بڑھیا کے آگے آکر کہا کہ یہ لونڈی کون
ہی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے
اجازت ملی تھی۔

دوسو چوالیسویں رات

جب دوسو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ ای نیک نہاد بادشاہ! دربان
نے بڑھیا کے آگے آکر کہا کہ یہ لونڈی کون ہی؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ ہماری خاتون
اُسے خریدنا چاہتی ہی۔ دربان نے کہا کہ امیرالمومنین کی بلا اجازت کوئی اندر نہیں
جا سکتا۔ تو اُسے واپس لے جا، میں اُسے اندر نہیں جانے دوں گا، میرے لیے یہی
حکم ہی۔ خادمہ نے کہا کہ ای بڑے حاجب عقل ٹھکانے کر۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ
نعم خلیفہ کی وہ کنیز ہی جس سے اُسے بے حد محبت ہی تندرست ہو رہی ہی اور امیرالمومنین
اس پر بہت مہربان ہیں۔ وہی اس لونڈی کو خریدنا چاہتی ہی اس لیے اُسے اندر جانے
سے نہ روک۔ اگر اُسے معلوم ہو گیا کہ تو اس کی لونڈی کو روکتا ہی تو وہ تجھ سے ناراض ہو گی
اور اس کا مرض عود کر آئے گا اور اگر وہ تجھ سے ناراض ہو گئی تو کوئی نہ کوئی تدبیر

نکال کر تیرا سر اڑوا دے گی۔ یہ کہہ کر اس نے آواز دی کہ ای لونڈی اندر جا اور اس کی بات نہ سن بگر ملکہ سے یہ نہ کہیو کہ حاجب تجھے اندر آنے سے منع کرتا تھا۔ نعمت سر نیچا کرکے محل میں داخل ہو گیا مگر بجائے بائیں طرف جانے کے غلطی سے دہنی طرف چل دیا اور بجائے اس کے کہ وہ پانچ دروازے گن کر چھوڑ دیتا اور چھٹے میں داخل ہوتا اس نے چھ گن کر چھوڑ دیے اور ساتویں میں داخل ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ جامدانی اور کمخواب کا فرش بچھا ہوا ہے، دیواروں پر ریشمی پردے پڑے ہیں جن پر سنہرا کام ہے اندر عود، عنبر اور خالص مشک انگیٹھیوں میں سلگ رہا ہے اور صدر میں ایک تخت پڑا ہے جس پر زربفت کا فرش بچھا ہے۔ نعمت اس تخت پر بیٹھ گیا اسے وہاں شاہانہ شان و شوکت نظر آئی اس کو یہ خبر نہ تھی کہ میری قسمت میں کیا لکھا ہے۔

ابھی وہ بیٹھ کر اپنی حالت پر غور ہی کر رہا تھا کہ امیر المومنین کی بہن آ پہنچی اور اس کے ہمراہ اس کی کنیز تھی۔ اس نے جوان کو بیٹھا ہوا دیکھا تو وہ سمجھی کہ یہ کوئی کنیز ہے۔ آگے بڑھ کر پوچھنے لگی کہ ای کنیز تو کون ہے تیرا کیا ماجرا ہے اور تجھے یہاں کون لایا ہے؟ نعمت نے نہ کچھ اس کا جواب دیا اور نہ کوئی بات کی۔ اس پر اس نے کہا اگر تو میرے بھائی کی داشتہ ہے اور وہ تجھ سے ناراض ہو گیا ہے تو میں اس سے تیری سفارش کر دوں گی تاکہ وہ تجھ سے راضی ہو جائے اس کا بھی نعمت نے کوئی جواب نہ دیا۔ اب خلیفہ کی بہن نے اپنی کنیز سے کہا کہ دروازے پر ٹھیر اور کسی کو اندر نہ آنے دے۔ یہ کہہ کر وہ نعمت کی طرف بڑھی اور اس کا حسن دیکھ کر دنگ رہ گئی، اس سے کہنے لگی ای لڑکی بتا تو سہی کہ تو کون ہے اور تیرا نام کیا ہے اور تو یہاں کیوں آئی ہے؟ میں نے تجھے کبھی پہلے اس محل میں نہیں دیکھا۔ اس پر بھی نعمت چپ رہا تو بادشاہ کی بہن کو غصہ آ گیا اور اس نے نعمت کے سینے پر ہاتھ مارا دیکھا تو اس کے چھاتیاں نہیں۔ چاہا کہ اس کے کپڑے اتار کر دیکھے۔ اس

نعمت بولا اے میری آقا میں تیرا غلام ہوں، مجھے خرید لے اور میں تیری پناہ چاہتا ہوں، مجھے بچا لے۔ اس نے کہا کہ مطمئن رہ تیرا بال تک بیکا نہ ہوگا مگر پہلے یہ بتا کہ تو ہے کون اور تجھے کون میری مجلس میں لایا؟ نعمت بولا اے شاہ زادی میرا نام نعمت بن الربیع ہے اور میں کوفے کا رہنے والا ہوں۔ میں نے اپنی کنیز نعم کی خاطر اپنی جان خطرے میں ڈالی ہے جسے حجاج نے دھوکے سے لے کر یہاں بھیج دیا۔ شاہ زادی نے کہا کہ غم نہ کر اور اپنی کنیز کو بلا کر حکم دیا کہ نعم کی حرم سرا میں جا۔ اب ادھر کی سنیے اس کے قبل کہ یہ لونڈی وہاں پہنچے وہ خادمہ نعم کی حرم سرا میں آچکی تھی اور اس سے پوچھا کہ تیرا آقا آیا یا نہیں؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ خادمہ نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہیں ہوا کہ وہ بھٹک کر بجائے تیری حرم سرا کی کسی اور حرم سرا میں چلا گیا! نعم نے کہا کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔ اب ہم سب کی موت آگئی اور ہم سب مارے گئے، دونوں سوچ میں پڑ گئیں۔ وہ اسی حالت میں تھیں کہ خلیفہ کی بہن کی لونڈی پہنچی نعم کو سلام کر کے عرض کیا کہ میری آقا تجھے اپنے ساتھ کھانا کھانے کے لیے بلاتی ہے۔ نعم نے کہا کہ بسر و چشم۔ خادمہ بولی ہو نہ ہو تیرا آقا خلیفہ کی بہن کے پاس ہے اور سارا راز فاش ہو چکا ہے۔ نعم فوراً اٹھ کر خلیفہ کی بہن کے پاس گئی خلیفہ کی بہن نے کہا دیکھ یہ تیرا آقا میرے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غلطی سے یہاں آگیا لیکن ڈر نہیں خدا نے چاہا تو نہ تجھے کوئی نقصان پہنچے گا اور نہ اسے۔ جب نعم نے خلیفہ کی بہن سے یہ باتیں سنیں تو اسے اطمینان ہوا اور وہ اپنے آقا نعمت کی طرف بڑھی۔ جب نعمت نے اسے دیکھا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو پینتالیسویں رات

دو سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ جب نعمت
کی نظر اپنی کنیز نعم پر پڑی تو وہ اس کی طرف بڑھا دونوں نے ایک دوسرے کو اپنے
سینے سے لگا لیا اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ تھوڑی دیر بعد انھیں ہوش آیا تو خلیفہ
کی بہن نے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور ہمیں سوچنے دو کہ ہم اس مخمصے سے کیونکر چھٹکارا پا سکتے
ہیں۔ انھوں نے کہا کہ ای ہماری آقا تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ وہ کہنے لگی خدا کی قسم تمھیں
مجھ سے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پھر اس نے اپنی کنیز سے کہا کہ کھانا اور شراب
حاضر کر۔ دسترخوان چُنا گیا سب نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا اور شراب پینے بیٹھ گئے
دور چلنے لگا اور ان کا غم غلط ہوگیا۔ نعمت کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس
کے بعد میرا کیا حشر ہونے والا ہی! خلیفہ کی بہن نے نعمت سے کہا کہ کیا تو اپنی کنیز نعم
کو چاہتا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ ای میری آقا اسی کی محبت نے تو میرا بدن گھلا
دیا اور میری حالت دگرگوں کر دی ہی۔ خلیفہ کی بہن بولی واللہ تم دونوں ایک
دوسرے سے محبت کرتے ہو۔ خدا نہ کرے کہ کوئی تم دونوں میں جدائی ڈالے!
اب تم خوش ہو اور دل شاد رہو۔ یہ سُن کر دونوں خوش ہوگئے اور نعم نے عود منگوایا
اور اس نے اسے لے کر تار ٹھیک کیے اور ایک ایسا راگ بجایا کہ سب خوش ہوگئے۔
اس کے بعد اس نے عود اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اب تو کچھ سنا۔ اس نے بھی عود کے
پہلے تار ٹھیک ملائے اور اس خوبی سے بجایا کہ حاضرین واہ واہ کرنے لگے۔ جب وہ
گا بجا چکا تو نعم نے ایک جام بھر کر اُسے دیا اور وہ اسے کر چڑھا گیا۔ پھر اس نے دوسرا
جام بھر کر خلیفہ کی بہن کے سامنے پیش کیا۔ وہ بھی پی گئی اور نشے کی ترنگ میں عود
کا ٹھاٹ درست کر کے گانے بجانے لگی۔ اسی طرح باری باری سب پیتے اور

گاتے بجاتے۔

شراب کا رنگ چڑھا ہوا اور سرود کی محفل گرم تھی کہ اتنے میں امیر المومنین آ پہنچا۔ جب اُن کی نظر اس پر پڑی تو وہ سب اُٹھ کھڑے ہوئے اور زمین کو بوسہ دیا۔ یکایک اس کی نظر نعم پر پڑی۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھ میں عود ہی کہنے لگا نعم شکر ہی خدا کا جس نے تیری بیماری اور تکلیف دُور کر دی! اب وہ نعمت کی طرف متوجہ ہوا جواب تک اُسی زنانہ لباس میں تھا اور اپنی بہن سے بولا نعم کے پاس یہ دوسری کنیز کون ہی؟ بہن نے جواب دیا کہ ای امیر المومنین یہ تیری ایک داشتہ ہی۔ نعم اس کے سوا اور کسی کے ساتھ کھاتی پیتی نہیں۔ خلیفے نے کہا کہ قسم ہی بزرگ خدا کی کہ وہ بھی نعم ہی کی طرح خوب صورت ہی۔ میں انشاء اللہ کل نعم کی حرم سرا کے پہلو میں اس کے لیے بھی مکان خالی کرا دوں گا اور اس کے لیے بھی سارے عیش کے سامان مہیا ہو جائیں گے اور یہ کسی ضرورت کی محتاج نہ رہے گی اور یہ سب نعم کی خاطر ہی۔ بعد ازاں اس نے اپنی بہن سے کھانا مانگا اس نے بھائی کے آگے کھانا پیش کیا وہ کھانا کھا کر وہیں ان کے پاس بیٹھا رہا اور ایک جام بھر کر نعم کی طرف اشارہ کیا کہ کچھ سُنا۔ نعم نے وہ جام پی کر عود اٹھالیا اور گانے بجانے لگی۔ امیر المومنین سرور میں آگیا اور ایک اور جام بھر کر نعم کو دیا اور کہا کچھ اور سُنا۔ اس نے کچھ اور شعر گائے۔ خلیفے نے سُن کر کہا کہ واللہ نعم کیا خوب! خدا تیری گلے بازی قائم رکھے! تیری آواز کیسی سُریلی ہی اور تیرا لب و لہجہ کیسا صاف ہی! آدھی رات تک یہ رنگ رلیاں اڑتی رہیں۔

آدھی رات اسی طرح گزر گئی تو خلیفہ کی بہن نے کہا ای امیر المومنین ایک بڑے آدمی نے ایک کہانی لکھی ہی جو میری نظر سے گزری ہی۔ خلیفہ نے پوچھا وہ کیا کہانی ہی؟ اس کی بہن نے کہا امیر المومنین سُن، کوفے میں ایک جوان رہتا تھا جس کا نام نعمت بن الربیع تھا۔ اس کی ایک کنیز تھی جسے وہ بہت چاہتا تھا اور

جو اُسے بہت چاہتی تھی وہ دونوں تربیت کے ایک ہی گہوارے میں پلے تھے۔ جب وہ جوان ہوئے اور دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے لگے تو زمانے نے ان پر مصیبت ڈھائی، انھیں آفتوں کا نشانہ بنایا اور دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا۔ حاسدوں نے مکروفریب کرکے کنیز کو اس کے آقا کے گھر سے چرالیا اور ان چوروں نے اُسے دس ہزار دینار میں ایک بادشاہ کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ دونوں ایک دوسرے پر عاشق تھے اس لیے آقا اپنا گھربار اور عیش وعشرت چھوڑ کر اس کی تلاش میں نکلا اور اپنی جان جوکھوں میں ڈال کر اس سے ملا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چھیالیسویں رات

جب دوسو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! نعمت اتنی مدت تک اپنے خاندان اور وطن سے دُور رہا کہ اُسے اپنی کنیز سے ملنے کی تدبیر معلوم ہوگئی اور بڑی کوشش اور جانفشانی کے بعد اس تک رسائی ہوئی۔ اس کنیز کا نام نعم تھا۔ وہ دونوں مدتوں کے بچھڑے ہوئے ابھی مل کر بیٹھے ہی تھے کہ بادشاہ پہنچ گیا جس نے اس کنیز کو چوروں سے خریدا تھا اور اس نے نہ آؤ دیکھا نہ تاؤ دونوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا بغیر اس کے کہ اپنے دل میں انصاف کرے یا حکم دینے سے پہلے کچھ سوچے۔ اے امیرالمومنین اس بادشاہ کی بے انصافی کے متعلق تیرا کیا خیال ہے؟ امیرالمومنین نے کہا یہ کیا عجیب فیصلہ ہے! اُس بادشاہ کو لازم تھا کہ اپنی مقدرت کی بنا پر انھیں معاف کردیتا کیونکہ اس پر اُن کی طرف سے تین باتوں کا لحاظ کرنا فرض تھا۔ پہلے اس کا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے عاشق تھے۔ دوسرے یہ کہ وہ اس کے مکان میں تھے اور

اس کے قبضے میں۔ تیسرے لوگوں پر حکم دینے میں بادشاہ کو جلدی نہ کرنی چاہیے خاص کر ایسے معاملے میں جو خود اس سے متعلق ہو۔ اس بادشاہ نے بادشاہوں کا سا کام نہیں کیا۔ اس کی بہن نے کہا کہ بھائی خدا کے لیے جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے نعم سے کہہ کہ کچھ گائے اور تو سن کہ وہ کیا گاتی ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ نعم مجھے کچھ گا کر سنا۔ نعم نے پھر عود اٹھا لیا اور ایسا گائی کہ امیرالمومنین باغ باغ ہو گیا۔ اس عالم خوشی میں اس کی بہن نے کہا کہ بھائی جو شخص اپنے اوپر کوئی فیصلہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اس پر قائم رہے اور اپنے قول کے موافق عمل کرے تو نے یہ فیصلہ دے کر اپنے اوپر حکم لگا دیا ہے۔ خلیفہ سے یہ کہتے ہی اس نے کہا ای نعمت اٹھ کھڑا ہو اور نعم تو بھی کھڑی ہو جا اور دونوں اُٹھ کھڑے ہوئے۔

اب خلیفہ کی بہن نے کہا ای امیرالمومنین یہ جو تیرے سامنے کھڑی ہے نعم ہے جسے حجاج بن یوسف الثقفی نے چرا کر تیرے پاس بھیجا ہے اور یہ جو اس نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ اُس نے اِسے دس ہزار دینار میں خریدا ہے جھوٹ ہے اور یہ جو تیرے سامنے کھڑا ہے اُس کا آقا نعمت بن الربیع ہے۔ میں تجھ سے تیرے پاک آباواجداد اور حمزہ اور عقیل اور عباس کا واسطہ دے کر کہتی ہوں کہ تو انھیں معاف کر دے اور ان کا جرم بخش دے اور اِن دونوں کو ایک دوسرے کے حوالے کر دے تاکہ تجھے ان کا اجر اور ثواب ملے کیونکہ وہ تیرے قبضے میں ہیں اور انھوں نے تیرا نمک کھایا اور پانی پیا ہے۔ میں ان کی سفارش کرتی ہوں اور درخواست کرتی ہوں کہ تو ان کا خون بخش دے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا کہنا بجا ہے۔ میں نے یہی فیصلہ کیا ہے اور یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ میں ایک بات کا فیصلہ کر کے اس سے پھر جاؤں۔ اس کے بعد اس نے نعم سے پوچھا کیا یہ واقعی تیرا آقا ہے؟ اس نے عرض کیا ہاں ای امیرالمومنین۔ خلیفہ نے کہا کہ فکر نہیں میں تمھیں ایک دوسرے کو بخش چکا ہوں۔ پھر وہ نعمت سے مخاطب ہوا

اور دریافت کیا کہ اس بات کا پتا کیسے لگا کہ وہ یہاں ہے اور مکان کا نقشہ تجھے کس نے بتایا؟ اس نے جواب دیا کہ اے امیر المومنین میرا حال اور میرا قصہ کان دھر کر سن کیونکہ تیرے پاک آبا و اجداد کی قسم میں تجھ سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا۔ یہ کہہ کر اس نے سب کچھ بیان کر دیا جو اس کے ساتھ پیش آیا تھا اور جو کچھ ایرانی حکیم اور خادمہ نے اس کے ساتھ کیا یعنی وہ سارا قصہ کہ کس طرح محل میں داخل ہوا اور دروازہ بھول گیا۔ اس پر خلیفہ کو بے حد تعجب ہوا اور کہا کہ اس ایرانی کو بلاؤ۔ جب وہ حاضر ہوا تو اس نے اسے اپنے خاص مصاحبوں میں داخل کر لیا، خلعت عطا کیا اور اس کے لیے ایک عمدہ مشاہرہ مقرر کر دیا اور کہنے لگا کہ جو شخص ایسی تدبیر پر قادر ہو وہ اس قابل ہے کہ میں اس کو اپنے مشیروں میں جگہ دوں۔ اس کے بعد اس نے نعمت اور نعم کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا، انھیں اپنی عنایات سے سرفراز کیا اور خادمہ کو بھی انعام دیا۔ سات دن تک انھوں نے خلیفہ کے ساتھ رہ کر بڑی خوشی اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کی۔ بعد ازاں نعمت نے اپنے اور نعم کے لیے خلیفہ سے کوفے کے سفر کی اجازت مانگی اور روانہ ہو کر اپنے ماں باپ سے ملا اور نہایت عیش و عشرت سے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو جدا کرنے والی موت آگئی۔

جب امجد اور اسعد نے بہرام سے یہ کہانی سنی تو انھیں بہت تعجب ہوا اور وہ کہنے لگے کہ یہ عجیب و غریب کہانی ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو سینتالیسویں رات

دو سو سینتالیسویں رات آئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب امجد

اور اسعد نے بہرام سے جو آتش پرست سے مسلمان ہوا تھا یہ کہانی سنی تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ خیر اس رات تو انھوں نے آرام کیا سویرا ہوتے ہی امجد اور اسعد سوار ہو کر بادشاہ سے ملنے گئے اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ اجازت کے بعد وہ اندر آئے تو بادشاہ نے بڑے تپاک سے انھیں بٹھایا اور تینوں باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں شہر کے اندر شور و غل بپا ہوا، لوگ چلّانے اور دُہائی مانگنے لگے۔ حاجب نے بادشاہ کے پاس آ کر اطلاع کی کہ کسی غنیم نے شہر پر چڑھائی کر دی ہے اس کے سپاہی ننگی تلواریں لیے شہر میں گھس آئے ہیں معلوم نہیں ان کا کیا مقصد ہے۔ بادشاہ نے جو کچھ حاجب سے سنا تھا اپنے وزیر امجد اور اس کے بھائی اسعد سے بیان کیا۔ امجد نے کہا کہ میں بادشاہ کے پاس جا کر ابھی خبر لاتا ہوں۔ یہ کہہ کر امجد محل سے نکلا اور اس نے دیکھا کہ بادشاہ کے ساتھ بے شمار سوار، پیادے اور غلام ہیں۔ امجد کو دیکھ کر وہ سمجھ گئے کہ شہر کے بادشاہ کا ایلچی ہے وہ اُسے سلطان کے پاس لے گئے۔ امجد اس کے پاس پہنچا زمین کو بوسہ دیا اور دیکھا کہ یہ سلطان ایک عورت نقاب پوش ہے۔ ملکہ نے امجد سے کہا مجھے تم سے کوئی واسطہ نہیں۔ میں اس شہر میں محض ایک بے داڑھی مونچھ والے غلام کی تلاش میں آئی ہوں۔ اگر وہ مجھے مل گیا تو تمھارا کچھ نقصان نہ ہو گا اور اگر نہ ملا تو ہمارے تمھارے درمیان سخت لڑائی ہو گی۔ امجد نے کہا کہ اے ملکہ اس کا نام اور پتا، حلیہ اور قصہ سنا؟ وہ بولی اس کا نام اسعد ہے اور میرا نام مرجانہ۔ وہ غلام ہے آتش پرست بہرام اسے لے کر میرے پاس آیا تھا اور چونکہ وہ اُسے بیچنا نہیں چاہتا تھا اس لیے میں نے اُسے زبردستی لے لیا مگر بہرام نے اس کا پیچھا کیا اور رات کے وقت میرے پاس سے چرا کر چلتا ہوا۔ پھر اس نے اس کا حلیہ بیان کیا۔ امجد سمجھ گیا کہ وہ اس کے بھائی اسعد کی تلاش میں ہے اور کہنے لگا جہاں پناہ شکر ہے اس خدا کا جس نے ہمیں خوشی بخشی! وہ غلام میرا بھائی ہے۔ اس کے بعد اس نے اپنی ساری کہانی سنائی اور وہ ماجرا بیان کیا

گیا جو اُن دونوں پر پردیس میں پیش آیا تھا اور یہ کہ وہ جزائر آبنوس سے کیونکر نکلے۔ یہ سن کر ملکہ مرجانہ حیرت میں آگئی اور اسعد کے مل جانے کی خوشی ہوئی۔ اس نے امجد کو خلعت پہنایا۔ یہاں سے امجد بادشاہ کے پاس واپس گیا اور اس سے ساری باتیں بیان کیں سب لوگ خوش ہو گئے اور بادشاہ امجد اور اسعد کو لے کر ملکہ سے ملنے کے لیے گیا۔ خوب آؤ بھگت ہوئی اور دونوں بادشاہ مع دونوں بھائیوں کے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ پھر غبار اٹھا اور چاروں طرف اندھیرا چھا گیا تھوڑی دیر کے بعد اس کے اندر سے ایک جرار لشکر جو متلاطم سمندر کی طرح تھا نکلا۔ یہ لشکر زرہ بکتر پہنے اور ہتھیار لگائے شہر کی طرف چلا آرہا تھا اس نے آتے ہی شہر کو اس طرح گھیر لیا جیسے انگوٹھی چھنگلی کو اور تلواریں کھینچ لیں۔ یہ دیکھ کر امجد اور اسعد نے کہا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! کیسا زبردست لشکر ہے! اور یہ ضرور دشمن ہیں۔ اگر ہم ان کے ساتھ ملکہ مرجانہ سے مل کر نہ لڑے تو ہمارے شہر پر قطعی ان کا قبضہ ہو جائے گا اور وہ ہمیں قتل کر ڈالیں گے۔ اب سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ ہم جا کر ان کی خبر لائیں۔ یہ کہہ کر امجد شہر کے دروازے سے نکلا اور ملکہ مرجانہ کے لشکر سے گزر کر اس نئے لشکر کے پاس پہنچا اور معلوم کیا کہ وہ اس کی ماں ملکہ بدور کے باپ بادشاہ غیور کا لشکر ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اڑتالیسویں رات

دو سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! امجد لشکر کے

پاس پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ جزیروں اور سمندروں اور سات محلوں کے مالک اس کے نانا بادشاہ غیور کا لشکر ہے۔ جب وہ صاحب لشکر کے سامنے پہنچا تو اس نے زمین بوس ہو کر اس فوج کشی کا سبب پوچھا۔ بادشاہ نے کہا میرا نام بادشاہ غیور ہے اور میں اپنی بیٹی بدور کی تلاش میں ملک ملک پھر رہا ہوں کیونکہ جب سے وہ مجھ سے جدا ہوئی ہے نہ تو واپس آئی اور نہ اس کی اور اس کے شوہر قمر الزماں کی مجھے کوئی خبر ملی۔ تم لوگ ان کا کچھ حال بتا سکتے ہو؟ یہ سن کر امجد نے سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر تک سوچتا رہا یہاں تک کہ اسے یقین ہو گیا کہ وہ اس کی ماں کا باپ اس کا نانا ہے۔ اس کے بعد اس نے سر اٹھایا اور بادشاہ کے سامنے پھر زمین کو بوسہ دیا اور گزارش کی کہ میں تیری بیٹی بدور کا بیٹا ہوں۔ جوں ہی بادشاہ نے سنا کہ وہ اس کی بیٹی بدور کا بیٹا ہے تو اسے اپنی چھاتی سے لگایا، دونوں رونے لگے۔ بادشاہ غیور نے کہا کہ بیٹا شکر ہے خدا کا کہ میں تجھ سے ملنے تک زندہ رہا۔ اچھا بتا تیری ماں اور تیرے باپ کا کیا حال ہے؟ امجد نے کہا کہ تیری بیٹی بدور اور میرا باپ قمر الزماں دونوں خیریت سے ہیں اور وہ اس جگہ کے حکمراں ہیں جس کا نام جزیرہ آبنوس ہے۔ ساتھ ہی اس نے یہ بھی بیان کیا کہ میرا باپ قمر الزماں مجھ سے اور میرے بھائی سے ناراض ہے اور اس نے ہم دونوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا تھا لیکن خزانچی نے ہم پر ترس کھایا اور ہمیں زندہ چھوڑ دیا۔ بادشاہ غیور نے کہا کہ میں تجھے اور تیرے بھائی کو خود لے کر تیرے باپ کے پاس چلوں گا اور صلح کرا دوں گا اور تمہارے ساتھ رہوں گا۔ اس پر امجد خوش ہو کر اس کے آگے جھک گیا۔ بادشاہ غیور نے اپنے نواسے امجد کو خلعت عطا کیا اور اس نے رخصت ہو کر اپنے بادشاہ سے یہ سارا قصہ کہا۔ بادشاہ کو بڑی مسرت ہوئی اور اس نے فوراً مہمانی کا سامان مثلاً بھیڑیں، گھوڑے، اونٹ اور چارا وغیرہ روانہ کیا اور یہی چیزیں ملکہ مرجانہ کے لیے بھی بھیجیں۔ ملکہ مرجانہ بھی یہ عجیب ماجرا سن کر تعجب

میں پڑ گئی اور اس نے کہا کہ میں اپنی فوج کے ساتھ غیور شاہ کے ہمراہ جا کر صلح کی کوشش کروں گی۔

ملکہ اور دونوں بادشاہ اپنی اپنی جگہ پھر خوش تھے کہ پھر غبار اٹھا سورج کی روشنی ماند پڑ گئی، شور و غل اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ کی آوازیں سنائی دیں اور چمکتی ہوئی تلواریں اور بھالوں کے پھل دکھائی دیے۔ جب یہ لشکر شہر کے قریب آ پہنچا اور انھوں نے وہاں دو لشکر دیکھے تو وہ ڈھول بجانے لگے۔ بادشاہ نے یہ دیکھ کر کہا کہ آج کا دن مبارک دن ہے شکر ہے اس خدا کا جس نے اِن دو لشکروں سے ہماری صلح کرا دی اور انشاء اللہ وہ اس لشکر سے بھی ہماری صلح کرا دے گا۔ اس کے بعد وہ بولا کہ اے امجد اور اے اسعد جا کر اس لشکر کی بھی خبر لاؤ۔ یہ تو اتنا بڑا لشکر ہے کہ اس سے بڑھ کر میری نظر سے نہیں گزرا۔ بادشاہ نے اس لشکر کے ڈر سے جس نے شہر کو چاروں طرف سے گھیرنا شروع کر دیا تھا شہر کے دروازے بند کرا دیے تھے۔ اس لیے امجد اور اس کا بھائی اسعد دروازے کھلوا کر لشکر کے پاس پہنچے اور دیکھا کہ وہ بڑا عظیم الشان لشکر ہے۔ اندر جا کر انھیں معلوم ہوا کہ وہ جزائر آبنوس کے بادشاہ کا لشکر ہے اور اُن کا باپ قمر الزماں خود سرِ لشکر ہے۔ آگے بڑھے اور اُن کی نظر باپ پر پڑی تو انھوں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور رونے لگے۔ انھیں دیکھتے ہی قمر الزماں ان سے لپٹ گیا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بار بار اپنے دونوں بیٹوں کو پیار کرتا، چھاتی سے لگاتا۔ پھر اس نے بہت سی معذرت کرنے کے بعد ان سے بیان کیا کہ اُن کے چلے جانے کے بعد اُسے اُن کی جدائی میں کس قدر تکلیف پہنچی اور کیا گزری۔ وہ اپنی کہہ چکا تو امجد اور اسعد نے بادشاہ غیور کے متعلق سنایا کہ وہ بھی آیا ہوا ہے۔ یہ سن کر قمر الزماں اپنے خاص خاص ہمراہیوں اور دونوں بیٹوں امجد اور اسعد کو لے کر فوراً گھوڑا ہو گیا جب یہ بادشاہ غیور کے لشکر کے پاس پہنچے تو ہرکاروں نے بڑھ کر اُسے خبر دی کہ قمر الزماں آیا ہے۔ وہ داماد کے استقبال کو اپنے خیمے سے باہر نکل آیا اور سب کے سب آپس میں ملے انھیں

اس بات پر سخت تعجب تھا کہ خدا نے کس طرح ایک کو دوسرے سے ملایا۔ پھر شہر والوں نے ان کے لیے طرح طرح کے کھانے اور مٹھائیاں تیار کرائیں، اُن کی دعوتیں کیں اور انھیں گھوڑے، اونٹ، کھانے اور چارے پیش کیے اور وہ تمام چیزیں ان کے لیے مہیّا کیں جن کی لشکر کو ضرورت تھی۔

مہمان داری سے ابھی فرصت نہیں ملی تھی کہ پھر جنگل کی طرف سے گرد اٹھتی نظر آئی اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین تھرانے لگی۔ نقاروں اور دماموں کی آوازیں آنے لگیں۔ دیکھا تو فوج ہے زرہ بکتر پہنے، ہتھیار لگائے لیکن سب سیاہ پوش اور ان کے بیچ میں ایک بہت بوڑھا شخص ہے جس کی ڈاڑھی سینے تک اور کپڑے اس کے بھی سیاہ ہیں۔ شہر والے حیران تھے کہ یہ کون آیا اور ان کے بادشاہ نے دوسرے بادشاہوں سے کہا کہ شکر ہے خدا کا جس کے حکم سے تم سب یہاں ایک ہی دن اکٹھے ہوئے ہو اور سب کے سب ایک دوسرے سے واقف ہو لیکن اب یہ کس کی فوج آئی۔ انھوں نے جواب دیا: اندیشہ نہ کرو ہم تین بادشاہ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ بڑا لشکر ہے۔ اگر وہ دشمن ہیں تو ہم اُن سے لڑیں گے خواہ وہ تعداد میں کتنے بھی ہوں۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ اس تازہ وارد لشکر کا ایلچی شہر کی طرف آیا اور لوگ اُسے قمر الزماں اور بادشاہ غیور اور ملکہ مرجانہ اور شہر کے بادشاہ کے پاس لے آئے۔ ایلچی نے زمیں بوس ہو کر کہا کہ ہمارا بادشاہ عجم کے ملک سے آیا ہے۔ کئی سال سے اس کا بیٹا گم ہے اور وہ اُس کی تلاش میں ملک ملک خاک چھانتا پھرتا ہے۔ مگر اس کا بیٹا یہاں مل گیا تو تمھیں ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں اور اگر نہیں ملا تو وہ تم پر چڑھائی کر کے تمھارا شہر تباہ کر دے گا۔ قمر الزماں نے کہا کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اچھا یہ بتا کہ اُسے عجم کے ملک میں کس نام سے یاد کرتے ہیں؟ ایلچی نے کہا کہ اس کا نام بادشاہ شہرمان ہے اور وہ جزائر خالدان کا حکمراں ہے۔ یہ لشکر اس نے ان تمام ملکوں سے جمع کیا ہے جہاں وہ گزرا ہے اور اپنے بیٹے کو تلاش کیا ہے۔

ایلچی کی زبانی یہ سُن کر قمرالزماں نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا اور کچھ دیر تک بے ہوش رہا جب اُسے ہوش آیا تو وہ زار زار رونے لگا اور امجد اور اسعد اور اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ ای میرے بیٹو ایلچی کے ساتھ جا کر میرے والد اپنے دادا کو سلام کرو اور اُسے میری خوش خبری دو کیونکہ اس کی غمگینی میری ہی وجہ سے ہے اور میرے ہی سوگ میں وہ اب تک سیاہ پوش ہے۔ اس کے بعد اس نے تینوں بادشاہوں سے اپنی جوانی کا ماجرا بیان کیا۔ اُن سب کو بڑا تعجب ہوا اور وہ تینوں قمرالزماں کے ساتھ اس کے باپ کے پاس گئے۔ قمرالزماں نے اپنے باپ کو سلام کیا دیکھتے ہی دونوں ایک دوسرے کے گلے سے لپٹ گئے اور مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑے۔ جب انھیں ہوش آیا تو قمرالزماں نے باپ سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا۔ اس کے بعد باقی بادشاہوں نے بھی اُسے سلام کیا۔

سب کی صلاح سے مرجانہ کی شادی اسعد کے ساتھ کر دی گئی۔ مرجانہ اپنے دولھا کے ساتھ اپنے ملک کی طرف روانہ ہوئی اس سے تاکید کر دی کہ خط و کتابت جاری رکھیو۔ اس کے بعد امجد کی شادی بہرام کی بیٹی بستان سے کر دی اور بیٹے بہو کو ساتھ لے کر قمرالزماں دوسرے بادشاہوں کے ہمراہ شہر آبنوس کو روانہ ہو گیا۔ اپنے ملک میں جب یہ سب پہنچ گئے تو قمرالزماں نے اپنے خسر کے پاس جا کر اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور یہ کہ اپنے بیٹوں کو کس طرح دوبارہ پایا۔ وہ بہت خوش ہوا اور سلامتی پر مبارک باد دی۔ بادشاہ غیور بھی اپنی بیٹی ملکہ بدور سے ملا اور اس سے مل کر اپنی تمناؤں کو ٹھنڈا کیا۔ مدینۃ الآبنوس میں پڑے ایک مہینے ٹھیر کر پھر اپنی بیٹی کو لے کر اپنے شہر چلا گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو انچاسویں رات

جب دوسو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ بادشاہ غیور اپنی بیٹی اور ہمراہیوں کے ساتھ اپنے شہر کو روانہ ہوگیا اور امجد کو اپنے ساتھ لیتا گیا اپنے ملک میں پہنچ کر اس نے امجد کو اپنا جانشین بنا دیا اور وہ اپنے نانا کی جگہ حکمرانی کرنے لگا۔ قمرالزماں نے اپنے بیٹے اسعد کو اس کے نانا ارمانوس کے شہر میں اپنی جگہ بادشاہ بنا دیا اور اس کے نانا نے بھی اپنے نواسے کا بادشاہ ہونا بخوشی منظور کر لیا۔ اس کے بعد قمرالزماں نے سفر کی تیاری کی اور اپنے باپ بادشاہ شہرمان کے ساتھ روانہ ہوکر جزائر خالدان پہنچا اور باپ بیٹے کے لیے شہر سجایا گیا۔ پورے ایک مہینے تک خوشی کے نقارے بجتے رہے اور قمرالزماں اپنے باپ کی جگہ حکومت کرنے لگا یہاں تک کہ تمام لذتوں کو ڈھانے اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی اور اللہ بہترین جاننے والا ہی۔

بادشاہ نے شہرزاد سے کہا کہ یہ کہانی نہایت عجیب و غریب ہی۔ اس نے عرض کیا جہاں پناہ مگر علاءالدین ابوالشامات کی کہانی سے زیادہ عجیب و غریب نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ علاءالدین ابوالشامات کی کیا کہانی ہی؟

علاءالدین ابوالشامات کی کہانی

اس نے کہا کہ ای نیک نہاد بادشاہ پرانے زمانے میں ایک سوداگر مصر میں رہتا تھا جس کا نام شمس الدین تھا۔ وہ تاجروں میں بہترین اور سب سے زیادہ راست گو تھا اس کے پاس بہت سے نوکر چاکر غلام، کنیزیں اور بے شمار مال و دولت تھی۔ مصر والے اس کو تاجروں کا بادشاہ کہتے تھے۔ اُسے اپنی بیوی سے بہت محبت تھی اور بیوی کو

بھی اُس سے عشق تھا لیکن اس کے ساتھ چالیس سال رہنے کے بعد بھی نہ اس کے ہاں کوئی بیٹی ہوئی تھی نہ بیٹا۔ ایک دن وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا تھا اس نے دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ اس کے ایک یا دو یا کئی بیٹے دکانوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اس کو بڑی حسرت آئی۔ یہ جمعے کا دن تھا۔ اسی خیال میں حمام چلا گیا اور جب غسل کر کے نکلا تو نائی کا آئینہ لے کر اپنی صورت دیکھنے لگا اور کہا کہ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ اس کے بعد اس کی نظر اپنی داڑھی پر پڑی۔ سفیدی سیاہی پر غالب آگئی تھی۔ اُسے یاد آگیا کہ بڑھاپا موت کا پیغام ہے۔ اس کی بیوی کو معلوم تھا کہ وہ کب لوٹتا ہے وہ اس کے لیے نہا دھو اور بن سنور کر بیٹھتی تھی۔ اس روز جو وہ اپنی بیوی کے پاس آیا تو بیوی نے شام بخیر کہہ کر مزاج پوچھا اس نے جواب دیا کہ مَیں نے کوئی خیر نہیں دیکھی۔ بیوی نے لونڈی سے کہا کہ شام کے کھانے کے لیے دسترخوان بچھا۔ جب لونڈی کھانا لائی اور بیوی نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا کھا تو وہ بولا کہ مَیں کچھ نہ کھاؤں گا۔ اور دسترخوان کو ٹھوکر مار کر بیوی کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا سبب ہے اور تو کیوں غمگین ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو پچاسویں رات

دو سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ شمس الدین نے اپنی بیوی سے کہا کہ میری غمگینی کا سبب تو ہے۔ اس نے کہا یہ کیسے؟ شوہر بولا آج جب مَیں نے دکان کھولی تو دیکھا کہ ہر سوداگر کے ساتھ ایک یا دو کئی بیٹے اپنے اپنے باپ کے پہلو میں دکانوں پر بیٹھے ہوئے ہیں اور مَیں اپنے دل میں کہنے لگا کہ جس

ذات سے تیرے باپ کو اُٹھا لیا ہے تجھے بھی نہیں چھوڑے گی اور جس رات میں نے پہلے پہل تیرے ساتھ ہم بستری کی ہے تو میں نے قسم کھائی تھی کہ تیرے بعد میں نہ کسی سے شادی کروں گا اور نہ کسی حبشی، رومی یا کسی اور لونڈی کے ساتھ ہم بستر ہوں گا اور کسی رات تجھ سے علیحدہ نہ سوؤں گا۔ اب حالت یہ ہے کہ تو بانجھ ہو اور تیرے اندر بچہ پیدا کرنا پتھر کاٹنا ہے۔ بیوی نے کہا کہ خدا جانتا ہے کمی تجھ میں ہے نہ کہ مجھ میں، کیونکہ تیرا مادہ پتلا اور تخم کمزور ہے۔ اس نے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب؟ بیوی نے جواب دیا کہ ایسی صورت میں عورت حاملہ نہیں ہو سکتی اور بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ شوہر نے کہا اچھا اس کا علاج، اس کی دوا کہاں ملتی ہے؟ میں ابھی جا کر اُسے خریدوں گا تاکہ اس سے مادہ گاڑھا اور تخم طاقتور ہو جائے۔ بیوی بولی عطاروں کے پاس جا کر تلاش کرو۔ دوسرے دن صبح کو جب تاجر سو کر اُٹھا تو وہ اس بات پر پچھتایا کہ اُس نے بیوی کو بُرا بھلا کہا اور بیوی کو بھی اس بات پر ندامت ہوئی کہ اس نے شوہر سے سخت کلامی کی پھر وہ بازار جا کر ایک عطار سے ملا اور سلام علیک کی۔ عطار نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس مرد کے مادے کو غلیظ کرنے کی دوا ہے؟ اس نے کہا کہ تھی تو سہی مگر ختم ہو گئی ہے۔ میرے پڑوسی سے پوچھو۔ اب وہ ایک ایک عطار کے پاس جاتا اور یہی سوال کرتا۔ وہ اس پر ہنستے۔ اس کے بعد وہ اپنی دکان کو لوٹا اور غمگین بیٹھ گیا۔

بازار میں ایک بھنگڑی دلالوں کا چودھری تھا اسے افیون اور بھنگ کھانے کی لت تھی اور بھنگ بھی وہ جو ہری ہو۔ اس چودھری کا نام شیخ محمد سمسم تھا۔ ہمیشہ پھٹی حالت میں رہتا اور ہر روز صبح کو اس تاجر کے پاس آ کر سلام کر جاتا۔ دستور کے مطابق وہ آج بھی آیا اور اس نے السلام علیکم کہا سوداگر نے سلام کا جواب دیا مگر اس کے تیور بگڑے ہوئے تھے۔ چودھری نے پوچھا کہ اے میرے آقا تو غصے میں کیوں

پھر اٹھتا ہی؟ اس نے سارا ماجرا کہہ سنایا جو اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان پیش آیا تھا اور کہا کہ چالیس سال سے وہ میری بیوی ہو لیکن اب تک نہ اس کے لڑکا پیدا نہ لڑکی۔ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کے حاملہ نہ ہونے کی وجہ یہ ہو کہ میری منی پتلی ہو اس لیے میں کسی ایسی دوا کی تلاش میں ہوں جس سے یہ بات جاتی رہے لیکن وہ نہیں ملتی۔ چودھری نے کہا کہ اے میرے آقا میرے پاس اس کی دوا ہو۔ اگر میں تیری بیوی کو چالیس سال کے بعد تجھ سے حاملہ کرا دوں؟ تو بتا تو مجھے کیا دے گا تاجر بولا کہ اگر ایسا ہو گیا تو انعام و اکرام میں تیرے ساتھ کمی نہیں کروں گا۔ چودھری نے کہا کہ لا ایک دینار مجھے دے۔ اس نے کہا کہ ایک نہیں تو یہ دو دینار لے جا۔ اس نے دونوں دینار لے کر کہا کہ ایک چینی کا پیالہ مجھے اٹھا دے۔ تاجر نے چینی کا پیالہ بھی اسے دے دیا۔ چودھری اسے لے کر ایک عطار کے پاس پہنچا اور اس سے ایک چھٹانک رومی افیون اسی قدر کباب چینی، دار چینی، لونگ، الائچی، سونٹھ، سفید مرچ اور سقنقور لی۔ ان سب کو اس نے کوٹ کر اعلیٰ قسم کے زیتون کے تیل میں پکایا اور سوا چھٹانک دانے دار لوبان اور ایک پیالہ بھر دھنیا لیا اور ان کو صاف کر کے رومی مکھیوں کے شہد میں ملا کر معجون بنائی اور چینی کے پیالے میں بھر کر تاجر کے پاس لے گیا اور اس سے کہا کہ لے یہ منی کو گاڑھا کرنے والی دوا ہو۔ اس کے استعمال کا طریقہ یہ ہو کہ پہلے بھیڑ اور خانگی کبوتروں کا گوشت بہت مرچوں اور مسالے کے ساتھ کھا پھر چمچہ بھر اس معجون کو نوش کر اس کے بعد رات کا کھانا کھا کر مصری کا شربت پی لے۔

تاجر نے معجون کا پیالہ گوشت اور کبوتروں وغیرہ کے ساتھ اپنی بیوی کو بھیج دیا اور کہلا بھیجا کہ ان چیزوں کو اچھی طرح پکا اور منی کے گاڑھا کرنے والی دوا کو حفاظت سے اپنے پاس رکھ اور جب میں اسے مانگوں تو مجھے دیجیو۔ بیوی نے اس کے کہنے کے مطابق کیا اور اس کے آگے شام کا کھانا پیش کیا۔ جب وہ کھا چکا

تو اس نے وہ پیالہ مانگا اور اس میں سے تھوڑی سی دوا چکھی وہ اسے مزیدار معلوم ہوئی تو اس نے باقی دوا بھی کھالی اور کھا کر اپنی بیوی کے ساتھ ہم بستر ہوا خدا کی قدرت اسی رات حمل قرار دیا گیا۔ اب اس پر ایک مہینا گزرا پھر دوسرا اور تیسرا اور اس کے ایام بند ہو گئے۔ اُسے یقین ہو گیا کہ وہ حمل سے ہے۔ جب حمل کے دن پورے ہو چکے اور زہ کا درد محسوس ہوا تو سب نے خوشیاں منائیں دایہ نے مشکل سے بچہ جنوایا اور اس پر محمدؐ اور علیؑ کا نام پڑھ پڑھ کر دم کیا، اس کے کان میں تکبیر کہی اور اذان دی اور اُسے لپیٹ کر ماں کے پہلو میں لٹایا۔ ماں نے اُسے اپنی چھاتی دی دُودھ پلایا اس نے سیر ہو کر پیا اور سو گیا۔ دایہ تین دن تک ان کے ہاں رہی ساتویں دن انھوں نے بچّے کا عقیقہ کیا اور مٹھائی بانٹی اور نمک چھڑکا تاجر نے آ کر اپنی بیوی کی سلامتی پر اُسے مبارک باد دی اور پوچھا کہ خدا کی امانت کہاں ہے؟ بیوی نے بچّے کو اس کے آگے پیش کیا جو نہایت حسین اور مالک پروردگار کی صنعت تھی۔ اس کی عمر سات دن کی تھی مگر جو اُسے دیکھتا وہ کہتا کہ وہ ایک سال کا ہے۔ جب تاجر نے اس کے چہرے پر نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ نکلتے ہوئے چاند کی طرح خوب صورت ہے اس کے دونوں رخساروں پر تل ہیں اور وہ اپنی بیوی سے پوچھنے لگا کہ تو نے اس کا نام کیا رکھا ہے؟ بیوی نے جواب دیا کہ اگر لڑکی ہوتی تو میں اس کا نام رکھتی۔ یہ لڑکا ہے اس کا نام تو ہی رکھ سکتا ہے۔ اس زمانے میں لوگ کسی نہ کسی فال سے نام نکالتے تھے اس لیے جب وہ نام کے متعلق مشورہ کر رہے تھے انھوں نے سنا کہ کوئی شخص اپنے دوست سے کہہ رہا ہے اے علاءالدین! سنتے ہی اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ ہم بچّے کا نام علاءالدین ابوالشامات یعنی تلوں والا رکھیں گے۔ پھر اس نے بچّے کے لیے دائیاں اور دُودھ پلانے والیاں مقرر کیں دو سال تک اس نے دُودھ پیا اس کے بعد انھوں نے دُودھ چھڑا دیا اور وہ بڑھ کر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔

جب وہ سات برس کا ہوا تو انھوں نے اُسے تہ خانے میں رکھا کہ نظر نہ لگنے پائے اور باپ نے کہا جس وقت تک اس کی ڈاڑھی نہ نکل آئے یہ باہر نہیں نکلے گا اور اس کی خدمت کے لیے ایک کنیز اور ایک غلام مقرر کر دیا۔ کنیز اس کے لیے کھانا تیار کرتی اور غلام اس کے ساتھ نیچے تہ خانے میں رہتا۔ اب اس کا ختنہ ہوا بڑے دھوم کی دعوت دی گئی۔ اُسے تعلیم دینے کے لیے ایک مولوی مقرر کیا گیا، اس نے اُسے خوش خطی اور قرآن اور دیگر علوم سکھائے یہاں تک کہ وہ لائق اور قابل ہو گیا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ غلام اس کے سامنے دسترخوان بچھا کر کھانا لینے گیا اور بھولے سے تہ خانے کا دروازہ کھلا چھوڑ دیا۔ علاءالدین وہاں سے نکل کر اپنی ماں کے پاس جا پہنچا۔ اس روز اس کی ماں کے پاس بڑے گھرانوں کی بیبیاں جمع تھیں اور اِدھر اُدھر کی گفتگو ہو رہی تھی۔ لڑکے کا حُسن و جمال دیکھ کر وہ سب ہکا بکا ہو گئیں۔ انھیں گمان ہوا کہ یہ کوئی متوالا اور چاہیا غلام ہے۔ اس پر نظر پڑتے ہی عورتوں نے مُنہ چھپا لیا اور اس کی ماں سے کہنے لگیں کہ ای فلاں بی بی خدا تجھے معاف کرے! تو نے اس اجنبی غلام کو کیونکر ہمارے پاس آنے دیا؟ تجھے معلوم نہیں کہ شرم ایمان کا جُز ہے! اس نے جواب دیا کہ خدا خدا کرو، یہ میرا نورِ نظر میرے دل کا ٹکڑا اور تاجروں کے بادشاہ شمس الدین کا بیٹا ہے بڑے ناز و نعم سے پالا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے آج تک تیرا کوئی بیٹا نہیں دیکھا۔ ماں نے کہا کہ باپ کو ڈر تھا کہ کہیں اُسے نظر نہ لگ جائے اس لیے اس نے اسے بھونرے میں پالا ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اکیانویں رات

دوسو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ علاءالدین کی ماں

نے عورتوں سے کہا کہ باپ نے اسے بھونرے میں پالا ہو تا کہ اُسے نظر نہ لگنے پائے۔
ایسا معلوم ہوتا ہو کہ غلام تہ خانہ بند کرنا بھول گیا اور لڑکا اس میں سے نکل آیا۔ ہمارا
ارادہ یہ تھا کہ جب تک اس کی ڈاڑھی نہ نکل آئے وہ تہ خانے سے باہر نہ نکلے۔ یہ سُن کر
عورتوں نے اسے مبارک باد دی اور لڑکا عورتوں کے پاس سے صحن میں جاکر ایک
کرسی پر بیٹھ گیا۔ وہ بیٹھا ہوا تھا کہ غلام اس کے باپ کا خچر لے کر اندر آگئے۔ علاءالدین
نے پوچھا یہ خچر کہاں سے آیا ہو؟ انھوں نے کہا تیرا باپ اس پر سوار ہوکر دُکان
گیا تھا ہم اُسے پہنچا کر واپس لائے ہیں۔ وہ بولا میرا باپ کیا پیشہ کرتا ہو؟ انھوں نے
جواب دیا کہ تیرا باپ مصر کا ملک التجار ہو اور عربوں کا سردار۔ یہ سن کر علاءالدین
اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے بھی یہی سوال کیا کہ اماں جان میرا باپ کیا کام کرتا ہو؟
اس نے بھی وہی جواب دیا کہ تیرا باپ سوداگری کرتا ہو۔ اس کا بڑا کاروبار ہو۔ اس
کے غلام اپنے لین دین میں اس سے مشورہ تک نہیں کرتے جو ایک ہزار دینار سے
کم کا ہو اس کی بڑی ساکھ ہے۔ جو مال لوگ اپنے ملکوں سے لاتے ہیں خواہ وہ تھوڑا ہو یا بہت سب اس
کے پاس آتا ہو اور وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے اور جو مال دوسرے ملکوں
میں جاتا ہو وہ بھی تیرے باپ کے پاس سے ہوکر جاتا ہو۔ بیٹا خدا نے تیرے باپ
کو اتنا مال و دولت عطا کیا ہو جو شمار سے باہر ہو۔ لڑکے نے کہا کہ اماں جان شکر ہو
اس خدا کا جس نے مجھے عربوں کے سردار کا بیٹا بنایا جو ملک التجار ہو۔ مگر اماں جان تم
لوگوں نے مجھے تہ خانے میں بند کرکے قیدی کی طرح کیوں رکھ چھوڑا ہو؟ ماں نے
جواب دیا کہ محض اس لیے کہ تجھے نظر نہ لگنے پائے کیونکہ نظر کا لگنا حق ہو اکثر لوگ
نظر سے مر گئے ہیں۔ اس نے کہا کہ اماں جان قضا و قدر سے بھاگ کر انسان کہاں جا سکتا
ہو احتیاط کرنے سے قسمت نہیں بدل سکتی اور جو کچھ تقدیر میں لکھا ہو اس سے مفر
نہیں۔ جس ذات نے میرے دادا کو اٹھا لیا ہو وہ مجھے اور میرے باپ کو بھی نہ چھوڑے گی۔

آج وہ زندہ ہے اور کل مُردہ ہوگا۔ اگر میں باپ کے مرنے کے بعد باہر نکلا اور میں نے کہا کہ میں شمس الدین تاجر کا بیٹا علاءالدین ہوں تو کوئی بھی میری بات نہ مانے گا اور بڈھے بوڑھے لوگ کہیں گے کہ ہم نے عمر بھر شمس الدین کا کوئی لڑکا دیکھا نہ لڑکی۔ بیت المال والے اگر میرے باپ کا مال و دولت لے جائیں گے۔ خدا رحم کرے اس شخص پر جس نے یہ ضرب المثل کہی ہے: انسان مرجاتا ہے اور اس کی آبرو جاتی رہتی ہے اور رذیل ترین لوگ اس کی بیویوں پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ اماں جان تو میرے باپ سے کہہ کہ وہ مجھے اپنے ساتھ بازار لے جایا کرے۔ میرے لیے ایک دکان کھول دے میں اس میں مال لے کر بیٹھوں اور وہ مجھے خرید و فروخت اور لین دین سکھائے۔ ماں نے کہا کہ بیٹا جب تیرا باپ آئے گا تو میں اس سے کہوں گی۔

جب تاجر گھر لوٹا تو اس نے دیکھا کہ علاءالدین ابوالشامات اپنی ماں کے پاس بیٹھا ہے بیوی سے پوچھا کہ تو نے اِسے تہ خانے سے کیوں نکالا؟ اس نے کہا اے میرے چچیرے بھائی میں نے اُسے نہیں نکالا۔ غلام قفل لگانا بھول گئے۔ تہ خانہ کھلا چھوڑ دیا میں بڑے گھرانوں کی بی بیوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی کہ یہ نکل کر ہمارے پاس آگیا۔ اس کے بعد اس نے وہ تمام باتیں بیان کیں جو اس کے بیٹے نے کہی تھیں۔ باپ بولا بیٹا انشاءاللہ میں تجھے کل بازار لے چلوں گا۔ لیکن بیٹا بازار اور دکانوں میں بیٹھنے کے لیے بہرحال ادب اور کمال لازم ہے۔ باپ کی باتیں سن کر علاءالدین خوش ہوگیا اور سوگیا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے حمام لے گیا نہایت قیمتی کپڑے پہنائے اور ناشتہ کرنے اور شربت پینے کے بعد ایک خچر پر خود سوار ہوا دوسرے پر اپنے بیٹے کو بٹھایا اور آگے پیچھے دونوں باپ بیٹے بازار کی طرف روانہ ہوئے۔ بازار والوں نے جو دیکھا کہ ملک التجار آگے آگے اور اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکا ہے ایسا حسین جیسے چودھویں رات کا چاند تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ دیکھو ملک التجار کے ساتھ یہ

کون؟ ہم تو اسے نیک آدمی خیال کرتے تھے مگر وہ تو پیاز کی طرح نکلا۔ سر بوڑھا اور قلب جوان۔ اس پر شیخ محمد سمسم جس کا ذکر اوپر آچکا ہے بولا ہم یہ ہرگز گوارا نہیں کر سکتے کہ وہ ہمارا سردار بنا رہے۔ بازار کا دستور یہ تھا کہ جب ملک التجار گھر سے صبح کے وقت آکر اپنی دکان پر بیٹھتا تو پہلے بازار کا چودھری تاجروں کے پاس جاکر فاتحہ پڑھتا اور پھر وہ سب مل کر اس کے ساتھ ملک التجار کے پاس آکر فاتحہ پڑھتے اور صباح بخیر کہتے۔ اس کے بعد سب تاجر اپنی اپنی دکانوں کو چلے جاتے۔

اس روز جبکہ عادت کے موافق ملک التجار دکان پر آکر بیٹھا تو تاجر اور دنوں کی طرح اس کے پاس نہیں آئے۔ یہ نئی بات تھی اس نے چودھری کو پکار کر پوچھا کہ معمول کے موافق آج سوداگر کیوں نہیں جمع ہوئے؟ اس نے جواب دیا معلوم نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ تاجروں نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ وہ تجھے اپنی سرداری سے معزول کر دیں اور تیرے لیے فاتحہ نہ پڑھیں۔ اس نے کہا کہ سبب؟ چودھری بولا یہ لڑکا کون ہے جو تیرے پہلو میں بیٹھا ہوا ہے؟ تو تو بوڑھا ہے اور تاجروں کا سردار۔ کیا یہ لڑکا تیرا غلام ہے یا تیری بیوی کا رشتے دار؟ میرے خیال میں وہ تیرا معشوق ہے اور تیرا دل اس پر آگیا ہے۔ ملک التجار نے ڈانٹ کر کہا کہ زبان تھام، خدا تیری ذات و صفات دونوں پر لعنت کرے! یہ میرا بیٹا ہے۔ اس نے کہا کہ ہم نے عمر بھر تیری اولاد نہیں دیکھی۔ ملک التجار نے جواب دیا مادۂ تولید کا قوام درست کرنے کی دوا تو نے ہی تو بنا کر مجھے دی تھی اس سے میری بیوی حاملہ ہو گئی اور یہ لڑکا پیدا ہوا پھر اس ڈر سے کہ کہیں اسے نظر نہ لگ جائے میں بھونرے میں اس کی پرورش کی میں چاہتا تھا کہ جب تک وہ اپنی ڈاڑھی اپنے ہاتھ سے نہ پکڑ سکے تہ خانے سے نہ نکلے۔ مگر اس کی ماں نے نہ مانا اور مجھ سے کہا کہ میں اس کے لیے ایک دکان کھول کر اس میں سوداگری کا مال رکھوں اور اسے خرید و فروخت کرنا سکھاؤں۔ یہ سن کر چودھری تاجروں کے پاس گیا ان سے سارا

واقعہ بیان کیا اور وہ سب چودھری کے ساتھ ملک التجار کی دکان پر آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہوکر فاتحہ پڑھی۔ لڑکے کی مبارک باد دی اور کہا کہ ہمارا پروردگار جڑ اور شاخ دونوں کو سلامت رکھے! لیکن کسی غریب کے گھر بھی لڑکا یا لڑکی پیدا ہوتی ہے تو وہ بھی کم از کم ایک کڑھائی دلیا پکا کر اپنے دوستوں اور عزیزوں کا مُنہ میٹھا کردیتا ہے مگر تو نے یہ بھی نہیں کیا۔ وہ بولا یہ تمھارا قرضہ میرے اوپر ہے جسے میں باغ میں اُتاروں گا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو باونویں رات

دوسو باونویں رات ہوئی تو اس کی بہن دنیازاد نے کہا کہ بہن اگر تجھے نیند نہ آتی ہو تو اپنی کہانی کہہ ڈال۔ وہ بولی سر آنکھوں سے۔ اے نیک نہاد بادشاہ ملک التجار نے انھیں دعوت دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ ہم سب باغ میں جمع ہوں گے چنانچہ دوسرے دن علی الصباح تاجر نے فرّاش کو بلا کر حکم دیا کہ باغ کی بارہ دری اور محل کو فرش فروش سے آراستہ کرے اور پکانے کے لیے بھیڑیں اور گھی وغیرہ منگوایا دو دسترخوان بچھوائے ایک بارہ دری میں اور ایک محل میں، باپ بیٹے دونوں کمر باندھ کر مہمانوں کی مدارات کے لیے تیار ہوگئے۔ تاجر نے کہا بیٹا اگر کوئی بوڑھا شخص آئے گا تو میں اُسے لے جاکر محل کے دسترخوان پر بٹھاؤں گا اور کسی بے ڈاڑھی مونچھ والے لڑکے کو تو دیکھے تو اُسے بارہ دری میں لے جاکر دسترخوان پر بٹھائیو۔ لڑکے نے کہا کہ اباجان اس کے کیا معنی ہیں کہ تو دو دسترخوان علیحدہ علیحدہ لگاتا ہے ایک بوڑھوں کے واسطے دوسرا لڑکوں کے لیے۔ باپ نے جواب دیا بیٹا لڑکوں کو بڑوں کے سامنے کھانے

سے شرم آتی ہی۔ لڑکے کو یہ بات پسند آگئی۔ جب مہمان آنے شروع ہوئے تو شمس الدین اپنے ہم سِنوں کو لے جاکر محل میں بٹھاتا اور اس کا بیٹا علاء الدین اپنی عمر والے لڑکوں کو بارہ دری میں لے جاتا۔ اس کے بعد کھانا چُنا گیا سب نے کھایا پیا۔ لطف اٹھایا خوش ہوئے شربت کے دور چلے۔ عطر پاشی کی گئی اور بوڑھے بیٹھ کر علم و حدیث کی باتیں کرنے لگے۔

ان لوگوں میں ایک تاجر تھا جسے لوگ محمود بلخی کہتے تھے۔ وہ ظاہرا مسلمان اور باطن میں آتش پرست۔ نہایت بدچلن، لڑکوں سے اس کو خاص رغبت تھی۔ علاء الدین کے چہرے کی طرف دیکھتے ہی اس کے دل میں ہزاروں آرزوئیں اُمنڈنے لگیں اور شیطان نے علاء الدین کے چہرے کو اس کے لیے ایک ہیرا بنا دیا وہ علاء الدین کے حُسن کا دیوانہ ہوگیا اس کے دل میں اس کی محبت بیٹھ گئی۔ یہ علاء الدین کے باپ سے کپڑے اور دوسرا تجارت کا مال خریدا کرتا تھا۔ اتفاق سے علاء الدین پیشاب کرنے چلا گیا تو محمود بلخی اُٹھ کر لڑکوں کے پاس پہنچا وہ اس کے خیر مقدم کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے اس نے لڑکوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ اگر تم علاء الدین کو میرے ساتھ سفر پر چلنے کے لیے آمادہ کر دو تو میں تم سب کو ایک ایک بے بہا کپڑوں کا جوڑا دوں گا۔ اتنا کہہ کر وہ پھر بڑے بوڑھوں کی مجلس میں آبیٹھا۔ علاء الدین پیشاب سے فارغ ہو کر آیا تو لڑکوں نے اُسے اپنے درمیان اونچی جگہ پر بٹھایا اور ایک لڑکے نے دوسرے سے کہا کہ ای میرے آقا حسن تیرے پاس وہ پونجی کہاں سے آئی جس سے تو خرید فروخت کرتا ہی؟ حسن نے جواب دیا کہ جب میں بالغ ہُوا تو میں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا جان میرے لیے تجارت کا مال مہیا کر وہ کہنے لگا بیٹا میرے پاس تو کچھ ہی نہیں تو جاکر کسی تاجر سے مال لے لے اور کام شروع کر دے، خرید و فروخت اور لین دین سیکھ۔ یہ سُن کر میں ایک تاجر کے پاس گیا اور ایک ہزار دینار قرض لیے اور اُن سے کپڑے

خرید کر دمشق کا سفر کیا مجھے دوگنا نفع ہوا۔ پھر دمشق سے سامان خرید کر میں حلب گیا
اور وہاں بیچا اور اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھایا۔ پھر حلب سے مال لے کر بغداد گیا اور
اور اپنی پونجی بڑھائی اسی طرح شہر در شہر تجارت کرتے کرتے اب میری پونجی دس ہزار
دینار ہو گئی ہی۔ ہر لڑکا اپنے رفیق سے اسی قسم کی باتیں کرتا یہاں تک کہ علاؤالدین کی
باری آگئی۔ انھوں نے کہا ای ہمارے آقا علاؤالدین اور تو؟ اس نے جواب دیا کہ
میری پرورش تو زمین کے نیچے تہ خانے میں ہوئی ہی اسی ہفتے میں وہاں سے نکلا
ہوں ابھی تو میں نے کوئی کاروبار شروع کیا نہیں صرف دکان میں آتا ہوں اور پھر
گھر لوٹ جاتا ہوں۔ وہ بولے کہ تجھے گھر میں گھس کر بیٹھنے کی عادت ہی اس لیے تو
سفر کی لذت کیا جانے اور سفر محض مردوں کے لیے ہی۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے سفر کی
ضرورت نہیں اور سفر کے آرام کو میں کوئی اہمیت بھی نہیں دیتا۔ اس پر ایک لڑکے
نے اپنے رفیق سے کہا یہ مچھلی کی طرح ہی کہ پانی سے نکلا اور مرا۔ انھوں نے کہا کہ ای
علاؤالدین سفر تو تاجروں کے لڑکوں کے لیے فخر کا باعث ہی اس میں فائدے ہی
فائدے ہیں یہ سن کر علاؤالدین کھسیانا ہو کر وہاں سے اٹھ آیا اور اپنے خچر پر بیٹھ کر
گھر چلا گیا۔ اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ روٹھا سا ہی۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا رہے ہیں
تو وہ کہنے لگی بیٹا کیا بات ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ سارے تاجروں کے لڑکے
مجھے چھیڑتے اور کہتے ہیں کہ سفر تاجروں کی اولاد کے لیے فخر کا باعث ہی کیونکہ اس
سے وہ دولت کماتے ہیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی
بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ترپنویں رات

جب دو سو ترپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ علاؤالدین

اپنی ماں سے کہنے لگا کہ تاجر زادے مجھے چڑاتے اور کہتے ہیں کہ محض سفر سوداگر بچوں کے لیے فخر کا باعث ہو سکتا ہے کیونکہ اس سے وہ نفع اٹھاتے ہیں۔ ماں نے کہا بیٹا کیا تو بھی سفر کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ ماں بولی کہ کس ملک کا؟ اس نے کہا بغداد کا اس لیے کہ وہاں دُگنے کا فائدہ ہوتا ہے۔ ماں کہنے لگی بیٹا تیرے باپ کے پاس بہت مال و دولت ہے لیکن اگر وہ اپنے مال سے تیرے لیے سوداگری کا سامان تیار نہ کرے گا تو میں اپنے پاس سے کروں گی۔ لڑکے نے کہا کہ بہترین نیکی وہ ہے جو جلد کی جائے اور نیکی کرنے کا یہی وقت ہے۔ ماں نے غلاموں کو بلا کر اسباب باندھنے والوں کے پاس بھیجا اور ایک انبار خانہ کھول کر کپڑوں کے تھان نکالے اور دس گٹھریاں باندھ کر تیار کیں۔

یہ تو اُس کی ماں کا قصہ ہوا۔ اب اس کے باپ کی سُنیے۔ جب اس نے اپنے بیٹے علاءالدین کو تلاش کیا اور اُسے باغ میں نہ پایا تو پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ اپنے خچر پر سوار ہو کر گھر چلا گیا۔ یہ سُنتے ہی وہ بھی اس کے پیچھے روانہ ہوا۔ گھر پہنچا تو کیا دیکھتا ہے کہ سامان کے بنچے بندھے پڑے ہیں سبب دریافت کرنے پر اُس کی بیوی نے سارا ماجرا بیان کر دیا جو اُس کے بیٹے علاءالدین کو تاجر زادوں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ خدا پردیس پر لعنت بھیجے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ انسان کے لیے بہتری اسی میں ہے کہ اُسے اپنا رزق اپنے شہر میں ملے۔ بزرگ کہہ گئے ہیں کہ سفر نہ کر خواہ وہ ایک ہی میل کا کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے بیٹے سے پوچھا کیا تو نے سفر کا پکا ارادہ کر لیا ہے اور اس سے باز نہیں آئے گا؟ بیٹے نے جواب دیا کہ میں مال لے کر بغداد گئے بغیر نہیں مانوں گا ورنہ میں اپنے کپڑے اتار کر فقیرانہ کپڑے پہن لوں گا اور ملک ملک گھومتا پھروں گا۔ باپ نے کہا بیٹا نہ میں غریب ہوں اور نہ مسکین میرے پاس بہت مال اور دولت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بیٹے کو اپنی ساری جتھا، تجارت کا مال اور کپڑے دکھائے اور بولا

کہ میرے پاس ہر شہر کے قابل کپڑے اور تجارت کا دوسرا مال ہے ادھر دیکھ منجملہ اور سامان کے یہ چالیس گٹھے بندھے رکھے ہیں اور ہر ایک پر ایک ہزار دینار قیمت لکھی ہوئی ہے پھر اس نے کہا کہ بیٹا چالیس یہ اور اپنی ماں کے دس گٹھے لے کر فی امان اللہ سفر کر لیکن بیٹا میں تجھے اس جنگل سے خبردار کر دینا چاہتا ہوں جو راہ میں پڑے گا جس کا نام غابتہ الاسد ہے اور اس وادی سے ہوشیار رہنے کی تاکید کرتا ہوں جسے وادی الکلاب کہتے ہیں کیونکہ ان میں لوگ جان سے مارے جاتے ہیں۔ بیٹے نے پوچھا ابا جان وہاں کیا خوف ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک بدو عجلان نام وہاں بٹ ماری کرتا ہے۔ بیٹا کہنے لگا رزق دینے والا اللہ ہے اگر میرا اس میں حصہ ہوگا تو مجھے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا۔

اب علاء الدین سوار ہو کر اپنے باپ کے ساتھ نخاس پہنچا انھیں دیکھتے ہی ایک شتربان نے اپنی سواری پر سے اتر کر ملک التجار کا ہاتھ چوما اور کہنے لگا اے میرے آقا عرصے سے تو نے مجھے کوئی کام نہیں دیا۔ تاجر نے جواب دیا کہ ہر زمانے کے لیے مخصوص دولت ہوتی ہے اور مخصوص دولت والے۔ اے قافلہ سالار میں سفر کے لیے نہیں جا رہا ہوں بلکہ یہ میرا بیٹا جانا چاہتا ہے۔ شتربان بولا خدا اسے صحیح وسلامت رکھے۔ اس کے بعد ملک التجار نے لڑکے اور شتربان کے درمیان رشتۂ اتحاد قائم کیا اور اپنے بیٹے کو اس کا بیٹا بنا کر اس کے سپرد کر دیا اور اس سے کہا کہ یہ سو دینار اپنے بچوں کے لیے لے۔ پھر ملک التجار نے حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کے مزار پر چڑھانے کے لیے ساتھ ہی ایک قندیل اور ایک چادر خریدی اور اپنے بیٹے سے شتربان کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ میری غیر موجودگی میں میری بجائے یہ تیرا باپ ہے۔ اس کا کہنا ماننیو وہاں سے وہ شتربان اور اس کے بچوں کو لے کر اپنے گھر گیا رات بھر قرآن خوانی کرائی اور شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کا مولود پڑھوایا صبح ہوئی تو ملک التجار نے اپنے بیٹے کو دس ہزار دینار دیے اور کہا کہ جب تو بغداد پہنچے اور دیکھے کہ ان کپڑوں کے

دام اچھے ملتے تو بیچ ڈالیو اور اگر بازار گرا ہوا ہو تو ان دیناروں میں سے لے کر خرچ کیجیو ... میں خچر لادے گئے لوگ آپس میں رخصت ہوئے اور قافلہ چلتے چلتے شہر کے باہر پہنچ گیا۔ محمود بلخی نے بھی بغداد جانے کی تیاری میں اپنا مال شہر کے باہر لا کر خیمے نصب کر دیے تھے اور اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں جنگل میں اس لڑکے کے ساتھ مزے اڑاؤں گا وہاں جاسوس ہوگا نہ کوئی نگہبان جو اس کی حفاظت کرے۔ محمود بلخی پر ملک التجار کے ایک ہزار درہم کسی فروخت کے سلسلے میں قرض آتے تھے۔ رخصت ہوتے وقت اس نے محمود بلخی سے کہا کہ یہ ایک ہزار دینار میرے بیٹے علاء الدین کو دے دیجیو اور رسمی طور پر یہ بھی کہہ دیا کہ اپنے بیٹے کو میں تیرے سپرد کرتا ہوں وہ مثل تیرے ہی بیٹے کے ہے۔ اس طرح علاء الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چونویں رات

جب دو سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ علاء الدین اور محمود بلخی کا ساتھ ہو گیا اور محمود بلخی نے علاء الدین کے باورچی سے کہا کہ کوئی چیز نہ پکائے بلکہ خود وہ علاء الدین اور اس کے ہمراہیوں کو اپنے ساتھ کھلاتا پلاتا اور قافلہ کو کوچ اور مقام کرتا ہوا چلا۔ محمود بلخی سوداگر کے چار گھر تھے ایک مصر میں، دوسرا دمشق میں، تیسرا حلب میں اور چوتھا بغداد میں۔ پہلے وہ جنگل اور بیابان طے کرتے ہوئے دمشق پہنچے۔ یہاں پہنچ کر محمود بلخی نے اپنے غلام کو علاء الدین کے پاس بھیجا۔ غلام اس کے پاس آیا تو دیکھا کہ وہ قرآن پڑھ رہا ہے غلام نے آگے بڑھ کر اس کے

ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ علاءُالدین نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے کہا کہ میرا آقا تجھے سلام کہتا اور تجھے اپنے گھر کھانا کھانے کی دعوت دیتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں پہلے اپنے باپ قافلہ سالار کمال الدین شتربان سے مشورہ کرلوں۔ مشورہ کیا تو شتربان نے جانے سے منع کیا پھر وہ دمشق سے چل کر حلب میں داخل ہوئے۔ یہاں بھی محمود بلخی نے دعوت کا سامان کر کے علاءُالدین کو بلوایا اور شتربان نے پھر اسے جانے کی صلاح نہ دی۔ اب وہ حلب سے بھی چل پڑے اور بغداد سے ایک منزل کے فاصلے پر پہنچ گئے۔ اس مقام پر پھر محمود بلخی نے دعوت کا سامان کیا اور علاءُالدین کو بلا بھیجا اس نے پھر قافلہ سالار سے صلاح لی اور پھر وہ آڑے آیا۔ لیکن اس مرتبہ علاءُالدین ضد میں آگیا۔ اس نے کہا کہ میں ضرور جاؤں گا۔ یہ کہتے ہی وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے کپڑوں کے نیچے تلوار باندھ کر محمود بلخی کے پاس جا پہنچا۔ محمود نے اس کا خیر مقدم کیا اچھی جگہ بٹھایا۔ بڑا وسیع دسترخوان بچھایا، اچھے اچھے کھانے چُنے۔ دونوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ کھانے پینے سے فارغ ہو کر محمود بلخی علاءُالدین کی طرف جھکا کہ بوسہ لے مگر اُس کا مُنہ رخسار کے بدلے ہاتھ پر پڑا لڑکے نے چونک کر کہا یہ کیا؟ محمود نے جواب دیا میں نے تجھے بلایا ہے اس لیے ہے کہ یہاں بیٹھ کر تجھ سے مزے اڑاؤں۔ ساتھ ہی وہ علاءُالدین کی طرف بڑھا تاکہ اس کے ساتھ ہاتھا پائی شروع کرے علاءُالدین اُٹھ کھڑا ہوا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا لعنت ہو تیرے بڑھاپے پر! کیا تو خدا سے نہیں ڈرتا جو بڑی قوت والا ہے۔ ارے شیطان یہ پونجی خدا کی امانت ہے بیچنے کے لیے نہیں۔ اگر اس پونجی کو میں کسی غیر کے ہاتھ سونے کے عوض بیچتا تو تیرے ہاتھ چاندی کے بدلے بیچ ڈالتا۔ لیکن اے خبیث واللہ میں تیرے ساتھ کبھی سفر نہ کروں گا۔

علاءُالدین وہاں سے لوٹ کر قافلہ سالار کمال الدین کے پاس گیا اور اس

سے کہنے لگا کہ یہ شخص فاسق و فاجر ہے۔ میں نہ سفر میں اس کا ساتھ دوں گا اور نہ اس راستے پر چلوں گا جس پر وہ چلے گا۔ اس نے جواب دیا کہ بیٹا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ اس کے پاس نہ جا لیکن بیٹا اگر ہم اس سے علیحدہ ہو جائیں گے تو ہمیں ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جائیں۔ اس لیے ہم سب ایک ہی قافلہ بنا کر چلیں تو بہتر ہے۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ہرگز ممکن نہیں ہو سکتا کہ میں راہ میں اس کا ساتھ دوں۔ یہ کہہ کر علاء الدین نے اپنا سامان لدوا دیا اور وہ اور اس کے ساتھی چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ایک وادی میں پہنچے اور وہاں اترنا چاہا۔ شتربان بولا یہاں نہ اتر و چلے چلو بلکہ اور تیزی سے کوچ کرو تاکہ دروازے بند ہونے سے پہلے ہم بغداد پہنچ جائیں کیونکہ وہ سورج کے طلوع و غروب کے ساتھ کھولے اور بند کیے جاتے ہیں اس لیے کہیں ایسا نہ ہو کہ رافضی شہر پر قبضہ کر کے علوم کی کتابیں دجلے میں نہ پھینک دیں۔ علاء الدین نے کہا کہ ای باپ میں سوداگری کا مال لے کر اس شہر میں اس وجہ سے نہیں آیا کہ فائدہ اٹھاؤں بلکہ اس لیے کہ ملکوں کی سیر کروں۔ بوڑھا بولا بیٹا میں ڈرتا ہوں کہ کہیں بدوؤں سے تجھے اور تیرے مال کو نقصان نہ پہنچے۔ لڑکا خفا ہو کر کہنے لگا تو خادم ہے یا مخدوم؟ میں رات کو بغداد میں داخل ہونا نہیں چاہتا صبح کو چلوں گا تاکہ بغداد والے میرے سوداگری کے مال کو دیکھیں اور سمجھیں کہ میں کون ہوں۔ قافلہ سالار نے کہا جو تیرا جی چاہے کر میں نصیحت کر چکا تو خود سمجھ لے کہ تیری نجات کس میں ہے۔ علاء الدین نے حکم دیا کہ خچروں سے مال کی گٹھڑیاں اتار لی جائیں اور لوگوں نے بوجھا اتار لیے اور خیمے لگا کر ٹھیر گئے۔ آدھی رات کے وقت جبکہ وہ ضرورت سے فارغ ہونے کے لیے باہر نکلا تو اسے دور سے کوئی چیز چمکتی ہوئی دکھائی دی۔ اس نے شتربان سے کہا کہ ای قافلہ سالار دیکھ یہ کیا چمک رہا ہے۔ یہ سن کر قافلہ سالار اٹھ بیٹھا اور غور سے دیکھنے لگا اسے یقین ہو گیا کہ یہ چمک نیزوں کے پھلوں کی ہتھیاروں کے لوہے اور بدوؤں کی تلواروں

کی ہی اور یہ کہ بدو لٹیرے جن کا سردار شیخ العرب عجلان ابو نائب مشہور راہ زن ہی آ پہنچے۔ جب بدو ان کے قریب آئے اور انھوں نے مال کے انبار دیکھے تو وہ آپس میں کہنے لگے کہ آج کی رات خوب غنیمت ہاتھ آئے گی۔ قافلے والوں نے جو یہ کہتے سنا تو قافلہ سالار کمال الدین شتربان بولا خبردار اے رذیل ترین بدو! یہ سن کر ابو نائب نے اپنے نیزے سے اس کے سینے پر ایسا وار کیا کہ وہ چمکتا ہوا اس کی پیٹھ سے نکل آیا! وہ مُردہ ہو کر خیمے کے دروازے پر گر پڑا اس کے بعد سقے نے کہا کہ خبردار اے رذیل ترین بدو! اور بدو نے ایسی تلوار اس کی گردن پر ماری کہ آر پار ہو گئی اور وہ بھی مُردوں میں جا ملا۔ یہ ساری باتیں علاءالدین کی آنکھوں کے سامنے ہو رہی تھیں۔ پھر بدوؤں نے قافلے پر حملہ کر کے ان کا قلع قمع کر دیا۔ علاءالدین کے ساتھیوں میں سے کسی کو زندہ نہ چھوڑا اور خچروں پر اسباب لاد کر چلتے ہوئے۔ علاءالدین نے دل میں یہ سوچ کر کہیں وہ مجھے خچر پر سوار اور میرے کپڑے دیکھ کر میرا بھی یہی حشر نہ کریں جلدی سے اپنے کپڑے اتار کر خچر کی پیٹھ پر ڈال دیے اور محض قمیص اور نیچے کے کپڑے پہنے رہا۔ خیمے کے دروازے پر آ کر دیکھا تو مقتولوں کا خون نالے کی طرح بہ رہا ہی اس نے اپنے کپڑے اور قمیص اس خون میں لتھیڑ لیے اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ وہ بھی مقتول ہی اور اپنے خون میں ڈوبا ہوا ہی۔

یہ تو اس کا حال ہوا۔ اب بدوؤں کے سردار عجلان کا حال سنیے۔ اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا یا بغداد سے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو پچپنویں رات

جب دو سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے پوچھا اے عربو یہ قافلہ مصر سے آ رہا تھا

یا بغداد سے ؟ انھوں نے کہا کہ یہ مصر سے بغداد جا رہا تھا۔ وہ بولا پھر تو مقتولوں کے پاس واپس چلو کیونکہ میرا خیال ہی کہ قافلے کا مالک ابھی تک نہیں مارا گیا۔ اب بدو پھر مقتولوں کی طرف لوٹ کر گئے اور لاشوں میں نیزے اور تلواریں بھونکنے لگے یہاں تک کہ وہ علاء الدین کے پاس پہنچے جو مقتولوں کے درمیان پڑا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر انھوں نے کہا کہ تو مُردہ بن گیا ہی ہم تجھے واقعی مار ڈالیں گے۔ یہ کہہ کر ایک بدو نے اپنا نیزہ اٹھایا اور چاہتا تھا کہ علاء الدین کے سینے میں بھونک دے جو وہ کہنے لگا کہ ای غوث الاعظم! ای میرے آقا عبدالقادر! ای جیلانی! اور اُسے غیب کا ایک ہاتھ دکھائی دیا جس نے نیزے کو اس کے سینے سے قافلہ سالار کمال الدین شتربان کے سینے کی طرف پھیر دیا اور بدو کا نیزہ اس مُردے کے سینے پر پڑا اور علاء الدین بچ گیا۔ اس کے بعد بدوؤں نے باقی ماندہ سامان خچر پر لادا اور چل دیے۔ جب علاء الدین نے نظر اٹھائی اور دیکھا کہ چڑیاں اپنی روزی لے کر اُڑ گئی ہیں تو وہ اُٹھ بیٹھا اور کھڑا ہو کر بھاگا۔ اتنے میں ایک بدو نے کہا کہ ای میرے ہمراہیو، ای عربو مجھے کوئی چیز حرکت کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہی۔ یہ سُن کر ایک بدو ادھر بڑھا اور بھاگتے ہوئے علاء الدین پر اس کی نظر پڑی وہ کہنے لگا کہ تیرا بھاگنا بیکار ہی کیونکہ ہم تیرے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور تیزی سے علاء الدین کا پیچھا کرنے لگا۔ اب علاء الدین کو اپنے آگے ایک تالاب دکھائی دیا جس میں پانی تھا اور اس کے ایک طرف ایک حوض تھا وہ حوض کے چبوترے پر چڑھ کر لیٹ گیا اور اس طرح سانس لینے شروع کر دیے گویا سو رہا ہی اور دعا مانگنے لگا کہ ای بہترین پردہ پوش تیرا ڈالا ہوا پردہ کبھی نہیں کھلتا۔ اتنے میں بدو حوض کے پاس آکر اپنی رکابوں پر کھڑا ہوا اور علاء الدین کے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ علاء الدین نے کہا کہ یا دستگیر یا میری آقا نفیسہؓ! اب تیری باری ہی۔ خدا کی شان ایک بچھو نے بدو کی ہتھیلی پر ڈنک مارا اور وہ چلّایا کہ

آہ! ای عربو دوڑو بچھو نے میرے ڈنک مارا ہی۔ یہ کہ کر وہ اپنی گھوڑی کی پیٹھ پر سے گر پڑا اس کے ساتھیوں نے آکر پھر اسے سنبھالا اور گھوڑی پر بٹھایا پھر پوچھنے لگے کہ تجھ پر کیا حادثہ گزرا ہی؟ اس نے کہا کہ مجھے بچھو کے بچے نے ڈنک مار دیا۔ یہ سُن کر وہ واپس ہوئے اور روانہ ہوگئے۔

ادھر تو یہ گزری اور علاءُ الدین حوض کے پاس سوتا بنا پڑا رہا۔ اُدھر محمود بلخی اپنا سامان لدواکر چلا۔ غابتہ الاسد کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ علاءُ الدین کے غلام سب کے سب مقتول پڑے ہیں۔ وہ بہت خوش ہوا اور پیادہ ہوکر چلنے لگا یہاں تک کہ حوض اور تالاب کے قریب آیا۔ محمود بلخی کا خچر چونکہ پیاسا تھا اس لیے وہ جھک کر تالاب میں پانی پینے لگا لیکن اُسے حوض میں علاءُ الدین کا سایہ دکھائی دیا اور وہ بدکا۔ محمود بلخی نے نظر اوپر اٹھائی دیکھتا کیا ہی کہ علاءُ الدین فقط قمیص اور نیچے کے کپڑے پہنے لیٹا ہی آواز دے کر پوچھا کہ یہ تیری گت کس نے بنائی اور کون تجھے اس بُری حالت میں چھوڑ گیا؟ اس نے جواب دیا کہ بدو۔ محمود نے کہا بیٹا خچروں اور مال و دولت نے تجھ پر قربان ہوکر تیری جان بچالی ہی۔ خیر اب نیچے اترا اور ڈر نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے علاءُ الدین کو حوض کے چبوترے پر سے اُتارا اور خچر پر سوار کیا پھر وہ سب چلتے چلتے بغداد میں محمود بلخی کے گھر پہنچے۔ وہاں اس نے علاءُ الدین سے کہا کہ حمام جا۔ تیرا مال اسباب تجھ پر قربان ہوگیا۔ مگر بیٹا اگر تو میرا کہنا مانے تو میں تیرے مال و اسباب کا دُگنا تجھے دوں گا۔ جب وہ حمام سے نکلا تو محمود اُسے ایک کمرے میں لے گیا جس میں سنہرا کام تھا اور چار چبوترے تھے۔ دسترخوان بچھوایا جس پر تمام قسموں کے کھانے چُنے گئے۔ کھانے پینے کے بعد محمود بلخی علاءُ الدین کی طرف جھکا کہ اس کا بوسہ لے علاءُ الدین نے اُسے اپنے ہاتھ سے روک دیا اور بولا کیا تو ابھی تک میرے ساتھ اپنی گمراہی کیے جائے گا! میں نے تجھ سے

کہا نہیں کہ اگر میں یہ پونجی دوسرے کے ہاتھ سونے کے مول بیچتا تو تجھے چاندی کے مول دے دیتا۔ اس نے جواب دیا کہ اسی کے عوض تو میں تجھے مال اور خچر اور پوشاکیں دینا چاہتا ہوں مجھے تجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ علاؤالدین نے کہا کہ ایسا ہرگز نہیں ہو گا تو اپنی پوشاکیں اور خچر اپنے پاس رکھ اور دروازہ کھول دے کہ میں چلا جاؤں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور علاؤالدین باہر چلا گیا کتے اس کے پیچھے بھونکنے لگے مگر وہ چلتا رہا۔ اندھیرے میں چلتے چلتے اُسے ایک مسجد کا دروازہ دکھائی دیا وہ مسجد کی دہلیز کے پار ہو کر کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں اسے اپنی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی دی۔ دیکھا کہ دو غلام دو فانوسیں لیے ہوئے ہیں اور ان کے پیچھے پیچھے دو تاجر ہیں۔ ایک ان میں سے بوڑھا اور دُوسرا جوان۔ اس نے جوان کو بوڑھے سے کہتے سنا کہ چچا خدا کے لیے میری چچیری بہن مجھے واپس دے دے۔ بوڑھا بولا کیا میں نے تجھے کئی بار منع نہیں کیا تھا کہ تو اُٹھتے بیٹھتے طلاق طلاق کی رٹ نہ لگایا کر۔ اب بوڑھے کی نظر دہنی جانب پڑی اس نے دیکھا کہ چاند کے ٹکڑے کی طرح ایک لڑکا کھڑا ہوا ہے اور اس سے کہا کہ السلام علیک! لڑکے نے سلام کا جواب دیا بوڑھے نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ میرا نام علاؤالدین ہے اور میں مصر کے تاجروں کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہوں میں نے اپنے باپ سے سوداگری کی تمنا ظاہر کی تھی اس نے کپڑوں اور دوسرے سامان کے پچاس خچر میرے ساتھ کر دیے تھے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چھپنویں رات

دو سو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! علاؤالدین نے

کہا کہ میرے باپ نے سامان کے پچاس بقچے میرے ساتھ کر دیے اور دس ہزار دینار نقد دیے۔ جب مَیں چلتے چلتے غابتہ الاسد پہنچا تو بدوؤں نے مجھ پر حملہ کر کے سارا مال و اسباب لوٹ لیا۔ اب مَیں اس شہر میں داخل ہُوا ہُوں میری سمجھ میں نہیں آتا کہ رات کہاں گزاروں۔ اتفاق سے یہ مسجد نظر آگئی تو مَیں نے یہاں آکر پناہ لی۔ بوڑھے نے کہا کہ تجھے منظور ہے کہ مَیں تجھے ایک ہزار دینار نقد دوں اور ایک ہزار کی پوشاک اور ایک ہزار کا خچر؟ علاءُالدین نے سوال کیا چچا ان چیزوں کے دینے سے تیرا مقصد کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ یہ لڑکا جو میرے ساتھ ہے میرا بھتیجا ہے اور اپنے باپ کا اکلوتا بیٹا، میری بھی ایک ہی بیٹی ہے جس کا نام سارنگی بجانے والی زبیدہ ہے وہ بڑی حسین و جمیل ہے۔ مَیں نے اس کی شادی اس کے ساتھ کر دی تھی کیونکہ یہ اُسے بہت چاہتا تھا مگر وہ اس سے نفرت کرتی تھی۔ اس نے تین طلاقیں دے کر نکاح توڑ ڈالا۔ لڑکی کو ابھی اس کا پورا پورا یقین بھی نہ آنے پایا تھا کہ وہ شوہر کے یہاں سے چلتی ہوئی۔ پھر یہ لڑکا لوگوں کی سفارش لے کر پہنچا کہ مَیں لڑکی کو اس کے پاس واپس بھیج دوں۔ مَیں نے اس سے کہا کہ یہ شرعاً اس وقت تک جائز نہیں جب تک اس کا نکاح دوسرے سے نہ کر دیا جائے۔ اب ہم دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ اس کا نکاح کسی پردیسی سے کر دیں تاکہ کوئی عیب نہ لگا سکے۔ چونکہ تُو پردیسی ہے لہٰذا ہمارے ساتھ چل تاکہ تم دونوں کا نکاح نامہ مرتب کر دیا جائے۔ آج رات تُو اس کے ساتھ ہم بستر ہو اور سویرے اُسے طلاق دے دے۔ اس کے بدلے مَیں تجھے وہ چیزیں دوں گا جن کا مَیں نے وعدہ کیا ہے۔

علاءُالدین اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ ایک دلہن کے ساتھ ایک گھر اور ایک بچھونے میں سونا بازاروں اور دروازوں پر سونے سے بہتر ہے۔ اُن دونوں کے ساتھ قاضی کے پاس گیا۔ اسے دیکھتے ہی قاضی کا دل اس کی طرف کھنچنے لگا اور وہ لڑکی کے باپ

پوچھنے لگا کہ تم کس مقصد سے آئے ہو؟ اس نے جواب دیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ میری بیٹی کا نکاح اس شخص کے ساتھ کر دیا جائے تاکہ وہ اس میرے بھتیجے کے لیے حلال ہو جائے۔ لیکن سب سے پہلے اس کا مہر دس ہزار دینار مقرر کرو اس لیے کہ اگر یہ شخص رات کو لڑکی سے ہم بستر ہو کر صبح کو اُسے طلاق دے دے تو ہم اُسے ایک ہزار دینار کی پوشاک اور ایک ہزار کا خچر اور ایک ہزار نقد دیں اور اگر طلاق نہ دے تو دس ہزار دینار اس کے سر پڑیں۔ الغرض ان شرطوں پر نکاح پڑھا دیا گیا اور لڑکی کے باپ نے علاؤالدین سے عہد نامہ لکھوا لیا۔ اب وہ علاؤالدین کو اپنے ساتھ لے گیا اور اُسے کپڑے پہنا کر گھر پہنچا اسے باہر کھڑا کر کے خود اپنی بیٹی کے پاس اندر گیا اور کہنے لگا کہ میں نے تیرا نکاح نامہ ایک حسین و جمیل کے ساتھ لکھوا دیا ہے جس کا نام علاؤالدین ابوالشامات ہے۔ اپنا کام اس سے خوب نکالیو۔ یہ کہہ کر تاجر نے نکاح نامہ اُسے دے دیا اور خود اپنے کمرے میں چلا گیا۔

لڑکی کے چچیرے بھائی کی ایک خادمہ تھی جو سارنگی والی زبیدہ کے پاس آیا جایا کرتی تھی اور وہ اسے بہت کچھ دیا لیا کرتا تھا۔ اس نے خادمہ سے کہا کہ والدہ جب میری چچیری بہن زبیدہ اس خوب صورت جوان کو دیکھے گی تو وہ پھر مجھے منظور نہ کرے گی۔ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے لڑکی کو روک دے کہ وہ اس کے پاس نہ جائے۔ خادمہ نے کہا کہ تیری جوانی کی قسم میں اُسے لڑکی کے پاس نہ پھٹکنے دوں گی۔ یہ کہہ کر وہ علاؤالدین کے پاس گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا میں محض خدا کے لیے تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں میری نصیحت کان دھر کر سُن۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں اس لڑکی سے تجھے نقصان نہ پہنچے۔ اُسے اکیلا سونے دیجیو اور چھوتیو بھی نہیں۔ اس کے پاس تک نہ جائیو۔ علاؤالدین نے کہا اچھا کیوں؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس کا بدن گرمی سے بھرا ہوا ہے خوف ہے کہ کہیں تیری خوبصورت

جوانی تباہ نہ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ مجھے لڑکی کی بالکل حاجت نہیں۔ پھر بڑھیا لڑکی کے پاس گئی اور اس سے بھی وہی فقرہ چلا جو علاءالدین سے کہا تھا۔ لڑکی بولی مجھے اس کی کوئی پروا نہیں میں اُسے اکیلا سونے دوں گی اور جب صبح ہوگی تو وہ اپنی راہ لے گا۔ اس کے بعد اس نے اپنی ایک کنیز کو بلا کر کہا کہ دسترخوان لے کر اس کے پاس جا تاکہ وہ شام کا کھانا کھائے۔ کنیز دسترخوان لے کر اس کے سامنے رکھ آئی اور علاءالدین نے پیٹ بھر کر کھایا۔ کھانا کھا کر اس نے نہایت شیریں آواز سے یسٓ پڑھنی شروع کی۔ لڑکی کان لگا کر سننے لگی اُسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت داؤدؑ گا رہے ہیں وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ خدا بُرا کرے اس بڑھیا کا وہ اسے گرمی میں مبتلا بتاتی ہے۔ لیکن جو اس میں مبتلا ہو اس کی آواز اس طرح کی نہیں ہو سکتی۔ یہ اس پر بہتان لگایا گیا ہے۔ یہ کہ کر اس نے ایک ہندستانی ساخت کا ساز لیا اور اس کے تار ملا کر ایسے میٹھے سُروں میں گانے لگی جیسے سن کر پرندے ہوا میں ٹھیر جائیں۔ علاءالدین نے لڑکی کو گاتے سُنا تو سورۃ ختم کرنے کے بعد خود بھی گانے لگا۔

اب لڑکی کے دل میں اس کی طرف سے اتنی محبت پیدا ہوئی کہ اس نے کھڑے ہو کر پردہ اٹھا دیا اور کولھے مٹکاتی اور جھومتی ہوئی آگے بڑھی نظریں ملتے ہی دونوں کے دلوں میں ہزاروں ارمان آنے لگے اور لڑکے کے دل میں لڑکی کی نگاہوں کا تیر آ کر لگا جب لڑکی نے اس کے قریب آنے کا ارادہ کیا تو لڑکے نے کہا مجھ سے دُور رہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیری بیماری مجھے لگ جائے۔ یہ سن کر لڑکی نے اپنی کلائی کھول دی جو ٹھیک دو حصوں میں منقسم اور چاندی کی طرح سفید تھی۔ اب اس نے آگے بڑھنا چاہا تو لڑکی بولی میرے قریب نہ آ کیونکہ تجھے گرمی ہے ایسا نہ ہو تیرے روگ میں میں بھی نہ مبتلا ہو جاؤں۔ لڑکے نے پوچھا تجھے کیسے معلوم ہوا کہ میں گرمی کا مارا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ یہ مجھ سے بڑھیا نے کہا ہے۔ لڑکا بولا مجھ سے بھی اُسی بڑھیا نے کہا تھا کہ تجھے

یگندہ مرض ہی۔ اتنا کہہ کر اس نے اپنی دونوں باہیں کھول دیں اور لڑکی نے دیکھا کہ اس کا بدن صاف چندن ہو اب کیا تھا۔ لڑکے نے لڑکی کو اور لڑکی نے لڑکے کو سینے سے لگالیا۔ دونوں ایک دوسرے سے لپٹ گئے جب صبح ہوئی تو وہ کہنے لگا کہ ہائے افسوس خوشی پوری نہیں ہوئی اور کوتا اُسے لے کر اُڑ گیا۔ لڑکی نے کہا کہ اس کے کیا معنی ہیں ؟ اس نے کہا کہ ای میری آقا اس گھڑی کے بعد میرا بیٹھنا تیرے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ لڑکی بولی کہ یہ تجھ سے کس نے کہا ہی ؟ جوان نے جواب دیا کہ تیرے باپ نے تیرا مہر دس ہزار دینار اس شرط پر لکھوایا ہی کہ اگر میں آج اسے ادا نہ کر دوں تو میں قاضی کے گھر قید کر دیا جاؤں گا اور واقعہ یہ ہی کہ اس وقت میرے ہاتھ میں دس ہزار دینار تو درکنار ایک درہم بلکہ آدھا درہم بھی نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ ای میرے آقا اختیار تیرے ہاتھ میں ہی یا ان کے ہاتھ میں؟ اس نے جواب دیا کہ میرے ہاتھ میں تو ایک دام تک نہیں۔ لڑکی بولی کہ کچھ بات نہیں تو کسی بات کا ڈر نہ کر۔ لے یہ سو دینار ، اگر میرے پاس اس کے سوا اور کچھ ہوتا تو میں تجھے دے دیتی۔ میرا باپ اپنے بھتیجے کو اتنا چاہتا ہی کہ اس نے اپنا سارا مال میرے پاس سے لے جا کر اس کے پاس رکھ دیا ہی حتیٰ کہ میرے زیور بھی سب کے سب لے گیا ہی۔ کل جبکہ قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے.... اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ننانویں رات

دو سو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکی نے علاءالدین سے کہا کہ کل جب قاضی کا پیادہ تیرے پاس آئے اور قاضی اور میرا باپ تجھ سے کہیں کہ طلاق دے تو ان سے کہیو کہ کس مذہب میں جائز ہی کہ میں رات کو نکاح کروں اور

صبح کو طلاق دے دوں۔ اس کے بعد قاضی کے ہاتھ کو بوسہ دے کر اُسے کچھ دے دیجیو اسی طرح ہر گواہ کا ہاتھ چوم کر اُسے دس دینار حوالہ کیجیو۔ وہ سب تیری طرف داری کرنے لگیں گے۔ اگر وہ تجھ سے کہیں کہ تو طلاق کیوں نہیں دیتا تاکہ شرط کے مطابق تجھے ہزار دینار نقد اور خچر اور پوشاک مل جائے تو کہیو کہ میرے نزدیک اس کے ہر بال کی قیمت ایک ہزار دینار ہے۔ میں اُسے ہرگز طلاق نہیں دوں گا۔ مجھے نہ پوشاک چاہیے نہ کچھ اور۔ اگر قاضی کہے کہ اچھا تو پھر مہر ادا کر تو کہیو کہ اس وقت میں نادار ہوں۔ یہ سن کر قاضی اور گواہ تیرے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اور تجھے مہلت مل جائے گی۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ قاضی کے پیادے نے دروازے پر دستک دی۔ علاءُالدین باہر گیا۔ پیادے نے کہا کہ تیرا خسر تجھے بلاتا ہے چل کر اس سے باتیں کر۔ علاءُالدین نے اُسے پانچ دینار دے کر کہا کہ اے ایلچی یہ کس شرع میں جائز ہے کہ میں رات کو نکاح کروں اور صبح ہوتے طلاق دے دوں؟ اس نے کہا کہ ہمارے ہاں ایسی بات ہرگز جائز نہیں۔ اگر تو شرع سے واقف نہیں تو میں تیری طرف سے وکالت کروں گا۔ اس کے بعد وہ قاضی کے محکمے میں گئے قاضی نے کہا کہ تو ایسا کیوں نہیں کرتا کہ عورت کو طلاق دے دے اور جو شرط بندھی ہے وہ لے لے۔ یہ سُن کر علاءُالدین قاضی کی طرف بڑھا اور اس کے ہاتھ چوم کر پچاس دینار اس کے ہاتھ میں رکھ دیے اور کہنے لگا کہ اے ہمارے مولا قاضی یہ کس مذہب میں جائز ہے کہ میں رات کو شادی کروں اور صبح کو وہ زبردستی مجھ سے چھڑا دی جائے؟ قاضی نے جواب دیا کہ مسلمانوں کے کسی مذہب میں جبریہ طلاق جائز نہیں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ اگر تو طلاق نہیں دیتا تو مہر کے دس ہزار دینار لا۔ علاءُالدین نے کہا کہ تین دن کی مہلت دے۔ قاضی نے کہا کہ تین دن کی مہلت کافی نہیں بلکہ وہ تجھے دس دن کی مہلت دے گا۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور اب یہ شرط ٹھیری کہ دس دن کے بعد یا تو مہر ادا کیا جائے یا طلاق۔ یہ شرط

کرکے علاءؔالدین وہاں سے چل دیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ کھانے کی ضروری چیزیں خرید کر گھر گیا اور لڑکی سے جاکر سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ دن اور رات کے درمیان عجیب عجیب باتیں پیش آسکتی ہیں پھر وہ اٹھی اور کھانا تیار کرکے دسترخوان بچھایا دونوں نے کھایا پیا اور مزے لیے اور خوش ہوئے۔ اس کے بعد علاءؔالدین نے اپنی بیوی سے ایک راگ کی فرمایش کی، لڑکی نے ساز لے کر ایسی گت بجائی جس سے سخت سے سخت پتھر وجد میں آجائیں اور "تار" یا داؤد" کہنے لگے۔ اس کے بعد لڑکی نے دوسرا راگ چھیڑ دیا۔

دونوں اسی لطف میں تھے، نغمہ و سرود کی محفل گرم تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ لڑکی نے کہا جاکر دیکھو دروازے پر کون ہی؟ علاءؔالدین نے دروازے پر جاکر دیکھا کہ چار درویش کھڑے ہوئے ہیں، ان سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ای بندۂ خدا ہم پردیسی درویش ہیں اور ہماری روحوں کی غذا گانا اور لطیف اشعار ہیں ہماری آرزو ہی کہ آج رات صبح تک ہم تیرے ہاں گزاریں اور پھر چلے جائیں خدا تجھے اس کا بدلہ دے! ہمیں گانے سے عشق ہی اور ہم میں سے کوئی ایسا نہیں جسے قصیدے اور اشعار اور گیت یاد نہ ہوں۔ علاءؔالدین نے کہا کہ میں پوچھ لوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا اور لڑکی کو خبر کی۔ اس نے کہا کہ انھیں اندر آنے دے۔ علاءؔالدین نے دروازہ کھول دیا اور انھیں لے جاکر بٹھایا، خوش آمدید، مرحبا کہا اور ان کے آگے کھانا پیش کیا لیکن انھوں نے کچھ نہ کھایا اور کہا کہ ای شخص ہماری غذا یہ ہی کہ دل سے اللہ کی یاد کریں اور کان سے گیت سنیں۔ باہر سے ہمیں عمدہ گانے کی آواز آرہی تھی، لیکن جب ہم یہاں آئے تو گانا بند ہوگیا۔ معلوم نہیں کہ گانے والی کوئی گوری کنیز تھی یا حبشن، کوئی پیشہ ور یا شریف زادی! اس نے جواب دیا کہ وہ میری بیوی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ میرے خسر نے دس ہزار دینار کا مہر باندھا ہی اور دس دن کی مہلت دی ہی۔ ایک درویش نے

کہا کہ غمگین نہ ہو اور دل میں خوشی کے سوا فکر کو نہ آنے دے۔ مَیں تکیے کا شیخ ہوں اور میرے ماتحت چالیس درویش ہیں۔ مَیں نے ان کو حکم دیا نہیں کہ دس ہزار دینار جمع ہو گئے پھر اپنے خسر کو مہر ادا کر دیجیو۔ اچھا اب لڑکی سے کہہ کہ ہمیں ایک گیت سنا دے تاکہ ہمیں حظ حاصل ہو اور ہم بلندی پر پہنچ جائیں کیونکہ گانا بعض لوگوں کے لیے غذا ہے اور بعض کے لیے دوا اور بعضوں کے لیے پنکھے کا کام دیتا ہے۔

یہ چاروں درویش خلیفہ ہارون الرشید، وزیر جعفر برمکی، ابو نواس حسن بن ہانی اور مسرور جلاد تھے ان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ خلیفہ کا دل گھبرا رہا تھا اس نے وزیر سے کہا اے جعفر میں چاہتا ہوں کہ چل کر شہر کی سیر کریں یہاں اس وقت جی نہیں لگتا چنانچہ انھوں نے درویشوں کا بھیس بدلا اور شہر میں سیر کرتے کرتے اس مکان کے پاس سے گزرے تو غیر معمولی گانے کی آواز سنائی دی۔ خیال ہوا کہ دریافت کریں اس گھر میں کون لوگ رہتے ہیں اور وہ فقیروں کے لباس میں اندر آ گئے۔ نہایت لطف کے ساتھ بات چیت میں رات گزاری اور صبح ہونے کو آئی تو خلیفہ نے سو دینار مُصلّے کے نیچے رکھ دیے اور اپنے ہمراہیوں کو لے کر رخصت ہوا۔ جب لڑکی نے مُصلّا اٹھایا اور اس کے نیچے سو دینار دیکھے تو وہ اپنے شوہر سے کہنے لگی کہ یہ سو دینار ہے۔ مَیں نے انھیں مصلّے کے نیچے پایا ہے چلنے سے پہلے درویش انھیں رکھ گئے ہیں۔ ہمیں ان کا علم نہ تھا۔ علاءُالدین انھیں لے کر بازار گیا اور گوشت اور چاول اور گھی وغیرہ ضرورت کی چیزیں خرید لایا۔ دوسرے دن شام کو اُس نے شمع جلائی اور بیوی سے کہا کہ جن دس ہزار دینار کا درویشوں نے وعدہ کیا تھا ابھی تک نہیں لائے آخر فقیر ہی تو ہیں اتنے میں درویشوں نے دروازے پر دستک دی لڑکی نے کہا کہ جا اور ان کے لیے دروازہ کھول۔ اس نے جا کر دروازہ کھولا، وہ اندر آئے تو اس نے پوچھا کہ کیا تم دس ہزار دینار جن کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا تھا لائے ہو؟

انھوں نے جواب دیا کہ ابھی تک ہمیں کچھ بھی دستیاب نہیں ہوا لیکن پروا نہ کر کل انشاء اللہ ہم تیرے لیے کیمیا بنائیں گے۔ اپنی بیوی سے کہہ کہ ہمیں ایک بالکل نیا گانا سنائے تاکہ ہمارے قلب بلند پروازی کرنے لگیں کیونکہ ہمیں سماع سے عشق ہے۔ اس لڑکی نے ساز لے کر ایسا راگ بجایا جس سے سخت سے سخت پتھر نرم ہو جائیں سبھوں نے خوش خوش رات گزاری سویرا ہوا اور روشنی پھیلی تو خلیفہ نے سو دینار مصلے کے نیچے رکھ دیے اور چاروں وہاں سے چلتے ہوئے اسی طرح وہ برابر نو رات آیا کیے اور ہر رات خلیفہ سو دینار مصلے کے نیچے رکھ جاتا یہاں تک کہ دسواں دن ہوا مگر آج وہ نہ آئے اور ان کے نہ آنے کا سبب یہ تھا کہ خلیفہ نے ایک بڑے سوداگر کو بلا کر کہا کہ میرے پاس پچاس گٹھریاں مصر کے کپڑوں کی لا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اٹھاونویں رات

جب دو سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ امیرالمومنین نے اس تاجر سے کہا پچاس گٹھریاں ان کپڑوں کی جو مصر سے آیا کرتی ہیں اور ہر گٹھری کی قیمت ہزار دینار ہو اور یہ قیمت ان پر لکھ کر لگا دے اور ایک حبشی غلام لا۔ وہ تاجر ساری چیزیں لے آیا تو خلیفہ نے غلام کو سونے کی ایک سیلپچی اور ایک لوٹا دیا اور چند تحفے تحائف اور پچاسوں گٹھریاں اس کے حوالے کیں۔ علاءالدین کے باپ مصر کے ملک التجار شمس الدین کی طرف سے ایک خط لکھا اور غلام کو دے کر کہا کہ فلاں محلے میں جا جس میں تاجر بغداد کے ملک التجار کا مکان ہے اور پوچھ کہ میرا آقا علاءالدین ابوالشامات کہاں رہتا ہے؟ لوگ تجھے اس مکان میں پہنچا دیں گے

غلام اُٹھے یہ سب اسباب و سامان لے کر زبیدہ کے حکم کے بموجب روانہ ہو گیا۔

یہ تو اُس کا قصّہ ہُوا۔ اب لڑکی کے چچیرے بھائی کا ماجرا سُنیے۔ وہ لڑکی کے باپ کے پاس گیا اور اُس سے کہنے لگا کہ علاءُ الدین کے پاس چل کر اپنی چچیری بہن کو طلاق دلا لائیں۔ وہ دونوں علاءُ الدین کے گھر کی طرف چلے۔ جب وہ وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پچاس خچر کھڑے ہوئے ہیں اور اُن پر پچاس تھانوں کی گٹھریاں لدی ہوئی ہیں اور ایک غلام خچر پر سوار اُن کے ساتھ ہے اور انھوں نے پوچھا یہ کس کا مال ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میرے آقا علاءُ الدین ابوالشامات کا۔ اس کے باپ نے اُسے سوداگری کا مال دے کر بغداد بھیجا تھا راستے میں بدوؤں نے اُسے لوٹ لیا۔ یہ خبر اس کے باپ کو پہنچی تو میرے ہمراہ اور مال اس کے لیے بھیجا اور اس اسباب کے ساتھ خچر پر پچاس ہزار دینار اور ایک بقچہ جو نہایت قیمتی ہے مع سمور کے لبادہ اور سونے کی سینیچی اور لوٹے کے ہیں۔ لڑکی کے باپ نے کہا کہ وہ میرا داماد ہے چل میں تجھے اس کے گھر لے چلتا ہوں۔ علاءُ الدین سخت غمگین اپنے گھر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا اور علاءُ الدین نے زبیدہ سے کہا کہ شاید تیرے باپ نے قاضی یا والی کی طرف سے پیادہ بھجوایا ہے۔ اس نے کہا کہ جا کر دیکھ تو سہی۔ علاءُ الدین نے جا کر دروازہ کھولا دیکھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ ملک التجار کھڑا ہے اور ایک حبشی غلام سانولے رنگ کا خوب صورت سا ایک خچر پر سوار ہے۔ اسے دیکھ کر غلام اتر پڑا اور اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا چاہتا ہے؟ غلام نے جواب دیا کہ میں اپنے آقا علاءُ الدین ابوالشامات کا غلام ہوں جو مصر کے ملک التجار شمس الدین کا بیٹا ہے۔ اس کے باپ نے یہ امانت دے کر مجھے اس کے پاس بھیجا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے خط علاءُ الدین کے حوالے کیا اس نے کھول کر پڑھا تو اس میں لکھا تھا: بہترین سلام کے بعد معلوم ہو یہ خط شمس الدین کی طرف سے اس کے بیٹے ابوالشامات کے نام ہے۔ بیٹا مجھے یہ خبر ملی تھی کہ تیرے ساتھی

قتل ہو گئے اور تیرا مال واسباب لوٹ لیا گیا اس لیئے میں تجھے اور پچاس بار مصری تھانوں کے، ایک جوڑا لباس، سمور کا لبادہ اور سونے کی سیلچی اور لوٹا بھیجتا ہوں۔ تو کسی طرح افسوس نہ کیجیو۔ بیٹا مال و دولت تجھ پر نثار ہی اور نہ غم زدہ ہو جیو۔ تیری ماں اور سارے گھر والے خیر و عافیت سے ہیں اور وہ تجھے بہت بہت سلام کہتے ہیں۔ اور بیٹا مجھے معلوم ہوا ہی کہ تیرا درمیانی نکاح زبیدہ عودیہ کے ساتھ پچاس ہزار دینار پر ہوا ہی۔ یہ پچاس ہزار دینار میں اپنے غلام سلیم کے ہمراہ بھیجتا ہوں۔

علاؤالدین خط پڑھ چکا تو اس نے اپنے خسر سے مخاطب ہو کر کہا کہ اے میرے خسر یہ پچاس ہزار دینار اپنی بیٹی زبیدہ کا مہر لے اور اس سے تجارت کر، اصل میرا اور فائدہ تیرا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں کچھ بھی نہ لوں گا۔ اب رہا مہر کا معاملہ تو اس کا فیصلہ تو اپنی بیوی سے خود کر لے۔ سارا سامان مکان کے اندر بھیجنے کے بعد علاؤالدین اور اس کا خسر دونوں اندر گئے۔ زبیدہ نے اپنے باپ سے پوچھا کہ ابا جان یہ سامان کس کا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ تیرے شوہر علاؤالدین کا۔ اس کے باپ نے اس مال کے بدلے بھیجا ہی جو بدوؤں نے لوٹ لیا تھا۔ اس کے علاوہ اس نے پچاس ہزار دینار نقد اور ایک خاص بقچہ اور سمور کا لبادہ، ایک خچر اور سونے کی سیلچی اور لوٹا بھیجا ہی اب رہی مہر کی بات تو جیسی تیری رائے ہو۔ علاؤالدین نے اٹھ کر صندوق کھولا اور اس کا مہر اس کے حوالے کیا۔ اس لڑکے نے جو لڑکی کا چچیرا بھائی تھا کہا کہ چچا جان علاؤالدین سے کہہ کہ وہ میری بیوی کو طلاق دے کر میرے حوالے کر دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں ایسی بات ہرگز نہیں کہہ سکتا۔ اختیار علاؤالدین کے ہاتھ میں ہی۔ یہ سن کر لڑکا غم زدہ اور غصے میں بھرا ہوا چل دیا۔ گھر پہنچتے ہی بیمار پڑ گیا اور اسی بیماری نے اس کا کام تمام کر دیا۔ سامان کو وصول کرنے کے بعد علاؤالدین بازار گیا اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں لایا اور دو روز بھی حسب معمول گزر گیا اور زبیدہ سے کہنے لگا کہ دیکھو ان جھوٹے درویشوں

نے ہم سے وعدہ کیا لیکن وعدہ پورا نہ کیا۔ زبیدہ بولی تو ملک التجار کا بیٹا ہونے کے باوجود ایک وقت محتاج تھا تیرے پاس دو درہم نہ تھے وہ بے چارے تو ٹکڑ گدا ٹھیرے انھیں کیوں بدنام کرتا ہی۔ اس نے کہا کہ خدا نے ہمیں ان سے مستغنی کر دیا ہی تاہم اگر وہ پھر آئے تو میں انھیں اندر آنے نہیں دوں گا۔ لڑکی کہنے لگی یہ تو کیا کہتا ہی! بھلائی تو انھیں کے قدموں کی برکت سے آئی ہی۔ علاوہ اس کے وہ ہر روز جو سو دینار مُصلّے کے نیچے رکھ جاتے تھے۔ اس لیے اگر وہ آئیں تو انھیں ضرور اندر آنے دیجیو۔ جب دن ختم ہوا اور اندھیرا چھانے لگا تو موم بتی جلائی گئی اور علاءُالدین نے کہا کہ زبیدہ کوئی راگ سُنا اتنے میں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا لڑکی نے کہا کہ دیکھ دروازے پر کون ہی؟ اس نے جا کر دروازہ کھولا دیکھا کہ وہی درویش ہیں اور ان سے کہنے لگا کہ مرحبا ای جھوٹو اندر آؤ۔ وہ اندر آئے۔ علاءُالدین نے انھیں بٹھایا ان کے آگے دسترخوان بچھایا انھوں نے خوب کھایا پیا اور خوش ہوئے بولے کہ ای علاءُالدین ہمارا دل تجھ ہی میں لگا ہوا تھا کہ نہ جانے خسر کے ساتھ تیرا کیا فیصلہ ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ جتنا میں نے مانگا تھا خدا نے اس سے زیادہ دیا۔ انھوں نے کہا کہ واللہ ہم تو بہت ڈر رہے تھے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اُنسٹھویں رات

جب دو سو اُنسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! درویشوں نے علاءُالدین سے کہا کہ واللہ ہم ڈر رہے تھے کہ کہیں تجھے تکلیف نہ ہو اور ہم اسی وجہ سے حاضر نہ ہوئے کہ ہمیں بالکل کچھ نہیں ملا۔ علاءُالدین نے کہا کہ مجھے پروردگار

کی طرف سے فوری خوشی حاصل ہوئی اور میرے باپ نے مجھے پچاس ہزار دینار نقد اور پچاس گٹھریاں تھانوں کی جن میں سے ہر ایک کی قیمت ایک ہزار دینار ہے اور پوشاک اور سمور کا لبادہ اور خچر اور غلام اور سونے کی سیلیچی اور لوٹا بھیجا ہے۔ میرا خسر مجھ سے خوش ہوگیا اور میری بیوی راضی ہوگئی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے۔

اس اثنا میں خلیفہ اٹھ کر ضرورت رفع کرنے کے لیے گیا اور وزیر جعفر نے علاءالدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ ادب سے باتیں کر نہیں جانتا کہ تو امیرالمومنین کے سامنے ہے۔ وہ بولا مجھ سے امیرالمومنین کی شان میں کون سی بے ادبی سرزد ہوئی اور تم میں سے کون امیرالمومنین ہے؟ جعفر نے کہا کہ جو تجھ سے باتیں کر رہا تھا اور ابھی اٹھ کر ضرورت رفع کرنے گیا ہے وہ امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید ہے اور میں وزیر جعفر ہوں اور یہ جلاد مسرور ہے اور یہ ابونواس حسن بن ہانی۔ اے علاءالدین عقل سے کام لے اچھا بتا کہ مصر سے بغداد تک کے دن کا راستہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پینتالیس دن کا۔ جعفر نے کہا کہ تیرا سامان لٹے دس دن ہوئے ہیں؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ دس دن کے اندر تیرے باپ تک خبر بھی پہنچ گئی اور اس نے تیرے لیے مال وسامان بھی لدوا دیا اور ان چیزوں نے پینتالیس دن کی راہ بھی کاٹ لی۔ علاءالدین کہنے لگا تو پھر یہ چیزیں کہاں سے آئیں؟ اس نے جواب دیا کہ خلیفہ امیرالمومنین کے پاس سے کیونکہ اسے تیرے ساتھ بڑی محبت ہے۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ خلیفہ آ پہنچا اور علاءالدین نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دعائیں دینے لگا کہ امیرالمومنین خدا تجھے اپنی حفاظت میں رکھے، تیری عمر دراز کرے اور تیرا فضل واحسان لوگوں پر جاری رہے! خلیفہ نے کہا کہ زبیدہ سے کہہ کہ اس نجات کی خوشی میں کوئی راگ سنائے۔ زبیدہ نے سارنگی لے کر ایسا عمدہ راگ بجایا جس سے پتھر رقص کرنے لگیں گویا ہر تار سے "یا داؤد" کی صدا بلند تھی۔ بغرض کہ سب

نے خوش خوش رات گزاری جب پو پھٹی تو خلیفہ نے علاء الدین سے کہا کہ کل دربار میں آئیو۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اے امیر المومنین اگر خدا نے چاہا خدا تجھے سلامت رکھے!

دوسرے دن علاء الدین نے دس سینیوں میں عمدہ عمدہ ہدیے رکھے اور انھیں لے کر دربار گیا خلیفہ مسندِ خلافت پر رونق افروز تھا علاء الدین دروازے سے داخل ہوا تو خلیفہ نے کہا مرحبا یا علاء الدین۔ علاء الدین نے عرض کیا اے امیر المومنین نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدیہ قبول فرمایا ہے یہ دس سینیاں اور جو کچھ ان کے اندر ہے میری طرف سے تیرے لیے ہدیہ ہیں۔ امیر المومنین نے اسے قبول کیا اس کے لیے خلعت لائے جانے کا حکم دیا اور اُسے تاجروں کا امیر بنا کر دربار میں جگہ دی۔ وہ بیٹھا ہی تھا کہ اس کا خسر زبیدہ کا باپ آپہنچا اس نے دیکھا کہ میری جگہ علاء الدین ہے اور خلعت پہنے ہوئے ہے۔ امیر المومنین سے عرض کی کہ جہاں پناہ۔ یہ شخص میری جگہ خلعت پہن کر کیوں بیٹھا ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ میں نے اُسے تاجروں کا امیر بنایا ہے۔ رُتبے عطا کیے جاتے ہیں میراث میں نہیں آتے تو معزول کیا گیا ہے۔ اس نے کہا کہ وہ بھی ہم ہی میں سے ہے تو نے اے امیر المومنین خوب کیا۔ خدا ہمارے بہترین لوگوں کو ہمارا حاکم بناتا ہے۔ کتنے کم سن لوگ بڑے عہدوں پر مامور ہیں! اب خلیفہ نے علاء الدین کے لیے فرمان لکھ کر والی کو اور والی نے ڈھنڈورا پیٹنے والے کو دیا۔ اس نے دربار میں منادی کی کہ علاء الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی تاجروں کا امیر نہیں۔ اُس کا حکم مانا جائے گا اور اس کی عزت کی جائے گی۔ ہر شخص پر اس کا اکرام و احترام واجب اور اعزاز لازمی ہے۔ جب دربار برخاست ہوا تو والی اور ڈھنڈورا پیٹنے والا علاء الدین کے آگے آگے روانہ ہوئے ڈھنڈورچی آواز لگاتا تھا میرے آقا علاء الدین ابوالشامات کے سوا اور کوئی ملک التجار نہیں۔ اس کے اگلے روز علاء الدین نے ایک دکان کھول کر اپنے غلام کو اس پر بٹھایا جو خرید فروخت کرے اور خود سوار ہو کر خلیفہ کے دربار میں

اپنے عہدے پر جانے لگا" اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ساٹھویں رات

جب دو سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ اعلاءالدین سوار ہوکر خلیفہ کے دربار میں اپنے عہدے پر جانے لگا۔ ایک دن حسبِ معمول وہ اپنے عہدے پر بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے آکر خلیفہ سے کہا کہ اے امیرالمومنین خدا تیرا سر سلامت رکھے! فلاں تیرے ہم پیالہ وہم نوالہ کو خدا نے اپنی رحمت کی طرف بلالیا ہے۔ خدا تیری عمر میں برکت دے! خلیفہ کی علاءالدین ابوالشامات پر نظر پڑی۔ وہ بولا شکر ہے کہ خدا مہربان تو کل مہربان۔ اس نے اُسے ایک نہایت عمدہ خلعت عطا کیا اور اُسے اپنا ہم پیالہ وہم نوالہ بنالیا ایک ہزار دینار مشاہرہ مقرر کیا اور وہ خلیفہ کا ندیم بھی بن گیا پھر ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ ایک سردار تلوار اور ڈھال لیے پہنچا اور امیرالمومنین سے کہنے لگا کہ خدا تیری زندگی قائم رکھے! آج ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار فوت ہوگیا۔ علاءالدین اپنی جگہ حاضر تھا خلیفہ نے حکم دیا کہ علاءالدین ابوالشامات کو اس عہدے کا بھی خلعت عطا کیا جائے اور اُسے ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنا دیا۔ مرحوم سردار کا نہ بیٹا تھا نہ بیٹی نہ بیوی اس لیے اس کا مال و دولت بھی علاءالدین کے قبضے میں آیا۔ خلیفہ نے علاءالدین سے کہا کہ اسے دفن کر اور جو کچھ مال اور غلام اور کنیزیں اور خدمت گار اس نے چھوڑے ہیں ان پر قبضہ کرلے۔ اس کے بعد خلیفہ نے رومال ہلایا اور دربار برخاست ہوا علاءالدین باہر آیا خلیفہ کے میمنے کا سردار سپہ سالار احمد دنف تھا اور اس کے چالیس ہمراہی تھے اور میسرے کا سردار حسن شومان اور اس کے

چالیس ہمراہی۔ علاءُالدین نے سردار حسن شومان کے ہمراہیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم سردار احمد دنف سے میری سفارش کر دو کہ وہ خدا کے سامنے مجھے اپنا بیٹا بنا لے آحمد نے قبول کر لیا اور اس سے کہا کہ میں اور میرے چالیس ہمراہی ہر روز تیرے آگے سوار ہو کر دربار تک جایا کریں گے۔

اس طرح علاءُالدین ایک مدت تک خلیفہ کی خدمت میں رہا۔ ایک روز کا واقعہ سُنیے وہ دربار سے نکل کر گھر چلا اور جب احمد دنف اور اس کے ساتھی رخصت ہو کر چلے گئے تو وہ اپنی بیوی سارنگی والی زبیدہ کے پاس جا کر بیٹھا اور موم بتیاں جلائیں۔ مزے میں بیٹھے تھے کہ زبیدہ اُٹھ کر ضرورت رفع کرنے گئی۔ یکایک اس نے کسی کو زور سے چیختے ہوئے سُنا وہ اُٹھ کر چلا کہ دیکھے کون چیختا ہے۔ صحن میں آیا تو اُس کی بیوی زبیدہ عودیہ زمین پر پڑی ہوئی تھی اسی نے چیخیں ماری تھیں۔ اُس کے سینے پر ہاتھ رکھا تو اس کا دم نکل چکا تھا۔ علاءُالدین کے گھر کے سامنے ہی اس کے خسر کا مکان تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کی آواز سُنی تو دوڑ کر علاءُالدین سے پوچھا آقا کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ابا جان خدا تجھے سلامت رکھے! تیری بیٹی زبیدہ عودیہ کا دم نکل گیا لیکن ابا جان میت کا احترام یہ ہے کہ اُسے دفن کیا جائے جب سویرا ہوا تو انھوں نے اُسے دفن کیا اور علاءُالدین اور اس کا خسر دونوں ایک دوسرے کی تعزیت کرنے لگے۔

یہ تو زبیدہ عودیہ کا حال ہوا اب علاءُالدین کا ماجرا سُنیے۔ اُس نے سوگ کے کپڑے پہن لیے اور دربار جانا چھوڑ دیا، ہر وقت روتا اور مغموم بیٹھا رہتا۔ ایک دن خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ اے وزیر! علاءُالدین دربار میں کیوں نہیں آتا؟ وزیر نے کہا امیرالمومنین وہ اپنی بیوی زبیدہ کے سوگ اور تعزیت میں مشغول ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ ہمیں بھی اس کی تعزیت کے لیے جانا چاہیے اور وہ مع وزیر اور خدام سوار ہو کر علاءُالدین کے گھر گئے اور وہ اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ خلیفہ اور وزیر اور اس کے ہمراہی پہنچے۔ علاءُالدین ان کے خیر مقدم کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا، سلام کیا، زمین چومی۔ خلیفہ نے

کہا کہ خدا تجھے نیک بدلہ دے! علاؤالدین نے دعا دی کہ ای امیرالمومنین خدا ہمارے لیے تیری عمر دراز کرے! خلیفہ بولا کہ علاؤالدین تو دربار کیوں نہیں آتا؟ عرض کیا ای امیرالمومنین اپنی بیوی زبیدہ کے غم کی وجہ سے خلیفہ نے فرمایا غم کو اپنے دل سے نکال ڈال خدا نے اُسے اپنی رحمت کے آغوش میں لے لیا ہی رنج کرنے سے فائدہ نہیں۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین میں اس کی جُدائی کے صدمے سے اُس وقت نجات پا سکتا ہوں کہ میں مرجاؤں اور لوگ مجھے اس کے پاس دفن کرائیں۔ خلیفہ کہنے لگا خدا کے پاس ہر فوت ہونے والے کا بدلہ ہی اور موت کے مقابلے میں نہ تدبیر چلتی ہی اور نہ مال کام دیتا ہی۔ تعزیت ختم کرنے کے بعد خلیفہ اس سے یہ کہہ کر کہ دربار آیا کر اپنے محل کو روانہ ہو گیا۔ اس رات کے بعد جب دن نکلا تو علاؤالدین سوار ہو کر دربار میں حاضر ہوا اور خلیفہ کے پاس پہنچ کر زمین چومی۔ خلیفہ نے اُسے مرحبا کہا اور اس کی سلامتی چاہی اپنی جگہ بیٹھنے کا اشارہ کیا اور فرمایا کہ علاؤالدین آج رات تو میرا مہمان ہی۔ پھر وہ اُسے محل کے اندر لے گیا اور ایک کنیز کو بلوایا جس کا نام قوت القلوب تھا اور اس سے کہا کہ علاؤالدین کی ایک بیوی تھی جس کا نام زبیدہ تھا اور جو اُس کا غم غلط کیا کرتی تھی۔ خدا نے اُسے اپنی رحمت کے آغوش میں لے لیا ہی میں چاہتا ہوں کہ تو اُسے عود پر ایک راگ سُنا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اکسٹھویں رات

جب دو سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اسے عود پر ایک راگ سُنا جو اپنے طرز میں نرالا ہو اور جس سے اس کا غم غلط ہو جائے۔ کنیز نے ایک نہایت اچھوتا

راگ الاپا۔ خلیفہ بولا علاؤالدین اس کنیز کی آواز کے متعلق تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا کہ زبیدہ کی آواز اس سے اچھی تھی مگر یہ ساز کے بجانے میں زیادہ ماہر ہے اس سے پہاڑ تک وجد کرسکتے ہیں۔ خلیفہ نے پوچھا کیا یہ کنیز تجھے پسند ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں امیرالمومنین مجھے پسند ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میرے سر اور میرے باپ داداؤں کی قسم یہ کنیز اور اس کی ساری لونڈیاں میں نے تجھے بخش دیں۔ علاؤالدین سمجھا کہ خلیفہ اس سے مذاق کررہا ہے جب صبح ہوئی تو خلیفہ نے اپنی کنیز قوت القلوب کے پاس جاکر کہا کہ میں نے تجھے علاؤالدین کو بخش دیا ہے۔ وہ خوش ہوگئی لڑکا اس کی نگاہ میں کھب گیا اور وہ اس سے محبت کرنے لگی تھی۔ یہ کہہ کر خلیفہ محل سے نکلا اور دربار میں آیا اور حمالوں کو حکم دیا کہ قوت القلوب اور اس کی لونڈیوں کو تخت رواں پر بٹھاکر اس کے سارے سامان کے ساتھ علاؤالدین کے گھر پہنچا آؤ۔ حمال اسے اور اس کی لونڈیوں اور اس کے سامان کو علاؤالدین کے گھر لے جاکر پہنچا آئے۔ خلیفہ شام تک دربار کرتا رہا پھر دربار برخاست کرکے محل میں گیا۔

یہ تو اس کا قصہ ہوا۔ اب قوت القلوب کا حال سنیئے۔ جب وہ اور اس کی چالیس لونڈیاں علاؤالدین کے محل میں داخل ہوئیں تو اس نے دو خادموں سے کہا کہ تم میں سے ایک دروازے کے داہنی طرف کرسی پر بیٹھے اور دوسرا بائیں طرف۔ اور جب علاؤالدین آئے تو تم اس کے ہاتھوں کو بوسہ دے کر کہنا کہ ہماری آقا قوت القلوب تجھے محل کے اندر بلاتی ہے خلیفہ نے اسے اور اس کی لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے۔ علاؤالدین آیا تو اس نے دیکھا کہ خلیفہ کے دو خادم دروازے پر بیٹھے ہوئے ہیں وہ حیران ہوکر اپنے جی میں کہنے لگا کہ شاید یہ میرا مکان نہیں ہے لیکن خادم اسے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگے ہم خلیفہ کے نوکر اور قوت القلوب کے غلام ہیں۔ اس نے تجھے سلام بھیجا ہے اور یہ کہا ہے کہ خلیفہ نے مجھ کو اور میری لونڈیوں کو تجھے بخش دیا ہے اور

وہ تجھے اپنے پاس بلاتی ہی۔ اس نے کہا کہ میری طرف سے اس کا خیر مقدم کرو اور کہو کہ جب تک تو میرے ہاں رہے گی میں محل کے اندر نہ آؤں گا کیونکہ جو چیز آقا کی ہی اس پر نوکروں کا کوئی حق نہیں اور اس سے پوچھو کہ اُسے ہر روز خلیفہ کے پاس سے کیا روزینہ ملتا تھا؟ خادموں نے اس کے پاس یہ پیغام پہنچا دیا۔ کنیز نے کہلا بھیجا کہ روزانہ سو دینار خلیفہ کی طرف سے مجھے ملتے تھے۔ علاء الدین نے اپنے دل میں کہا کہ خلیفہ کو کیا ضرورت پڑی تھی کہ قوت القلوب کو میرے حوالے کر کے یہ خرچ میرے ذمے لگائے! لیکن اب اس سے مفر نہیں۔

اس کے بعد وہ ایک مدت تک علاء الدین کے گھر میں رہی اور وہ اُسے ہر روز سو دینار دیتا رہا۔ اسی اثنا میں اتفاق ایسا ہوتا ہی کہ وہ کئی دن تک دربار میں حاضر نہ ہو سکا۔ خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ میں نے تو علاء الدین کو قوت القلوب اس لیے دی تھی کہ اُس کی بیوی کا غم غلط ہو اور وہ بلا ناغہ دربار میں حاضر ہوا کرے لیکن اس نے پھر آنا بند کر دیا! کچھ وجہ سمجھ میں آتی ہی؟ وزیر نے کہا امیر المومنین یہ مقولہ غلط نہیں کہ جس شخص کے پاس اس کا محبوب ہو وہ اپنے دوستوں کو بھول جاتا ہی۔ خلیفہ بولا بہر حال اس کے نہ آنے کا کوئی خاص سبب ہی۔ اچھا ہم اس کی ملاقات کو جائیں گے۔ کچھ دن پہلے علاء الدین نے خلیفہ کی مہربانیوں کے ذکر میں وزیر سے کہا تھا کہ میں نے امیر المومنین سے جب اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کے غم میں اپنے بے قرار رہنے کی شکایت کی تو اس نے مجھے قوت القلوب بخش دی۔ وزیر نے جواب دیا کہ یہ اس کی محبت کی دلیل ہی اگر اس کو تجھ سے خاص لگاؤ نہ ہوتا تو وہ اُسے ہرگز تجھے نہ بخشتا۔ مگر علاء الدین یہ تو بتا تو نے اس سے ہم بستری بھی کی ہی؟ اس نے کہا خدا کی قسم نہیں، بلکہ میں نے آمنے سامنے بیٹھ کر اُسے دیکھا تک نہیں۔ وزیر نے پوچھا کیا سبب؟ وہ بولا اے وزیر جو چیز آقا کے شان کی شایاں ہی وہ نوکروں پر

نہیں پھبتی۔ اب ایک روز خلیفہ اور جعفر بھیس بدل کر علاء الدین سے ملنے روانہ ہوئے اور چُپ چپاتے علاء الدین کے گھر جا پہنچے۔ علاء الدین انھیں پہچان کر اُٹھ کھڑا ہوا اور خلیفہ کے ہاتھ چومے۔ خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے چہرے سے غم کے آثار نمودار ہیں دریافت کرنے لگا علاء الدین اس رنج والم کی کیا وجہ ہے؟ کیا تو نے قوت القلوب سے ہم بستری نہیں کی؟ عرض کیا امیرالمومنین جو چیز آقا کی ہے وہ نوکروں کے لیے جائز نہیں میں اب تک اس کے ساتھ ہم بستر نہیں ہوا نہ مجھے اس کی صورت سے آشنائی ہے۔ اس سے معاف رکھو۔ خلیفہ نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سے مل کر اس کا حال دریافت کروں۔ علاء الدین نے جواب دیا تو مالک ہے اے امیرالمومنین۔ خلیفہ اس کے پاس گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو باسٹھویں رات

دوسو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ قوت القلوب کے پاس گیا جب اس نے خلیفہ کو دیکھا تو اُٹھ کر اُس کے آگے زمین بوس ہوئی خلیفہ نے پوچھا کہ علاء الدین تیرے ساتھ ہم بستر ہوا ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں امیرالمومنین حالانکہ میں نے اُسے بلا بھیجا تھا کہ ہم خواب ہو لیکن اس نے نہ مانا۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اسے شاہی محل میں واپس کر دیا جائے اور علاء الدین سے یہ کہہ کر کہ دربار میں آنا جانا ترک نہ کر، اپنے محل کی راہ لی اور علاء الدین سو گیا۔

جب صبح ہوئی تو وہ سوار ہو کر دربار گیا اور ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے عہدے پر بیٹھا۔ خلیفہ نے خزانچی کو حکم دیا کہ وزیر جعفر کو دس ہزار دینار دے۔

جب وہ دے چکا تو خلیفہ نے وزیر سے کہا میری خواہش ہے کہ تو کنیزوں کے نخاس میں جا کر علاؤالدین کے لیے دس ہزار دینار کی ایک کنیز خرید۔ وزیر خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں علاؤالدین کو اپنے ساتھ لے کر کنیزوں کے نخاس میں پہنچا۔ اتفاق کی بات تھی کہ اُسی روز بغداد کا والی امیر خالد بھی اپنے بیٹے کے لیے ایک کنیز خریدنے آیا ہوا تھا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ خاتون نام کی ایک بیوی تھی اس سے ایک ہی لڑکا تھا مگر بڑا بدصورت، لڑکے کا نام حبظلم بظاظہ تھا۔ اس کی عمر بیس برس کی ہو چکی تھی اور ابھی تک اُسے گھوڑے پر چڑھنا بھی نہ آیا تھا حالانکہ اس کا باپ بڑا بہادر سورما تھا وہ سوار ہو کر اندھیری راتوں میں پھرا کرتا حبظلم بظاظہ کو ایک رات احتلام ہوا اس نے اس کا ذکر اپنی ماں سے کیا۔ ماں نے خوش ہو کر یہ خبر باپ کو سنائی اور اس سے کہا کہ میں چاہتی ہوں کہ کہیں اس کا نکاح ہو جائے کیونکہ وہ اب نکاح کے قابل ہو گیا ہے۔ باپ کہنے لگا وہ بدصورت، بدبو، بدمعاش اور جنگلی ہے کوئی عورت اسے قبول نہ کرے گی۔ ماں نے کہا کہ تو پھر ہم اس کے لیے کنیز خریدیں گے۔ چنانچہ اُدھر وزیر اور علاؤالدین بازار میں آئے اور اِدھر امیر خالد والیے بغداد اور اس کا بیٹا حبظلم بظاظہ۔ نخاس میں ان کی نظر ایک حسین و جمیل کنیز پر پڑی جو ایک دلال کے پاس تھی۔ وزیر نے کہا کہ میں ایک ہزار دینار دیتا ہوں تو مالک سے مشورہ کر۔ دلال اُسے لے کر والی کے قریب سے گزرا اور جوں ہی حبظلم بظاظہ کی نظر اس پر پڑی تو ہزاروں ارمان اس کے دل میں آنے لگے اور کنیز کی محبت اس کے دل میں سما گئی اس نے کہا کہ باپ میرے لیے اس کنیز کو خرید لے۔ والی نے دلال کو بلایا اور کنیز سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا نام یاسمین ہے۔ باپ نے کہا بیٹا اگر یہ کنیز تجھے پسند ہے تو بڑھ کر بولی بول۔ اس پر لڑکے نے دلال سے پوچھا کہ کتنے دام لگ چکے ہیں؟ دلال بولا ایک ہزار دینار۔ لڑکے نے ایک ہزار ایک لگا دیے۔ اب دلال علاؤالدین کے پاس آیا اس نے دو ہزار بولے۔ بولی پہ بولی بڑھنے لگی والی کا بیٹا

اگر ایک دینار بڑھاتا تو علاؤالدین ایک ہزار، والی کے بیٹے کو غصہ آگیا اس نے دلّال سے کہا کہ میری بولی پر کون زیادہ بولی بولتا ہے؟ دلّال کہنے لگا کہ وزیر جعفر اس کنیز کو علاؤالدین ابوالشامات کے لیے خریدنا چاہتا ہے۔ القصہ علاؤالدین نے دس ہزار دینار کی بولی بول دی اور کنیز کے مالک نے منظور کر کے دام لے لیے اور علاؤالدین نے کنیز کو لے کر کہا کہ میں تجھے فی سبیل اللہ آزاد کرتا ہوں۔ بعد ازاں وہ لونڈی کی آزادی کا پروانہ لکھ کر گھر روانہ ہو گیا اور دلّال اپنی دلالی لے کر چلتا ہوا۔ والی کے بیٹے نے اُسے بلا کر پوچھا کہ کنیز کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اُسے علاؤالدین نے دس ہزار دینار میں خرید لیا ہے اور اُسے آزاد کر کے پروانہ لکھ دیا ہے۔

لڑکے کو بہت صدمہ ہوا، اس کی تمنائیں خاک میں مل گئیں اور وہ گھر جا کر اس کی محبت میں بیماروں کی طرح پڑ گیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا اور دل میں عشق کی آگ بھڑکنے لگی۔ جب اس کی ماں نے دیکھا کہ وہ بیمار ہے تو اس سے کہنے لگی کہ بیٹا خدا تجھے سلامت رکھے! تو کیوں ایسا پریشان ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اماں جان میرے لیے یاسمین خرید دے۔ ماں بولی کہ پھول والے کو ادھر سے گزرنے دے میں تیرے لیے ایک پورا ٹوکرا یاسمین کا خرید دوں گی۔ لڑکے نے کہا کہ یاسمین کے پھول نہیں جو سونگھے جاتے ہیں بلکہ وہ ایک کنیز ہے جس کا نام یاسمین ہے اور جسے والد نے میرے لیے نہیں خریدا۔ اس پر اس نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ تو نے وہ کنیز اس کے لیے کیوں نہیں خریدی؟ اس نے جواب دیا کہ جو چیز آقا کے قابل ہو وہ نوکروں کے لائق نہیں ہو سکتی۔ میرے لیے اس کا لینا ممکن نہ تھا کیونکہ جس شخص نے اُسے خریدا ہے وہ علاؤالدین ساٹھ سواروں کا سپہ سالار ہے۔ یہ سُن کر لڑکے کی بیماری اور زیادہ ہو گئی یہاں تک کہ اس نے کھانا پینا اور سونا بالکل ترک کر دیا اور ماں نہایت غم زدہ رہنے لگی۔

ایک دن وہ اسی غم میں بیٹھی ہوئی تھی کہ پہلے ایک بڑھیا اس کے پاس

پہنچی جو مشہور چور احمد قماقم کی ماں تھی۔ یہ چور ایسا شاطر تھا کہ آسمان میں نقب لگاتا اونچی سی اونچی دیواریں پھاند جاتا اور آنکھوں سے سرمہ چرا لیتا۔ یہ بری عادتیں اُس میں شروع ہی سے تھیں کسی طرح اُسے پہرے والوں کا چودھری بنا دیا گیا تھا لیکن اس نے وہاں بھی خیانت کی۔ والی نے اُسے دیکھ لیا اور وہ اُسے پکڑ کر خلیفہ کے پاس لے گیا۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسے سولی گھر میں قتل کر دیا جائے۔ اس نے وزیر سے سفارش چاہی۔ خلیفہ وزیر کی سفارش رد نہ کرتا تھا جب اُس نے اس چور کی سفارش کی تو خلیفہ نے پوچھا کہ تو اس حرام زادے کی سفارش کیوں کرتا ہے جس سے لوگوں کو نقصان پہنچتا ہے؟ اس نے کہا کہ امیرالمومنین اُسے قید کر دے کیونکہ جس شخص نے قید خانہ ایجاد کیا ہے وہ دانش مند آدمی تھا، قید خانہ زندوں کی قبر ہے اور دشمنوں کے لیے خوشی کا باعث۔ اس پر خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسے قید خانے میں رکھا جائے اور اس کے قید نامے پر لکھ دیا کہ وہ اس وقت تک قید خانے میں رہے جب تک کہ مُردہ ہو کے تختے پر اس کی بیڑیاں کاٹی جائیں۔ لہٰذا وہ برابر قید رہا۔ اس کی ماں بغداد کے والی امیر خالد کے ہاں آیا جایا کرتی تھی اور جب کبھی وہ اپنے بیٹے کے پاس قید خانے میں جاتی تو اس سے کہتی کہ میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ چوری سے توبہ کر۔ وہ جواب دیتا کہ خدا نے یہ میری قسمت میں لکھ دیا ہے لیکن اماں جب تو والی کی بیوی کے پاس جائے تو اس سے کہو کہ وہ میری سفارش والی سے کر دے۔ اب کے بڑھیا جو والی کی بیوی کے پاس آئی تو اس نے دیکھا کہ وہ غمگین بیٹھی ہے۔ کہنے لگی کہ تو غمگین کیوں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے بیٹے حنظلم بظاظہ کی مصیبت پر۔ بڑھیا نے کہا کہ تیرا بیٹا سلامت رہے! اُسے کیا ہوا ہے؟ اُس نے بڑھیا کو ساری داستان سنا دی۔ بڑھیا بولی اگر میں تیری یہ خدمت کر دوں کہ تیرا بیٹا بچ جائے تو؟ اس نے کہا کہ تو کیا کر سکتی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ میرا ایک بیٹا ہے جس کا نام احمد قماقم ہے جو بڑا دھاڑی ہے اور آج کل وہ قید خانے میں ہے اس کے متعلق یہ حکم ہے

کہ مرتے دم تک قید رہے۔ میری یہ رائے ہے کہ اٹھو اور بہترین پوشاک اور نفیس زیور پہن، ہنس مکھ چہرہ بنا کر اپنے شوہر کے پاس جا اور جب وہ تجھ سے وہ چیز مانگے جو مرد عورتوں سے مانگا کرتے ہیں تو انکار کر دیجیو، اس کے کہنے میں نہ آئیو اس سے کہیو کہ یہ بھی عجیب و غریب بات ہے کہ اگر مرد کو اپنی بیوی سے حاجت ہو تو وہ اس قدر خوشامد کرتا ہے کہ اپنی حاجت روائی کر کے اُٹھتا ہے لیکن اگر بیوی اپنے شوہر سے کوئی درخواست کرے تو وہ اُسے پورا نہیں کرتا۔ اس پر وہ تجھ سے کہے گا کہ اپنی ضرورت بیان کر۔ اس وقت کہیو کہ پہلے قسم کھا۔ جب وہ اپنے سر یا اللہ کی قسم کھائے تو کہیو کہ نہیں مجھ سے طلاق کی قسم کھا اور اس وقت تک اسے ہاتھ نہ لگانے دیجیو جب تک وہ طلاق کی قسم نہ کھائے۔ جب وہ طلاق کی قسم کھائے تو کہیو کہ تیرے قید خانے میں ایک چودھری قید ہے جس کا نام احمد قماقم ہے۔ اس کی ایک بے چاری ماں ہے وہ میرے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے درخواست کروں کہ تو اُس کے بیٹے کی سفارش خلیفہ سے کرے اور وہ اُسے معاف کر دے، تجھے اس میں ثواب ہوگا۔ وہ اچھا کہہ کر چُپ ہو گئی۔ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو تر سٹھویں رات

دو سو تر سٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب والی اپنی بیوی کے پاس آیا تو اس نے وہی باتیں کیں اور والی نے طلاق کی قسم کھالی اور رات بھر اپنی بیوی سے ہم بستری کی۔ صبح اُٹھ کر اس نے غسل کیا اور نماز پڑھی اور قید خانے گیا۔ قید خانے میں جا کر احمد قماقم سے کہنے لگا اے چور کیا تو اپنے جرموں سے

توبہ کرتا ہے؟ اس نے کہا کہ میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں، اپنے افعال سے باز آتا اور دل سے استغفراللہ کہتا ہوں۔ یہ سن کر والی نے اُسے قید خانے سے نکالا اور اُسے پابزنجیر لے کر دربار میں گیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ خلیفہ نے کہا اچھا اے امیر خالد کیا چاہتا ہے؟ اس نے خلیفہ کے سامنے احمد قماقم کو پیش کیا جس کی بیڑیاں جھنک رہی تھیں۔ خلیفہ نے کہا اے قماقم تو ابھی تک زندہ ہے؟ وہ بولا امیرالمومنین بدبختوں کی زندگی لمبی ہوتی ہے۔ خلیفہ نے امیر خالد سے پوچھا کہ تو اسے یہاں کیوں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی غریب بڑھیا ماں ہے جو اکیلی ہے جس کا اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ وہ تیرے اس غلام کے پیچھے پڑی ہوئی ہے کہ میں تجھ سے سفارش کروں اور تو اسے رہا کر دے۔ یہ اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ تو اُسے معاف کر اور پہلے کی طرح چوکی داروں کا چودھری بنا دے۔ خلیفہ نے احمد قماقم سے کہا کہ تو اپنے جرم سے توبہ کرتا ہے؟ اس نے عرض کیا امیرالمومنین میں خدا کے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ اب خلیفہ نے لُہار کو بلوا کر مردہ شوئے تختے پر اس کی بیڑیاں کٹوا دیں اور اسے دوبارہ چوکی داروں کا چودھری بنا دیا اور اُسے نصیحت کی کہ صحیح راستے پر چلیو اور ثابت قدم رہیو۔ احمد نے خلیفہ کے ہاتھ چومے اور چودھریوں کا خلعت پہن کر وہاں سے نکلا، اس کے چودھری ہونے کا ڈھنڈورا پیٹا گیا اور وہ ایک مدت تک اپنے منصب پر رہا۔

ایک روز اُس کی ماں والی کی بیوی کے پاس گئی۔ اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیرے بیٹے کو قید سے چھڑایا اور وہ اب تک صحیح و سالم ہے۔ اس سے تو کیوں نہیں کہتی کہ وہ کنیز یاسمین کو میرے بیٹے حنظلم بنطاظہ کے پاس لے آئے۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی جا کر کہتی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ وہاں سے چل دی اور اپنے بیٹے کے پاس پہنچی اور دیکھا کہ وہ نشے میں چور ہے۔ اس سے کہا کہ بیٹا تیری رہائی کا سبب محض والی کی بیوی ہے وہ چاہتی ہے کہ تو کسی نہ کسی ترکیب سے علاءالدین ابوالشامات کو قتل کر کے کنیز یاسمین

کو اس کے بیٹے حنظلم بظاظ کے پاس لے آئے۔ وہ بولا کہ یہ تو بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ میں آج ہی رات کوئی نہ کوئی تدبیر نکالتا ہوں۔ یہ رات نئے مہینے کی پہلی رات تھی۔ امیرالمؤمنین کا دستور تھا کہ اس رات وہ شہزادی زبیدہ کے ہاں سوتا، کسی کنیز یا غلام کو آزاد کرتا یا اسی قسم کا کوئی نیک کام کرتا اور اس کی یہ بھی عادت تھی کہ وہ اس رات شاہی لباس اُتار ڈالتا، تسبیح، پیش قبض اور شاہی مہر کو نشستگاہ میں کرسی کے اوپر رکھ دیتا۔ خلیفہ کے پاس ایک سونے کی قندیل تھی جس میں ایک سونے کی لڑی میں تین ہیرے پروئے ہوئے تھے اور وہ اسے بہت عزیز رکھتا تھا۔ چنانچہ خلیفہ نے اپنا لباس اور قندیل اور باقی چیزیں خادموں کے سپرد کیں اور زبیدہ کی حرم سرا میں داخل ہوا۔ احمد قماقم چور نے آدھی رات تک انتظار کیا اور جب سہیل تارا نکلا اور لوگ سو گئے اور خدا نے ان پر غفلت کا پردہ ڈال دیا تو اس نے دہنے ہاتھ میں تلوار لی بائیں ہاتھ میں کانٹا خلیفہ کی نشستگاہ کے قریب پہنچ کر سیڑھی لگائی اور نشستگاہ پر کانٹا پھینک کر اس میں لٹک گیا اور سیڑھی پر چڑھ کر چھت پر جا پہنچا پھر وہاں سے تابدان کھول نیچے اتر گیا۔ دیکھا کہ نوکر چاکر سو رہے ہیں انھیں نشہ سنگھا کر خلیفہ کا لباس، تسبیح، خنجر، رومال، انگوٹھی اور قندیل جس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے اٹھالی اور جس راستے سے آیا تھا اسی سے نکل کر علاءالدین ابوالشامات کے گھر کا راستہ لیا۔ اس رات علاءالدین کنیز کے ساتھ ہم آغوش تھا اور وہ اس سے حاملہ ہو گئی تھی۔ احمد قماقم چور علاءالدین کے مکان میں داخل ہوا اور فرش سے ایک سِل مرمر کی نکال کر اس کے نیچے گڑھا کھودا اور بعض چیزیں اس میں ڈال دیں اور بعض اپنے پاس رہنے دیں۔ پھر سِل کو اپنی جگہ بٹھا کر جس راستے سے آیا تھا اسی راستے سے نکل گیا اور اپنے دل میں کہتا ہوا کہ جب میں شراب پیوں گا تو اس قندیل کو اپنے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں پیا کروں گا، اپنے گھر چلا گیا۔

صبح کو جو خلیفہ بیدار ہو کر خلوت سے باہر نکلا تو دیکھا کہ سامنے نوکر بھنگ کے نشے میں پڑے ہوئے ہیں اس نے انھیں جگایا اور کرسی پر ہاتھ ڈالا تو نہ لباس پایا نہ تسبیح، نہ خنجر نہ رومال اور نہ قندیل۔ برہمی کی انتہا نہ رہی، سرخ لباس جو غصے کی پوشاک تھی پہن لیا اور جاکر دربار میں بیٹھ گیا۔ وزیر نے آگے بڑھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا امیرالمومنین سے ہر برائی کو دور رکھے! خلیفہ نے کہا کہ اے جعفر برائی بڑھتی جاتی ہے۔ وزیر نے عرض کیا آخر کیا ہوا؟ خلیفہ نے سارا ماجرا کہہ سنایا۔ اتنے میں والی آپہنچا، اس کی رکاب احمد قماقم چور تھامے ہوئے تھا اس نے دیکھا کہ خلیفہ چین بجبیں بیٹھا ہوا ہے۔ جوں ہی خلیفہ کی نظر والی پر پڑی پوچھا اے امیر خالد! بغداد کا کیا حال ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بخیریت ہے اور محفوظ ہے۔ خلیفہ بولا تو جھوٹ کہتا ہے۔ والی نے کہا امیرالمومنین یہ کیونکر؟ خلیفہ نے اس سے بھی کل قصہ بیان کیا اور کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ ان تمام چیزوں کو لاکر حاضر کر۔ والی بولا امیرالمومنین سرکے کا کیڑا اسی میں سے پیدا ہوتا ہے اور اسی میں رہتا ہے۔ کسی غیر کی مجال نہیں کہ وہ یہاں آسکے۔ خلیفہ نے کہا کہ اگر تو یہ چیزیں نہ لایا تو میں تجھے قتل کردوں گا۔ اس نے جواب دیا کہ قبل اس کے کہ تو مجھے قتل کرے میں احمد قماقم سراق کو مار ڈالوں کیونکہ سوائے چوکی داروں کے چودھری کے اور کسی کو چوروں اور خائنوں کا پتا نہیں ہوتا۔ یہ سن کر احمد قماقم اٹھا اور خلیفہ سے کہنے لگا کہ والی کے حق میں میری سفارش قبول کر۔ میں ذمہ لیتا ہوں کہ چور کا کھوج لگا دوں گا اور جب تک اس کا پتا نہ لگا لوں اس کا پیچھا نہ چھوڑوں گا لیکن دو قاضیوں اور دو گواہوں کو میرے ساتھ کردے اس لیے کہ جس نے یہ حرکت کی ہے وہ نہ تجھ سے ڈرتا ہے نہ والی سے نہ کسی اور سے۔ خلیفہ نے کہا کہ جو کچھ تو مانگتا ہے تجھے ملے گا لیکن پہلے میرے محل میں تلاشی لی جائے پھر وزیر کے گھر میں، پھر ساٹھ سرداروں کے سپہ سالار کے ہاں۔ احمد قماقم نے عرض کیا امیرالمومنین تیرا کہنا بجا ہے جس نے یہ چوری کی ہے وہ

یا تو امیرالمومنین کے محل کا پروردہ ہے یا اُس کے کسی خاص شخص کے محل کا۔ خلیفہ نے کہا میں اپنے سر کی قسم کھاتا ہوں جس پر یہ چوری ثابت ہوگی ضرور اس کی گردن اڑا دوں گا خواہ وہ میرا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ احمد قماقم نے اپنے منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوایا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چونسٹھویں رات

جب دوسو چونسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! احمد قماقم نے اپنے منشا کے موافق سب کچھ حاصل کر لیا اور ایک فرمان لکھوایا جس کی بنا پر وہ مکانوں میں گھس کر ان کی تلاشی لے سکے اور اپنے ہاتھ میں تین پیتل، تین تانبے، تین لوہے اور تین فولاد کے ڈنڈے لے کر نکلا۔ پہلے خلیفہ کے محل کی تلاشی لی پھر وزیر جعفر کے محل کی اس کے بعد حاجبوں اور نائبوں کے مکانوں کا چکر لگاتا ہوا علاءالدین ابوالشامات کے گھر پہنچا۔ علاءالدین نے اپنے گھر کے آگے شور و غل سنا تو اپنی بیوی یاسمین کے پاس سے اٹھ کر دروازہ کھولا دیکھا کہ والی ایک بڑی بھیڑ کے ساتھ کھڑا ہوا ہے۔ پوچھا کیا معاملہ ہے؟ امیر خالد نے ساری کہانی سنا دی۔ علاءالدین نے کہا کہ اندر آ کر تلاشی لو۔ والی نے کہا کہ اے میرے آقا معاف کر تو امین ہے اور امین کا خائن ہونا ناممکن ہے۔ وہ بولا تجھے میرے گھر کی تلاشی لینی ہوگی۔ اب والی، قاضی اور گواہ اندر گئے اور احمد قماقم آگے بڑھ کر کمرے میں پہنچا اور اس مرمر کی سل کے پاس پہنچا جس کے نیچے اس نے چوری کا مال دفن کیا تھا اور اس زور سے اس پر ڈنڈا مارا کہ وہ ٹوٹ گئی اور اس کے نیچے

سے کوئی چیز چمکنے لگی۔ چودھری نے کہا بسم اللہ ماشاءاللہ! ہمارے قدموں کی برکت سے یہیں ایک خزانہ مل گیا۔ پھر اس نے نیچے اتر کر ان چیزوں کو ٹٹولا۔ قاضی اور گواہوں کی نظر اس پر پڑی تو انھوں نے دیکھا کہ سب چیزیں جو چوری ہوئی تھیں وہاں موجود ہیں۔ انھوں نے ایک کاغذ پر یہ مضمون لکھ کر کہ انھیں یہ چیزیں علاء الدین کے گھر میں ملی ہیں اپنی اپنی مُہر لگا دی اور حکم دیا کہ علاء الدین کو گرفتار کر لیا جائے سر پر سے اس کی پگڑی اتار لی۔ اس کے مال اور اجناس کی ایک فہرست بنالی! احمد قماقم السراق نے کنیز یاسمین کو جو حاملہ تھی پکڑ کر اپنی ماں کے حوالے کیا اور کہا کہ اسے والی کی بیوی خاتون کے سپرد کر آ۔ وہ اسے لے کر والی کی بیوی کے پاس گئی اور اس کو سونپ دیا۔

جب حنظلم بظاظر نے یاسمین کو دیکھا تو اس کی جان میں جان آگئی اور وہ فوراً اُٹھ کھڑا ہوا اور خوش خوش اس کی طرف بڑھا۔ مگر کنیز نے اپنی پیٹی میں سے خنجر نکال کر کہا کہ میرے قریب نہ آ ورنہ میں تیری جان بھی لے لوں گی اور اپنی جان بھی دے دوں گی۔ اس کی ماں ڈر گئی اور بولی ای لڑکی میرے بیٹے کو اپنی مراد پوری کر لینے دے۔ اس نے جواب دیا کہ ای کتیا یہ کس مذہب میں جائز ہی کہ ایک عورت دو مردوں کی بیوی بن کر رہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہی کہ کتے شیروں کی جگہ لیں۔ یہ سُن کر لڑکے کی تمنائیں اور زیادہ ہو گئیں اور عشق کی آگ اس کے کلیجے میں بھڑک اٹھی کھانا پینا ترک کر دیا اور بستر پر لیٹ گیا۔ والی کی بیوی نے لڑکے سے کہا کہ لڑکی تو کیوں میرے بیٹے کو جلاتی اور میرا دل دکھاتی ہی۔ ہی شرط کہ میں بھی تجھے سزا دوں۔ رہا علاء الدین اس کے بھلاوے میں نہ رہیو وہ تو پھانسی بغیر چڑھے رہتا نہیں۔ لڑکی نے کہا اور میں اس کی محبت میں بے مرے نہیں رہوں گی۔ آخر والی کی بیوی جھلا اٹھی اس نے یاسمین کے ریشمی کپڑے اور زیور اتار کر پھینک دیے اور اُسے ٹاٹ کی ازار اور بالوں کی قمیص پہنا کر باورچی خانے میں بھیج دیا کہ وہاں کام کیا کرے اور اس سے

کہا کہ تیری سزا یہی ہے کہ تو لکڑیاں چیرے، پیاز چھیلے اور دیگچیوں کے نیچے آگ جلائے۔ اس نے جواب دیا کہ ساری تکلیفیں مجھے منظور مگر تیرے بیٹے کا منہ نہیں دیکھنا چاہتی۔ خدا کا کرنا کہ کنیزوں کو اس پر ترس آنے لگا اور انھوں نے اس سے سارا باورچی خانے کا کام لے لیا۔

یہ تو یاسمین کا قصہ ہوا اب علاؤالدین ابوالشامات کی سرگزشت سنیے۔ خلیفہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ لوگ علاؤالدین اور ان اشیا کو لے کر دربار میں پہنچے خلیفہ نے پوچھا کہ تمھیں یہ چیزیں کہاں ملیں؟ انھوں نے عرض کیا علاؤالدین ابوالشامات کے گھر کے اندر۔ یہ سن کر خلیفہ تیش میں آگیا پھر اس نے اپنی چیزیں دیکھیں تو ان میں قندیل نہ تھی۔ علاؤالدین سے مخاطب ہوا اور کہا قندیل کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ نہ میں نے چوری کی نہ مجھے معلوم اور نہ میں نے دیکھا ہے نہ میں جانتا ہوں۔ خلیفہ بولا ای خائن میں تجھے اپنے قریب کرتا جاتا ہوں اور تو مجھے دور ہٹاتا جاتا ہے میں تجھ پر بھروسا کرتا ہوں اور تو خیانت پر کمر باندھے ہوئے ہے۔ آخر غضب ناک ہو کر اس نے پھانسی کا حکم دے دیا۔ والی وہاں سے نکلا اور ڈھنڈورا پیٹنے والے نے ڈھنڈورا پیٹا کہ یہ کم از کم سزا اس شخص کی ہے جو دیانت پسند خلفا کے ساتھ خیانت کرتا ہے۔ یہ سن کر تمام لوگ پھانسی گھر کے پاس آکر جمع ہو گئے۔

علاؤالدین پر یہ گزری اب اللہ کی کارسازی سنو۔ احمد دنف جو علاؤالدین کا سردار تھا اپنے دوستوں کے ساتھ ایک باغ میں تفریح کر رہا تھا کہ دربار کے سقوں میں سے ایک سقا وہاں پہنچا اور احمد دنف کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا ای سردار احمد دنف تو یہاں آرام سے بیٹھا ہے اور تیرے پانوں کے نیچے پانی بہ رہا ہے لیکن تجھے کچھ خبر بھی ہے؟ احمد دنف نے پوچھا کیا ہوا؟ سقا بولا کہ علاؤالدین جسے تو نے خدا کا واسطہ دے کر اپنا بیٹا بنایا تھا اسے لوگ پھانسی گھر لے جا رہے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ ای حسن،

ای شوبان تو کوئی تدبیر کرسکتا ہی؟ وہ کہنے لگا علاؤ الدین بے جرم ہی یہ کسی دشمن کی کارستانی ہی۔ احمد دنف نے کہا کہ اب تیری کیا راے ہی؟ اس نے جواب دیا اگر خدا نے چاہا تو اس کی رہائی کا میں ذمے دار ہوں۔ یہ کہہ کر حسن شومان قید خانے گیا اور داروغہ سے کہا کہ ایک ایسے شخص کو میرے حوالے کردے جو قتل کا سزاوار ہو چکا ہو۔ اس نے ایک قیدی نکال کر دیا جو علاؤ الدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ تھا۔ احمد دنف نے اس کا منھ ڈھانک کر اپنے اور علی زیبق مصری کے درمیان لے لیا۔ لوگ علاؤ الدین کو پھانسی کے لے جا چکے تھے۔ احمد دنف نے آگے بڑھ کر اپنا پانو جلاد کے پانو کے اوپر رکھ دیا جلاد بولا کہ میرے لیے اتنی جگہ تو چھوڑ دے کہ میں اپنا فرض ادا کرسکوں۔ اس نے کہا ای ملعون اس شخص کو لے کر بجاے علاؤ الدین ابوالشامات کے پھانسی دے دے کیونکہ وہ مظلوم ہی۔ میں حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلے مینڈھا پیش کرتا ہوں۔ جلاد نے اس شخص کو لے کر پھانسی دے دی اور احمد دنف اور علی زیبق مصری علاؤ الدین کو لے کر گھر آئے۔ جب وہ اندر داخل ہوئے تو علاؤ الدین نے کہا ای میرے سردار خدا تجھے نیک بدلہ دے۔ اس نے پوچھا علاؤ الدین یہ تو نے کیا کیا؟ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو پینسٹھویں رات

جب دوسو پینسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ احمد دنف نے علاؤ الدین سے کہا کہ یہ تو نے کیا کیا؟ رحم کرے اللہ اس پر جس کا یہ مقولہ ہی کہ جو تجھ کو امین بنائے اس کے ساتھ خیانت نہ کر خواہ تو خائن ہی کیوں نہ ہو۔ خلیفہ نے تجھے اپنے پاس رکھا تجھے معتمد اور امین کا لقب دیا پھر تو نے اس کے ساتھ

یہ سلوک کیوں کیا اور اس کی چیزیں کیوں لے گیا ؟ علاؤالدین نے کہا کہ ای میرے سردار قسم ہو اسم اعظم کی کہ یہ چوری میں نے نہیں کی اور نہ اس میں میرا کوئی جرم ہو نہ مجھے معلوم ہو کہ یہ حرکت کس کی ہو۔ احمد دنف نے کہا کہ یہ کسی سخت دشمن کی کاروائی ہو جیسا کوئی کرے گا ویسا پھل پائے گا۔ لیکن علاؤالدین اب بغداد میں تیرا رہنا ممکن نہیں۔ بیٹا بادشاہ جس کے پیچھے پڑجاتے ہیں اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے اور بادشاہ جس کی تلاش میں ہوتے ہیں اس کا دم ناک میں آجاتا ہو۔ علاؤالدین نے کہا کہ ای میرے سردار تو پھر میں کہاں جاؤں ؟ اس نے جواب دیا کہ میں تجھے اسکندریہ پہنچا دوں گا۔ وہ مبارک جگہ ہو۔ اس کی زمین سرسبز ہو اور وہاں کی زندگی خوش گوار علاالدین نے کہا جیسی تیری رائے ای میرے سردار۔ بعد ازاں احمد دنف نے حسن شومان سے کہا کہ تو مطمئن رہ اگر خلیفہ میرے متعلق پوچھے تو کہیو کہ وہ صوبوں کا معاینہ کرنے گیا ہو۔ یہ کہہ کر اس نے علاؤالدین کو اپنے ساتھ لیا اور بغداد سے نکل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں تاکستان اور باغ تھے۔ ان کی نظر دو یہودیوں پر پڑی جو خلیفہ کے صوبے دار تھے اور خچروں پر سوار چلے جا رہے تھے۔ احمد دنف نے ان یہودیوں سے کہا کہ ہماری مٹھی گرم کرو۔ یہودی بولے کہ کس وجہ سے ہم تمھاری مٹھی گرم کریں ؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس وادی کا پاسبان ہوں۔ ان دونوں نے سو سو دینار نکال کر اسے دے دیے اور احمد دنف نے ان کو قتل کرکے ان کے خچر لے لیے۔ ایک پر خود سوار ہوا اور دوسرے پر علاؤالدین کو سوار کیا اور ایاس پہنچے۔ وہاں ایک سرائے میں اترے رات گزر کر جب سویرا ہوا تو علاؤالدین نے اپنا خچر بیچ ڈالا اور احمد دنف کے خچر کو دربان کے سپرد کیا اور ایاس کے بندرگاہ سے جہاز میں بیٹھ کر اسکندریہ پہنچ گئے۔

اسکندریہ پہنچ کر احمد دنف علاؤالدین کو ساتھ لے کر بازار گیا۔ دیکھا کہ ایک دلال دکان نیلام کر رہا ہو جس کے پیچھے ایک کوٹھری ہو اور نو سو پچاس تک لگ گئے ہیں۔

علاء الدین نے ایک ہزار لگا دیے اور بیچنے والے نے منظور کر لیا۔ یہ دکان بیت المال کی تھی۔ علاء الدین نے کنجیاں لے کر دکان اور پیچھے کی کوٹھری کھولی اور دیکھا کہ وہاں فرش بچھے ہوئے اور تکیے لگے ہوئے ہیں، ایک انبار خانہ ہے جس میں بادبان، لنگر، رستے، صندوق، سیپیوں اور کوڑیوں سے بھرے ہوئے تھیلے، رکابیں، تبر، بلے، بتیاں، چھریاں اور قینچیاں وغیرہ بیسیوں قسم کی چیزیں موجود ہیں وہ دراصل ایک کباڑیے کی دکان تھی۔ علاء الدین ابوالشامات دکان پر بیٹھ گیا اور احمد دنف نے کہا کہ بیٹا دکان اور کوٹھری اور تمام سامان تیری ملکیت ہے تو یہاں بیٹھ کر خرید و فروخت کر اور دل تنگ نہ ہو۔ خدا نے تجارت میں برکت دی ہے۔ اس کے بعد وہ تین دن اور ٹھیرا چوتھے دن اس نے علاء الدین سے رخصت لی اور بولا تو یہیں ٹھیر جب تک کہ میں جا کر یہ خبر نہ لے آؤں کہ خلیفہ نے تجھے معاف کر دیا ہے اور تجھ سے یہ چال کس نے چلی ہے۔ یہ کہہ کر وہ روانہ ہو گیا اور ایاس آیا اور سرائے سے اپنا خچر لے کر بغداد پہنچا حسن اور اپنے دوسرے ساتھیوں سے ملا اور حسن سے پوچھا کہ خلیفہ نے میرے بارے میں دریافت کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ نہیں بلکہ اس کے دل میں تیرا خیال تک نہیں گزرا۔ احمد دنف خاموش ہو گیا خلیفہ کی خدمت میں آتا جاتا اور علاء الدین کے معاملے کا پتا لگانے کی کوشش کرتا رہا۔ ایک دن خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جعفر دیکھ تو سہی علاء الدین نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟ اس نے کہا امیر المومنین تو نے اس کے بدلے میں اسے پھانسی دے دی اور اسے اپنی سزا مل گئی۔ خلیفہ کہنے لگا میں اسے پھانسی کے بعد دیکھنا چاہتا ہوں۔ وزیر نے کہا کہ امیر المومنین جو تیرا جی چاہے کر۔ وزیر کو ساتھ لے کر پھانسی گھر گیا، خلیفہ نے دیکھا کہ جس شخص کو پھانسی دی گئی ہے وہ علاء الدین ابوالشامات کے سوا کوئی اجنبی ہے۔ وزیر سے بولا یہ تو علاء الدین نہیں ہے۔ وزیر نے کہا کہ تو نے کس طرح پہچانا کہ وہ دوسرا شخص ہے؟ خلیفہ نے جواب دیا کہ علاء الدین پستہ قد تھا اور یہ لمبا ہے۔ وزیر

نے کہا کہ جسے پھانسی دی جاتی ہے وہ لمبا ہو جاتا ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ علاءالدین گورا تھا اور یہ کالا ہے۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیرالمومنین تجھے معلوم نہیں کہ موت کالا کر دیتی ہے اب اس نے حکم دیا کہ اُسے پھانسی گھر سے باہر لے جایا جائے۔ جب لوگ اُسے باہر لے جانے لگے تو خلیفہ نے دیکھا کہ اس کے دونوں ٹخنوں پر پہلے دو خلفائے راشدین کے نام لکھے ہوئے ہیں۔ وہ وزیر سے کہنے لگا کہ علاءالدین سُنّی تھا اور یہ رافضی ہے۔ وزیر نے کہا کہ پاک ہے وہ خدا جو غیب کی باتیں جانتا ہے۔ ہم تو یہ بھی نہیں جانتے کہ علاءالدین ہے یا نہیں۔ خلیفہ نے حکم دیا کہ وہ دفن کر دیا جائے چنانچہ لاش دفن کر دی گئی اور لوگ علاءالدین کو بھول گئے۔

اس قصے کو یہاں چھوڑ کر اب حبظلم بظاظہ کا حال سُنو۔ وہ بہت دنوں تک عشق کے مرض میں مبتلا رہا آخر وہ مرگیا اور اس کی قبر بن گئی۔ اُدھر کنیز یاسمین کے حمل کے دن پورے ہو گئے اُسے زہ کا درد ہونے لگا اور لڑکا پیدا ہوا جو چاند کی طرح تھا۔ کنیزوں نے اس سے پوچھا کہ تو اس کا کیا نام رکھے گی؟ اس نے جواب دیا کہ اگر اس کا باپ زندہ ہوتا تو وہ خود اس کا نام رکھتا لیکن لاچاری ہے خیر میں اس کا نام اصلان رکھوں گی۔ اس کے بعد دو سال تک اس نے اُسے متواتر دُودھ پلا کر چھڑا دیا وہ گود سے اتر کر گھٹنیوں اور پھر پاؤں پاؤں چلنے لگا۔ ایک دن خدا کا کرنا کیا ہوتا ہے کہ اس کی ماں تو باورچی خانے میں کام کر رہی تھی وہ کھیلتے کھیلتے زینے پر چڑھ گیا وہاں بالاخانے کے کمرے میں امیر خالد بیٹھا ہوا تھا اس نے لڑکے کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اُسے دیکھ دیکھ کر خدا کی پاکی بیان کرنے لگا جس نے اسے پیدا کیا اور اس کی صورت بنائی۔ لڑکے کے چہرے کو غور سے دیکھا تو اسے علاءالدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ پایا ادھر اُس کی ماں اسے ڈھونڈنے لگی نیچے نہ دکھائی دیا تو وہ کوٹھے پر چڑھ گئی دیکھا کہ امیر خالد بیٹھا ہوا ہے اور لڑکا اس کی گود میں کھیل رہا ہے خدا نے اس کی محبت امیر خالد کے دل میں

ڈال دی تھی. لڑکا اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس کی طرف دوڑ کر جانا چاہتا تھا کہ امیر خالد نے اُسے روک لیا اور ماں سے کہا کنیز یہاں آ. جب وہ آئی تو امیر نے پوچھا کہ یہ کس کا لڑکا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ یہ میرا بیٹا اور میرا لخت جگر ہی. امیر نے دریافت کیا اس کا باپ کون ہی؟ وہ بولی اس کا باپ علاء الدین ابوالشامات ہی مگر وہ اب تیرا بیٹا ہی. امیر بولا علاء الدین خائن تھا. کنیز نے کہا کہ وہ خیانت سے بری ہی. یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ امین خائن ہو. امیر نے کہا اچھا جب یہ لڑکا ہوشیار ہو اور پوچھے کہ میرا باپ کون ہی؟ تو کہیو کہ تو امیر خالد کا بیٹا ہی جو والی اور کوتوال ہی.

امیر خالد والی نے اس کا ختنہ کرایا، اس کی تربیت کا بخوبی انتظام کیا. ایک خوشنویس فقیہہ کو اس کی تعلیم کے لیے رکھا جس نے اُسے خوشنویسی اور قرأت سکھائی اور اس نے قرآن دو بار پڑھ کر ختم کیا. وہ ہمیشہ امیر خالد کو "ای میرے والد" کہہ کر پکارتا. والی میدان کو درست کر کے گھوڑے جمع کرتا اور لڑکے کو لڑائی کا فن، نیزہ بازی اور شمشیر زنی کے کرتب سکھاتا یہاں تک کہ وہ شہسواری اور سپہ گری میں ماہر ہو گیا اور اُس کی عمر چودہ سال کی ہو گئی اور امارت کے درجے کو پہنچا.

اب ایسا اتفاق ہوا کہ اصلان اور احمد قماقم سراق کا ایک دن ساتھ ہو گیا اور دونوں دوست بن گئے اور ساتھ ساتھ مے خانے پہنچے. وہاں احمد قماقم سراق نے وہ ہیرے کی قندیل نکالی جو اس نے خلیفہ کے سامان کے ساتھ چرائی تھی اور اسے سامنے رکھ کر اس کی روشنی میں شراب پینی شروع کی یہاں تک کہ بدمست ہو گیا. اصلان نے کہا کہ ای چودھری یہ قندیل مجھے دے دے. اس نے جواب دیا کہ اسے میں تجھے نہیں دے سکتا. اصلان نے پوچھا کہ کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس کی وجہ سے کئی جانیں جا چکی ہیں. اصلان نے پوچھا کہ کس کس کی جان گئی ہی؟ اس نے جواب دیا کہ ایک شخص کی جو یہاں آیا ہوا تھا اور ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا گیا تھا اس کا نام علاء الدین ابوالشامات

تھا۔ وہ اسی قندیل کی وجہ سے مارا گیا ہی۔ لڑکے نے کہا کہ وہ کیا قصہ ہی اور وہ کس طرح مارا گیا؟ تمام قِم بولا تیرا ایک بھائی جنظلم بظاظہ تھا۔ جب وہ سولہ برس کا ہوا اور شادی کے قابل ہو گیا تو اس نے اپنے باپ سے کہا کہ میرے لیے ایک کنیز خرید دے۔ اور اس نے ساری داستان اول سے لے کر آخر تک بیان کر دی یعنی جنظلم بظاظہ کی بیماری اور علاء الدین کے مارے جانے کی کہانی کہہ سنائی۔ اصلان نے اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو یہ کنیز میری ماں یاسمین ہی اور علاء الدین ابوالشامات ہی میرا باپ ہی۔ اب وہ غمگین ہو کر اس کے پاس سے روانہ ہوا۔ خدا کی قدرت راستے میں احمد دنف سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ جوں ہی احمد دنف کی نظر اس پر پڑی وہ کہنے لگا کہ پاک ہی وہ ذات جس کی کوئی شبیہہ نہیں۔ حسن شومان نے پوچھا کہ تو کس چیز پر تعجب کر رہا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ اس لڑکے اصلان کی صورت پر کیونکہ وہ علاء الدین ابوالشامات سے بے حد مشابہ ہی۔ ساتھ ہی احمد دنف نے پکارا کہ یا اصلان! اور اصلان نے جواب دیا۔ اس نے پوچھا کہ تیری ماں کا کیا نام ہی؟ اس نے کہا اُسے کنیز یاسمین کہتے ہیں۔ احمد دنف نے کہا کہ ای اصلان خوش ہو کہ تیرا باپ سوائے علاء الدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ لیکن بیٹا اپنی ماں کے پاس جا کر پوچھ کہ تیرا باپ کون ہی؟ وہ ماں کے پاس گیا اور اس سے پوچھا۔ ماں نے کہا کہ تیرا باپ امیر خالد ہی۔ اس نے کہا کہ میرا باپ بجز علاء الدین ابوالشامات کے کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ یہ سن کر اس کی ماں رونے لگی اور اس سے کہا بیٹا یہ تجھ سے کس نے کہا؟ لڑکے نے کہا کہ سردار احمد دنف نے۔ اس پر ماں نے اس سے سارا قصہ بیان کر دیا اور کہا کہ بیٹا سچ ظاہر ہو گیا اور باطل پوشیدہ ہو گیا۔ تیرا باپ واقعی علاء الدین ابوالشامات ہی مگر تیری تربیت محض امیر خالد کے ہاتھ سے ہوئی ہی اس نے تجھے اپنا بیٹا بنا کر رکھا ہی۔ بیٹا اگر تیری ملاقات احمد دنف سے ہو تو اس سے کہیو کہ ای سردار خدا کے واسطے میرے باپ علاء الدین ابوالشامات

کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ یہ سنتے ہی وہ اپنی ماں کے پاس سے اٹھ کھڑا ہوا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چھیاسٹھویں رات

جب دوسو چھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اصلان اپنی ماں کے پاس سے روانہ ہو کر سردار احمد دنف کے پاس پہنچا اس کے ہاتھ چومے۔ سردار نے پوچھا اصلان کیا خبر لایا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے تحقیق کے ساتھ معلوم ہو چکا ہے کہ میرا باپ علاءالدین ابوالشامات ہے اور میں چاہتا ہوں کہ تو اس کا بدلہ قاتل سے لے۔ اس نے دریافت کیا تیرے باپ کا قاتل کون ہے؟ وہ بولا کہ احمد قماقم سراق۔ احمد دنف نے پوچھا کہ تجھ سے یہ کس نے کہا؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے وہ ہیرے کی قندیل اس کے پاس دیکھی ہے جو خلیفہ کے سامان میں سے کھوئی گئی ہے۔ میں نے اس سے کہا تھا کہ یہ قندیل مجھے دے دے لیکن اس نے انکار کیا اور کہا کہ اس کی بدولت کتنی جانیں گئی ہیں۔ اس نے مجھ سے بیان کیا کہ اسی نے اندر جا کر چیزیں چرائی تھیں اور انھیں میرے باپ کے گھر میں چھپا دیا تھا۔ احمد دنف نے کہا کہ جب تو دیکھے امیر خالد جنگی لباس پہن رہا ہے تو اس سے کہیو کہ مجھے بھی اپنا سا لباس پہنا دے۔ پھر جب تو اس کے ساتھ نکل کر امیرالمومنین کے سامنے کوئی بہادری کا کرتب دکھائے گا تو خلیفہ تجھ سے کہے گا کہ اصلان مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہیو کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ وہ کہے گا کہ تیرا باپ تو زندہ ہے اور وہ والی امیر خالد ہے تو عرض کیجیو نہیں میرا باپ علاءالدین ابوالشامات ہے۔

اور والی خالد کا حق محض اتنا ہی کہ اس نے میری تربیت کی ہی۔ اس کے بعد تو خلیفہ کو وہ تمام باتیں سنا دیجیو جو تیرے اور احمد قماقم سراق کے درمیان پیش آئیں اور کہیو کہ اے امیر المومنین تو اس کی تلاشی کا حکم دے دے میں قندیل کو اس کی جیب سے نکال دوں گا۔ اصلان نے کہا بسر وچشم۔

اب اصلان وہاں سے گھر آیا تو دیکھا کہ امیر خالد دربار میں جانے کی تیاری کر رہا ہی اور اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے بھی جنگی وردی پہنا کر اپنے ساتھ خلیفہ کے حضور میں لے چل۔ خالد اُسے وردی پہنا کر دربار لے گیا اور خلیفہ لشکر کے ساتھ باہر نکلا خیمے اور شامیانے لگائے گئے، لشکر صف بستہ کھڑا ہؤا اور لوگ گیند اور بلّا لے کر نکلے۔ ایک سوار گیند کو بلّے سے مارتا اور دوسرا سوار اُسے لوٹاتا۔ لشکر میں ایک جاسوس تھا جس سے خلیفہ کے قتل کرنے کی سازش کی گئی تھی اُس نے گیند لے کر بلّے سے اس طرح ماری کہ وہ ٹھیک خلیفہ کے چہرے کی طرف چلی۔ اصلان نے گیند کو فوراً خلیفہ کی طرف سے روک لیا اور پھینکنے والے کی طرف اس زور سے ماری کہ وہ اس کے دونوں کندھوں کے بیچ میں پڑی اور وہ زمین پر گر پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ اصلان خدا تجھے برکت دے! اب لوگ گھوڑوں سے اُتر کر کرسیوں پر بیٹھ گئے۔ خلیفہ نے اس شخص کو طلب کیا جس نے گیند ماری تھی۔ جب وہ حاضر ہؤا تو خلیفہ نے پوچھا کہ تجھے کس نے اس کام کے لیے آمادہ کیا تھا اور تو دشمن ہی یا دوست؟ اس نے کہا کہ میں دشمن ہوں اور تیرے مارنے کی فکر میں تھا۔ خلیفہ نے پوچھا کیا سبب؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا کہ نہیں میں رافضی ہوں۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا اور اصلان سے کہا کہ مانگ کیا مانگتا ہی۔ اس نے عرض کیا میں یہ مانگتا ہوں کہ تو میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ تو زندہ ہی اور وہ کیا کھڑا ہؤا ہی۔ اصلان نے پوچھا امیر المومنین تو کسے میرا باپ سمجھتا ہی؟ خلیفہ بولا امیر خالد کو جو کہ والی ہی۔ لڑکے نے کہا اسے

تربیت کی بنا پر میرا باپ کہہ سکتے ہیں لیکن میرا اصلی باپ تو علاؤالدین ابوالشامات ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تیرا باپ خائن تھا۔ اس نے جواب دیا امیرالمومنین کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ امین خائن ہو! آخر اس نے تیری کیا خیانت کی؟ خلیفہ نے فرمایا کہ اس نے میری پوشاک اور اُس کے ساتھ جتنی چیزیں تھیں چرالیں۔ لڑکے نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اے امیرالمومنین کہ میرے باپ نے خیانت کی ہو۔ لیکن اے میرے آقا جب تیری پوشاک چوری گئی اور پھر مل گئی تو کیا قندیل بھی مل گئی؟ خلیفہ بولا وہ تو نہیں ملی۔ لڑکے نے کہا کہ میں نے اسے احمد قماقم کے پاس دیکھا ہے۔ میں نے اس سے وہ قندیل مانگی تھی اس نے نہیں دی اور مجھ سے کہا کہ اس کی بدولت کئی جانیں جا چکی ہیں۔ اس نے مجھ سے امیر خالد کے بیٹے حبظلم بظاظہ کی بیماری کا حال بیان کیا کہ وہ کنیز یاسمین پر عاشق تھا اور یہ کہ وہ خود کس طرح قید سے چھٹا اور اس نے کس طرح پوشاک اور قندیل چرائی۔ اے امیرالمومنین میرے باپ کا بدلہ اس کے قاتل سے لے۔

خلیفہ نے احمد قماقم کی گرفتاری کا حکم دے دیا اور لوگ اُسے پکڑ لائے۔ خلیفہ نے کہا کہ سردار احمد دنف کہاں ہے؟ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس کو حکم دیا کہ قماقم کا جھاڑا لے۔ اُس نے اس کی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ہیرے کی قندیل نکال لی۔ خلیفہ نے کہا اے خائن اِدھر آ اور بتا کہ تجھے یہ قندیل کہاں سے ملی؟ وہ کہنے لگا کہ امیرالمومنین میں نے خریدی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہاں سے خریدی ہے اور کس کے پاس ایسی قندیل ہو سکتی ہے کہ وہ اُسے بیچے۔ اب اس پر مار پڑی اور اس نے اقرار کر لیا کہ میں نے ہی پوشاک اور قندیل چرائی تھی۔ خلیفہ نے کہا کہ اے خائن تو نے ایسا کام کیوں کیا جس سے معتمد اور امین علاؤالدین ابوالشامات کی جان گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے حکم دیا کہ اُسے اور والی دونوں کو گرفتار کر لیا جائے۔ والی نے عرض کیا امیرالمومنین میں مظلوم ہوں کیونکہ تو نے ہی مجھے حکم دیا تھا کہ میں اسے پھانسی دے دوں اور اس چال کی مجھے

خبر نہ تھی یہ سازش بڑھیا اور احمد قماقم اور میری بیوی کی تھی جس کا مجھے بالکل علم نہ تھا، اصلان ! میں تیری پناہ میں ہوں۔ اصلان نے خلیفہ سے اُس کی سفارش کی۔ اس کے بعد خلیفہ نے پوچھا کہ اس جوان کی ماں کا کیا حال ہے ؟ والی نے کہا کہ وہ میرے ہاں ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیوی سے کہہ کر اُس کے کپڑے اور زیور اُسے پہنا دے اور آزاد کر دے اور جو مُہر علاءالدین کے گھر پر لگی ہوئی ہے اُسے توڑ دے اور اس کا مال اور کھانے پینے کی چیزیں اس کے بیٹے کے حوالے کر دے۔ حکم پاتے ہی والی اپنے گھر گیا اور اپنی بیوی سے کہہ کر لڑکی کو اُس کے کپڑے پہنا دیے۔ علاءالدین کے مکان کی مہر توڑ دی اور کنجیاں اصلان کے حوالے کر دیں۔ اس کے بعد خلیفہ نے کہا کہ ای اصلان مانگ کیا مانگتا ہے۔ اس نے کہا کہ میں یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے میرے باپ سے ملا دے۔ یہ سُن کر خلیفہ رونے لگا اور اس نے کہا کہ وہ غالباً پھانسی پر مر گیا لیکن میں اپنے بزرگوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو شخص مجھے یہ خبر دے کہ وہ زندہ ہے تو جو کچھ وہ مانگے گا میں اسے دوں گا۔ اب احمد دنف آگے بڑھا خلیفہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ ای امیرالمومنین میری جان بخشی ہو۔ اس نے کہا کہ تیری جان بخشی کی گئی۔ احمد دنف نے کہا کہ میں تجھے یہ خوش خبری دیتا ہوں کہ معتمد و امین علاءالدین ابوالشامات زندہ اور خوش حال ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کیا کہتا ہے! اس نے جواب دیا کہ تیرے سر کی قسم میں سچ کہتا ہوں۔ میں نے اس کے بدلے ایک دوسرے شخص کو پھانسی دلوا دی تھی جو قتل کا مستحق ہو چکا تھا۔ علاءالدین کو لے جا کر میں نے اسکندریہ میں کباڑ خانے کی دکان کھلوا دی ہے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اُسے لے آ۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو سترسٹھویں رات

جب دو سو سترسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ خلیفہ نے احمد دنف سے کہا کہ میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ جا کر اُسے لے آ اور اسے دس ہزار دینار عنایت کیے، اور وہ اسکندریہ روانہ ہوگیا۔

اضلان کا قصہ تو یہ ہوا اب اس کے باپ علاءالدین ابوالشامات کی سُنیے اس نے اپنی دکان کا قریب قریب سب مال بیچ ڈالا، ٹوٹی پھوٹی تھوڑی سی چیزیں اور ایک چمڑے کا تھیلا باقی رہ گیا۔ بیٹھے بیٹھے ایک دن جو خیال آیا تو تھیلا کھولا اس میں ایک نگ نکلا جو ہتھیلی کے برابر تھا سونے کی زنجیر میں بندھا ہوا پانچ پہل کا اس پر اسما اور طلسم اس طرح کندہ تھا گویا چیونٹی کے چلنے کے نشان ہیں۔ اس نے ایک ایک کرکے پانچوں رُخ رگڑے لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آئی۔ سوچا کہ شاید وہ سلیمانی پتھر کا نگ ہے اور اُسے دکان میں لٹکا دیا۔ اتنے میں ادھر سے ایک قنصل گزرا وہ نگ کو لٹکتے ہوئے دیکھ کر دکان پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ ای میرے آقا کیا یہ نگ بکاؤ ہے؟ علاءالدین بولا میرے پاس جتنی چیزیں ہیں سب بکاؤ ہیں۔ اس نے کہا کہ کیا تو اسے میرے ہاتھ اسی ہزار دینار کو بیچے گا؟ علاءالدین اس کی صورت دیکھنے لگا اور مُنہ سے صرف اتنا بولا کہ پھر خدا نے شروعات کردی ہے قنصل نے کہا کہ کیا تو اُسے ایک لاکھ دیناروں میں بیچے گا؟ علاءالدین بولا ہاں میں ایک لاکھ دیناروں میں بیچتا ہوں۔ لا مجھے دینار دے۔ قنصل نے کہا کہ یہ ممکن نہیں کہ میں اتنے دام اپنے ساتھ لیے پھروں کیونکہ اسکندریہ میں چور بھی ہیں اور کوتوال بھی۔ تو میرے ساتھ میرے جہاز پر چل میں تجھے اس کی قیمت دوں گا۔ دیناروں کے علاوہ ایک گاٹھا انگورہ کے اونی کپڑوں کی، ایک اطلس، ایک مخمل کی اور ایک بقچہ لبادوں کا بھی۔ علاءالدین نے وہ نگ حوالے

کیا اور اُٹھ کر دکان میں قفل ڈالا اور کنجیاں اپنے پڑوسی کو دے کر کہا کہ یہ کنجیاں اپنے پاس بطور امانت رکھ۔ میں اس قنصل کے ساتھ جہاز تک جا کر اپنے نگ کے دام لے آؤں۔ اگر میرے آنے میں دیر ہو اور احمد دنف یہاں آجائے جس نے مجھے اس دکان میں رکھا ہے تو اُسے کنجیاں دے دیجیو اور کہ دیجیو کہ میں کہاں گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ قنصل کے ساتھ جہاز کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاز میں پہنچ کر قنصل نے اس کے لیے ایک کرسی بچھوائی۔ اُسے بٹھایا اور دیناروں کی تھیلیاں نکلوائیں۔ دینار گنے جا چکے اور حسب وعدہ پانچوں گانٹھیں بھی آگئیں تو اس نے کہا ای میرے آقا ایک لقمہ کھا کر اور ایک گھونٹ پی کر مجھے عزت بخش۔ علاءُ الدین نے کہا اگر میرے پاس پانی ہو تو مجھے پلا دے۔ قنصل نے شربت منگوائے شربت جو آئے تو ان میں بھنگ ملی ہوئی تھی۔ پیتے ہی علاءُ الدین چت ہو گیا۔ فوراً کرسیاں ہٹالی گئیں۔ چپو پانی میں ڈال اور بادبان کھول دیے۔ ہوا موافق تھی اس لیے جہاز جلد سمندر کے بیچ میں پہنچ گیا۔ اب کپتان نے حکم دیا کہ علاءُ الدین کو کوٹھری کے اندر سے نکالا جائے۔ لوگوں نے اُسے نکال کر بھنگ کا توڑ سنگھایا۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ قنصل نے کہا کہ میرے پاس بطور امانت کے۔ اگر تو دوبارہ کہتا کہ خدا نے شروعات کر دی ہے تو میں اور زیادہ قیمت بڑھا دیتا۔ علاءُ الدین نے پوچھا کہ تو کیا کام کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کپتان ہوں اور چاہتا ہوں کہ تجھے اپنی محبوبہ کے پاس لے چلوں۔

وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ انھیں ایک کشتی دکھائی دی جس میں چالیس مسلمان تاجر تھے۔ کپتان نے اپنا جہاز اُن کے پیچھے ڈال دیا اور کانٹے پھینک کر ان کی کشتی کو پھانس لیا۔ کپتان اور اس کے ساتھی اس میں اُتر گئے اور انھیں لوٹا اور گرفتار کر کے جنوا کی طرف روانہ ہو گئے۔ وہ کپتان جس کے ساتھ علاءُ الدین تھا ایک محل کے چور دروازے پر پہنچے۔ وہاں ایک لڑکی نقاب ڈالے کھڑی ہوئی تھی اس نے

کہا کہ کیا تو وہ نگ اور اس کے مالک کو لے آیا ہو ؟ اس نے کہا ہاں دونوں کو لے آیا ہوں۔ لڑکی نے کہا کہ نگ لا۔ کپتان اُسے نگ دے کر بندرگاہ کی طرف گیا اور سلامتی کی توپیں داغیں۔ بادشاہ کو معلوم ہو گیا کہ کپتان آگیا ہی۔ وہ اس سے ملنے نکلا اور پوچھا کہ سفر کیسا گزرا ؟ اس نے جواب دیا کہ بہت اچھا اور میرے ہاتھ ایک کشتی لگی جس میں اکتالیس مسلمان تاجر تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ انھیں بندرگاہ میں اتارو اور اس نے انھیں بیڑیاں ڈال کے اُتار دیا۔ ان میں علاء الدین بھی تھا۔ پھر بادشاہ اور کپتان سوار ہوئے اور قیدیوں کو اپنے آگے آگے چلایا یہاں تک کہ وہ دربار میں پہنچ گئے۔ وہاں بیٹھ کر قیدیوں کو پیش کرنے کا حکم ہؤا۔ ایک قیدی پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے پوچھا کہ ای مسلمان تو کہاں سے آیا ہی ؟ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ سے۔ بادشاہ نے کہا کہ ای جلاد اسے قتل کر دے۔ جلاد نے تلوار کا ہاتھ مار کر اس کی گردن اڑا دی۔ پھر دوسرے کا یہی حشر ہؤا اور پھر تیسرے کا یہاں تک کہ چالیس قتل ہو چکے علاء الدین آخری تھا ان سب کو قتل ہوتے دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ رحمت ہو اللہ کی تجھ پر ای علاء الدین اب تیری زندگی ختم ہو چکی۔ بادشاہ نے اس سے بھی پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہی ؟ اس نے کہا کہ اسکندریہ سے بادشاہ نے کہا کہ ای جلاد اس کی بھی گردن اڑا دے۔ جلاد نے تلوار اٹھائی اور چاہتا ہی تھا کہ علاء الدین کی گردن اڑا دے کہ اتنے میں ایک باوقار بڑھیا بادشاہ کے پاس پہنچی اور وہ اس کی تعظیم کے لیے کھڑا ہو گیا۔ بڑھیا نے کہا کہ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ جب کپتان قیدی لے کر آئے تو ایک یا دو قیدی ویر کے حوالے کیجیو تاکہ وہ گرجا میں خدمت کریں ؟ بادشاہ نے کہا کہ والدہ کاش تو ذرا پہلے آگئی ہوتی ! اب ایک قیدی باقی رہ گیا ہی اسے لے جا۔ بڑھیا نے علاء الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ کیا تو گرجا کی خدمت کرنا چاہتا ہی یا میں بادشاہ کو گردن اڑا دینے دوں ؟ اس نے جواب دیا کہ میں گرجا کی خدمت کروں گا۔

اب بڑھیا علاء الدین کو لے کر دربار سے چل دی اور دیر میں پہنچی۔ علاء الدین نے اس سے پوچھا کہ میں کون سی خدمت انجام دوں گا؟ بڑھیا نے کہا کہ جب تو صبح کو اٹھے تو پانچ خچروں کو لے کر جنگل میں جائیو اور وہاں سے سوکھی لکڑیاں توڑ کر اور ان کو چھوٹا چھوٹا کر کے دیر کے باورچی خانے میں پہنچا ئیو۔ اس کے بعد تو فرش کو اٹھا کر پتھر اور مرمر کو جھاڑیو پونچھیو اور پھر فرش کو پہلے کی طرح بچھا دیجیو۔ ان کاموں سے فارغ ہو جائے تو دو من گیہوں لے کر انھیں صاف کیجیو، پیسیو اور گوندھیو اور دیر کے لیے بسکٹ بنائیو۔ پھر تیس سیر مسور لے کر اسے چھنیو، کوٹیو اور پکائیو، یہ بھی کر چکے تو چاروں حوضوں میں پانی بھریو اور ڈولوں میں پانی لے جا کر تین سو چھیاسٹھ پیالے بھریو ان میں بسکٹوں کو چورا کر کے ڈال دیجیو اور اوپر سے مسور کی دال بھر دیجیو اور ہر راہب اور پادری کو اس کا پیالہ دے آئیو۔ علاء الدین نے کہا کہ مجھے بادشاہ کو واپس دے آ کہ وہ مجھے قتل کر دے اس لیے کہ موت اس خدمت سے زیادہ آسان ہے۔ بڑھیا نے کہا کہ اگر تو اچھی طرح وہ خدمت کرے گا جو تیرے سپرد کی گئی ہے تو میں تجھے قتل نہ ہونے دوں گی اور اگر کوتاہی کی تو میں بادشاہ سے کہوں گی کہ وہ تجھے قتل کر دے۔ اس پر علاء الدین غمگین ہو کر بیٹھ گیا۔ دیر کے اندر دس اندھے لولے لنگڑے تھے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ مجھے پاخانہ پھرنے کا پاٹ لا دے۔ جب وہ اُسے لایا تو اندھے نے اس میں پاخانہ پھرا اور کہا کہ جا کر پاخانہ پھینک آ اور وہ پھینک آیا۔ اندھے نے کہا کہ اے دیر کے خادم مسیح تجھیں برکت دے! اتنے میں بڑھیا آ پہنچی اور اس نے کہا کہ تو نے دیر کی خدمت کیوں انجام نہیں دی؟ علاء الدین نے کہا کہ آخر میرے کتنے ہاتھ ہیں کہ میں یہ تمام خدمتیں انجام دوں! بڑھیا نے کہا کہ اے پاگل میں تو تجھے محض خدمت کے لیے لائی ہوں۔ اس کے بعد بڑھیا نے اُسے ایک پیتل کی چھڑی دی جس کے سرے پر صلیب تھی اور اس سے کہا کہ بیٹا اسے لے کر سڑک

پہ جا اور جب تو شہر کے والی کو دیکھیو تو کہیو کہ میں پروردگار مسیح کے نام پہ تجھے دَیر کی خدمت کے لیے بلاتا ہوں۔ وہ تیری مخالفت ہرگز نہ کرے گا اور اس سے کہیو کہ گیہوں کو لے کر صاف کرے اور پیسے اور چھانے اور گوندھ کر بسکٹ بنائے۔ جو کوئی تیرا کہنا نہ مانے اُسے اس ڈنڈے سے ماریو اور کسی سے مت ڈریو۔ چنانچہ وہ اس کے کہنے کے موافق کرتا رہا اور سترہ سال تک ہر چھوٹے بڑے سے اس نے کام لیا۔

ایک دن وہ دَیر میں بیٹھا ہوا تھا بڑھیا اس کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ دَیر کے باہر جا۔ اس نے پوچھا کہ کہاں جاؤں؟ بڑھیا نے کہا کہ آج رات ہوٹل میں یا کسی اپنے دوست کے ساتھ گزار۔ اُس نے پوچھا کہ آخر تو مجھے دَیر سے کیوں نکال رہی ہے؟ بڑھیا نے جواب دیا کہ اس ملک کے حکمران بادشاہ یوحنا کی بیٹی حسن مریم دَیر کی زیارت کے لیے آئے گی اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے راستے میں کوئی غیر ہو۔ علاؤ الدین اس حکم کی تعمیل میں کھڑا ہو گیا اور بڑھیا پر یہ ظاہر کیا کہ وہ دَیر کے باہر جا رہا ہے مگر اپنے دل میں کہنے لگا کہ دیکھنا تو چاہیے کہ بادشاہ کی بیٹی ہماری ہی عورتوں کی طرح ہے یا اُن سے زیادہ خوب صورت۔ میں جب تک اُسے دیکھ نہ لوں یہاں سے نہیں ٹلوں گا۔ یہ ٹھان کر وہ ایک کمرے میں چھپ گیا جس کی کھڑکی دَیر کی طرف تھی۔ وہ وہ دَیر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ شہزادی آ پہنچی۔ علاؤ الدین کی جو اس پہ نظر پڑی تو اس کے ہوش سے اُڑنے لگے اُسے ایسا معلوم ہوا کہ بادل کے نیچے سے چاند نکل آیا۔ یہی نہیں کہ شہزادی کو دیکھ کر وہ بھونچکا ہو گیا بلکہ اس کے ساتھ ایک اور لڑکی تھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اڑسٹھویں رات

دو سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب علاؤ الدین

کی نظر شہزادی پر پڑی۔ تو دیکھا کہ اُس کے ساتھ ایک اور لڑکی ہو اور شہزادی اس سے کہہ رہی ہو ای زبیدہ تیری وجہ سے میرا دل بہت بہلتا ہو۔ علاءُ الدین نے اس لڑکی کی طرف جو غور کیا تو وہ اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تھی جس کو مرے ہوئے عرصہ ہو چکا تھا پھر شہزادی نے زبیدہ سے کہا ذرا ایک راگ تو سنا دے۔ اس نے جواب دیا کہ میں اس وقت تک تجھے کوئی راگ نہ سناؤں گی جب تک تو میرا مقصد پورا نہ کر دے اور جو کچھ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہو اُسے وفا نہ کرے۔ شہزادی نے پوچھا کہ میں نے تجھ سے کیا وعدہ کیا ہو؟ اس نے جواب دیا کہ تو نے وعدہ کیا ہو کہ مجھے میرے شوہر معتمد اور امین علاءُ الدین ابوالشامات سے ملا دے گی۔ شہزادی بولی خوش ہو اور اپنے شوہر علاءُ الدین کے ملنے کی خوشی میں راگ کی مٹھائی کھلا۔ اس نے کہا وہ کہاں ہو؟ شہزادی نے جواب دیا اس کمرے میں اور وہ ہماری باتیں سن رہا ہو۔ یہ سُن کر زبیدہ نے ایک ایسا راگ بجایا کہ در و دیوار رقص کرنے لگے۔ علاءُ الدین بے چین ہو گیا اور کمرے سے نکل کر اُن دونوں کی طرف دوڑا اور اپنی بیوی زبیدہ عودیہ سے لپٹ گیا۔ زبیدہ نے بھی اُسے پہچان لیا دونوں گلے ملے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑے۔ حسن مریم نے آگے بڑھ کر دونوں پر گلاب کا عرق چھڑکا اور انھیں ہوش میں لا کر کہا کہ خدا نے تم دونوں کو ملا دیا ہو۔ علاءُ الدین نے کہا کہ ای میری آقا یہ تیری محبت کی وجہ سے ہوا۔ اب علاءُ الدین نے اپنی بیوی زبیدہ عودیہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا ای زبیدہ تو تو مر چکی تھی اور ہم تجھے دفن کر چکے تھے یہ کیا معاملہ ہو تو کس طرح زندہ ہو کر یہاں آگئی؟ اس نے جواب دیا ای میرے آقا میں مری نہ تھی بلکہ ایک جن مجھے چرا کر یہاں لے آیا تھا۔ اور جسے تم نے دفن کیا تھا وہ ایک پری تھی جو میری صورت اختیار کر کے مُردہ بن گئی تھی جب لوگ اُسے دفن کر چکے تو وہ قبر توڑ کر نکل گئی اور اپنی مالکہ حسن مریم بادشاہ زادی کے پاس چلی گئی۔ جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میں شہزادی حسن مریم کے

پاس ہوں اور وہ یہ ہی۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تو مجھے یہاں کیوں لائی؟ اس نے کہا کہ میری قسمت میں تیرے شوہر علاء الدین ابوالشامات کے ساتھ شادی کرنا لکھا ہی۔ ای زبیدہ کیا تو اس بات پر راضی ہی کہ میں تیری سوکن بن کر رہوں اور ایک رات میری ہو اور ایک تیری؟ میں نے اس بات کو مان کر کہا لیکن میرا شوہر ہی کہاں؟ شہزادی بولی اس کی تقدیر اس کے ماتھے پر لکھی ہی اور چونکہ قسمت کا لکھا پورا ہوکر رہتا ہی اس لیے اس کا یہاں آنا ضروری ہی پھر شہزادی کہنے لگی کہ جب وقت تک اللہ ہمیں اس سے ملائے ہم اس کی جدائی میں گانے بجانے سے اپنے آپ کو تسکین دیں گے۔ اس لیے میں اتنی مدت تک اس کے پاس ٹھیری رہی آخر کار اس دیر میں خدا نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔

اب حسن مریم نے علاء الدین کی طرف مخاطب ہوکر کہا ای میرے آقا کیا تجھے منظور ہی کہ میں تیری بیوی بنوں اور تو میرا شوہر؟ اس نے جواب دیا میری آقا میں مسلمان ہوں اور تو عیسائی، میں تیرے ساتھ کس طرح شادی کرسکتا ہوں! وہ بولی کہ خدا نہ کرے کہ میں کافر ہوں میں تو مسلمان ہوں اٹھارہ سال ہوئے کہ میں نے اسلام قبول کرلیا ہی۔ اسلام کے سوا اور کسی دین کی میں قائل نہیں۔ علاء الدین نے کہا کہ ای میری آقا میری خواہش ہی کہ میں اپنے وطن جاؤں۔ شہزادی نے کہا کہ میں تیرے ماتھے پر چند باتیں لکھی ہوئی دیکھ رہی ہوں پہلے ان کا پورا کرنا تیرے لیے ضروری ہی قبل اس کے کہ تیری خواہش پوری ہو اور مبارک ہو علاء الدین کہ تیرا ایک لڑکا پیدا ہوا ہی جس کا نام اصلان ہی اور اس وقت خلیفہ کے دربار میں تیرے مرتبے پر بیٹھا ہی وہ اٹھارہ سال کا ہوچکا ہی اور یہ بھی سن کر سچائی ظاہر ہوگئی ہی اور جھوٹ کا پردہ فاش ہوگیا ہی اور ہمارے پروردگار نے اس شخص کی پردہ دری کردی ہی جس نے سلطان کی چیزیں چرائی تھیں وہ چور اور دغا باز احمد قماقم ہی اور وہ اس وقت قید خانے میں

بیڑیوں سے جکڑا پڑا ہے اور یہ بھی سن لے کہ وہ نگ میں نے تیرے پاس بھیج کر اس تھیلے میں ڈلوا دیا تھا جو دکان میں تھا اور میں نے ہی کپتان کو تیرے پاس بھیجا تھا جو تجھے اور نگ کو لے کر آیا ہے اور یہ بھی سن کہ یہ کپتان میرا عاشق اور میرے وصال کا خواہش مند ہے۔ مگر میں نے اسے ہاتھ نہیں لگانے دیا بلکہ اس سے کہا کہ میں اس وقت تک تجھے ہاتھ نہ لگانے دوں گی جب تک کہ تو اُس نگ اور اس کے مالک کو نہ لے آئے اور میں نے اُسے سو تھیلیاں دیناروں کی دیں اور اُسے تاجر کے بھیس میں بھیجا حالانکہ وہ کپتان ہے اور جب چالیس قیدیوں کے قتل ہونے کے بعد تو قتل کے لیے پیش کیا گیا تو میں نے ہی اس بڑھیا کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ علاءُالدین نے کہا کہ تیری ساری نیکیوں اور بھلائیوں کا بدلہ خدا اچھا دے!

اس کے بعد حسن مریم نے علاءُالدین کے ہاتھ پر اپنا اسلام تازہ کیا اور اس کو شہزادی کی راست گوئی کا یقین آ گیا تو اس نے پوچھا کہ بتا اس نگ میں کیا کرامتیں ہیں اور یہ کہاں سے آیا ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ یہ نگ ایک جادو کے ذخیرے میں سے ملا ہے اور اس میں پانچ کرامتیں ہیں جن سے ہم ضرورت کے وقت فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ میری دادی میرے باپ کی ماں جادوگرنی تھی جو غیب کی باتیں بتاتی اور پوشیدہ خزانوں کا پتا لگا لیتی تھی۔ یہ نگ اس کے ہاتھ لگا تھا۔ جب میں چودہ سال کی تھی تو میں نے انجیل اور دوسری الہامی کتابیں پڑھیں اور چاروں کتابوں توریت، انجیل، زبور اور قرآن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام دیکھا تو میں محمدؐ پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئی مجھے یقین ہو گیا کہ خدا کے سوا دوسرے کی پرستش ناواجب ہے اور یہ کہ پروردگار اسلام کے سوا اور کسی مذہب سے خوش نہیں۔ جب میری دادی عمر کے آخری مرحلے پر پہنچی تو اس نے یہ نگ مجھے دے دیا اور اس کی پانچوں کرامتیں مجھے سکھا دیں۔ میری دادی کے مرنے سے پہلے میرے باپ نے کہا کہ رمل کا زائچہ بنا اور

بتا کہ میرا انجام کیا ہونے والا ہے اور میری قسمت میں کیا لکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تو ایک قیدی کے ہاتھ سے قتل ہوگا جو اسکندریہ سے آئے گا۔ اس پر میرے باپ نے قسم کھائی کہ میں وہاں کے تمام قیدیوں کو قتل کر دوں گا۔ یہی اس نے کپتان سے بیان کیا اور کہا کہ تو مسلمانوں کے جہازوں پر ضرور حملہ کیجیو اور انھیں گرفتار کیجیو اور جو کوئی اسکندریہ کا ہو اسے قتل کر دیجیو یا میرے پاس لے آئیو۔ کپتان نے اس کی تعمیل کی اور اتنے لوگ قتل کر چکا ہے جتنے اس کے سر پر بال ہیں۔ اس کے بعد میری دادی کا انتقال ہو گیا میں نے رمل کے ذریعے سے دریافت کیا میں کس کے ساتھ شادی کروں گی؟ جواب یہ آیا کہ میں ایک شخص سے شادی کروں گی جس کا نام معتمد اور امین علاؤ الدین ابوالشامات ہوگا مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں برابر انتظار کرتی رہی یہاں تک کہ زمانے نے مجھے تجھ سے ملا دیا۔
غرض کہ علاؤ الدین نے اس کے ساتھ شادی کر لی اور اس سے کہا کہ میری خواہش ہے کہ میں وطن جاؤں شہزادی بولی اگر یہی تیرا حکم ہے تو اٹھ اور میرے ساتھ چل۔ اس نے اسے لے جا کر ایک کمرے میں چھپا دیا جو محل کے اندر تھا اور خود اپنے باپ کے پاس گئی۔ باپ نے کہا کہ بیٹی آج مجھے بڑی گھبراہٹ ہے بیٹھ جا کہ ہم دونوں شراب پئیں۔ شہزادی بیٹھ گئی اور اس نے مے نوشی کا سامان منگوایا اور جام بھر بھر کر باپ کو پلانے لگی حتیٰ کہ وہ بے ہوش ہونے لگا پھر اس نے ایک جام میں بھنگ ملا کر پلا دی وہ پیتے ہی غافل ہو کر گر پڑا۔ اب اس نے کمرے میں جا کر علاؤ الدین کو نکالا اور کہنے لگی کہ اٹھ اور چل تیرا دشمن نشے سے مغلوب ہو چکا ہے تیرا جو جی چاہے اس کے ساتھ کر میں نے شراب اور بھنگ پلا دی ہے۔ علاؤ الدین بادشاہ کے پاس گیا تو اسے نشے میں چور پایا اس کی مشکیں خوب زور سے کس دیں اور بیڑیاں ڈال کر بھنگ کا توڑ پلایا اسے ہوش آ گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اٹھترھویں رات

جب دو سو اٹھترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! علاءُالدین نے حسن مریم کے باپ بادشاہ کو بھنگ کا توڑ دیا اور اُسے ہوش آ گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی بیٹی اور علاءُالدین اس کے سینے پر سوار ہیں کہنے لگا کہ بیٹی تو! اور میرے ساتھ یہ حرکت! اس نے جواب دیا کہ اگر تو مجھے اپنی بیٹی سمجھتا ہے تو مسلمان ہو جا میں مسلمان ہوں۔ حق ظاہر ہو چکا ہے میں نے اس کی پیروی کی ہے اور باطل سے کنارہ کشی۔ میں اس خدا کی فرماں بردار ہوں جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے اور میں دنیا اور آخرت کے بارے میں اسلام کے سوا اور تمام مذہبوں سے بیزار ہوں۔ اگر تو بھی اسلام قبول کر لے تو تیری جگہ میرے سر آنکھوں پر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گی کیونکہ تیرے زندہ رہنے سے تیرا مر جانا بہتر ہے۔ اس کے بعد علاءُالدین نے بھی اُسے بہت سمجھایا لیکن وہ انکار کرتا رہا اور اپنی ضد پر اڑا رہا اس لیے علاءُالدین نے اپنا خنجر کھینچ کر اس کی گردن الگ کر دی اور سارے واقعات ایک کاغذ پر لکھ کر کاغذ اس کے ماتھے پر رکھ دیا اور جو چیزیں ہلکی اور قیمتی تھیں انھیں لے دونوں محل سے نکلے اور دیر میں آ کر نگ نکالا اور اپنا ہاتھ اُس طرف جدھر تخت بنا ہُوا تھا رگڑا۔ فوراً ایک تخت آ موجود ہُوا۔ شہزادی علاءُالدین اور اس کی بیوی زبیدہ عودیہ تینوں اس تخت پر بیٹھ گئے۔ شہزادی نے کہا کہ اے تخت! میں تجھے ان اسما، طلسمات اور جادو کا واسطہ دیتی ہوں جو اس نگ پر کندہ ہیں کہ تو ہمیں لے اُڑ۔ تخت انھیں لے کر بلند ہُوا اور اُڑ کر ایک وادی پر پہنچا جہاں بالکل سبزہ نہ تھا۔ اب اس نے نگ کے باقی چار رُخ اوپر کی طرف کیے اور تخت والا رُخ نیچے کی طرف وہ زمین پر اُتر آیا پھر شہزادی نے نگ کا وہ رُخ پھیرا جس پر شامیانے بنے ہوئے تھے اور

اس پر ہاتھ مار کر کہا کہ اس وادی میں شامیانہ لگ جائے فوراً شامیانہ لگ گیا اور وہ
سب اس کے اندر جا بیٹھے۔ یہ وادی بنجر تھی نہ اس میں سبزہ تھا نہ پانی شہزادی نے
پھر چار رُخ اوپر کر کے کہا کہ خدا کے ناموں کی بدولت اس جگہ درخت اُگ آئیں اور
ایک دریا بہنے لگے۔ پلک جھپکتے درخت اُگ آئے اور صاف شفاف پانی کا دریا لہریں
مارنے لگا انھوں نے اس میں وضو کیا اور نماز پڑھی اور پانی پیا۔ اب اس نے باقی تین
رخوں کو الٹ پلٹ کر وہ رُخ اوپر کی طرف کیا جس پر دسترخوان بنا ہوا تھا اور کہنے لگی
کہ خدا کے ناموں کی برکت سے دسترخوان بچھ جائے معاً دسترخوان بچھ گیا جس پر بہتر
سے بہتر کھانے چنے ہوئے تھے انھوں نے کھایا پیا مزے لیے اور خوش ہوئے۔

ادھر تو یہ جنگل میں منگل منا رہے تھے ادھر یہ ہوا کہ بادشاہ کا بیٹا جب اپنے
باپ کو جگانے گیا تو دیکھا کہ وہ مرا پڑا ہے اور اس نے وہ کاغذ پڑھا جو علاؤالدین نے
لکھا تھا بہت گھبرایا۔ اس نے اپنی بہن کو تلاش کیا مگر وہ نہ ملی۔ دیر میں بھاگا ہوا
بڑھیا کے پاس گیا اور اس سے اپنی بہن کے متعلق دریافت کیا۔ اُس نے کہا کہ میں نے
کل سے اُسے نہیں دیکھا۔ اب وہ اپنے لشکر میں پہنچا لوگوں سے سارا ماجرا بیان کر کے
کہا کہ سوار ہو جاؤ اور وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر روانہ ہو گئے جہاں علاؤالدین اور شہزادی
شامیانے تلنے بیٹھے تھے اسی طرف ان کا رُخ تھا۔ یکایک حسن مریم کو سامنے غبار
سا اُٹھتا نظر آیا۔ گرد کا پردہ چاک ہوا تو اس نے دیکھا کہ اس کا بھائی لشکر لیے چلا آتا ہے
اور سوار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ تم بھاگ کر کہاں جاؤ گے! ہم تمھارے پیچھے لگے
ہوئے ہیں۔ لڑکی نے علاؤالدین سے کہا کہ جنگ میں تیرے پاؤں کس طرح جمتے ہیں ؟
اس نے جواب دیا جیسے بھوسی میں کیلی مجھے نہ لڑنا آتا ہے نہ مرنا مارنا۔ میں نہ شمشیر زنی
جانتا ہوں نہ نیزہ بازی۔ لڑکی نے نگ نکال کر وہ رُخ رگڑا جس پر گھوڑا اور سوار بنا
ہوا تھا رگڑنے کی دیر تھی کہ جنگل سے ایک سوار نکلا اور ان کے ساتھ لڑنے اور

تلوار چلانے لگا یہاں تک کہ وہ ہار کر بھاگ گئے۔ اب شہزادی نے علاؤ الدین سے پوچھا کہ تو اسکندریہ جانا چاہتا ہے یا قاہرہ؟ اس نے جواب دیا کہ اسکندریہ اور وہ سب تخت پر سوار ہو گئے۔ لڑکی نے کوئی منتر پڑھا اور تخت نے اڑ کر اسکندریہ کی شہر پناہ کے باہر اتار دیا۔ علاؤ الدین ان کو ایک غار میں بٹھا کر شہر میں داخل ہوا اور وہاں سے کپڑے لا کر انھیں پہنائے پھر انھیں ساتھ لے کر اپنی دکان پہنچا جس کی پشت پر کوٹھری تھی۔ اس کے بعد وہ ان کے لیے شام کا کھانا لینے باہر نکلا ہی تھا کہ اُسے سردار احمد دنف مل گیا جو بغداد سے آیا تھا۔ یہ ملاقات عین سڑک پر ہوئی وہ اُس کے گلے سے لپٹ گیا اور سلام کیا اور مرحبا کہا۔ سردار احمد دنف نے اُسے بیٹے کی مبارکباد دی اور کہا کہ اب اس کی عمر بیس سال کی ہے۔ علاؤ الدین نے اس سے شروع سے آخر تک اپنا سارا ماجرا بیان کیا اور اسے اپنی دکان پر لا کر کوٹھری میں لے گیا۔ احمد دنف کو سخت تعجب تھا کہ اس تھوڑی سی مدت میں کیا کیا واقعات گزر گئے۔

رات گزرنے کے بعد جب صبح ہوئی تو علاؤ الدین نے دکان بیچ کر اس کے دام بھی اس پونجی کے ساتھ رکھ لیے جو اس کے پاس تھی۔ اس کے بعد احمد دنف نے علاؤ الدین سے کہا کہ خلیفہ نے تجھے بلایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ میں پہلے قاہرہ جا کر اپنے والدین اور خاندان کو سلام کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ سب تخت پر سوار ہو کر قاہرہ کے مبارک شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دو چار ہی دفعہ آنکھ جھپکی تھی کہ درب اصفر میں جا اترے اسی محلے میں اس کا گھر تھا۔ علاؤ الدین نے اپنے مکان پر دستک دی۔ اس کی ماں نے پوچھا کون ہے؟ میرے پیارے تو گم ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ میں علاؤ الدین ہوں پھر تو سب کے سب باہر آ کر اس سے بغل گیر ہونے لگے۔ بعد ازاں وہ اپنی بیویوں اور سارے سامان کو اندر لے گیا۔ احمد دنف اس کے ساتھ ساتھ تھا۔ تین دن تک انھوں نے آرام کیا چوتھے روز علاؤ الدین نے بغداد جانے کی اجازت مانگی مگر اس کے

باپ نے کہا کہ بیٹا اب میرے ہی پاس ٹھیر۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اپنے بیٹے اصلان کی جدائی کی تاب نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ماں باپ کو بھی ساتھ لیا اور بغداد روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر احمد دنف خلیفہ کے پاس گیا اور اسے علاء الدین کے آنے کی خوش خبری دی اور اس کا سارا قصہ بیان کیا۔ خلیفہ اس کے بیٹے اصلان کو لے کر اس سے ملنے آیا اور سب کو گلے لگایا۔ اب خلیفہ نے احمد قماقم کو حاضر کرنے کا حکم دیا اور وہ پا بزنجیر سامنے لایا گیا۔ خلیفہ نے علاء الدین سے کہا کہ لے یہ تیرا دشمن تیرے سامنے ہے۔ علاء الدین نے تلوار کھینچ کر ایک ایسا ہاتھ لگایا کہ احمد قماقم کی گردن اڑ گئی۔ اس کے بعد خلیفہ نے علاء الدین کی خوشی میں جشن کیا اور قاضیوں اور گواہوں کو بلوا کر اس کا نکاح نامہ حسن مریم کے ساتھ لکھوا دیا۔ جب وہ اس سے ہم بستر ہوا تو دیکھا کہ وہ ناسفتہ موتی ہے۔ اس کے بعد خلیفہ نے اس کے بیٹے اصلان کو ساٹھ سرداروں کا سپہ سالار بنایا اور ان سب کو خلعت عطا کیے اور وہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔

حاتم طائی کی کہانی

بڑے آدمیوں کی کہانیاں بہت ہیں۔ منجملہ ان کے حاتم طائی کی سخاوت کے متعلق یہ بیان کیا جاتا ہے کہ جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اسے ایک پہاڑ کی چوٹی پر دفن کیا اور قبر کے سرہانے دو پتھروں کو تراش کر دو حوضیاں بنائیں اور پتھر ہی کی دو لڑکیاں بنائیں جن کے بال کھلے ہوئے تھے۔ اس پہاڑ کے نیچے ایک ندی بہتی تھی۔ جب مسافر وہاں اترتے تو انھیں رات کے وقت عشا سے لے کر صبح تک رونے کی آوازیں سنائی دیتیں اور صبح ہوتی تو انھیں ان دو پتھر کی مورتیوں کے

سوا کچھ نہ دکھائی دیتا۔ ایک بار یمن کا بادشاہ ذوالکراع اپنے قبیلے سے روانہ ہوکر اس وادی میں اترا اور اس نے رات وہیں گزاری اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسو سترویں رات

دوسو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ جب ذوالکراع اس وادی میں اترا اور رات کو وہیں ٹھیر گیا وہ جگہ قبر کے قریب تھی اسے رونے کی آواز سنائی دی تو اس نے پوچھا کہ پہاڑ کے اوپر یہ واویلا کیسا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا یہاں حاتم طائی کی قبر ہے پتھر میں کھدی ہوئی دو حوضیاں اور دو لڑکیوں کے پتلے ہیں جن کے بال کھلے ہوئے ہیں جو لوگ یہاں اترتے ہیں انھیں رات کے وقت رونے پیٹنے کی بھی آواز سنائی دیتی ہے۔ ذوالکراع نے حاتم طائی کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا ای حاتم ہم آج رات تیرے مہمان ہیں۔ اس کے بعد اسے نیند آگئی تھوڑی دیر میں وہ ڈر کر جاگ پڑا اور کہنے لگا ای عربو دوڑو میری سواری کے اونٹ کی خبر لو۔ لوگ جو اس کے پاس آئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ اونٹ پڑا تڑپ رہا ہے انھوں نے اُسے ذبح کر کے پکایا اور کھایا کھا پی کر بادشاہ سے پوچھنے لگے کہ یہ کیا بات ہوئی؟ اس نے کہا کہ جب مجھے نیند آگئی تو میں نے حاتم طائی کو دیکھا وہ کہتا ہے کہ تو ہمارے ہاں مہمان بن کر آیا ہے اور ہمارے پاس کچھ نہیں ہے۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اونٹ پر تلوار ماری اگر تم فوراً پہنچ کر ذبح نہ کر دیتے تو وہ مردار ہو جاتا، صبح ہوئی تو ذوالکراع نے اپنے ایک ساتھی کے اونٹ پر بیٹھ کر اسے اپنے پیچھے بٹھا لیا۔ چلتے چلتے دوپہر آگئی تو انھیں ایک ناقہ سوار دکھائی دیا جو اپنے ساتھ ایک کوتل اونٹنی لیے آرہا تھا

اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں عدی بن حاتم طائی ہوں اور یمن کا سردار ذوالکراع کہاں ہے؟ لوگوں نے جواب دیا کہ وہ یہ ہے۔ عدی بولا اس اونٹنی پر سوار ہو۔ یہ تیری اونٹنی کے بدلے میں ہے کیونکہ تیری اونٹنی کو میرے باپ نے تیرے لیے ذبح کر دیا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ تجھے یہ کیونکر معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ آج رات جبکہ میں سو رہا تھا میں نے خواب میں اپنے باپ کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہا ہے کہ اے عدی یمن کا بادشاہ ذوالکراع میرا مہمان تھا اور میرے پاس کوئی چیز نہ تھی کہ اس کی مہمان داری کرتا اس لیے میں نے اس کی اونٹنی ذبح کر ڈالی تو اُسے دوسری اونٹنی دے آتا کہ وہ اس پر سوار ہو۔ ذوالکراع نے وہ اونٹنی لے لی اور حیران ہو گیا کہ حاتم طائی کی سخاوت زندگی میں اور موت کے بعد یکساں ہے۔

معن بن زائدہ کی کہانی

خدا کے اچھے بندوں کی کہانیوں میں سے معن بن زائدہ کی بھی ایک کہانی بیان کی جاتی ہے کہ وہ ایک دن سیر و شکار کے لیے گیا ہوا تھا اسے پیاس لگی مگر اس کے غلاموں کے پاس بالکل پانی نہ نکلا۔ اتنے میں تین لڑکیاں تین مشکیں پانی کی لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اکہتر ویں رات

جب دو سو اکہتر ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکیاں

تین مشکیں لیے ہوئے اس کے پاس سے گزریں اس نے ان سے پانی مانگا انھوں نے اسے پانی پلایا۔ اب اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ انھیں کچھ دے دو لیکن ان کے پاس کچھ نہ نکلا اس لیے اس نے ہر لڑکی کو اپنے ترکش میں سے دس دس تیر نکال کر دے دیے جن کے سوفار سونے کے تھے۔ یہ دیکھ کر ایک لڑکی نے اپنی ہمجولی سے کہا کہ ایسی باتیں کرنے والا تو سوائے معن بن زائدہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

ایک بار کا اور واقعہ یہ ہے کہ معن بن زائدہ اپنے آدمیوں کے ساتھ شکار کے لیے نکلا: سامنے ہرنوں کا ایک گلہ دکھائی دیا۔ ہر ایک ان میں سے ایک ایک ہرن کے پیچھے لگ گیا۔ معن نے بھی تنہا ایک ہرن کا پیچھا کیا۔ جب وہ ہرن اس کے ہاتھ لگا تو اس نے اتر کر اسے ذبح کیا۔ اتنے میں اس کی نظر پڑی کہ جنگل کی طرف سے ایک شخص گدھے پر سوار چلا آتا ہے۔ معن گھوڑے پر سوار ہو کر اس کے پاس پہنچا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آتا ہے؟ اس نے کہا کہ جو قضاعہ کی سرزمین سے کئی سال سے وہاں قحط سالی تھی امسال بارش ہوئی ہے اور میں نے بیج بوئے ہیں لیکن بے وقت بوئے ہیں۔ ان میں سے اچھے اچھے کھیرے لے کر میں امیر معن بن زائدہ کے پاس جا رہا ہوں کیونکہ اس کی سخاوت اور کشادہ دلی مشہور ہے۔ معن نے کہا کہ تجھے کیا ملنے کی امید ہے؟ وہ بولا ایک ہزار دینار۔ معن کہنے لگا کہ اگر وہ کہے کہ یہ زیادہ ہے اس نے کہا کہ پانچ سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے، اس نے جواب دیا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ بتلائے، اس نے جواب دیا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی اس کے خیال میں زیادہ ہوں، اس نے کہا تو پھر سو دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ اسے بھی زیادہ سمجھے، اس نے جواب دیا کہ پچاس دینار۔ معن نے کہا کہ اگر یہ بھی زیادہ ہوں، اس نے جواب دیا کہ تو پھر تیس دینار۔ معن نے کہا کہ اگر وہ کہے کہ زیادہ ہیں، اس نے جواب دیا کہ تو پھر میں اپنے گدھے کی ٹانگیں اس کی جورو

کے اندر گھسیٹ کر خالی ہاتھ اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ جاؤں گا۔ اس پر معن ہنس پڑا اور گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنی فوج کے پاس پہنچا اور اپنے شامیانے میں چلا گیا اور اپنے حاجب سے کہا کہ ایک شخص گدھے پر سوار کھیرے لے آتے گا اُسے میرے پاس لے آئیو۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ آدمی پہنچ گیا اور حاجب نے اس کے لیے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ جب وہ امیر معن کے سامنے آیا تو اس نے یہ نہ پہچانا کہ یہ وہی شخص ہے جو اُسے جنگل میں ملا تھا کیونکہ اس پر جلال اور دبدبہ تھا اور بے شمار نوکر چاکر تھے اور وہ امارت کی کرسی پر جلوہ افروز تھا بڑے بڑے سردار اس کے دائیں بائیں اور آگے کھڑے ہوئے تھے۔ بدو نے اسے سلام کیا تو اس نے پوچھا کہ ای عرب کیسے تیرا آنا ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ امیر سے ملنا چاہتا ہوں میں اس کے لیے بے فصلی کھیرے لایا ہوں۔ معن نے سوال کیا تو ہم سے کتنی امید رکھتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ایک ہزار دینار کی۔ معن نے کہا کہ یہ مقدار زیادہ ہے۔ اس نے کہا تو پھر پانچ سو دینار سہی۔ معن نے کہا زیادہ ہے، اس نے کہا کہ تین سو دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے، اس نے کہا کہ دو سو دینار۔ معن نے کہا کہ زیادہ ہے، اس نے کہا سو دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا کہ پچاس دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ اس نے کہا تیس دینار۔ معن نے کہا زیادہ ہے۔ بدو نے کہا کہ واللہ جو شخص مجھے جنگل میں ملا تھا بڑا منحوس تھا۔ تو کیا پھر میں تیس دینار سے کم نہ کروں؟ معن ہنس کر چپ ہو گیا اور بدو تاڑ گیا کہ یہ وہی ہے جو اُسے جنگل میں ملا تھا اور کہنے لگا ای میرے آقا اگر تو تیس دینار بھی نہ دے تو میرا گدھا دروازے پر بندھا ہوا ہے اور یہ معن بیٹھا ہوا ہے۔ اس پر معن ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس نے اپنے وکیل کو بلا کر کہا کہ اسے ایک ہزار اور پانچ سو اور تین سو اور دو سو اور ایک سو اور پچاس اور تیس دینار دے دے اور گدھے کو اپنی جگہ بندھا رہنے دے۔ بدو اس پر ہکا بکا ہو کر رہ گیا اور دو ہزار ایک سو اسی دینار لے لیے۔ خدا اُن سب پر رحمت بھیجے!

لبطیط شہر کی کہانی

ای نیک نہاد بادشاہ! میں نے یہ بھی کہانی سُنی ہے کہ لبطیط نامی ایک شہر تھا
روم کے ملکوں میں سے ایک ملک کا دارالسلطنت، وہاں ایک محل تھا جو ہمیشہ بند رہتا
اور جب ایک بادشاہ مرتا اور دوسرا فرنگی بادشاہ حکمراں ہوتا تو اس میں ایک قفل
ڈال دیتا یہاں تک کہ چوبیس قفل ہو گئے، ہر بادشاہ کا ایک قفل۔ اس کے بعد ایک
شخص تخت پر بیٹھا جو شاہی خاندان سے نہ تھا، اُس نے چاہا کہ ان قفلوں کو کھول کر
دیکھے کہ محل کے اندر کیا ہے۔ ملک کے بڑے لوگوں نے اِس فعل سے اس کو منع کیا،
ناراض ہوئے اور اُسے بُرا بھلا کہا لیکن اس نے ایک نہ سُنی کہا کہ میں ضرور اس محل کو
کھولوں گا۔ انھوں نے اسے اپنی ساری دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطے کہ وہ اُسے نہ
کھولے پھر بھی وہ اس خیال سے باز نہ آیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس
نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو بہتروِیں رات

جب دو سو بہتروِیں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ اُمرا نے
اس بادشاہ کو بے حد مال و دولت دینے کا وعدہ کیا بشرطے کہ وہ اس محل کو نہ کھولے
لیکن وہ کھولنے سے باز نہ آیا اور اس نے سارے قفل تڑوا کر دروازہ کھول دیا۔
دیکھا کہ محل میں عربوں کے مجسّمے ہیں جو اپنے گھوڑوں اور اونٹوں پر بیٹھے ہوئے ہیں
اور وہ پگڑیاں باندھے ہوئے ہیں جن کے شملے لٹک رہے ہیں۔ تلواریں لگائے ہوئے
اور لمبے لمبے بھالے ہاتھوں میں لیے ہوئے ہیں۔ وہاں اُسے ایک لکھا ہوا کاغذ ملا۔

اُس نے اسے لے کر پڑھا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ جب یہ دروازہ کھلے گا تو اس ملک پر عربوں کی ایک قوم غالب آجائے گی اور اُن کی شکل اِن سنگیں تصویروں کی سی ہوگی لہٰذا خبردار اسے کوئی نہ کھولے! یہ شہر اندلس میں تھا خدا کی شان اسی سال بنو امیہ کے بادشاہ ولید بن عبدالملک کے عہد میں اس شہر کو طارق بن زیاد نے فتح کیا اور اس بادشاہ کو بُری طرح مارا، شہر کو لوٹا، عورتوں اور بچّوں کو قید کر لیا اور اس کی ساری دولت اس کے ہاتھ لگی بڑے بڑے ذخیرے ملے جن میں ایک سو ستر سے زیادہ موتیوں اور یاقوت اور قیمتی پتھروں کے تاج تھے۔ اس محل میں ایک کمرہ اتنا بڑا تھا کہ اس میں سوار نیزے پھینک سکیں۔ اس میں سونے اور چاندی کے ایسے برتن تھے جن کی تعریف نہیں ہو سکتی۔ وہاں نبی اللہ سلیمان بن داؤد علیہم السلام کا دسترخوان تھا اور کہا جاتا ہے کہ وہ سبز زمرد کا تھا۔ یہ دسترخوان اب تک رومہ کے شہر میں موجود ہے۔ اس کے برتن سونے کے ہیں اور رکابیاں زبرجد کی۔ اور اس میں ایک نسخہ زبور کا تھا جو یونانی زبان میں سونے کے پتر پر لکھا ہوا تھا جس میں ہیرے جڑے تھے۔ ایک اور کتاب بھی ملی جس میں جمادات اور نباتات کے فوائد درج تھے، شہروں اور بستیوں کے نام اور طلسم اور سونے چاندی کی کیمیا کا علم درج تھا۔ دوسری کتاب بھی ہاتھ آئی جو یاقوت اور دوسرے پتھروں کے تراشنے کی صنعت کے متعلق تھی۔ زہر اور تریاق بنانے کے نسخے لکھے ہوئے تھے، زمین، سمندروں، شہروں اور معدنوں کا نقشہ تھا۔ اس محل میں ایک کمرہ اکسیر سے بھرا ہوا دیکھا جس کا ایک درہم ایک ہزار درہم چاندی کو خالص سونا بنا دے۔ ایک گول بہت بڑا اور عجیب و غریب آئینہ پایا جو مختلف دھاتوں کا بنا ہوا تھا اور نبی اللہ سلیمان علیہم السلام کے لیے بنایا گیا تھا جب کوئی اسے دیکھتا تو اُسے ساتوں اقلیمیں دکھائی دیتیں۔ اس محل میں ایک بیٹھک تھی جس میں ایسے زرد رنگ کے لعل تھے جن کی کیا تعریف ہو سکے۔ طارق نے ان سب کو جمع کر کے ولید بن عبدالملک

کے پاس بھیج دیا اور سارے شہروں میں عرب پھیل گئے وہ بہت بڑا ملک ہو اور یہ تبطیط کے لڑکے کی کہانی ہے۔

ہشام بن عبدالملک اور بدّو لڑکے کی کہانی

ایک کہانی اور سُن ایک دن ہشام بن عبدالملک بن مروان شکار کھیلنے گیا ہوا تھا کہ اُسے ایک ہرن دکھائی دیا اس نے کتّوں کو لے کر اس کا پیچھا کیا۔ ابھی وہ اس ہرن کا پیچھا کر ہی رہا تھا کہ اس کی نظر ایک بدّو لڑکے پر پڑی جو بھیڑیں چرا رہا تھا ہشام نے کہا ای لڑکے اس ہرن کے پیچھے دوڑ کیونکہ وہ میری زد سے نکل بھاگا ہی۔ لڑکے نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہنے لگا کہ ای نیک لوگوں کی قدر نہ کرنے والے تو نے مجھے ذلّت کی نظر سے دیکھا اور پھر حقارت سے باتیں کیں۔ تیری باتیں ظالموں کی سی ہیں اور تیرا فعل گدھے کا سا۔ ہشام نے کہا کہ تُف ہو تجھ پر، کیا تو نے مجھے پہچانا نہیں؟ لڑکے نے جواب دیا کہ میں نے تجھے خوب پہچان لیا ہی کہ تو بدتمیز ہی کیونکہ تو نے بے سلام کیے باتیں شروع کر دیں۔ ہشام بولا حیف ہو تجھ پر! میں ہشام بن عبدالملک ہوں۔ بدّو نے کہا کہ خدا تیرے گھر میں نہ برکت دے اور نہ تیرے مزار پر رحمت بھیجے! تیری بک بک بہت زیادہ ہی اور خوش خصلتی بہت کم۔ ابھی وہ اپنی بات پوری نہ کرنے پایا تھا کہ چاروں طرف سے لشکر آ پہنچا اور ہر ایک ان میں سے کہنے لگا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین! ہشام نے کہا کہ ان باتوں کو چھوڑ کر پہلے اس لڑکے کو حراست میں لے لو۔ انھوں نے اُسے گرفتار کر لیا۔ لڑکے نے اس قدر حاجبوں اور وزیروں اور امیروں کو دیکھنے کے بعد بھی ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی اور نہ ان سے پوچھا کہ تم کون ہو بلکہ اپنی ٹھوڑی کو سینے سے لگا اپنے پاؤں کی طرف دیکھتا رہا

یہاں تک کہ وہ ہشام کے آگے پیش کیا گیا۔ لڑکا سرزمین کی طرف جھکائے اس کے سامنے کھڑا ہو گیا، نہ سلام کیا نہ کوئی بات کی۔ ایک ملازم بولا ای بدو گنتے تو امیرالمومنین کو سلام کیوں نہیں کرتا؟ لڑکے نے اس کی طرف غصے سے دیکھ کر کہا ای گدھے کی جھول راستے کی درازی اور اوپر کی چڑھائی اور پسینے کی وجہ سے میں نے یہ بات نہ کی۔ اس پر ہشام کا غصہ اور زیادہ ہو گیا جھنجھلا کر کہنے لگا ای لڑکے تو اور تیری موت دونوں یہاں ساتھ ساتھ آئے ہیں۔ تیری امیدیں منقطع ہو چکی ہیں اور تیری زندگی کا آخری لمحہ آ گیا۔ لڑکے نے جواب دیا ای ہشام خدا کی قسم اگر میری زندگی میں ابھی کچھ دن باقی ہیں اور اجل کے آنے میں دیر ہی تو تیری کوئی بات خواہ وہ تھوڑی ہو یا بہت مجھے نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ حاجب نے کہا ای ذلیل بدو کیا تو اتنا بلند پایہ ہو گیا کہ امیرالمومنین سے دوبدو ہو کر باتیں کرتا ہی؟ لڑکے نے فوراً جواب دیا کہ برباد ہو تو اور ہلاکت تیرا ساتھ کبھی نہ چھوڑے! کیا تو نے خدا کا یہ قول نہیں سنا کہ یَوۡمَ تَاۡتِیۡ کُلُّ نَفۡسٍ تُجَادِلُ عَنۡ نَّفۡسِہَا؟ یہ سن کر ہشام کے غصے کی انتہا نہ رہی وہ اٹھ کھڑا ہوا اور جلاد کو حکم دیا کہ اس لڑکے کا سر کاٹ کر رکھ دے کیونکہ یہ ایسی باتیں کر رہا ہی جو کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ جلاد لڑکے کو لے کر قتل کے بورئیے پر گیا اور تلوار کھینچ کر کہنے لگا امیرالمومنین یہ تیرا حقیر بندہ ہے اور گور میں پانو لٹکائے بیٹھا ہی۔ کیا میں اس کی گردن اڑا دوں؟ مگر میں اس کے خون سے بری ہوں۔ ہشام نے کہا کہ ہاں۔ جلاد نے پھر دوبارہ اجازت مانگی اور ہشام نے اجازت دے دی۔ پھر اس نے تیسری بار پوچھا لڑکے کو یقین ہو گیا کہ اگر اس بار بھی اجازت دے دی تو جلاد میری گردن اڑا دے گا یکایک اس زور سے کھلکھلا کر ہنسا کہ اس کے دانت دکھائی دینے لگے۔ اس حرکت پر ہشام کو اور زیادہ طیش آ گیا وہ کہنے لگا ای لڑکے میرے خیال میں تیرا دماغ صحیح نہیں۔ تجھے معلوم نہیں کہ تو دنیا سے جا رہا ہی؟ پھر تو کیوں ہنس کر اپنا مذاق اڑوانا چاہتا ہی؟

اس نے کہا امیر المومنین اگر میری زندگی باقی ہی تو مجھے نہ تھوڑے سے نقصان پہنچ سکتا ہے ہی اور نہ بہت سے چند اشعار اس وقت میرے خیال میں آئے ہیں انھیں سُن لے کیونکہ مَیں تو بہرحال قتل ہوں گا ہشام نے کہا کہ اچھا سُنا۔ لڑکے نے یہ اشعار پڑھے:

ایک بد جنگل کی ایک چڑیا قسمت کی ماری کسی باز کے پنجے میں پھنس گئی۔ جب باز اُسے اپنے پنجے میں دبا کر اُڑا تو چڑیا نے کہا کہ مَیں اتنی زرا سی جان ہوں کہ اگر تو نے مجھے کھایا تو تیرا پیٹ تو بھرے گا نہیں۔ یہ سُن کر باز غرور سے مسکرایا اور چڑیا کو چھوڑ دیا۔

ہشام ہنس پڑا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی قرابت کی قسم اگر یہ پہلے ہی سے ایسی باتیں کرتا تو علاوہ خلافت کے جو مانگتا مَیں اُسے دیتا۔ ای خادم اس کا مُنہ ہیرے جواہرات سے بھر دے اور اُسے بہت کچھ عطا کر۔ خادم نے بدو کو بہت کچھ انعام دیا اور وہ اُسے لے کر چلتا ہوا۔ انتہا

ابراہیم بن مہدی کی کہانی

منجملہ نفیس کہانیوں کے ہارون الرشید کے بھائی ابراہیم بن مہدی کی بھی ایک کہانی ہی۔ جب اس کا بھتیجا اس کے بھائی ہارون الرشید کا بیٹا مامون خلیفہ ہوا تو اس نے مامون کی بیعت نہیں کی بلکہ رَی پہنچ کر خود خلافت کا دعویٰ کیا اور ایک ہی سال گیارہ مہینے اور دس دن تک اپنی بات پر اڑا رہا اور اس کا بھتیجا مامون اس امید میں رہا کہ وہ اس کی اطاعت کر لے گا اور اس کے ساتھ شامل ہو جائے گا لیکن جس وقت اسے ناامیدی ہو گئی تو وہ سواروں اور پیادوں کے ساتھ رَی پہنچا اور اس کی تلاش کرنے لگا۔ ابراہیم کو یہ خبر ملی تو قتل کے ڈر سے بغداد میں جا چھپا۔ مامون نے اعلان کر دیا کہ جو کوئی اس کا پتا دے گا اُسے ایک لاکھ دینار انعام ملے گا۔ ابراہیم کا

بیان ہو کہ جب میں نے سنا کہ اتنی بڑی مقدار میرے سر کی بازی پر لگائی گئی ہے تو مجھے اپنی جان کا اور زیادہ ڈر ہوا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو تہترویں رات

دوسو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب مجھے اس مقدار کا علم ہوا تو جان کے لالے پڑ گئے اور اپنے متعلق میں بے حد حیران و پریشان ہو گیا اسی تردد میں ظہر کے وقت بھیس بدل کر اپنے مکان سے نکلا مگر میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کدھر جاؤں آخر میں ایک اندھی گلی میں گھس گیا اور کہنے لگا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن! میں اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہا ہوں۔ اگر میں یہاں سے پلٹا تو لوگوں کو میرے اوپر شبہہ ہوگا کیونکہ میں بھیس بدلے ہوئے ہوں۔ گلی کے دوسرے سرے پر میری نظر ایک حبشی غلام پر پڑی جو اپنے دروازے پر کھڑا ہوا تھا میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کہ تیرے ہاں کوئی ایسی جگہ ہے جہاں میں ایک گھڑی دن گزار سکوں؟ اس نے کہا کہ ہاں اور دروازہ کھول دیا۔ میں اندر داخل ہوا دیکھا کہ مکان نہایت صاف ستھرا ہے، فرش اور قالین لگے ہوئے ہیں اور چمڑے کے تکیے رکھے ہیں۔ مجھے اندر داخل کر کے اس نے دروازہ بند کر دیا اور خود باہر چلا گیا۔ مجھے خیال ہوا کہ اُس نے میرے متعلق انعام کا ذکر سن لیا ہے اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ ضرور میری خبر دینے گیا ہوگا۔ اب میری یہ حالت تھی جیسے کہ آگ پر ہانڈی اور میں بے حد متفکر تھا۔ یہی سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ایک حمال کو لیے ہوئے واپس آیا جس کے سر پر روٹیاں، گوشت، نئی ہانڈیاں، کھانے پینے کا دوسرا سامان، ایک

نیا گھڑا کورے کوزے اور باقی ضرورت کی چیزیں تھیں۔ حبشی نے وہ چیزیں حمال کے سر پر سے اتروا کر مجھ سے کہا کہ قربان جاؤں تیرے! میں حجام ہوں اور مجھے معلوم ہی کہ میرے پیشے کی وجہ سے تجھے مجھ سے گھن آئے گی۔ لہٰذا ان چیزوں کو لے ان پر ابھی تک کسی کا ہاتھ نہیں لگا ہی ان کو تو استعمال کر۔

ابراہیم کا بیان ہی کہ مجھے سخت بھوک لگی ہوئی تھی میں نے اپنے لیے ایک ہانڈی میں کھانا پکایا اور خوب پیٹ بھر کر کھایا مجھے یاد نہیں کہ میں نے کبھی ایسا کھانا کھایا تھا۔ جب میں کھا پی چکا تو اس نے کہا ای میرے آقا خدا مجھے تیرے اوپر قربان کرے! تجھے شراب کا بھی شوق ہی؟ اس سے دل خوش ہوتا ہی اور غم غلط؟ میں نے حجام کی خاطر سے کہا کہ مجھے اس سے نفرت نہیں یہ سُن کر وہ بلور کے نئے پیالے لایا جن کو ابھی تک کسی نے نہیں چھوا نہ تھا اور ایک نفیس مٹھلیا اور کہنے لگا کہ جس طرح تجھے پسند ہو خود چھان کر پی، میں نے نہایت عمدگی سے چھانا۔ اس کے بعد وہ ایک نیا جام لایا، مٹی کے کورے برتنوں میں پھل اور پھول اور مجھ سے کہنے لگا کہ اگر اجازت ہو تو میں بھی ایک طرف بیٹھ کر اکیلا شراب پیوں تاکہ مجھے اور تجھے دونوں کو سرور ہو میں نے جواب دیا کہ ہاں پی۔ ہم دونوں پینے لگے اور شراب کا نشہ مجھ پر چڑھنے لگا۔ حجام اُٹھ کر ایک کوٹھری میں گیا اور ایک ساز لاکر کہنے لگا ای میرے آقا یہ تو میری مجال نہیں کہ میں تجھ سے گانے کے لیے کہوں لیکن تیری انتہائی مروّت کی وجہ سے تجھ پر احترام کا حق واجب ہو گیا ہی۔ اگر تیری مرضی ہو کہ تو اپنے غلام کو عزت بخشے تو میری سر آنکھوں پر۔ مجھے یہ گمان بھی نہ تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہی اس لیے میں نے کہا کہ تجھے کیونکر معلوم ہوا کہ میں اچھا گاتا ہوں؟ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ ہمارے آقا کی شہرت اس سے بھی زیادہ ہی۔ تو میرا آقا ابراہیم بن مہدی ہی جو کل تک ہمارا خلیفہ تھا اور جس کے متعلق مامون نے یہ منادی کرائی ہی کہ جو کوئی تیرا پتا بتائے گا اوہ -

ایک لاکھ دینار پائے گا۔ مگر میری طرف سے تجھے اطمینان ہونا چاہیے۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ جب اس نے یہ کہا تو اس کی عزت میرے دل میں بڑھ گئی، میں اس کی مروت کا قائل ہو گیا، اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے ساز لے لیا اور اس کے تار ملا کر گانا بجانا شروع کر دیا۔ وہ بہت خوش ہوا اُسے نہایت لطف آیا۔

لوگوں کا بیان ہے کہ ابراہیم کے پڑوسی اگر اس کی زبان سے یہ الفاظ بھی سُن لیتے تھے کہ اے غلام خچر پر زین رکھو تو انھیں وجد آنے لگتا تھا۔ جب حجام کا دل خوش ہو گیا تو اس نے کہا اے میرے آقا اجازت ہو تو جو کچھ میرے دل میں آیا ہے میں بھی کہوں اگرچہ میں اس کا اہل نہیں۔ میں نے کہا کہ ہاں ضرور کہہ۔ یہ تیرے اخلاق اور مروت کی دلیل ہے۔ اس پر وہ ساز لے کر گانے لگا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ میں نے اس سے کہا اے دوست تو نے مجھ پر بڑا احسان کیا اور میرا غم غلط کر دیا۔ ایسا ہی کوئی اور گیت گا اور وہ گانے لگا۔ ابراہیم کا بیان ہے کہ اس کے راگ سن کر مجھے حیرت ہو گئی اور میرے دل کو بڑا حظ حاصل ہوا۔ اس کے بعد میں سو گیا اور جب میری آنکھ کھلی تو عشا کا وقت ہو چکا تھا۔ میں نے مُنہ دھویا میرے دل پر اس حجام کی نفاست اور اخلاق کا بڑا اثر تھا۔ میں نے اُسے جگایا اور اپنے پاس سے ایک تھیلی نکال کر جس میں بہت سے دینار تھے اس کی طرف پھینکی اور اس سے کہا میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں مجھ کو اب جانے دے۔ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو اس تھیلی میں سے اپنی ضروریات پر خرچ کر۔ اگر میرا خوف کا زمانہ جاتا رہا تو میں تجھے اور زیادہ عطا کروں گا۔ ابراہیم کہتا ہے کہ اس نے وہ تھیلی واپس کر دی اور کہنے لگا اے میرے آقا گو ہمارے جیسے فقیروں کی تیرے آگے کوئی قدر و منزلت نہیں لیکن میری مروت یہ گوارا نہیں کرتی کہ قسمت نے جو تیرا قرب اور تیری مہمانی مجھ کو عطا کی ہے اس کی تجھ سے قیمت لوں۔ اگر تو نے اس بارے میں اور کوئی بات کی اور میری طرف پھر یہ تھیلی پھینکی تو

میں خودکشی کر لوں گا۔ ابراہیم نے بیان کیا کہ میں نے وہ تھیلی اپنی آستین میں رکھ لی اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چوہترویں رات

دو سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہی کہ میں نے تھیلی لے کر اپنی آستین میں رکھ لی اگرچہ وہ مجھے بہت گراں معلوم ہوتی تھی اور وہاں سے چل دیا۔ میں دروازے تک پہنچا تھا کہ اس نے آواز دے کر کہا ای میرے آقا یہ مکان تیرے لیے دوسری جگہوں سے زیادہ محفوظ ہی اور تیرے کھلانے پلانے میں مجھ پر کوئی بار نہیں۔ بہتر ہی کہ جب تک خدا تیری مصیبت دور کر دے یہیں ٹھیر۔ یہ سُن کر میں پلٹ آیا اور بولا کہ محض اس شرط پر کہ تو اس تھیلی میں سے لے کر خرچ کرے۔ اس کی باتوں سے مجھے یہ گمان ہوا کہ وہ اس شرط پر راضی ہی اور میں ایک زمانے تک اس کے ہاں نہایت عیش و عشرت کے ساتھ رہا لیکن اس نے اس تھیلی میں سے کچھ خرچ نہ کیا۔ مجھ پر یہ گراں گزرا کہ اس کی روٹی کھاؤں اور اُسے تکلیف ہو اس لیے میں نے ایک دن عورتوں کا لباس پہنا مثلاً جوتیاں اور نقاب اور اس کے گھر سے چل دیا۔ سڑک پر پہنچا تو مجھے بہت ڈر لگا اور جب میں پُل پر سے گزر رہا تھا جس پر چھڑکاؤ کیا ہوا تھا تو ایک سپاہی کی نظر مجھ پر پڑی جو پہلے میرے پاس نوکر تھا۔ مجھے پہچانتے ہی اس نے چلّا کر کہا کہ مامون اسی شخص کی تلاش میں ہی اور مجھے گھیر لیا۔ لیکن چونکہ مجھے جان پیاری تھی میں نے اُسے اور اُس کے گھوڑے کو اس زور سے دھکیلا کہ وہ دونوں کیچڑ میں گر پڑے اور ان سے عبرت

حاصل کرنے والوں کو حیرت ہوئی، لوگ اس کی طرف دوڑے۔ اتنے میں بھاگ کر میں پل کے پار ہو گیا اور ایک گلی میں جا گھسا وہاں دیکھا کہ ایک مکان کا دروازہ کھلا ہوا ہے اور ایک عورت دہلیز پر کھڑی ہے۔ میں نے کہا کہ اے میری آقا میرے اوپر رحم کر اور میری جان بچا میں موت کے ڈر سے یہاں آیا ہوں۔ وہ بولی میں مرحبا کہتی ہوں اور تیرا خیر مقدم کرتی ہوں، اندر آجا۔ یہ کہہ کر وہ مجھے بالاخانے پر لے گئی اور وہاں فرش بچھا کر میرے آگے کھانا پیش کیا اور کہنے لگی کہ اپنا ڈر دل سے نکال دے کیونکہ کسی کو کانوں کان تیری خبر نہ ہوگی۔

وہ یہ کہہ ہی رہی تھی کہ کسی نے زور سے دروازہ کھڑکھڑایا اور اس عورت نے جا کر کواڑ کھول دیے میں نے دیکھا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میں نے پل پر دھکیلا تھا۔ اس کا سر بندھا ہوا ہے اور خون بہہ رہا تھا اور گھوڑا ندارد تھا۔ عورت نے کہا کہ اے فلاں شخص تجھ پر کیا مصیبت گزری ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے اس شخص کو پکڑ لیا تھا مگر وہ نکل بھاگا۔ اس کے بعد اس نے سارا ماجرا بیان کیا۔ عورت نے جلے ہوئے چیتھڑے نکالے اور انھیں پٹی پر رکھ کر اس کا سر باندھ دیا اس کے لیے فرش بچھا دیا اور وہ بیمار ہو کر لیٹ گیا۔ پھر وہ میرے پاس آکر کہنے لگی کہ میرے خیال میں یہ تیرا ہی قصہ ہے۔ میں نے کہا کہ ہاں۔ وہ بولی خیر پروا نہ کر اور وہ میری نئے سرے سے دل دہی کرنے لگی۔ تین دن میں اس کے ہاں ٹھیرا بعد ازاں وہ مجھ سے کہنے لگی کہ مجھے خوف ہے کہیں یہ شخص تجھے دیکھ نہ لے اور تیری چغلی نہ کھا دے لہٰذا تو یہاں سے چل دے۔ میں نے کہا کہ مجھے رات تک مہلت دے۔ اس نے کہا اس میں مضائقہ نہیں۔ جب رات ہوئی تو میں عورتوں کا لباس پہن کر اس کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور اپنی ایک پرانی کنیز کے پاس پہنچا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی رونے، آہیں بھرنے اور میری سلامتی پر خدا کا شکر ادا کرنے لگی۔ دو چار لمحے کے بعد وہ باہر گئی گویا وہ بازار جا کر مہمانی کی تیاری کرنا چاہتی ہے۔

میرا گمان اس کی طرف سے اچھا تھا مگر تھوڑی ہی دیر میں ابراہیم موصلی اس کے غلاموں اور لشکر نے مجھے آلیا اور وہ خود آگے آگے تھی۔ مَیں نے غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی کنیز ہی اور مکان کی مالکہ بھی ساتھ ساتھ ہی۔ وہ ان کے آگے آگے برا بر چلتی رہی یہاں تک کہ اُس نے مجھے اُن کے سپرد کر دیا اور مَیں نے موت کو اپنے سامنے کھڑا پایا۔ لوگ مجھے پکڑ کر اُسی زنانہ لباس میں مامون کے پاس لے گئے۔ مامون نے ایک عام دربار منعقد کیا اور مجھے بلایا۔ جب مَیں داخل ہوا تو مَیں نے اُسے خلیفہ کہہ کر سلام کیا۔ اس نے جواب دیا کہ نہ خدا تجھے سلامت رکھے اور نہ تیرے اوپر رحم کرے! مَیں نے کہا کہ اے امیر المومنین جیسی تیری مرضی ہو۔ بدلہ لینے والا خواہ بدلہ لے خواہ معاف کر دے لیکن معاف کرنا پارسائی سے قریب تر ہی جس طرح خدا نے میرا گناہ اوروں کے گناہ سے بڑا بنایا ہی تیرے عفو کو بھی اوروں کے عفو سے زیادہ بلند رتبہ دیا ہی۔ اگر تو سزا دے تو یہ تیرا حق ہی اور اگر معاف کر دے تو یہ تیرا فضل ہی۔ ابراہیم کا بیان ہی کہ مامون نے اپنا سر اٹھایا اور پھر نیچا کر لیا۔ مجھے اس کے چہرے سے معافی کی جھلک نظر آئی۔ اب اس نے اپنے بیٹے عباس اور اپنے بھائی ابو اسحٰق اور باقی حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ تمھارا اس کے متعلق کیا خیال ہی؟ سب نے میرے قتل کا مشورہ دیا۔ اختلاف محض اس بات میں تھا کہ کس طرح قتل کیا جاؤں۔ مامون نے احمد بن خالد سے کہا کہ احمد تیری کیا رائے ہی؟ اس نے جواب دیا کہ اگر تو نے اسے قتل کر دیا تو تیری طرح اور بھی بہت لوگ ہوں گے جنھوں نے ایسے شخص کو قتل کر دیا ہوگا اور اگر تو نے اسے معاف کر دیا تو اس جیسے شخص کو معاف کر دینے میں تیری طرح اور کوئی نہ ملے گا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو پچھترویں رات

جب دوسو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ امیر المومنین مامون نے احمد بن خالد کی باتیں سن کر سر جھکا لیا۔ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ اب میں نے نقاب اپنے سر سے اٹھادی اور بڑے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر کہنے لگا کہ خدا کی قسم امیر المومنین نے مجھے معاف کر دیا۔ مامون بولا چچا ڈر کی کوئی بات نہیں میں نے کہا کہ امیر المومنین میرا گناہ ہر معافی سے بڑا ہے اور تیرا عفو ہر شکر سے بالاتر۔ مامون نے کہا کہ میں وہی کہتا ہوں جو ہمارے آقا یوسف علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا تھا کہ لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ۔ اے چچا میں نے تجھے معاف کر دیا اور تیرا مال اور جاگیریں تجھے واپس دے دیں۔ اب کچھ پروا نہ کر میں نے اسے بڑی بڑی دعائیں دیں اور مامون میرے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا اور مجھ سے کہا کہ چچا ابو اسحٰق اور عباس نے تیرے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ میں نے کہا کہ اے امیر المومنین انھوں نے تجھے صحیح رائے دی تھی لیکن تو نے وہ کیا جو تیری شان کے شایان ہے اور میرے خوف کو امید سے بدل دیا۔ مامون نے کہا کہ چچا تو نے اپنے باحیا عذر سے میرے غصے کو ٹھنڈا کر دیا اور میں نے بھی تجھے بغیر اس کے کہ تو سفارش کرنے والوں کا احسان اٹھائے معاف کر دیا۔ اس کے بعد مامون بڑی دیر تک سجدے میں پڑا رہا اور پھر سر اٹھا کر کہا کہ چچا تجھے معلوم ہے کہ میں نے کیوں سجدہ کیا؟ میں نے جواب دیا کہ شاید تو نے اس وجہ سے سجدہ کیا کہ خدا نے تجھے تیرے دشمن پر فتح دی۔ مامون نے کہا کہ اس وجہ سے نہیں بلکہ میں نے اس بات پر خدا کا شکریہ ادا کیا کہ اس نے میرے دل میں یہ ڈالا کہ میں تجھے معاف کر دوں اور تیری طرف سے دل کو صاف کر لوں۔ اب تو اپنا قصہ مجھ سے بیان کر میں نے تشریح کے ساتھ وہ ساری باتیں کہیں جو حجام اور لشکری

اور اُس کی بیوی اور اس کی کنیز کے ساتھ مجھے پیش آئی تھیں جس نے میرا راز فاش کیا تھا۔ اس پر ماموں نے پہلے کنیز کو طلب کیا جو انعام کے انتظار میں گھر بیٹھی ہوئی تھی جب وہ ماموں کے سامنے حاضر ہوئی تو اس نے سوال کیا تو نے اپنے آقا کے ساتھ یہ حرکت کیوں کی؟ اس نے جواب دیا کہ دولت کے لالچ سے۔ ماموں نے پوچھا تیرا کوئی بیٹا یا شوہر ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ ماموں نے حکم دیا کہ اس کے سو کوڑے لگائے جائیں اور وہ دائم الحبس کی جائے۔ اس کے بعد اس نے لشکری اور اس کی بیوی اور حجام کو بلوایا جب وہ تینوں حاضر ہوئے تو ماموں نے لشکری سے پوچھا کہ تو نے یہ کیوں کیا؟ اس نے جواب دیا کہ مال کی طمع میں۔ ماموں نے کہا کہ تو آج سے حجام کا پیشہ کیا کر اور اس کی بیوی کو عزت و احترام کے ساتھ محل میں بھیج دیا اور کہا کہ یہ عقل مند عورت ہے مشکل کاموں میں اس سے مشورہ لیا جا سکتا ہے۔ اس کے بعد اس نے حجام سے کہا کہ تو نے ایسی مروت کا اظہار کیا ہے کہ تیری بہت زیادہ عزت کی جائے اور حکم دیا کہ لشکری کا سارا گھر بار اس کے سپرد کر دیا جائے اُسے خلعت دیا اور اس کے علاوہ پانچ ہزار دینار سالانہ مقرر کر دیے۔

عبداللہ بن ابی قلابہ کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک بار عبداللہ بن ابی قلابہ کا اونٹ کھو گیا وہ اس کی تلاش میں نکلا یمن کے جنگلوں اور سبا کے ملک میں پھرتا پھراتا ایک عظیم الشان شہر کے پاس پہنچا جس کے گرد بڑا مضبوط قلعہ تھا اور قلعے کے چاروں طرف اونچے اونچے محل۔ جب وہ اس شہر کے قریب پہنچا تو اس نے خیال کیا کہ اس میں لوگ رہتے ہوں گے اور وہ ان سے اپنے اونٹ کے متعلق دریافت کرے گا۔ وہ اس شہر کی طرف روانہ

ہو گیا لیکن جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ خالی ہے، نہ وہاں آدم نہ آدم زاد۔
اس کا بیان ہو کر میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی
اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چھہتر ویں رات

جب دوسو چھہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
عبداللہ بن ابی قلابہ کہتا ہے کہ میں اپنی اونٹنی پر سے اتر پڑا اسے باندھ دیا اور دل کو
مضبوط کر کے شہر کے اندر داخل ہوا۔ قلعے کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے دو دروازے
ہیں جن سے بڑے اور اونچے دروازے دنیا میں کہیں نہیں پائے جاتے۔ دونوں
دروازوں میں سفید سُرخ اور سبز ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ میں سخت متعجب ہوا اور
مجھ پر ہیبت طاری ہو گئی۔ ڈرتے ڈرتے قلعے میں گیا۔ عقل دنگ تھی۔ وہ قلعہ کیا ایک
لمبا چوڑا شہر تھا۔ میں نے دیکھا اس میں اونچے اونچے محل ہیں اور ہر محل کے آگے برآمدے۔
ساری عمارتیں سونے اور چاندی کی جن میں یاقوت، رنگ برنگ کے ہیرے، زبرجد
اور موتی جڑے ہوئے ہیں اور ان محلوں کے دروازوں کی جوڑیاں بھی ایسی ہی خوب صورت
ہیں جیسے کہ قلعے کی ڈیوڑھی کے کواڑ اور فرش پر بڑے بڑے موتی، مشک، عنبر اور
زعفران کی گولیاں بچھی ہوئی ہیں۔ جب میں اس کے بیچوں بیچ جا پہنچا اور وہاں
کوئی انسان نظر نہ آیا تو قریب تھا کہ میں چیخوں اور مارے ڈر کے مر جاؤں لیکن دل کو
مضبوط رکھا اور پھرتے پھراتے محلوں پر چڑھ گیا۔ اونچے اونچے چھجوں اور محلوں پر سے
نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھا کہ نہریں بہ رہی ہیں، سڑکوں پر میوے دار درخت، اونچی اونچی
کھجوریں ہیں اور دیواروں میں ایک ایک سونے کی اور ایک ایک چاندی کی اینٹ

لگی ہوئی ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ ہو نہ ہو یہی وہ جنت ہے جس کا وعدہ کیا گیا ہے اور جو آخرت میں ملے گی۔ میں نے جس قدر سنگ ریزے جو جواہرات تھے اور جتنی مٹی جو مُشک تھی اٹھا سکتا تھا اٹھا لی اور اپنے ساتھ وطن لے گیا وطن پہنچ کر لوگوں سے یہ قصہ بیان کیا اور رفتہ رفتہ یہ خبر معاویہ بن ابی سفیان تک پہنچی جو اس وقت حجاز کا خلیفہ تھا۔ اس نے صنعا یمن میں اپنے عامل کو لکھا کہ وہ مجھے بلا کر صحیح صحیح حال دریافت کرے۔ عامل نے طلب کرکے سارا ماجرا پوچھا۔ میں نے اس سے کل باتیں بیان کر دیں جو میں نے دیکھی تھیں۔ اس کے بعد اس نے مجھے معاویہ کے پاس بھیجا اور میں نے اس سے بھی جو کچھ دیکھا تھا کہہ دیا۔ معاویہ کو میری باتوں کا یقین نہ آیا لیکن جب میں نے وہ موتی اور عنبر اور مشک اور زعفران کی گولیاں دکھائیں جن میں اب تک کسی قدر خوشبو باقی تھی، موتیوں کا رنگ البتہ بدل گیا تھا وہ زرد پڑ گئے تھے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ستھتر ویں رات

جب دو سو ستھتر ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ بن ابی قلابہ کا بیان ہے کہ موتیوں کا رنگ بدل گیا تھا اور وہ زرد پڑ گئے تھے تو معاویہ بن ابی سفیان کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کعب الاحبار کو بلوایا۔ جب وہ آیا تو معاویہ نے کہا کہ اے کعب الاحبار میں نے تجھے اس لیے بلایا ہے کہ ایک بات کی تحقیق کروں مجھے امید ہے کہ تو اسے جانتا ہو گا۔ کعب نے کہا کہ امیرالمومنین وہ کیا ہے؟ معاویہ نے کہا کہ کیا تجھے اس بات کا علم ہے کہ ایک شہر ایسا پایا جاتا ہے جو

سونے اور چاندی سے بنا ہوا ہے جس کے ستون زبرجد اور یاقوت کے ہیں اور جس کے سنگ ریزے موتیوں اور مشک عنبر اور زعفران کی گولیوں کے؟ اس نے جواب دیا ہاں اے امیر المومنین اور وہ یہی ہے اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ الَّتِی لَمْ یُخْلَقْ مِثْلُهَا فِی الْبِلَادِ۔ اُسے عاد اکبر کے بیٹے شداد نے بنایا تھا۔ معاویہ نے کہا کہ اس کا کچھ حال بیان کر۔ کعب الاحبار نے کہا کہ عاد اکبر کے دو بیٹے تھے شدید اور شداد۔ جب باپ کا انتقال ہو گیا تو شدید اور شداد حکمراں ہوئے۔ دنیا کا کوئی بادشاہ نہ تھا جو ان کا مطیع نہ ہو۔ مگر شدید بن عاد کی زندگی نے وفا نہ کی اور شداد تنہا ساری دنیا کا حکمراں ہو گیا۔ شداد کو پرانی کتابیں پڑھنے کا بڑا شوق تھا۔ جب اس نے آخرت اور جنت کا ذکر پڑھا اور یہ کہ جنت میں محل اور بارہ دریاں اور درخت اور میوے وغیرہ ہوں گے تو اس کے دل میں آیا کہ ایسی شکل کی جنت دنیا میں بنائی جائے۔ اس کے ماتحت ایک لاکھ بادشاہ تھے اور ہر بادشاہ کے ماتحت ایک لاکھ سپہ سالار اور ہر سپہ سالار کے ماتحت ایک لاکھ فوج۔ اس نے لوگوں کو بلا کر کہا کہ میں نے پرانی کتابوں کو پڑھوا کر اس جنت کی تعریف سنی ہے جو آخرت میں ہو گی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں دنیا میں اس جیسی ایک جنت بنواؤں۔ لہٰذا تم ایک ایسا میدان تلاش کرو جو ہر لحاظ سے بہتر اور سرسبز و شاداب ہو اور وہاں میرے لیے سونے چاندی کا شہر بنواؤ۔ اس کے سنگ ریزے زبرجد، یاقوت اور موتی ہوں۔ اس شہر کی محرابوں کے نیچے زبرجد کے ستون ہوں اور شہر میں بے شمار محل، محلوں کے اوپر بالاخانے اور محلوں کے نیچے سڑکوں پر اور گلیوں میں مختلف پھلوں پھولوں کے درخت اور سونے اور چاندی کے نلوں میں پانی جاری ہو۔ سب کہنے لگے کہ ہم ایسی چیز کس طرح بنا سکیں گے جس کی تو نے تعریف کی ہے اور اتنے زبرجد، یاقوت اور موتی کہاں سے لائیں گے! اس نے جواب دیا کہ تمھیں معلوم نہیں کہ دنیا کے سارے بادشاہ میرے

فرماں بردار اور ماتحت ہیں دنیا میں کوئی ایسا نہیں جو میری مخالفت کرے۔ انھوں نے کہا کہ ہاں ہمیں یہ معلوم ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اٹھترویں رات

جب دو سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ انھوں نے کہا کہ ہاں ہمیں یہ معلوم ہے۔ شداد نے کہا تو بس میرا حکم ہے، سمندروں کو چھانو پہاڑوں کے کلیجے چیر ڈالو، سونا، چاندی، زبرجد، یاقوت اور موتی نکالو اور دنیا کی ساری چیزیں جمع کر دو، کوئی کوشش نہ اٹھا رکھو، اس کے علاوہ اس قسم کی جتنی چیزیں لوگوں کے پاس ہوں، انھیں لے لو اور کسی کے پاس کچھ نہ چھوڑو اور میری فرماں برداری سے قدم نہ ہٹاؤ۔ یہ کہہ کر اس نے تمام دنیا کے بادشاہوں کو خطوط لکھے اور فرمان جاری کر دیے کہ اس قسم کی جتنی چیزیں ہیں انھیں جمع کریں اور قیمتی پتھروں کی کانوں میں جا کر انھیں نکالیں خواہ سمندروں کی تھاہ میں کیوں نہ ہوں۔ چناں چہ بیس سال میں انھوں نے یہ سب چیزیں جمع کیں۔ اس وقت دنیا کے سارے بادشاہوں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ اس کے بعد شداد نے سارے ملکوں اور خطوں سے مہندس، حکما، مزدور اور کاری گر بلوائے اور وہ سارے جنگلوں اور بیابانوں میں چاروں طرف گھومنے لگے یہاں تک کہ وہ ایک صحرا میں پہنچے جو بہت بڑا اور صاف ستھرا تھا اور جہاں نہ پہاڑیاں تھیں نہ ریگستان، چپے چپے پر سبزہ زار تھے اور نہریں بہ رہی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ بس یہی وہ مقام ہے جس کا بادشاہ نے حکم دیا ہے اور جس کی تلاش میں ہم پھر رہے ہیں۔

اب وہ اتنا لمبا چوڑا شہر بنانے میں مشغول ہو گئے جتنا کہ دنیا کے حکم راں بادشاہ شداد نے انھیں حکم دیا تھا۔ پانی کے نل لگائے اور اس طرح کی نیو ڈالی جس کا اوپر ذکر آ چکا ہے۔ دنیا بھر کے بادشاہوں نے اس شہر کے لیے جواہرات اور پتھر اور بڑے اور

چھوٹے موتی، عقیق، سونا، چاندی اونٹوں پر لاد کر جنگلوں اور بیابانوں کے راستے بھی بھیجے اور کشتیوں میں لاد کر سمندر سے بھی۔ مہندسوں اور مزدوروں کے پاس یہ چیزیں اس مقدار اور اس خوبی کی پہنچیں جن کی نہ تعریف ہو سکتی ہے نہ شمار اور نہ کسی کا خیال وہاں تک جا سکتا ہے۔ تین سو سال تک کاری گر اس کام میں مشغول رہے اور جب وہ اس سے فارغ ہو چکے تو انھوں نے بادشاہ کے پاس آکر خبر دی کہ شہر تیار ہے۔ بادشاہ نے کہا اب جا کر وہاں ایک بڑا عالی شان قلعہ بناؤ اور قلعے کے چاروں طرف ایک ہزار محل جن میں سے ہر محل ایک ہزار ستونوں کے اوپر ہو تاکہ ہر محل میں ایک وزیر رہے۔ انھوں نے فوراً جا کر کام شروع کر دیا اور بیس سال میں تمام کیا۔ اس کے بعد وہ پھر شدّاد کے پاس آئے اور کہا کہ تیرا مقصد پورا ہو گیا ہے۔ اب اس نے وزیروں کو حکم دیا جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور اسی طرح اپنے خاص اور معتمد لوگوں سے بھی کہا کہ سفر کی تیاری کریں اور دنیا کے بادشاہ شدّاد بن عاد کے ہم رکاب ہو کر اِرَم ذات العماد میں منتقل ہونے کے لیے آمادہ ہو جائیں اور جو اپنی بیویوں اور اپنے گھر والوں یعنی کنیزوں اور غلاموں کو ساتھ لے جانا چاہیں انھیں اختیار ہے۔ اس تیاری میں اور بیس سال لگ گئے۔ بالآخر وہ دن آیا کہ شدّاد سارے لشکر کے ساتھ روانہ ہو گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اُناسیویں رات

جب دو سو اُناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! نیا شہر بسانے اور اپنی مُراد بر آنے سے بے حد خوش شدّاد لاؤ لشکر سمیت روانہ ہو گیا

یہاں تک کہ اس کے اور ارم ذات العماد کے درمیان ایک پڑاؤ کی مسافت باقی رہ گئی خدا نے اپنی قدرت کے آسمان سے اس کے اور اس کے کافر نافرمان ساتھیوں کے اوپر ایک کڑک بھیجی جس کی آواز اتنی سخت تھی کہ وہ سب ہلاک ہو گئے۔ نہ شداد اور نہ اس کا کوئی ساتھی اس شہر تک پہنچ سکا حتیٰ کہ دیکھ بھی نہ سکا پھر خدا نے ان راستوں کے آثار تک مٹا دیے جو اس شہر کو جاتے تھے اور وہ شہر قیامت تک اسی حالت میں باقی رہے گا۔ کعب الاحبار کے بیان سے معاویہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ کہنے لگا کہ کسی بشر کی اس تک رسائی ہوئی ہے؟ کعب نے کہا کہ ہاں ایک صحابی کی جس کا حلیہ ہو بہو اسی شخص کا سا تھا جو یہاں بیٹھا ہوا ہے۔

شعبی کا بیان ہے کہ یمنی حمیر کے علما روایت کرتے ہیں کہ جب اس کڑک سے شداد اور اس کے ساتھی ہلاک ہو گئے تو اس شداد اکبر کا بیٹا شداد اصغر تخت پر بیٹھا اور اپنے باپ کی جگہ سبا اور حضرموت پر حکمرانی کرنے لگا۔ جب اُسے یہ خبر ملی کہ اس کا باپ ارم پہنچنے سے پہلے راستے ہی میں مر گیا ہے تو اُس نے حکم دیا کہ اس کی لاش جنگل میں سے حضرموت لائی جائے اور ایک غار کے اندر قبر کھودی جائے۔ جب لوگ قبر کھود چکے تو اُسے ایک سونے کے تخت پر لٹا کر اور ستر پوشاکیں پہنا کر جو سونے سے بُنی ہوئی تھیں اور جن میں نفیس ہیرے ٹنکے ہوئے تھے اس قبر میں دفن کیا۔ ثعالبی کا بیان ہے کہ اتفاق سے دو شخص اس غار میں داخل ہوئے اور انھوں نے دیکھا کہ اس کے صدر میں ایک زینہ ہے، وہ نیچے اترے اور انھوں نے ایک گڑھا دیکھا جو سو گز لمبا اور چالیس گز چوڑا اور سو گز گہرا تھا اس کے بیچ میں سونے کے تخت پر ایک لمبا تڑنگا شخص لیٹا ہوا تھا جس کی لمبائی چوڑائی تخت کے برابر تھی۔ وہ زیور پہنے ہوئے تھا اس کی پوشاک سونے چاندی سے بُنی ہوئی تھی اور اس کے سرہانے سونے کی ایک تختی تھی جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ انھوں نے وہ تختی لے لی اور اس جگہ سے

جتنے سونے اور چاندی کے ٹکڑے وغیرہ لا سکتے تھے لے آئے۔

اسحٰق موصلی کی کہانی

اسحٰق موصلی سے روایت ہی کہ ایک رات مَیں مامون کے پاس سے اپنے گھر جا رہا تھا کہ پیشاب کی حاجت ہوئی مَیں ایک گلی میں گیا اور کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا کیونکہ اگر مَیں دیوار کے قریب بیٹھتا تو مجھے ڈر تھا کہ کسی چیز سے ایذا نہ پہنچے، مَیں نے دیکھا کہ ایک مکان کی دیوار میں کوئی چیز لٹکی ہوئی ہی۔ یہ جاننے کے لیے کہ وہ کیا چیز ہی مَیں نے اُسے چھُوا مجھے معلوم ہؤا کہ وہ ایک بڑا ٹوکرا ہی جس میں چار گنڈے ہیں اور جو مخمل سے منڈھا ہؤا ہی۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ اس کا کوئی نہ کوئی سبب ہوگا اس وقت نشہ مجھے زیادہ تھا نہ جانے کیا دُھن بندھی کہ مَیں اس میں بیٹھ گیا۔ اتنے میں مکان والوں نے مجھ کو مع ٹوکرے کے اوپر کھینچ لیا وہ سمجھے کہ مَیں ہی وہ شخص ہوں جس کا انھیں انتظار ہی۔ ٹوکرا آہستہ آہستہ دیوار کی مُنڈیر پر جا پہنچا اور چار لڑکیوں نے مجھ سے کہا کہ اُتر مرحبا خوش آمدی! ایک لڑکی شمع لے کر میرے آگے آگے چلنے لگی اور کمرے میں پہنچی جہاں ایسا نفیس فرش بچھا ہؤا تھا جس کی نظیر خلیفہ کے محل کے سوا مَیں نے کہیں نہ دیکھی تھی۔ مَیں بیٹھ گیا تھوڑی دیر کے بعد دیوار کی ایک طرف کے پردے اٹھے اور کئی لڑکیاں ایک ساتھ داخل ہوئیں۔ ان کے ہاتھوں میں شمعیں تھیں اور قاقلی عود کی انگیٹھیاں اور ان کے درمیان ایک لڑکی جیسے چودھویں رات کا نکلتا ہؤا چاند۔ مَیں اٹھ کھڑا ہؤا اور اس نے کہا کہ مرحبا ای مہمان۔ پھر وہ بولی کہ بیٹھ جا اور میرا حال پوچھا مَیں نے کہا کہ مَیں ایک دوست کے گھر سے لوٹ رہا تھا کہ راہ میں مجھے پیشاب لگا اور مَیں اس کوچے میں داخل ہؤا۔ یہاں مَیں نے ایک ٹوکرا

لٹکا ہوا دیکھا، نیند کے نشے میں اس کے اندر بیٹھ گیا اور ٹوکرے نے مجھے لاکر اس گھر میں پہنچا دیا۔ یہ ہے میرا سارا قصہ۔ اس نے کہا کہ کچھ مضائقہ نہیں مجھے امید ہے کہ اس کا نتیجہ اچھا نکلے گا۔ اس کے بعد اس نے پوچھا تیرا پیشہ کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں بغداد کے بازار میں تاجر ہوں۔ وہ کہنے لگی تجھے کچھ اشعار یاد ہیں؟ میں نے کہا کہ ہاں تھوڑے بہت تو یاد ہیں۔ وہ بولی کہ اچھا سنا۔ میں نے کہا کہ اجنبی کو شرم معلوم ہوتی ہے لیکن تو شروع کر۔ اس نے جواب دیا کہ تو ٹھیک کہتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے پرانے اور نئے شاعروں کے عمدہ عمدہ شعر سنائے جوان کا بہترین کلام تھا۔ میں سن رہا تھا اور میری سمجھ میں یہ نہ آتا تھا کہ میں اس کے حسن وجمال پر تعجب کروں یا اس کی شیریں کلامی پر۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اب تو تیری شرم ٹوٹ گئی ہو گی؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کہ اگر مرضی ہو تو کچھ سنا دے۔ اور میں نے پرانے شاعروں کا اتنا کلام سنایا کہ اس سے زیادہ ہو نہ سکتا تھا۔ اُسے بہت پسند آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں یہ نہ جانتی تھی کہ بازار والوں میں بھی ایسے لوگ پائے جاتے ہیں پھر اس نے کھانا منگوایا۔

دنیازاد نے اپنی بہن سے کہا کہ تیری کہانی کیسی میٹھی اور عمدہ اور نفیس ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اگر بادشاہ نے مجھے زندہ رکھا تو میں کل تمھیں وہ چیزیں سناؤں گی جو اس سے بدرجہا بہتر ہیں۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اٹھتیسویں رات

جب دوسو اٹھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! میں نے کہا تھا کہ اگر میں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو میں آج وہ بیان

کروں گی جو کل کے بیان سے بدرجہا بہتر ہو گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اپنی کہانی ختم کر۔
اس نے کہا کہ بہت خوب۔ ای نیک نہاد بادشاہ! اسحٰق موصلی نے بیان کیا کہ لڑکی نے
کھانا منگوایا اور جب کھانا آیا تو اس نے خود بھی کھایا اور میرے آگے بھی بڑھایا۔ اس گھر
میں طرح طرح کے پھول اور ایسے ایسے عجیب میوے تھے جو بادشاہوں کے گھر کے سوا اور
کہیں نہیں پائے جاتے۔ کھانے کے بعد اس نے شراب منگوائی ایک پیالہ خود پیتی اور
ایک مجھے پلاتی اور کہتی کہ یہ وقت باتیں کرنے اور کہانیاں سنانے کا ہی۔ میں نے
سوچ سوچ کر کہنا شروع کیا کہ فلاں اور فلاں بات پیش آئی اور ایک شخص نے
یہ کہا اور وہ کہا۔ یہاں تک کہ میں نے بہت سی اچھی اچھی کہانیاں کہ سنائیں۔ اس پر
وہ بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی کہ مجھے تعجب ہوتا ہی کہ ایک تاجر کو ایسے قصے
کہانیاں کہاں سے یاد ہو گئیں یہ تو بادشاہوں کے آگے بیان کرنے کے قابل ہیں
میں نے کہا کہ میرا ایک پڑوسی تھا جو بادشاہوں کے ساتھ رہتا اور انھیں کہانیاں
سنایا کرتا تھا۔ جب وہ بیکار ہوتا تو میں اس کے گھر جاتا اور وہ اکثر یہی کہانیاں
کہتا جو تو نے ابھی سنی ہیں۔ وہ بولی کہ بات تو یہ ہی کہ تو نے یاد بھی خوب رکھیں غرض کہ
اسی طرح باتوں کا سلسلہ جاری رہا۔ وہ چپ ہوتی تو میں کچھ کہنے لگتا میں چپ ہوتا
تو وہ شروع کر دیتی یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ عود کی خوشبوئیں مہک رہی
تھیں عجب لطف کی صحبت تھی اور میں اس مزے میں تھا کہ اگر مامون کو اس کا پتا
لگ جاتا تو وہ مارے اشتیاق کے اڑ کر وہاں پہنچ جاتا۔ اس نے کہا کہ تو نہایت لطیف
اور نازک خیال شخص ہی اور آدابِ محفل سے بھی تجھے اچھی واقفیت ہی اب ایک چیز
کے سوا اور کوئی کمی نہیں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کاش تو یہ اشعار کسی
ساز پر گا کر سناتا۔ میں نے کہا بہت دن ہوتے کہ مجھے اس کا شوق تھا جی بھر گیا تو
چھوڑ دیا لیکن اس وقت پھر کچھ جی پھڑپھڑانے لگا ہی۔ واقعی لطف کی تکمیل تو اس کے

بغیر ہوتی نہیں۔ اس نے کہا کہ اس اشارے سے تیرا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ عود منگایا جائے۔ میں نے کہا کہ جیسی تیری مرضی تو نے مجھ پر بڑی مہربانی کی ہے اور میں تیرا بے حد شکر گزار ہوں پھر اس نے عود منگوا کر ایسی میٹھی آواز سے گایا کہ اگر وہ اس کے اخلاق اور بجانے کی خوبی اور کمال سے ملا دیا جائے تو اس کا جواب نہ تھا۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی تو جانتا ہے کہ یہ راگ کس کا بنایا ہوا ہے اور اشعار کس کے ہیں؟ میں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس نے کہا کہ اشعار فلاں شاعر کے ہیں اور راگ اسحٰق کا۔ میں بولا واللہ! کیا اسحٰق میں اتنی قابلیت ہے؟ اس نے جواب دیا کہ واہ وا! اسحٰق تو اس میں کمال رکھتا ہے۔ میں نے کہا کہ پاکی ہے اللہ کے لیے جس نے اس شخص کو وہ چیز عطا کی جو کسی دوسرے کو نہیں دی۔ اس نے کہا مزہ تو جب آتا کہ یہ راگ تو اس کے مُنہ سے سُنتا! انھیں باتوں میں سویرا ہو گیا اور ایک بڑھیا نے جو ماما معلوم ہوتی تھی آکر کہا کہ وقت ہو چکا ہے۔ یہ سنتے ہی میں اُٹھ کھڑا ہوا اور لڑکی نے مجھ سے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اکیاسیویں رات

جب دو سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکی نے کہا کہ ہماری باتیں پوشیدہ رکھیو کیونکہ مجلسیں راز کی باتیں ہوتی ہیں۔ میں نے جواب دیا کہ میری جان تجھ پر فدا اس بات میں مجھے نصیحت دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد میں اس سے رخصت ہوا اور اس نے ایک کنیز کو میرے ساتھ دروازے تک بھیجا۔ اس نے دروازہ کھولا اور میں نے نکل اپنے گھر کا راستہ لیا۔ گھر

پہنچ کر فجر کی نماز پڑھی اور سو گیا۔ تھوڑی دیر میں میرے پاس مامون کا قاصد آیا۔ میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشا کا وقت ہوا تو میں کل کی باتیں سوچنے لگا کیونکہ وہ ایسی باتیں تھیں جن پر نادان کے سوا اور کوئی صبر نہ کر سکتا تھا اس لیے میں اٹھ کر پھر ٹوکرے کے قریب آیا اور اس میں بیٹھ کر پھر اس جگہ پہنچ گیا جہاں میں کل تھا۔ لڑکی بولی کہ تو بالکل ٹھیک وقت پر پھر آ گیا۔ میں نے کہا مجھے تو یہ خیال ہے کہ میں نے بہت دیر لگائی اور ہم پھر گزشتہ رات کی طرح بات چیت کرتے رہے اور صبح تک ایک دوسرے کو قصے کہانیاں سنایا کیے۔ اس کے بعد میں نے گھر جا کر صبح کی نماز پڑھی اور سو رہا اور پھر مامون کا فرستادہ مجھے بلانے آیا تو میں وہاں گیا اور دن بھر اس کے ساتھ رہا۔ عشا کے وقت امیر المومنین نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جب تک میں ایک کام کے لیے جا کر لوٹ آؤں تو یہیں ٹھیرو۔ خلیفہ چل دیا اور میری نظروں سے اوٹ ہو گیا تو میرے خیالات بہکنے لگے مجھے گزشتہ صحبتیں یاد آنے لگیں۔ میں نے اپنے دل میں کہا خلیفہ جو چاہے میرے ساتھ کرے میں سب برداشت کر لوں گا۔ یہ کہہ کر میں اُلٹے پاؤں پھرا، ٹوکرے کے پاس پہنچا اس میں بیٹھ کر مجلس میں پہنچ گیا۔ لڑکی کہنے لگی تو تو پُرانا یار نکلا۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ وہ بولی تو نے ہمارے گھر کو اپنا گھر بنا لیا ہے۔ میں نے کہا میری جان تجھ پر تصدق! مہمانی تین دن کی ہوتی ہے۔ اگر اس کے بعد میں آؤں تو میرا خون تجھ پر حلال ہے۔ وہ جلسہ بھی اسی طرح ختم ہوا اور جب جانے کا وقت آیا تو مجھے یقین تھا کہ مامون ضرور مجھ سے پوچھے گا اور جب تک تفصیل کے ساتھ نہ سُن لے گا اُسے چین نہ آئے گا۔ اب میں نے لڑکی سے کہا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تجھے گانے سے بہت دلچسپی ہے۔ میرا ایک چچیرا بھائی ہے جو مجھ سے زیادہ خوب صورت، بلند مرتبہ، باسلیقہ اور اسحٰق کا سب سے بڑا دوست ہے۔ وہ کہنے لگی کیا تو طفیلی اور فالتو ہے؟ میں نے کہا کہ اس کا فیصلہ تیرے

ہاتھ میں ہی۔ اس نے کہا کہ اگر تیرا چچیرا بھائی ایسا ہی ہی جیسا کہ تو کہتا ہی تو ہمیں اس کے تعارف سے انکار نہیں۔ اس کے بعد روانگی کا وقت آگیا اور میں اٹھ کر اپنے گھر چل دیا۔ ابھی میں گھر پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے آکر گھیر لیا اور مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسو بیاسیویں رات

جب دوسو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ اسحٰق موصلی کا بیان ہی کہ میں گھر تک پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ مامون کے فرستادوں نے مجھے آگھیرا اور زبردستی پکڑ کر اُس کے پاس لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہی اور مجھ سے ناراض ہی۔ اس نے کہا کہ اسحٰق کیا تو میری نافرمانی کرتا ہی؟ میں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین، خدا جانتا ہی کہ نہیں۔ اُس نے کہا کہ تیرا کیا قصہ ہی؟ سچ سچ بتا۔ میں نے عرض کیا بہت خوب لیکن تنہائی میں۔ اس نے حاضرین کو اشارہ کیا اور وہ ایک طرف ہو گئے۔ میں نے ماجرا بیان کیا اور کہا کہ میں نے اس سے وعدہ کیا ہی کہ تجھے بھی لاؤں گا۔ مامون بولا تو نے خوب کیا! اس دن بھر ہم مزے میں رہے مگر مامون کا جی اُس لڑکی میں لگا رہا اور ابھی وقت بھی نہ آیا تھا کہ ہم چل دیے اور میں اس سے کہتا جاتا کہ خبردار اس کے آگے میرا نام لے کر نہ پکاریو بلکہ میرے ساتھ نوکروں کا سا برتاؤ کیجیو۔ اس پر ہم دونوں متفق ہو گئے اور چلتے چلتے ٹوکرے کی جگہ پہنچے دیکھا کہ اب وہاں دو ٹوکرے ہیں ایک میں میں دوسرے میں وہ بیٹھ گیا اور اس جگہ پہنچ گئے جہاں میں روز جایا کرتا تھا۔ لڑکی نے آگے بڑھ کر ہم دونوں کو سلام کیا۔ جب

مامون کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن وجمال دیکھ کر ہکا بکا ہوگیا اور وہ اُسے کہانیاں اور اشعار سنانے لگی۔ اس کے بعد اس نے نبیذ پیش کی۔ لڑکی اس کی طرف مائل تھی اور اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی تھی وہ بھی لڑکی کی طرف مائل تھا اور اُسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا تھا۔ پھر عود لے کر اس نے خاص ادا سے گایا اور مامون کی طرف اشارہ کر کے مجھ سے کہنے لگی کہ کیا یہ تیرا چچیرا بھائی بھی تاجر ہے؟ مَیں نے کہا کہ ہاں۔ اُس نے کہا کہ تم دونوں کی شکل ملتی جلتی ہے۔ مَیں نے کہا کہ درست ہے۔ ابھی مامون نے تین ہی رطل پیے ہوں گے کہ مزے میں آگیا اور پکار کر کہنے لگا اے اسحٰق! مَیں نے جواب دیا کہ امیرالمومنین حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ تو بھی اسی انداز سے گا۔ لڑکی کو جو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ہے تو جا کر ایک کمرے میں چُھپ گئی۔ جب مَیں گا چکا تو مامون نے مجھ سے کہا کہ پوچھ اس مکان کا مالک کون ہے؟ ایک بڑھیا نے نکل کر جواب دیا کہ یہ حسن بن سہل کا مکان ہے۔ مامون نے کہا کہ اُسے بُلا۔ بڑھیا تھوڑی دیر کے بعد حسن کو لے کر پہنچی۔ مامون نے کہا کہ کیا تیری کوئی بیٹی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں اور اس کا نام خدیجہ ہے۔ مامون نے پوچھا کہ وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ مامون نے کہا کہ مَیں تجھ سے اس کے ساتھ نکاح کی درخواست کرتا ہوں۔ اس نے کہا کہ امیرالمومنین وہ تیری لونڈی ہے اور تیرے حکم کی فرماں بردار۔ خلیفہ نے کہا کہ مَیں نے نقد تیس ہزار دینار پر اس سے شادی کر لی۔ کل صبح آ کر دام لے جائیو اور جب مال مل جائے تو شام کو اُسے ہمارے پاس پہنچا دیجیو۔ اس نے کہا کہ بسر وچشم۔ اس کے بعد ہم دونوں وہاں سے نکلے اور خلیفہ نے کہا اے اسحٰق یہ بات کسی سے مت کہیو۔ چنانچہ مامون کے مرتے تک مَیں نے اسے پوشیدہ رکھا۔ جیسی زندگی ان چاروں تک میری گزری کسی اور کی نہ گزری ہوگی کیونکہ دن کے وقت مامون کی صحبت ہوتی تھی اور رات کے وقت خدیجہ کی۔ واللہ نہ مَیں نے کوئی مرد مامون کی طرح دیکھا نہ

کوئی عورت خدیجہ جیسی بلکہ سمجھ، عقل اور گفتگو میں خدیجہ کی لونڈیوں کے برابر بھی کسی کو نہ پایا۔ باقی خدا سب سے بہتر جاننے والا ہی۔

ایک اور کہانی

حج کے زمانے میں جب لوگ طواف کر رہے تھے اور بڑی بھیڑ تھی ایک شخص کعبے کا پردہ پکڑے یہ کہہ رہا تھا کہ یا اللہ میں تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اپنے شوہر سے ناراض ہو جائے اور میں اپنی حسرت پوری کروں۔ جب حاجیوں نے یہ سنا تو پہلے اُسے خوب مارا پھر پکڑ کر امیر الحاج کے پاس لے گئے اور امیر الحاج سے کہا کہ ہم نے اس شخص کو ان متبرک مقامات پر یہ کہتے سُنا ہی۔ امیر الحاج نے اُسے پھانسی کا حکم دے دیا۔ وہ کہنے لگا ای امیر میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا واسطہ دیتا ہوں کہ پہلے میرا قصہ اور ماجرا سُن لے اس کے بعد جو تیرا جی چاہے کیجیو۔ اس نے کہا بیان کر۔ اس شخص نے کہا ای امیر میں بھنگڑی ہوں کھتّے پر نوکر ہوں۔ خون اور گندگی اِدھر سے اُدھر لے جانا اور لانا میرا کام ہی۔ ایک دن کا واقعہ ہی کہ میں اپنے گدھے کو لادے ہوئے لیے جا رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ لوگ بھاگ رہے ہیں ان میں سے ایک نے مجھ سے کہا کہ اس گلی میں گھس جا ورنہ لوگ تجھے قتل کر دیں گے۔ میں نے کہا کہ آخر معاملہ کیا ہی بھاگ کیوں رہے ہو؟ ایک شخص بولا کہ کسی بڑے آدمی کی بیوی یہاں سے گزر رہی ہی اس کے غلام راہ گیروں کو مارتے اور سب کو بھگاتے ہیں اس کی پروا نہیں کرتے کہ کون ہی۔ یہ سُن کر میں بھی گدھا لے کر ایک گلی کے اندر چلا گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی، و۔اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو تراسیویں رات

جب دوسو تراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس شخص نے کہا کہ میں اپنا گدھا لے کر ایک گلی میں چلا گیا اور انتظار کرنے لگا کہ یہ بلا ٹل جائے تو اپنا راستہ لوں۔ میں نے دیکھا کہ نوکروں کے ہاتھوں میں ڈنڈے ہیں اور تقریباً تیس عورتوں کے جھرمٹ میں ایک عورت ہے بید کی شاخ کی مانند۔ پیاسے نازک غزال کی طرح سُبک خرام، نہایت حسین و جمیل۔ جب وہ اس موڑ کے پاس پہنچی جہاں میں تھا تو دائیں بائیں دیکھنے لگی اور ایک غلام کو بلایا۔ غلام حاضر ہوا اس کے کان میں چپکے چپکے کچھ کہا اور غلام نے آ کر مجھے پکڑ لیا۔ لوگ وہاں سے بھاگے دوسرا غلام میرا گدھا لے کر چل دیا اور مجھے ایک رسی سے باندھ کر کھینچتے ہوئے روانہ ہوئے۔ لوگ ہمارے پیچھے بلند آواز سے کہنے لگے کہ اس کی خدا نے کب اجازت دی! یہ شخص ایک غریب بھنگڑی ہے اسے رسی سے کیوں باندھتے ہو؟ اور انھوں نے غلاموں سے بھی کہا کہ اس پر رحم کرو بے چارے کو چھوڑ دو، خدا تم پر رحم کرے گا مگر وہاں کون سنتا تھا۔ میں نے اپنے دل میں کہا غالباً نوکروں نے مجھے اس وجہ سے گرفتار کیا ہے کہ ان کی مالکہ کو کہیں بدبو پہنچ گئی اس کا جی متلانے لگا۔ یا وہ حاملہ ہے یا بیمار لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ! غرض کہ میں ان کے پیچھے پیچھے گھسٹتا ایک بڑے مکان کے دروازے پر پہنچا وہ مجھے لے کر اس میں داخل ہو گئے اور ایک بڑے کمرے میں پہنچے جس کی میں تعریف نہیں کر سکتا جس میں نہایت نفیس فرش بچھا ہوا تھا۔ سب عورتیں وہاں آئیں غلام میری مشکیں کسے کھڑے تھے۔ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں مجھے ضرور سزا دیں گے میں مر جاؤں گا اور کسی کو میری موت کی کانوں کان خبر نہ ہو گی لیکن سزا دینے کے بدلے وہ مجھے ایک نفیس حمام میں لے گئے جو اسی محل سرا کے اندر تھا۔ میں وہاں

پہنچا ہی تھا کہ تین کنیزیں اندر آئیں اور میرے اردگرد بیٹھ گئیں اور مجھ سے کہنے لگیں کہ اپنے یہ گندے چیتھڑے اتار ڈال۔ میں نے اپنے پھٹے پرانے کپڑے اتار ڈالے۔ اب ان میں سے ایک کنیز میرے پاؤں ملنے لگی دوسری نے سر دھونا شروع کیا اور تیسری کے ہاتھ میرے بدن کی مالش کرنے لگے۔ نہلانے دھونے سے فارغ ہو کر انھوں نے میرے آگے پہننے کے کپڑوں کا ایک بقچہ رکھ دیا اور بولیں انھیں پہن لے۔ میں نے کہا کہ خدا گواہ ہے میں نہیں جانتا کہ یہ کپڑے کس طرح پہنے جاتے ہیں۔ اس پر انھوں نے مجھے وہ کپڑے پہنائے اور برابر میرا مذاق اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد گلاب پاش لاکر مجھ پر گلاب چھڑکا اور میں ان کے ساتھ وہاں سے نکل کر ایک دوسرے کمرے میں پہنچا جہاں ایسے نقش و نگار اور فرش فروش تھے کہ ان کی خوبی مجھ سے بیان نہیں ہو سکتی۔ دیکھا کہ ایک خیزران کا تخت بچھا ہوا ہے اور اس پر ایک عورت بیٹھی ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو چوراسیویں رات

دوسو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس شخص نے کہا میں اس کمرے میں داخل ہوا تو دیکھا کہ خیزران کے تخت پر ایک عورت بیٹھی ہے تخت کے پائے ہاتھی دانت کے ہیں اور اس عورت کے آگے بہت سی کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں اس عورت مجھے دیکھا تو کھڑی ہوگئی اور مجھے اپنے پاس بلایا۔ میں قریب پہنچا تو اس نے کہا کہ بیٹھ اور میرے برابر بیٹھ میں اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اس نے کنیزوں کو حکم دیا کہ کھانا لائیں اور وہ میرے لیے ایسا نفیس اور اتنی قسم کا کھانا

لائیں جن کا نہ میں نے عمر بھر کبھی نام سنا تھا نہ جن کی گنتی مجھے یاد ہے۔ میں نے خوب سیر ہو کر کھایا۔ جب کھانا بڑھایا گیا اور ہم ہاتھ دھو چکے تو اس نے میوے منگوائے وہ بھی فوراً حاضر کیے گئے اور ہم دونوں نے نوش جان کیے۔ میووں سے بھی فراغت پائی تو اس نے ایک کنیز سے کہا کہ شراب نوشی کا سامان لا اور وہ جا کر مختلف رنگوں کی کوئی چیز لے آئی۔ طرح طرح کی خوشبوئیں انگیٹھیوں میں جلائی گئیں اور ایک چاند سی کنیز ہمیں شراب پلانے اور گانے بجانے لگی یہاں تک کہ میں اور وہ مکان کی مالکہ جو بیٹھی ہوئی تھی دونوں مدہوش ہو گئے۔ میں خیال کر رہا تھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں کہ اس نے بعض کنیزوں سے کہا کہ فلاں کمرے میں ہمارے لیے فرش بچھاؤ۔ وہ جا کر وہاں فرش بچھا آئیں۔ اب اس عورت نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے اس کمرے میں لے گئی جہاں فرش بچھایا گیا تھا اور ہم دونوں ساتھ ساتھ صبح تک سوئے۔ جب میں اُسے سینے سے لگاتا تو اس سے مشک اور عطر کی خوشبو آتی اور مجھے ایسا معلوم ہوتا کہ میں جنت میں ہوں یا خواب کی کیفیت طاری ہے۔ سویرا ہوا تو اس نے پوچھا کہ تیرا مکان کہاں ہے؟ میں نے جواب دیا کہ فلاں محلے میں۔ اس کے بعد اس نے رخصت کیا اور ایک رومال دیا جس پر سونے چاندی کا کام تھا اور اس میں کچھ بندھا ہوا تھا اور کہنے لگی کہ یہ تیرے حمام جانے کا خرچ ہے۔ میں خوش ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر اس میں پانچ ٹکے بھی ہوں گے تو وہ میرے آج کے ناشتے کے لیے کافی ہیں۔

اب میں اس کے پاس سے نکلا گویا جنت سے باہر آیا اور اپنی جھونپڑی میں پہنچ کر رومال کھولا تو دیکھا کہ اس کے اندر پچاس مثقال سونا ہے۔ میں نے اُسے زمین میں گاڑ دیا اور دو فلوس کی روٹی اور سالن خرید کر ناشتا کرنے دروازے پر بیٹھ گیا اور سوچنے لگا۔ اسی حالت میں عصر کا وقت آ گیا اتنے میں ایک کنیز آئی اور کہنے لگی کہ

میری مالکہ تجھے بلاتی ہے۔ مَیں ڈیوڑھی کے دروازے تک اس کے ساتھ ساتھ گیا اور وہ اندر جاکر اجازت لائی۔ مَیں نے مکان میں داخل ہوکر اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ اور کھانا اور شراب منگوائی کھانا پینا ہنسی مذاق ہوتا رہا اور مَیں گذشتہ رات کی طرح اس کے ساتھ سویا۔ جب سویرا ہُوا تو اس نے مجھے ایک اور رومال دیا جس میں پچاس مثقال سونا تھا۔ مَیں نے اُسے لے کر بھی اپنی جھونپڑی میں دفن کر دیا۔ سات دن تک یہی صورت رہی کہ میں روزانہ عصر کے وقت اُس کے پاس جاتا اور علی الصباح اس سے رخصت ہو اپنے گھر چلا آتا۔ آٹھویں دن رات کے وقت سونے کی تیاری تھی کہ ایک کنیز دوڑتی ہوئی آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ اُٹھ اور اس بالاخانے پر چلا جا۔ بالاخانے پر پہنچا تو وہاں سے گلی دکھائی دیتی تھی۔ وہاں جاکر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شور وغل اُٹھا اور گھوڑوں کے ٹاپوں کی آوازیں سنائی دیں۔ بالاخانے پر ایک کھڑکی تھی جہاں سے دروازہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کھڑکی میں سے مَیں نے دیکھا کہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ایک جوان سوار چلا آ رہا ہے۔ آگے آگے اس کے غلام اور پیچھے پیچھے لشکری ہیں۔ دروازے پر پہنچ کر وہ گھوڑے سے اتر پڑا اور مکان میں آکر کمرے کے اندر گیا دیکھا کہ وہ عورت تخت پر بیٹھی ہوتی ہے۔ پہلے اُس نے اُس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور پھر آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے، عورت نے اس سے کوئی بات نہ کی اور وہ برابر خوشامد کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو منالیا اور اس رات وہ اس کے ساتھ سویا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو پچاسیویں رات

دوسو پچاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب لڑکی

کے شوہر نے اُسے منا لیا تو وہ باقی رات اس کے ساتھ سویا۔ صبح کی اذانیں ہونے لگیں تو پھر لشکری اس کے پاس پہنچے اور وہ دروازے سے نکل کر سوار ہو گیا۔ اب وہ میرے پاس لوٹ آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ تو نے اسے دیکھا؟ میں نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا وہ میرا شوہر ہے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ ایک دن ہم دونوں اپنے مکان کے اندر باغ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ وہ میرے پاس سے اٹھ کر چل دیا اور دیر تک غائب رہا۔ جب اُسے دیر ہو گئی تو میں نے اپنے دل میں کہا شاید وہ پاخانے گیا ہو گا۔ میں اٹھ کر پاخانے پہنچی لیکن اُسے وہاں نہ پایا۔ اس کے بعد میں باورچی خانے گئی اور میری نظر ایک کنیز پر پڑی میں نے اس سے اپنے شوہر کے متعلق دریافت کیا۔ اس نے اشارے سے بتایا اور میں نے دیکھا کہ وہ باورچی خانے کی ایک لونڈی کو لیے پڑا ہے۔ اس پر میں نے قسم کھائی میں بھی ضرور ایک ایسے شخص کے ساتھ زنا کروں گی جو سب سے زیادہ گندہ اور پلید ہو۔ جس روز غلام نے تجھے پکڑا ہے مجھے شہر میں ایسے شخص کو ڈھونڈتے چار دن ہو چکے تھے مگر مجھے تجھ سے زیادہ گندہ اور پلید نہ ملا تھا۔ اس لیے میں نے تجھے بلوا بھیجا اور تقدیر میں جو ہونا تھا ہوا۔ اب میں نے جو قسم کھائی تھی پوری کر لی ہے۔ اس کے بعد وہ کہنے لگی کہ جب میرا شوہر پھر لونڈی کے ساتھ لیٹے گا اور اس سے ہم بستر ہو گا تو میں بھی تجھے بلا کر پھر وہی کروں گی۔ جب میں نے اُسے یہ کہتے سنا اور اس کی نظروں کے تیر میرے دل پر چلنے لگے تو میں اتنا رویا کہ میرے پپوٹے زخمی ہو گئے۔ اس نے مجھ سے کہا کہ چلا جا۔ مجھے چار سو مثقال سونا اس سے مل چکا تھا۔ میں اسے خرچ کر رہا ہوں اور یہاں آیا ہوں تاکہ خدا سے دعا کروں کہ اس کا شوہر ایک بار اور لونڈی کے پاس جائے اور میری پھر وہی پہلی سی حالت ہو۔ امیر الحاج نے اس شخص کا قصہ سنا تو اُسے چھوڑ دیا اور حاضرین سے کہا کہ خدا کے لیے اس کے واسطے دعا کرو اس لیے کہ وہ معذور ہے۔

خلیفہ ہارون الرشید اور دوسرے خلیفہ کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کا جی بہت گھبرا رہا تھا، اس نے اپنے وزیر جعفر برمکی کو بلا کر کہا کہ آج رات مجھے سخت گھبراہٹ ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ بغداد کے گلی کوچوں کی سیر کروں اور لوگوں کی حالت دیکھوں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ ہم سب سوداگروں کا بھیس بدل لیں تاکہ ہمیں کوئی شخص پہچان نہ سکے۔ چنانچہ وہ اٹھ کھڑے ہوئے خلیفہ نے بھی شاہانہ پوشاک اتار سوداگروں کا لباس پہن لیا۔ یہ تین شخص تھے، خلیفہ، جعفر اور مسرور جلاد، وہ جگہ جگہ کی سیر کرتے پھرتے پھراتے دجلے پر پہنچے۔ وہاں انھوں نے ایک بوڑھے شخص کو ایک کشتی میں بیٹھا دیکھا اس کے پاس جا کر اسے سلام کیا اور کہنے لگے بڑے میاں تیرا بڑا احسان اور کرم ہوگا اگر تو ہمیں اپنی کشتی میں بٹھا کر سیر کرا لائے۔ لے یہ دینار تیری اُجرت ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چھیاسیویں رات

دو سو چھیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب انھوں نے بوڑھے سے کہا کہ ہم تیری کشتی میں بیٹھ کر سیر کرنا چاہتے ہیں اور اُسے دینار دیا تو اس نے کہا کہ کس کی مجال ہے جو اس وقت کشتی میں بیٹھ کر سیر کرے خلیفہ ہارون الرشید ہر رات اپنے بجرے میں بیٹھ کر دجلے میں آتا ہے اور اس کے ساتھ ایک ڈھنڈورا پیٹنے والا یہ ڈھنڈورا پیٹتا ہے کہ اے لوگو بڑے یا چھوٹے خاص ہو یا عام، بچے ہو یا جوان جو کوئی کشتی میں بیٹھ کر دجلے میں آئے گا میں اُس کی

گردن اُڑا دوں گا یا کشتی کے مستول پر اُلٹا لٹکا دوں گا۔ اس وقت اگر تم کشتی میں بیٹھے تو مزید تمھاری اور اُس کی مڈ بھیڑ ہو جائے گی اس کا بجرا آنے والا ہی خلیفہ اور جعفر نے کہا بڑے میاں یہ دو دینار لے اور ہمیں ان محرابوں میں سے ایک کے اندر لے چل تاکہ ہم خلیفہ کے بجرے کو گزرتے ہوئے دیکھ سکیں۔ بڈھا بولا کہ اچھا لاؤ دینار دو اور خدا پر بھروسا کرو۔ دینار لے کر وہ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ایک بجرا بیچ دجلے میں سے آتا ہوا نظر آیا جس میں شمعیں اور مشعلیں جل رہی تھیں۔ بڈھے نے کہا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ خلیفہ ہر رات کشتی میں آتا ہی اور پھر کہنے لگا کہ ای پردہ پوش خدا پردہ دری نہ کیجیو اور انھیں لے کر ایک محراب میں گھس گیا اور اُن پر ایک سیاہ چادر ڈال دی۔ وہ چادر کے نیچے سے دیکھنے لگے انھوں نے دیکھا کہ بجرے کے آگے کے حصے میں ایک شخص ہی جس کے ہاتھ میں سُرخ سونے کی ایک مشعل ہی جسے وہ قاقلی عود سے روشن کرتا جاتا ہی۔ یہ شخص سُرخ اطلس کی قبا پہنے ہوئے ہی اور اس کے ایک کندھے پر ایک زرد رنگ کی زردوزی چادر پڑی ہوئی ہی اور سر پر موصلی پگڑی، دوسرے کندھے پر سبز ریشم کا ایک تھیلا ہی جس میں قاقلی عود بھرا ہوا ہی۔ بجرے کے پچھلے حصے میں بھی ایسا ہی لباس پہنے اور ایسی ہی مشعل لیے ایک دوسرا شخص کھڑا دیکھا بجرے کے اندر دو سو غلام دائیں بائیں کھڑے نظر آئے اور ان غلاموں کے حلقے میں سُرخ سونے کی ایک کرسی رکھی ہوئی ہی اور اس پر چاند سا خوب صورت ایک جوان بیٹھا ہوا ہی۔ سیاہ لباس پہنے جس پر زرد سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہی۔ اس کے سامنے وزیر جعفر جیسا ایک شخص بیٹھا ہی اور اس کے پیچھے ایک دوسرا شخص کھڑا ہی جس کی شکل مسرور سے ملتی جلتی ہی اور اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار ہی۔ ان کے علاوہ بیس اور ندیم ہیں۔ جب خلیفہ نے یہ دیکھا تو کہا کہ ای جعفر! اس نے کہا کہ ای امیر المومنین میں حاضر ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ شاید یہ میرے بیٹوں میں

سے کوئی ہی مامون یا امین ۔اب اُس نے جوان کو غور سے دیکھا جو کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور دیکھا کہ اس کا حُسن و جمال اور قدو قامت لاجواب ہی۔ غور سے دیکھنے کے بعد وہ وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور کہنے لگا ای جعفر۔ اس نے جواب دیا لبیک۔ خلیفہ نے کہا کہ اس شخص کی شکل جو بیٹھا ہوا ہی بالکل میری سی ہی اور جو شخص اُس کے سامنے ہی وہ تیری طرح ہی اور جو نوکر اس کے پیچھے کھڑا ہی ہو بہو مسرور معلوم ہوتا ہی اور یہ ندیم ایسے ہیں جیسے خود میرے ندیم۔ میری عقل دنگ ہی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو ستاسیویں رات

جب دوسو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ یہ دیکھ کر دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ ای جعفر واللہ میں اس بات سے سخت حیران ہوں۔ جعفر بولا واللہ ای امیرالمومنین کچھ عرض نہیں کر سکتا۔ اتنے میں بجرا چلتے چلتے نظر سے غائب ہو گیا اور بوڑھا اپنی کشتی لے کر چل دیا اور کہنے لگا کہ شکر ہی خدا کا ہماری کسی سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی اور ہم صحیح و سلامت نکل آئے۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں کیا خلیفہ ہر رات دجلے میں آیا کرتا ہی؟ اس نے کہا کہ ہاں ای میرے آقا اور اسی حالت میں ایک سال ہو چکا ہی۔ خلیفہ نے کہا کہ بڑے میاں تیری بڑی مہربانی ہوگی اگر تو کل رات یہیں ہمارا انتظار کرے۔ ہم تجھے پانچ دینار دیں گے۔ ہم پردیسی ہیں سیر کرنے آئے ہیں اور الخندق میں رہتے ہیں۔ بوڑھے نے کہا کہ سر آنکھوں سے۔ اس کے بعد خلیفہ اور جعفر اور مسرور بوڑھے کے پاس سے چل دیے اور محل پہنچ کر سوداگروں کا لباس اتار ڈالا اور شاہی کپڑے پہن لیے اور اپنے اپنے مرتبے پر بیٹھ گئے۔ اُمرا، وزرا،

حاجب اور عامل آتے ورباد منعقد ہوا۔ جب دن ختم ہوا اور سب نے اٹھ کر اپنی اپنی راہ لی تو خلیفہ ہارون الرشید نے کہا ای جعفر چل دوسرے خلیفہ کا تماشہ دیکھیں۔ اس پر جعفر اور مسرور ہنس پڑے اور سوداگروں کا لباس پہن نہایت خوش خوش چور دروازے سے نکل کر روانہ ہو گئے جب وہ دجلے پر پہنچے تو دیکھا کہ بوڑھا کشتی لیے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ یہ تینوں کشتی میں اس کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ دوسرے خلیفہ کا بجرا ان کے سامنے آگیا جب انھوں نے غور سے دیکھا تو اس میں کل کے علاوہ دوسرے دو سو غلام تھے اور ڈھنڈورا پیٹنے والے ہی ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے۔ خلیفہ نے کہا ای جعفر یہ ایسی باتیں کہ اگر میں ان کو سنتا تو ہرگز یقین نہ کرتا لیکن اب میں انھیں خود آنکھ سے دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد خلیفہ نے کشتی بان سے کہا بڈھے یہ دس دینار لے اور ہماری کشتی کو ان کے پہلو بہ پہلو لے چل وہ روشنی میں ہیں اور ہم اندھیرے میں ہم ان کا تماشا دیکھیں گے اور وہ ہمیں نہ دیکھ سکیں گے۔ بوڑھے نے وہ دس دینار لے اور اپنی کشتی کو ان کے پہلو میں لگا دیا اور اس بجرے کے سایے میں کھینے لگا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو اٹھاسیویں رات

جب دو سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ ہارون الرشید نے بوڑھے سے کہا کہ یہ دس دینار لے اور ان کے پہلو بہ پہلو چل۔ اس نے کہا بسر و چشم اور دینار لے کر انھیں لے چلا اور بجرے کے سایے میں باغوں تک جا پہنچا۔ وہ باغوں تک پہنچ گئے تو انھیں ایک بڑا کٹہرا نظر آیا۔ بجرا ٹھیر گیا۔ وہاں کئی

غلام ایک خچر کو لیے کھڑے تھے جس پر زین کسا ہوا تھا۔ دوسرا خلیفہ اتر کر خچر پر سوار ہوا اور اپنے ندیموں کے ساتھ آگے بڑھا، منادی کرنے والے منادی کرنے لگے، نوکر چاکر اپنے دھندوں میں مشغول تھے۔ ہارون الرشید اور جعفر اور مسرور بھی خشکی پر اترے اور غلاموں کو چیرتے پھاڑتے اُن کے آگے نکل گئے۔ اب مشعل برداروں کی نظر ان پر پڑی اور انھوں نے دیکھا کہ تین شخص ان کے ساتھ ہیں جو سوداگروں کا لباس پہنے ہوئے ہیں اور پردیسی ہیں انھیں یہ بُرا معلوم ہوا اور انھوں نے ان کو اشارے سے بُلا کر دوسرے خلیفہ کے سامنے حاضر کیا۔ جب اس نے انھیں دیکھا تو ان سے پوچھا کہ تم اس جگہ کیسے آئے ہو اور اس وقت یہاں پہنچنے کی کیا وجہ ہے؟ انھوں نے کہا کہ ای ہمارے آقا ہم پردیسی سوداگر ہیں اور آج ہی ہمارا یہاں آنا ہوا ہے رات کو سیر کرنے نکلے تھے کہ ان لوگوں نے پکڑ لیا اور تیرے آگے لا کھڑا کیا۔ بس یہی ہے ہمارا سارا قصہ۔ دوسرے خلیفہ نے کہا کہ ڈرو نہیں کیونکہ تم پردیسی ہو۔ اگر تم بغداد کے رہنے والے ہوتے تو میں تمھاری گردن اُڑا دیتا۔ اس کے بعد اپنے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ انھیں اپنے ساتھ رکھو وہ آج ہمارے مہمان ہیں۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے ای ہمارے آقا۔ اب وہ انھیں ساتھ لے کر روانہ ہوا یہاں تک کہ وہ ایک محل کے پاس پہنچا جو نہایت خوب صورت، عظیم الشان اور ایسا مضبوط تھا کہ کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوگا اور زمین سے لے کر بادلوں تک بلند اس کا دروازہ ساگون کی لکڑی کا تھا اور اس میں چمک دار سونے کی پچی کاری تھی۔ اس محل میں داخل ہوتے ہی ایک ایوان دکھائی دیا جس میں ایک حوض تھا جس کے چاروں طرف پشتے بنے ہوئے تھے۔ ایوان میں فرش بچھے ہوئے، تکیے رکھے ہوئے اور پردے پڑے ہوئے تھے۔ فرش اس قدر صاف کہ عقل دنگ ہو جائے اور زبان اس کی تعریف نہ کر سکے۔ سب لوگ وہاں داخل ہوئے اور دوسرا خلیفہ ایک کرسی پر بیٹھ گیا جو سونے

جس میں ہیرے جڑے ہوتے تھے اور جس کے اوپر زرد ریشم کا سجادہ بچھا ہوا تھا۔ ندیم
بیٹھ گئے اور جلاد دوسرے خلیفہ کے سامنے کھڑا ہو گیا پھر دسترخوان بچھایا۔ جب وہ کھاچکے
تو برتن بڑھائے گئے۔ لوگوں نے ہاتھ دھوئے اور شراب نوشی کا سامان آیا صراحیاں اور
پیالے ایک قطار میں رکھے۔ دَور چلنا شروع ہوا اور چلتے چلتے خلیفہ ہارون الرشید تک پہنچا
لیکن اس نے پینے سے انکار کیا۔ دوسرے خلیفہ نے جعفر سے پوچھا کہ تیرا دوست کیوں نہیں
پیتا؟ وہ بولا اے میرے آقا اس نے مدت سے اس کا پینا ترک کر دیا ہے۔ دوسرے خلیفہ
نے کہا کہ میرے پاس اس کے علاوہ اور بھی پینے کی چیز ہے جو تیرے دوست کے قابل ہے
اور وہ سیب کا شربت ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے منگوایا جو فوراً حاضر کیا گیا۔ دوسرے خلیفہ
نے ہارون الرشید کے پاس جا کر کہا کہ جب دَور تیرے پاس آئے تو تو اس میں سے
پیجیو۔ وہ پیتے اور لُطف اٹھاتے اور ایک دوسرے کو جام دیتے رہے یہاں تک کہ شراب
نے انھیں رنگ لیا اور ان پر غالب آگئی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے
وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو نواسیویں رات

جب دوسو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ دوسرا
خلیفہ اور اس کے ساتھی برابر پیتے رہے یہاں تک کہ شراب نے انھیں رنگ لیا اور
ان کی عقل زائل کر دی۔ خلیفہ ہارون الرشید نے اپنے وزیر سے کہا کہ اے جعفر واللہ میرے
پاس بھی ایسا سامان نہیں ہے کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ یہ جوان کون ہے۔ وہ اسی
طرح چُپکے چُپکے باتیں کر رہے تھے کہ جوان اُس طرف متوجہ ہوا اور دیکھا کہ وزیر اور
خلیفہ کانا پھوسی کر رہے ہیں کہنے لگا کہ کانا پھوسی کرنا بُری بات ہے۔ وزیر نے کہا

کہ کوئی بری بات نہیں ہو رہی ہے۔ میرا یہ ساتھی محض یہ کہہ رہا ہے کہ میں نے اکثر ملکوں کی سیر کی ہے اور بڑے بڑے بادشاہوں کی صحبت میں رہا ہوں لشکروں کے ساتھ اُٹھنے بیٹھنے کا اتفاق ہوا ہے میں نے کہیں نہ ایسا عمدہ انتظام دیکھا اور نہ ایسی لطف کی رات گزاری لیکن بغداد والے کہتے ہیں کہ شراب بے گانے بجانے کے سر میں درد پیدا کر دیتی ہے۔ یہ سن کر دوسرا خلیفہ مسکرانے لگا اور خوش ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ایک ڈنڈا تھا وہ اس نے ایک گھڑیال پر مارا فوراً ایک دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر برآمد ہوا جس کے پاس ایک ہاتھی دانت کی کرسی تھی جس پر سونے کا کام تھا۔ اس کے پیچھے ایک لڑکی تھی جو حسن و جمال میں اپنا نظیر نہ رکھتی تھی۔ نوکر نے کرسی رکھ دی اور وہ لڑکی اس پر بیٹھ گئی جیسے کہ آسمان پر چمکدار سورج۔ اس کے ہاتھ میں ایک ساز تھا جسے ہندستانی کاری گروں کی دستکاری کہنا چاہیے۔ اس نے وہ ساز اپنی گود میں رکھا اور اس پر اس طرح جھکی جیسے ماں بچے کے اوپر اور تمہید کے بعد چوبیس راگ سنائے اس خوبی کے ساتھ کہ لوگوں کی عقلیں دنگ ہو گئیں۔

راگوں کا سننا تھا کہ دوسرے خلیفہ نے ایک چیخ ماری اور اپنے لباس کو دامن تک پھاڑتا چلا گیا۔ لوگوں نے اس پر پردہ گرا دیا اور دوسرا لباس لائے جو پہلے سے زیادہ خوب صورت تھا اور وہ اُسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آکر بیٹھ گیا۔ اب جب دوبارہ دَور اس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر ڈنڈا گھڑیال پر مارا اور فوراً دروازہ کھلا اور اس میں سے ایک نوکر سونے کی کرسی لیے نکلا۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی جو پہلی سے بھی زیادہ حسین تھی ہاتھ میں ایک دوسرا ساز لیے ہوئے آئی جسے اگر حاسد دیکھ لیں تو اُن کے دل میں آگ لگ جائے اور وہ گانے بجانے لگی۔ اس کا گانا سُن کر جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور دامن تک اپنے کپڑے چاک کر دیے پھر اس پر پردہ گرا دیا گیا اور لوگ دوسری پوشاک لائے اور وہ اُسے پہن کر پھر پہلے کی طرح آ بیٹھا اور

مزے مزے کی باتیں کرنے لگا۔ جب پھر دور اس تک پہنچا تو پھر اس نے گھڑیال بجایا اور ایک خادم نکلا جس کے پیچھے پیچھے ایک لڑکی تھی پہلی دونوں لڑکیوں سے زیادہ حسین تھی۔ خادم اپنے ساتھ ایک کرسی لایا تھا جس پر وہ بیٹھ گئی اس کے ہاتھ میں ایک تیسری قسم کا ساز تھا جس کے تار ملا کر وہ گانے لگی۔ جوان نے پھر ایک چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے۔ لوگ پھر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لائے اور وہ پھر اپنے ندیموں کے ساتھ آ بیٹھا اور دور چلنے لگا۔ جب پیالہ اُس کے پاس پہنچا تو اس نے پھر گھڑیال پر چوٹ ماری دروازہ کھلا اور ایک غلام کرسی لے کر آیا اور ایک لڑکی پیچھے پیچھے آئی غلام نے کرسی بچھادی اور لڑکی نے بیٹھ کر ساز لیا اور گانا شروع کیا۔ دوسرے خلیفہ کا پھر وہی حال ہوا چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو نوّویں رات

جب دوسو نوّویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! دوسرے خلیفہ نے لڑکی کا گانا سُن کر پھر زور سے چیخ ماری اور اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگ چاہتے تھے کہ پردہ گرا دیں لیکن رسّی رُک گئی اور ہارون الرشید کی نظر اس پر جا پڑی اس نے دیکھا کہ اس کے بدن پر کوڑوں کی مار کے نشان ہیں۔ ہارون الرشید نے غور سے دیکھنے کے بعد کہا کہ اے جعفر واللہ یہ بڑا خوبصورت جوان ہے مگر بڑا شاطر چور معلوم ہوتا ہے۔ جعفر بولا امیرالمومنین یہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ اس نے جواب دیا کہ کیا تو نے اس کے دونوں پہلوؤں پر کوڑے کے نشان نہیں دیکھے؟ اتنے میں لوگ اس پر پردہ ڈال کر دوسرے کپڑے لے آئے اور وہ انھیں پہن کر پہلے

کی طرح اپنے ندیموں میں آبیٹھا۔ اب اس کی توجہ خلیفہ اور جعفر کی طرف مبذول ہوئی اس نے دیکھا کہ وہ دونوں کانا پھوسی کر رہے ہیں وہ ان سے کہنے لگا ای جوانو یہ کیا ماجرا ہی؟ جعفر نے کہا کہ ای ہمارے آقا خیریت ہی لیکن یہ بات تجھ پر پوشیدہ نہ رہنی چاہیے کہ یہ میرا ساتھی سوداگر ہی اور ہر ملک اور شہر میں گیا ہی اور بادشاہوں اور دوسرے بڑے لوگوں کی صحبت میں رہا ہی وہ کہتا ہی کہ جو کچھ آج ہمارے آقا خلیفہ نے کیا بڑی فضول خرچی ہی۔ ئیں نے کسی ملک میں کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا کیونکہ اس نے ایسے لباس پھاڑ ڈالے جن کی قیمت ایک ایک ہزار دینار ہوگی دوسرے خلیفہ نے کہا کہ یہ مال میرا مال ہی اور لباس میرا لباس اور یہ ایک معمولی سا انعام ہی جو ئیں اپنے نوکروں چاکروں کو دیا کرتا ہوں ہر لباس جسے ئیں نے پھاڑا ہی کسی نہ کسی حاضر باش ندیم کے لیے ہی۔ میرا یہ حکم ہی کہ ہر لباس کے ساتھ انھیں پانچ سو دینار نقد بھی دیے جایا کریں۔ وزیر جعفر بولا کیا خوب ای ہمارے آقا اور یہ دو شعر پڑھے: "نیکیوں نے اپنا گھر تیری ہتھیلیوں میں بنایا ہی اور تو نے اپنا مال لوگوں پر حلال کر دیا ہی۔ اگر نیکیوں کے دروازے بند ہو جائیں تو ان کے قفلوں کی کنجیاں تیرے دونوں ہاتھ ہیں۔

جوان نے یہ دونوں شعر جعفر سے سُنے تو حکم دیا کہ اُسے ایک پوشاک اور ایک ہزار دینار عطا کیے جائیں۔ اب پھر دَور چلنے لگے اور انھیں شراب میں لُطف آنے لگا۔ ہارون الرشید نے کہا ای جعفر پوچھ تو سہی کہ اس کے بدن پر یہ مار کے نشان کیسے ہیں معلوم ہو کہ وہ کیا جواب دیتا ہی۔ جعفر نے عرض کیا ای ہمارے آقا جلدی نہ کر ذرا ٹھیر جا صبر کرنا بہتر ہی۔ خلیفہ بولا قسم ہی اپنے سر کی اور عبّاس کی قبر کی اگر تو نے نہ پوچھا تو ئیں تیری جان نکال لوں گا۔ اتنے میں جوان وزیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا تجھے اور تیرے رفیق کو کیا ہو گیا تم دونوں کانا پھوسی کیے جاتے ہو؟ اپنی باتیں مجھے بھی تو سناؤ۔ وزیر نے کہا خیر ہی۔ جوان نے کہا کہ خدا کے واسطے کہو اور

مجھ سے کوئی بات نہ چھپاؤ۔ وزیر کہنے لگا ای میرے آقا اُس نے تیرے دونوں پہلوؤں پر کوڑوں کے نشان دیکھے ہیں اُسے سخت تعجب ہو کہتا ہو کہ خلیفہ پر کیسے مار پڑ سکتی ہو اور وہ چاہتا ہو کہ اس کا سبب دریافت کرے جب جوان نے یہ سُنا تو مسکرا کر بولا کہ سُنو۔ میرا ماجرا عجیب و غریب ہو۔ اگر وہ سوئیوں سے آنکھوں کے کویوں میں لکھا جائے تو عبرت حاصل کرنے والے اس سے عبرت حاصل کریں گے۔ سُنو ای میرے آقاؤ میں امیرالمومنین نہیں ہوں بلکہ میں نے اپنا یہ نام رکھ لیا ہو تاکہ شہر والوں سے جو میں چاہوں مل جائے۔ میرا نام تو محمد علی بن علی جوہری ہو۔ میرا باپ بڑے امیر لوگوں میں سے تھا اس نے ترکے میں بے حد سونا، چاندی، موتی، مرجان، یاقوت، زبرجد اور دوسرے جواہرات، جاگیریں، حمام، بزادے، باغ، دکانیں، بے شمار اینٹیں بنانے والے، غلام اور کنیزیں چھوڑی تھیں۔ ایک روز یہ اتفاق ہوا کہ میں اپنی دکان میں بیٹھا ہوا تھا اور نوکر چاکر میرے ارد گرد تھے کہ ایک لڑکی خچر پر سوار تین ماہ رو کنیزوں کو ساتھ لیے آئی۔ میرے قریب پہنچ کر وہ اُتر پڑی دکان پر میرے قریب آکر بیٹھ گئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ تیرا ہی نام محمد جوہری ہو؟ میں نے جواب دیا ہاں وہ تیرا مملوک اور غلام میں ہی ہوں۔ وہ بولی کیا تیرے پاس کوئی جواہرات کا ہار ہو جو میرے قابل ہو؟ میں نے کہا کہ ای میری آقا جو کچھ میرے پاس ہو پیش کرتا ہوں اگر ان میں سے کچھ تجھے پسند آیا تو یہ تیرے غلام کے لیے سعادت کا باعث ہو اور اگر پسند نہ کیا تو میری بدقسمتی کی علامت۔ میرے پاس جواہرات کے سو ہار تھے میں نے سب اس کے آگے پیش کیے لیکن اُن میں سے کوئی اُسے پسند نہ آیا اور وہ کہنے لگی کہ میں ان سے بہتر چاہتی ہوں۔ میرے پاس ایک اور چھوٹا سا ہار تھا جسے میرے باپ نے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا اور جس کی نظیر کسی بڑے بادشاہ کے پاس بھی نہ ہوگی۔ میں نے اس سے کہا کہ ای میری آقا ایک نگوں اور جواہرات کا ہار اور میرے پاس ہو جس کی

مثل نہ کسی بڑے کے پاس ہوگا نہ چھوٹے کے۔ اس نے کہا دکھا۔ جب اس نے اسے دیکھا تو کہنے لگی کہ بس ایسا ہی چاہتی تھی اور ایسے ہی ہار کی تمنا مجھے عمر بھر رہی ہے۔ پھر اس نے پوچھا کہ اس کی قیمت؟ میں بولا کہ میرے باپ نے اسے ایک لاکھ دینار میں خریدا تھا۔ اس نے کہا اور تیرا فائدہ پانچ ہزار دینار؟ میں نے عرض کیا اے میرے آقا ہار اور ہار کا مالک دونوں تیرے ہیں اور میں تیرا فرماں بردار ہوں۔ اس نے کہا کہ تجھے فائدہ ضرور لینا ہوگا اور اس کے علاوہ میں تیری ممنون رہوں گی۔ یہ کہہ کر وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اور پھرتی سے خچر پر بیٹھ کر مجھ سے کہنے لگی اے میرے آقا بسم اللہ میرے ساتھ چل کر قیمت لے آ کیونکہ آج کا دن تیرے لیے مثل دودھ کے سفید ہے۔

میں نے اٹھ کر دکان میں قفل لگایا اور فی امان اللہ کہہ کر اس کے ساتھ ہولیا۔ جب میں اس کے گھر پہنچا تو دیکھا کہ امارت کے نشان نمودار ہیں۔ مکان کا دروازہ سونے، چاندی اور لاجورد کا ہے۔ لڑکی اتر کر گھر میں چلی اور مجھ سے کہا کہ دروازے کے چبوترے پر بیٹھ جا۔ میں وہاں کچھ دیر بیٹھا رہا۔ تھوڑی دیر میں ایک کنیز باہر آئی اور مجھ سے بولی اندر چل یہاں تیرا دروازے پر بیٹھنا برا معلوم ہوتا ہے۔ میں مکان کے اندر جاکر چوکی پر بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ پھر ایک کنیز آئی اور کہنے لگی اے میرے آقا میری مالکہ کہتی ہے کہ اندر ایوان کے دروازے پر آ اور قیمت لے لے۔ اب میں وہاں سے اٹھ کر اندر گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک سونے کی کرسی بچھی ہوئی ہے اور اس پر ریشم کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ پردہ اٹھا اور وہ لڑکی نظر آئی جس نے مجھ سے ہار خریدا تھا۔ اس کا چہرہ کھلا ہوا تھا اور چاند کے دائرے کی طرح معلوم ہوتا تھا۔ ہار اس کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ لڑکی کا حسن و جمال دیکھ کر میرے ہوش اڑ گئے۔ مجھے دیکھ کر وہ کرسی پر سے اٹھ کھڑی ہوئی، میری طرف دوڑی اور کہا اے میری آنکھوں کے نور کیا تیری طرح ہر خوب صورت اپنی محبوبہ پر ترس نہیں کھاتا؟ میں نے کہا اے

میری آقا حُسن تو جان و دل سے تیرا ہی۔ تو نے یہ کیا کہا۔ وہ بولی ای جوہری مَیں تجھ پر مرتی ہوں اور مجھے اب تک یقین نہیں آتا کہ مَیں تجھے اپنے ساتھ یہاں لائی ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا مَیں نے بھی اُس کا بوسہ لیا پھر اس نے مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اکیانویں رات

جب دوسو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جوہری نے کہا کہ وہ میری طرف جھکی اور میرا بوسہ لیا مجھے اپنی طرف کھینچا اور اپنے سینے سے لپٹا لیا اور میری حالت دیکھ کر وہ سمجھ گئی کہ مَیں اس کے وصال کا طالب ہوں مجھ سے کہنے لگی ای میرے آقا کیا تو چاہتا ہی کہ مجھ سے حرام کاری کرے۔ واللہ نیست و نابود ہو وہ شخص جو اس قسم کے گناہ کا مرتکب ہو یا ایسی بُری بات زبان پر لائے! مَیں کنواری ہوں اور باکرہ کوئی مرد میرے پاس اب تک نہیں آیا ہی اور شہر میں ہر ایک مجھے جانتا ہی۔ تجھے معلوم ہی کہ مَیں کون ہوں؟ مَیں نے کہا کہ خدا کی قسم نہیں ای میری آقا۔ اس نے کہا کہ مَیں وزیر زادی ہوں، میرا نام دنیا بنت یحییٰ بن خالد برمکی ہی اور میرا بھائی خلیفہ کا وزیر جعفر ہی۔ یہ سُنا تو مَیں جھجھک گیا اور اس سے کہا ای میری آقا میری دراز دستی میں میرا کوئی گناہ نہیں۔ تو نے خود مجھے اپنے پاس بلا کر اپنے وصال کا خواہش مند کیا۔ اس نے کہا گھبرا نہیں تیرا مقصد پورا ہو کر رہے گا مگر خدا کی رضامندی کے ساتھ کیونکہ مَیں خود مختار ہوں اور قاضی میرا نکاح کر دے گا۔ میرا ارادہ ہی کہ مَیں تیری بیوی اور تو میرا شوہر۔ یہ کہہ کر اس نے قاضی اور گواہوں کو بلوایا اور خوب تیاری کی۔

جب وہ آئے تو لڑکی نے کہا کہ محمدؐ علی بن جوہری مجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہے مہر میں اس نے مجھے یہ ہار دیا ہے اور میں نے قبول کر لیا ہے میں راضی ہوں۔ انھوں نے میرا نکاح نامہ اُس کے ساتھ لکھ دیا اور میں اس کے ساتھ اندر گیا، مے نوشی کا سامان لایا گیا جام چلنے لگے، ہر کام نہایت سلیقے سے ہو رہا تھا۔ نشہ چڑھنے لگا تو اس نے ایک مغنیہ کنیز کو گانے بجانے کا حکم دیا۔ اُس کنیز نے ساز چھیڑ کر گانا شروع کر دیا اور ایسا عمدہ گایا بجایا کہ واہ وا! ایک کنیز کے بعد دوسری گاتی بجاتی رہی، دس کنیزیں گا بجا چکیں تو وزیر زادی دنیاؔ نے خود ساز لے کر بجانا شروع کیا اور اس رنگ سے بجایا کہ سب دنگ ہو گئے۔ اس نے ساز رکھا تو میں نے اٹھا لیا اور طرح طرح کے راگ نکالے۔ میرے راگ سن کر وہ بہت خوش ہوئی۔ اس کے بعد اس نے کنیزوں کو برخاست کیا اور ہم دونوں ایک نہایت خوب صورت کمرے میں گئے جہاں رنگ برنگ کے فرش بچھے ہوتے تھے اس نے اپنے کپڑے اُتار ڈالے اور میں اس کے ساتھ ہم بستر ہوا جس طرح کہ عاشق ہوا کرتے ہیں۔ میں نے بڑا لطف اٹھایا اس سے زیادہ خوشی کی رات مجھے زندگی میں کبھی نصیب نہیں ہوئی۔ اور شہرزادؔ کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو بانویں رات

دوسو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! محمدؐ بن علی جوہری کا بیان ہے کہ میں نے وزیر زادی دنیا بنت یحییٰؔ بن خالد برمکی سے ہم بستری کی اور اس طرح میں پورے مہینے بھر تک اس کے ساتھ رہا۔ دکان، مکان اور خاندان کے پاس تک نہ پھٹکا۔ ایک روز اس نے مجھ سے کہا کہ اے میری آنکھوں کے نور، اے

میرے آقا محمد میں آج حمام جانے کا ارادہ رکھتی ہوں تو اس تخت پر بیٹھا رہیو اور جب
تک میں لوٹ نہ آوں یہاں سے نہ اٹھیو۔ اس نے مجھے قسم دی میں نے تعمیل حکم کا وعدہ
کیا پھر اس نے دوبارہ قسم دی کہ میں اپنی جگہ سے نہ ہٹوں اور اپنی کنیزوں کو لے کر حمام
چلی گئی۔ ای میرے دوستو یقین کرو کہ وہ ابھی گلی کے دوسرے کنارے پر نہ پہنچی ہوگی
کہ دروازہ کھلا ایک بڑھیا اندر آئی اور کہنے لگی ای میرے آقا محمد شہزادی زبیدہ
تجھے یاد کرتی ہی اس نے تیرے ادب وتمیز ظرافت اور نغمہ سرائی کی تعریف سنی ہی میں
نے کہا میں ہرگز یہاں سے نہ اٹھوں گا جب تک کہ وزیرزادی دنیا نہ آجائے۔ بڑھیا بولی
ای میرے آقا شہزادی زبیدہ کو ناراض نہ کر اور اسے اپنا دشمن نہ بنا اس سے دو دو
باتیں کرکے ابھی لوٹ آئیو۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ ہولیا، بڑھیا میرے آگے آگے
تھی حتیٰ کہ میں شہزادی زبیدہ کے پاس پہنچ گیا جب وہاں پہنچا تو اس نے پوچھا ای
میری آنکھوں کے نور کیا تو ہی وزیرزادی دنیا کا معشوق ہی؟ میں نے جواب دیا
کہ میں تیرا بندہ اور غلام ہوں۔ اس نے کہا جس نے تیرے حسن وجمال اور ادب وکمال
کی تعریف کی ہی جھوٹ نہیں بولا تو ہر تعریف سے برتر ہی لیکن اپنا گانا بھی ذرا مجھے
سنا دے۔ میں نے کہا بسروچشم۔ اس نے مجھے ساز دیا اور میں گانے بجانے لگا جب
میں گا بجا چکا تو وہ بولی کہ خدا تجھے اور تیری آواز کو صحیح وسلامت رکھے تو ادب وآداب
حسن اور گانے بجانے سب میں کمال رکھتا ہی۔ اب اپنے گھر جا اگر وزیرزادی دنیا
آگئی اور تجھے نہ پایا تو وہ تجھ پر ناراض ہوگی۔ میں نے اٹھ کر اس کے آگے زمین کو بوسہ
دیا اور بڑھیا کے ساتھ روانہ ہوگیا اور اس دروازے پر پہنچ گیا جہاں سے روانہ
ہوا تھا۔ اندر تخت کے پاس جا کر میں نے دیکھا کہ وہ حمام سے آگئی ہی اور تخت پر
سو رہی ہی۔ میں پائنتی بیٹھ کر اس کے پانو دبانے لگا اس نے آنکھیں کھول دیں پانو
کھینچ لیے اور اس زور سے لات ماری کہ میں تخت پر سے گر پڑا اور مجھ سے کہنے لگی

اے خائن تو نے قسم توڑدی اور وفاداری کی تو نے وعدہ کیا تھا کہ اپنی جگہ سے نہ اٹھے گا مگر اس کے خلاف کیا اور شہزادی زبیدہ کے پاس گیا۔ خدا کی قسم اگر مجھے بدنامی کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس کا محل ڈھا کر اسے اس کے نیچے دفن کر دیتی۔ اس کے بعد اس نے اپنے غلام سے کہا اے صواب اٹھو اور اس خائن دروغ گو کی گردن اڑا دے اب یہ میرے کام کا نہیں۔ غلام آگے بڑھا، اپنے دامن میں سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دوسو ترانویں رات

جب دوسو ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ احمد جوہری نے بیان کیا کہ غلام بڑھا اور اپنے دامن سے ایک دھجی پھاڑ کر میری آنکھیں باندھ دیں اور چاہتا ہی تھا کہ میری گردن اڑا دے کہ بڑی چھوٹی سب کنیزیں دوڑ پڑیں اور کہنے لگیں اے ہماری آقا یہ پہلا شخص نہیں ہے جس نے جرم کیا ہے اسے تیری عادت کی خبر نہ تھی اور اس نے کوئی ایسی بات بھی نہیں کی جس کی وجہ سے وہ قتل کا سزاوار ہو۔ وہ بولی بہرحال میں کم از کم اس کے اوپر کوئی نشان ضرور چھوڑوں گی اور حکم دیا کہ مجھے کوڑے لگائے جائیں اور انھوں نے میری پسلیوں کو ادھیڑ دیا۔ یہ جو تم نے دیکھا ہے اسی مار کے نشان ہیں۔ کوڑے پڑ چکے تو اس نے حکم دیا کہ وہ مجھے باہر نکال دیں اور وہ مجھے باہر لے جا کر محل سے دور پھینک آئے۔ میں مشکل سے آہستہ آہستہ چل کر اپنے مکان پہنچا اور جراح کو بلا کر اسے مار کے نشان دکھائے۔ اس نے مجھے تسلی دی اور میرا علاج کرنے لگا جب مجھے آرام ہوا میرا درد اور مرض جاتا رہا اور میں نے

صحت کا غسل کیا تو میں دکان گیا سارا مال بیچ ڈالا اور اس کے دام جمع کر کے چار سو غلام خریدے جو کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوں گے۔ ان میں سے ہر روز دو سو میرے ساتھ سوار ہوتے ہیں۔ میں نے پانچ ہزار دینار خرچ کر کے یہ بجرا بنوایا اپنا نام خلیفہ رکھا اور ہر خادم کو ایک ایک کام سپرد کیا جیسا کہ خلیفہ کا دستور ہی ہر ایک کو اسی قسم کا لباس پہنایا اور یہ منادی کرا دی کہ جو کوئی دجلے میں سیر کرنے نکلے گا اس کی فوراً گردن اڑا دوں گا۔ اس طرح مجھے پورا ایک سال گزر چکا ہی لیکن اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کی باتیں سن کر ہارون الرشید کو یقین ہوا کہ یہ محبت کے کرشمے ہیں اور نوجوان کی تمناؤں کی کوئی حد نہیں۔ وہ کہنے لگا پاک ہی وہ ذات جس نے ہر بات کے لیے کوئی نہ کوئی سبب بنایا ہی۔ اس کے بعد انھوں نے جوان سے رخصت چاہی اور اس نے اجازت دی۔ رشید نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ انصاف کرے گا اور اس کے ساتھ بڑے انعام و اکرام سے پیش آئے گا۔ یہ تینوں وہاں سے اپنے محل میں آئے اور جب خلیفہ اپنے شاہانہ کپڑے پہن کر بیٹھا اس کے سامنے مسرور جلاد کھڑا ہوا تو اس نے جعفر سے کہا اے وزیر اس جوان کو بلا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چورانویں رات

جب دو سو چورانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ نے وزیر سے کہا کہ اس جوان کو بلا جس کے ساتھ ہم نے رات گزاری۔ حکم کی دیر تھی چوب دار دوڑ گئے اور جوان سے کہا کہ امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید نے تجھے بلایا ہی چل۔ جوان فوراً چل تو کھڑا ہوا مگر اس طلبی پر دل میں خوف زدہ تھا۔ خلیفہ کے پاس پہنچ کر اس نے زمین کو بوسہ دیا اور دعا دی کہ تیری عزت اور اقبال ہمیشہ قائم رہے، تیری امیدیں

برآئیں اور تو عیش و عشرت میں رہے اور بُرائی اور دشمنی تیرے پاس نہ پھٹکے۔ پھر اس نے نہایت سلیقے کے ساتھ السلام علیکم ای امیر المومنین اور ای دین داروں کی پشت و پناہ کہا۔ خلیفہ نے مُسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا اور بڑی مہربانی سے اس کی طرف متوجہ ہو کر اُسے اپنے پاس بُلایا اور اپنے سامنے بٹھا کر اس سے کہا کہ ای محمد علی میں چاہتا ہوں کہ تو کل رات والا قصہ پھر بیان کرے کیونکہ وہ نہایت عجیب و غریب ہی۔ جوان نے کہا کہ ای امیر المومنین مجھے معاف کر اور امان کا رومال عطا کر تا کہ میرا ڈر جاتا رہے اور میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ خلیفہ نے کہا کہ میں نے تجھے امان دی، نہ خوف کھا اور نہ غم زدہ ہو۔ یہ سن کر جوان نے اپنا سارا ماجرا شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ خلیفہ کو معلوم ہو گیا کہ جوان عاشق ہی اور معشوق کی جُدائی کے صدمے اُٹھا رہا ہی اور اس سے کہا کہ تو کیا چاہتا ہی کہ میں اس لڑکی کو تجھ سے پھر ملا دوں؟ اس نے جواب دیا کہ یا امیر المومنین کی کمال مہربانی ہوگی۔ اب خلیفہ نے وزیر کی طرف مخاطب ہو کر کہا ای جعفر اپنی بہن وزیر زادی دنیا بنت وزیر یحییٰ بن خالد کو یہاں بُلا۔ اس نے سر آنکھوں سے ای امیر المومنین کہہ کر اُسے فوراً حاضر کیا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے پیش ہوئی تو خلیفہ نے اُس سے پوچھا کہ تو جانتی ہی یہ کون ہی؟ اس نے جواب دیا کہ امیر المومنین عورتیں مردوں کو کس طرح جان سکتی ہیں! خلیفہ نے مسکرا کر کہا ای دنیا تیرا محبوب جوہری کا بیٹا محمد علی ہی۔ ہمیں سارا حال معلوم ہو چکا ہی ہم نے شروع سے آخر تک تمام ماجرا سُن لیا ہی اور اس کے ظاہر و باطن کو سمجھ چکے ہیں۔ گو یہ راز کی باتیں تھیں مگر اب کُھل گئی ہیں۔ دنیا نے عرض کیا ای امیر المومنین میں اپنی حرکت پر خدا سے مغفرت چاہتی ہوں اور تجھ سے معافی کی خواستگار ہوں۔ خلیفہ ہارون الرشید ہنس پڑا اور قاضی اور گواہوں کو بلا کر اس کے شوہر جوہری زادے محمد علی کے ساتھ اس کے نکاح کی تجدید کر دی۔ دونوں نہایت خوش وقتی کے ساتھ رہنے لگے اور دشمن ان پر جلا کیے

خلیفہ نے جوہری کو اپنا ندیم بنا لیا اور ان کے دن آرام و آسایش سے گزرنے لگے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آگئی۔

ایرانی علی کی کہانی

سنا ہی کہ ایک رات خلیفہ ہارون الرشید کی طبیعت زیادہ گھبرائی تو اس نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا ای جعفر نہ نیند آتی ہی نہ کسی بات میں دل لگتا ہی۔ کوئی ایسا شغل مہیا کر کہ جی بہلے اور مزاج سکون پر آجائے۔ جعفر نے عرض کیا امیر المومنین میرا ایک دوست ہی جس کو علی عجمی کہتے اسے ایسی کہانیاں اور دل خوش کن قصّے یاد ہیں کہ غم غلط اور طبیعت شاد ہو جاتی ہی۔ حکم ہو تو اُسے حاضر کیا جائے۔ خلیفہ نے کہا بُلا۔ جعفر نے اُس ایرانی کی تلاش میں آدمی دوڑا دیے۔ جب وہ حاضر ہوا تو وزیر نے کہا کہ امیر المومنین نے تجھے یاد کیا ہی چل اس کے پاس۔ اس نے کہا کہ بسر و چشم اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

دو سو بچانویں رات

جب دو سو بچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! ایرانی نے کہا کہ بسر و چشم اور اس کے ساتھ خلیفہ کے پاس آیا۔ خلیفہ نے بیٹھنے کا حکم دیا وہ بیٹھ گیا تو خلیفہ نے کہا کہ ای علی آج رات میرا جی بہت گھبراتا ہی اور میں نے سنا ہی کہ تجھے قصّے کہانیاں یاد ہیں چاہتا ہوں کہ کوئی ایسی چیز سنا جس سے غم غلط ہو۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین ایسی بات سناؤں جو میں نے آنکھ سے دیکھی ہی یا جو کان سے سنی ہی؟

اس نے کہا کہ وہ بات سُنا جو تُو نے خود دیکھی ہو۔ چنانچہ ایرانی نے اس طرح اپنا قصّہ شروع کیا ای امیرالمومنین ایک سال مَیں اپنے اس وطن یعنی بغداد سے چلا میرے ساتھ ایک غلام تھا اور اس کے پاس ایک خوب صورت تھیلا جب مَیں ایک دُوسرے شہر میں پہنچا اور خرید فروخت کرنے لگا تو ایک ظالم کُرد میری طرف جھپٹا اور مجھ سے وہ تھیلا چھین کر کہنے لگا کہ یہ میرا تھیلا ہی اور جو کچھ اس کے اندر ہی میرا مال ہی۔ مَیں چلّایا کہ مسلمانو مجھے اس ظالم کے ہاتھ سے بچاؤ۔ سب نے کہا کہ تم دونوں قاضی کے پاس جاؤ اور جو وہ فیصلہ کرے اُسے مانو۔ مجھے قاضی کا فیصلہ منظور تھا۔ ہم دونوں اس کے پاس گئے۔ جب ہم قاضی کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تم دونوں میں سے مدعی کون ہی؟ یہ سن کر کُرد آگے بڑھا اور کہنے لگا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے! یہ میرا تھیلا ہی اور جو کچھ اس کے اندر ہی میرا مال ہی۔ یہ تھیلا کھو گیا تھا اور اب اس شخص کے پاس ملا ہی۔ قاضی نے پوچھا کہ کب کھویا گیا تھا؟ کُرد نے کہا کہ کل اور اس کی وجہ سے مجھے رات بھر نیند نہیں آئی۔ قاضی نے کہا کہ اگر تو اس تھیلے کو پہچانتا ہی تو بتا کہ اس کے اندر کیا ہی؟ کُرد نے کہا کہ میرے اس تھیلے میں سُرمہ ہی، دو چاندی کی سلائیاں ہیں اور رومال اور مَیں نے اس میں دو سنہری پیالے بھی رکھے ہیں اور دو شمع دان، اس کے علاوہ اس میں دو خیمے ہیں اور دو رکابیاں، دو چمچے، ایک تکیہ، دو کمبل، دو لوٹے، ایک سینی، دو تشت، ایک دیگچی، دو گھڑے، ایک ڈوئی۔ ایک سوجا دو توشے دان، ایک بلّی، دو کتیاں، ایک پیالہ، دو تھیلے، ایک جُبّہ، دو پوستین، ایک گائے، دو بچھڑے، ایک بکرا، دو بکریاں، ایک بھیڑ، دو اس کے بچّے، دو سبز شامیانے، ایک اُونٹ، دو اونٹنیاں، ایک بھینس، دو سانڈ، ایک شیرنی، دو شیر، ایک ریچھنی، دو لومڑیاں، ایک دیوان، دو تخت، ایک محل، دو کمرے، ایک بالاخانہ، دو نشستگاہیں، ایک باورچی خانہ جس کے دو دروازے ہیں اور ایک جماعت کُردوں کی جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا ہے۔

اب قاضی نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا ای فلاں شخص تو کیا کہتا ہی؟ ای امیرالمومنین
میں آگے بڑھا کُرد کی باتوں سے میں پریشان تو ہی چکا تھا میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا
قاضی کی عزت قائم رکھے! میرے اس تھیلے میں محض ایک کھنڈر ہی اور دوسرا بغیر
دروازے کا گھر، ایک کُتّوں کی کوٹھری، لڑکوں کے لیے ایک کتاب اور چند جوان جو
پانسوں سے کھیل رہے ہیں۔ علاوہ ان چیزوں کے اس میں خیمے، طنابیں ہیں اور بصرہ،
بغداد، شدّاد بن عاد کا محل، لہار کی بھٹی، صیاد کا جال، ڈنڈے، کھونٹیاں، لڑکے اور
لڑکیاں اور ایک ہزار گُٹنے جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ میرا تھیلا ہی۔ کرد یہ سُن کر رونے
اور آہیں بھرنے لگا اور اس نے کہا کہ ای ہمارے آقا قاضی اس میرے تھیلے کو سب
لوگ جانتے ہیں اور اس میں جتنی چیزیں ہیں سب مشہور و معروف ہیں۔ اس میرے
تھیلے میں قلعے اور گڑھیاں ہیں اور سارسیں اور درندے اور بہت سے مرد جو شطرنج
اور پچیسی کھیل رہے ہیں اور اس میرے تھیلے میں ایک گھوڑی ہی اور دو بچھیڑے،
ایک اونٹ، دو اصیل گھوڑے اور دو لمبے نیزے۔ ان کے علاوہ اس میں ایک شیر اور
دو خرگوش اور ایک شہر اور دو گانو، ایک رنڈی اور دو شاطر گُٹنے اور ایک زنخہ اور دو
جونکیں اور ایک اندھا، دو آنکھوں والے، ایک لنگڑا، دو اپاہج، ایک پادری، دو پوپ،
ایک بطریق، دو راہب، ایک قاضی اور دو گواہ جو یہ گواہی دیں گے کہ یہ تھیلا میرا ہی۔
پھر قاضی نے مجھ سے کہا کہ ای علی تو کیا چاہتا ہی؟ امیرالمومنین میں غصے میں بھر گیا اور
قاضی کی طرف بڑھ کر اس سے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا رکھے اور شہرزاد
کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو چھیانویں رات

جب دو سو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ ایرانی

کہنے لگا کہ میں غصے میں بھر گیا اور قاضی کی طرف بڑھ کر میں نے کہا کہ خدا ہمارے آقا قاضی کا بول بالا کرے! میرے اس تھیلے میں زرہ بکتر اور تلواریں ہیں اور پورا اسلحہ خانہ اور ایک ہزار لڑنے والے مینڈھے اور اس کے اندر بھیڑوں کے لیے ایک چراگاہ بھی، ایک ہزار بھونکنے والے کتے۔ باغ اور نخلستان، پھول اور جڑی بوٹیاں، انجیر اور سیب، تصویریں اور شکلیں، صراحیاں اور جام حسین لڑکیاں اور ڈومنیاں، جشن، شور اور ہنگامہ اور بڑے بڑے ملک اور تجار کے دوست اور صباح کے ساتھی جن کے پاس تلواریں، نیزے اور تیر کمانیں ہیں اور دوست اور ساتھی اور ہمراہی اور رفیق اور قید خانے اور ہم پیالہ لوگ، طنبورا اور بانسریاں اور جھنڈے اور جھنڈیاں، لڑکے اور لڑکیاں اور سجی ہوئی دلہنیں اور گانے والی کنیزیں، پانچ حبشنیں، تین ہندی اور چار مدینے والیاں، بیس رومی اور پچاس ترکنیں، ستر ایرانی اور اسی کرد، نوے گرجی عورتیں، دجلہ فرات اور صیاد کا جال، لوہا اور چقماق اور ارم ذات العماد اور ایک ہزار دلال اور گنٹے، میدان اور اصطبل، مسجدیں اور حمام، معمار اور بڑھئی، لکڑی اور کیلیں اور بانسری لیے ہوئے حبشی غلام، قافلہ سالار اور رکاب دار، شہر اور قریے اور ایک لاکھ دینار اور کوفہ اور الانبار اور کپڑوں سے بھرے ہوئے بیس صندوق، پچاس توشہ خانے اور غزہ، عسقلان اور دمیاط سے لے کر اسوان تک اور کسریٰ نوشیرواں کا محل اور سلیمانؑ کی مملکت اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک، بلخ اور اصفہان اور ہند سے لے کر سوڈان تک اور خدا ہمارے آقا کی عمر دراز کرے اس میں زرہ بکتریں اور ان کے نیچے پہننے کے کپڑے اور ایک ہزار تیز استرے جو قاضی کی داڑھی مونڈ ڈالیں گے بشرطیکہ وہ مجھے سزا دینے سے نہ ڈرے اور یہ فیصلہ نہ کرے کہ تھیلا میرا ہے۔

قاضی نے میری اور کرد کی یہ باتیں سنیں تو دنگ ہو گیا اور کہنے لگا کہ تم دونوں بڑے منحوس اور بے دین معلوم ہوتے ہو۔ تم کو قاضیوں اور حاکموں سے مذاق کرتے

شرم نہیں آتی اور لعنت ملامت سے نہیں ڈرتے۔ نہ کسی تعریف کرنے والے نے اس سے بڑھ کر تعریف کی اور نہ تمھاری جیسی باتیں کیں۔ واللہ جو کچھ تم نے بیان کیا ہی وہ چین سے لے کر مغیلان تک اور ایران سے لے کر سوڈان تک اور وادی نعمان سے لے کر خراسان تک سما نہیں سکتا اور تمھارا دعوی سچ نہیں ہو سکتا۔ یہ تھیلا کیا ہی بے قرار سمندر ہی یا حشر کا دن جبکہ نیک اور بد سب جمع ہوں گے۔ یہ کہ کر قاضی نے حکم دیا کہ تھیلا کھولا جائے اور جب میں نے اُسے کھولا تو اس میں ایک روٹی، ایک نیبو، کچھ پنیر اور زیتون نکلا۔ میں نے تھیلا کُرد کے آگے پھینک دیا اور چلتا بنا۔ خلیفہ نے علی عجمی کی زبانی یہ کہانی سُنی تو وہ مارے ہنسی کے لوٹ لوٹ گیا اور اُسے بہت انعام دیا۔

ہارون الرشید اور کنیز اور امام یوسف کی کہانی

بیان کیا جاتا ہی کہ ایک رات جب جعفر برمکی ہارون الرشید کے ساتھ شراب پی رہا تھا تو خلیفہ نے کہا کہ ای جعفر مجھے خبر ملی ہی کہ تو نے فلاں کنیز خریدی ہی میں مدت سے اس کا خواہش مند تھا کیونکہ وہ نہایت خوب صورت ہی اور میرے دل میں اس کی محبت کی آگ لگی ہوئی ہی۔ اُسے میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ وزیر نے جواب دیا کہ امیر المومنین میں اسے بیچ نہیں سکتا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری نذر کر دے۔ اس نے کہا کہ نذر بھی نہیں کروں گا۔ رشید نے کہا کہ اگر بیچتا بھی نہیں اور نذر بھی نہیں کرتا تو زبیدہ کو تین طلاقیں۔ جعفر بولا کہ اگر میں اُسے تیرے ہاتھ بیچوں یا تیری نذر کروں تو میری بیوی کو تین طلاقیں۔ جب ان کا نشہ اترا اور انھیں معلوم ہوا کہ وہ کس مخمصے میں پھنس گئے ہیں اور اس کا علاج دونوں میں سے کسی کی سمجھ میں نہ آیا تو رشید نے کہا کہ اس مسئلے کا حل ابو یوسف کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اور انھیں بلوایا۔ یہ آدھی

رات کا وقت تھا۔ جب ایلچی اُن کے پاس پہنچا تو وہ گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے دل میں کہنے لگے کہ ہو نہ ہو اسلام کے متعلق کوئی حادثہ پیش آیا ہے ورنہ مجھے اس وقت بلایا نہ جاتا۔ اب وہ جلدی سے نکل کر اپنے خچر پر سوار ہوئے اور غلام سے کہا کہ خچر کا توبڑا اپنے ساتھ لے لے شاید وہ اپنا دانہ کھا چکا ہو جب میں خلیفہ کے محل میں جاؤں تو توبڑا اس کے سامنے رکھ دیجیو تاکہ وہ باقی دانہ بھی کھا لے۔ غلام نے کہا کہ سر آنکھوں پر۔ جب وہ رشید کے پاس پہنچے تو رشید اُٹھ کھڑا ہوا اور انھیں تخت پر اپنے پاس بٹھا لیا۔ ابو یوسف کے علاوہ وہ کسی احد کو اپنے تخت پر نہ بٹھاتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے تجھے اس وقت ایک نہایت اہم کام کے لیے طلب کیا ہے اور سلسلۂ قصہ بیان کر کے کہا ہماری سمجھ میں اس کی تدبیر نہیں آتی۔ انھوں نے کہا کہ امیر المومنین اس سے زیادہ آسان اور کوئی بات نہیں۔ اے جعفر لونڈی کا نصف امیر المومنین کے ہاتھ بیچ ڈال اور نصف نذر کر دے۔ اس طرح تم دونوں اپنی قسم سے بری ہو جاؤ گے۔ خلیفہ اس فیصلے پر بہت خوش ہوا۔ دونوں نے اس کے کہنے پر عمل کیا۔ رشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو ستانویں رات

جب دوسو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ ہارون الرشید نے کہا کہ کنیز اسی وقت حاضر کی جائے وہ اس کے لیے بے تاب تھا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے قاضی ابو یوسف سے کہا کہ میں اس سے اسی وقت ہم بستر ہونا چاہتا ہوں عدت ختم ہونے تک میں صبر نہیں کر سکتا۔ اس کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟

ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین کے ان غلاموں میں سے ایک حاضر کیا جائے جن پر ابھی تک آزاد کیے جانے کا حکم نہیں صادر ہوا ہے۔ لوگ ایک ایسا غلام لے آئے اور ابو یوسف نے کہا کہ مجھے اجازت دے کہ میں اس کا نکاح کنیز سے کر دوں اور وہ مباشرت سے پہلے اُسے طلاق دے دے تو اس کے ساتھ تیری ہم بستری بغیر عدت کے حلال ہو جائے گی۔ اس بات پر رشید پہلے سے زیادہ متعجب ہوا۔ جب غلام آیا تو خلیفہ نے قاضی سے کہا کہ میں تجھے نکاح کی اجازت دیتا ہوں۔ قاضی نے نکاح پڑھایا اور غلام نے منظور کر لیا۔ اس کے بعد قاضی نے اس سے کہا کہ لڑکی کو طلاق دے اور سو دینار لے۔ غلام نے کہا کہ میں تو یہ نہیں کروں گا۔ قاضی مقدار بڑھاتا جاتا اور غلام انکار کرتا جاتا یہاں تک کہ ایک ہزار دینار پیش کیے گئے۔ اب غلام نے قاضی سے کہا کہ طلاق میرے اختیار میں ہے یا تیرے یا امیر المومنین کے؟ قاضی نے کہا کہ محض تیرے اختیار میں۔ غلام نے کہا کہ واللہ میں ہرگز طلاق نہ دوں گا۔ اس پر امیر المومنین تیش میں آگیا اور کہا کہ ابو یوسف اب کیا کیا جائے؟ قاضی ابو یوسف نے کہا کہ امیر المومنین گھبرانے کی بات نہیں معاملہ آسان ہے۔ اس غلام کو کنیز کی ملکیت میں دے دے۔ اس نے کہا کہ میں نے اس کی ملکیت میں دے دیا۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ کہہ کہ میں نے قبول کیا۔ اس نے کہا میں نے قبول کیا۔ قاضی نے کہا کہ میں نے دونوں کے درمیان علیحدگی کا حکم لگا دیا کیونکہ غلام اس کی ملکیت ہے اور نکاح فسخ ہو گیا۔ خلیفہ سروقد کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا کہ آج کل کے زمانے میں قاضی ہو تو ایسا۔ اس کے بعد اس نے اشرفیوں کی سینیاں منگوا کر ابو یوسف کے سامنے اُلٹ دیں اور ان سے کہا کہ تیرے پاس کوئی چیز ہے جس میں تو یہ بھر لے۔ انھیں توبڑا یاد آگیا اور اُسے منگوا کر اشرفیاں اس میں بھر لیں اور انھیں لے کر گھر واپس گئے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے اپنے دوستوں سے کہا کہ علم کے سوا اور کوئی راستہ نہ دین کا آسان ہے نہ دنیا کا، محض دو یا تین مسئلوں پر مجھے اتنی بڑی دولت

مل گئی۔ اے بادشاہ اس حکایت کے لطف پر ذرا غور کر اس لیے کہ اس میں کئی خوبیاں پائی جاتی ہیں ایک تو وزیر کا خلیفہ پر ناز کرنا دوسرے خلیفہ کی دانش مندی اور تیسرے اس سے بھی زیادہ قاضی کی عقل مندی۔ خدا ان سب کی روحوں پر رحمت بھیجے!

خالد بن عبداللہ القشیری کی کہانی

خالد بن عبداللہ القشیری جن دنوں بصرے کا والی تھا ایک دفعہ کچھ لوگ ایک جوان کو پکڑ کر اس کے پاس لائے جس کی صورت سے سلیقہ اور عقل مندی ٹپکتی تھی۔ آنکھ ناک سے درست، خوش وضع اور عطر میں بسا ہوا تھا، چہرے پر دبدبہ اور ایک قسم کی شان تھی۔ خالد نے ان لوگوں سے پوچھا کہ کیا قصہ ہے؟ انھوں نے کہا یہ چور ہے اور ہم نے کل اسے اپنے گھر میں پکڑا ہے۔ خالد نے اس کی طرف نظر اٹھائی اور ظاہری حسن اور نفاست کو دیکھ کر تعجب ہوا۔ لوگوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور خود اس کے پاس جا کر اس کا ماجرا پوچھا۔ جوان بولا کہ لوگ جو کچھ کہتے ہیں سچ ہے، واقعے کے خلاف نہیں۔ خالد نے کہا کہ تو نے یہ حرکت کیوں کی۔ اس صورت و شان پر یہ بدکرداری؟ اس نے جواب دیا دنیا کا لالچ اور خدا کی بنائی ہوئی قسمت۔ خالد نے کہا کہ ظالم تیرا برا ہو! کیا تیری خوب صورتی، عقل اور سلیقہ مندی نے تجھے چوری سے نہیں روکا؟ وہ بولا اے امیر ان باتوں کو جانے دے جو خدا نے حکم دیا ہے اس کی تعمیل کر کیونکہ جیسی کرنی ویسی بھرنی، خدا اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ خالد چپ ہو کر جوان کے متعلق سوچ میں پڑ گیا اور اسے اپنے قریب بلا کر کہا تو نے گواہوں کے سامنے اقرار کر کے مجھے شبہے میں ڈال دیا ہے۔ پھر بھی میرے خیال میں تو چور نہیں، شاید علاوہ چوری کے تیرا اور کوئی قصہ ہے۔ اگر ہے تو بیان کر۔ اس نے کہا اے امیر جس چیز کا میں نے اعتراف

کیا ہے اس کے سوا اور کوئی بات تیرے دل میں گزرنی نہیں چاہیے۔ میرا اور کوئی قصّہ نہیں جو بیان کروں۔ واقعہ یہی ہے کہ میں ان لوگوں کے گھر میں گیا اور جو کچھ چرا سکتا تھا چرایا لیکن انھوں نے مجھے پکڑ کر وہ چیزیں چھین لیں اور مجھے تیرے پاس لے آئے۔
خالد نے اُسے قید کا حکم دے دیا اور بصرے میں منادی کرادی کہ جو شخص فلاں چور کی سزا اور اس کا ہاتھ کاٹے جانے کا تماشا دیکھنا چاہے تو کل فلاں جگہ آجائے جب جوان قید خانے گیا اور اس کے پاؤں میں بیڑیاں پڑ گئیں تو اُس نے ایک آہ بھری اور اُس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ یہ اشعار پڑھنے لگا: "خالد مجھے دھمکی دیتا ہے کہ اگر میں اُس سے "اُس" کا قصّہ نہ بیان کروں تو وہ میرا ہاتھ کاٹ ڈالے گا۔ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ "اُس" کی محبت کا بھانڈا پھوڑ دوں جو میرے دل کے اندر چھپی ہوئی ہے۔ مجھے یہ گوارا ہے کہ میرا ہاتھ کٹ جائے لیکن "اُس" کی بدنامی گوارا نہیں!" پہرے داروں نے اُسے یہ گاتے سن کر خالد کو خبر کردی۔ جب رات ہوئی تو خالد نے اُسے بلوایا اور اس سے بات چیت کی دیکھا کہ وہ عقل مند، باشعور اور فہمیدہ ہے۔ اس نے جوان کے لیے کھانا منگوایا اسے کھلایا اور دیر تک اِدھر اُدھر کے قصّوں کے بعد خالد نے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ چوری کے سوا تیرا اور کوئی قصّہ ہے۔ کل صبح جب لوگ جمع ہوں اور قاضی اگر تجھ سے چوری کے بارے میں دریافت کرے تو تو انکار کر دیجیو اور وہ بات بیان کیجیو جس سے تجھے ہاتھ کاٹنے کی سزا نہ دی جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ شبہے کی حالت میں سزا دینے سے درگزر کرو۔ یہ کہہ کر خالد نے اُسے قید خانے بھیج دیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دوسو اٹھانویں رات

حبب دوسو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خالد نے اس جوان سے باتیں کر کے اُسے پھر قید خانے بھیج دیا اور وہ رات بھر وہاں رہا صبح ہوئی تو لوگ اس جوان کے ہاتھ کٹنے کا تماشا دیکھنے کے لیے آنے شروع ہوئے۔ بصرہ میں کوئی مرد اور عورت ایسا نہ تھا جو اس جوان کی سزا دیکھنے کے لیے نہ آیا ہو۔ خالد بھی سوار ہوا اور بصرے کے امرا کو ساتھ لے کر وہاں پہنچا، قاضیوں کو بلوایا اور جوان کو لانے کا حکم دیا وہ بیڑیوں کے بوجھ سے گرتا پڑتا حاضر ہوا جس نے اُسے دیکھا وہ رو پڑا اور عورتیں تو دہاڑیں مار مار کر رونے لگیں۔ قاضی نے عورتوں کو خاموش رہنے کی ہدایت کی۔ اس کے بعد اس نے جوان سے کہا لوگوں کا دعویٰ ہے کہ تو نے ان کے گھر میں گھس کر ان کا مال چرایا ہے۔ غالباً تو نے نصاب سے کم چرایا ہوگا۔ اس نے کہا نہیں میں نے پورا نصاب چرایا ہے۔ قاضی نے پوچھا ایسا تو نہیں کہ ان کے کسی مال میں تیرا ساجھا تھا؟ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ وہ سب انھیں کا مال تھا اور میرا اس میں کوئی حق نہ تھا۔ اس پر خالد کو غصہ آگیا اور اس کے پاس جا کر اس کے مُنہ پر کوڑا مارا۔ بہر حال قصاب کو بلوانا پڑا تاکہ وہ اس کا ہاتھ کاٹ ڈالے۔ جب قصاب آیا اور اس نے چھرا نکال کر جوان کا ہاتھ آگے کھینچا اور اس پر چھرا رکھا تو یکایک عورتوں کے بیچ میں سے ایک لڑکی پھٹے پُرانے کپڑے پہنے نکلی اور ایک چیخ مار کر جوان کے اُوپر گر پڑی پھر اس نے اپنا چہرہ کھول دیا جو چاند کی طرح تھا۔ لوگ شور غل مچانے لگے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس وجہ سے فتنہ بپا ہو جاتے۔ لڑکی نے زور سے چلا کر کہا اے امیر! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتی ہوں کہ جب تک تو واقعے سے آگاہ نہ ہو اس کا ہاتھ نہ کاٹ۔ خالد نے علیحدہ جا کر اس لڑکی کو بلوایا اور اس سے ماجرا پوچھا۔ اس نے کہا کہ یہ جوان مجھ پر عاشق ہے اور

ئیں اس پر۔ وہ مجھ سے ملنے آیا تھا میرے گھر میں پہنچ کر اس نے گھر میں ایک ڈھیلا پھینکا تاکہ مجھے معلوم ہو جاتے کہ وہ آیا ہی۔ میرا باپ اور میرے بھائی ڈھیلے کی آواز سُن کر اس کی طرف دوڑے۔ انھیں آتے دیکھا تو اس نے گھر کا سامان جمع کرکے یہ ظاہر کیا کہ وہ چور ہی تاکہ اُس کی معشوقہ کی بدنامی نہ ہو۔ جب انھوں نے اُسے اس حالت میں دیکھا تو پکڑ لیا وہ سمجھے کہ یہ چور ہی اور تیرے پاس لے آئے۔ اس نے چوری کا اقرار اور اس پر اصرار کیا تاکہ میری بدنامی نہ ہو۔ یہ اُس کی انتہائی مروت اور شرافت تھی کہ اس نے چوری کا الزام لے کر اپنا ہاتھ کٹوانا قبول کیا۔ خالد نے کہا کہ وہ اس قابل ہی کہ اس کی مراد پوری ہو۔ اس کے بعد اس نے جوان کو بلایا اور اس کی پیشانی پر بوسہ دے کر حکم دیا کہ لڑکی کا باپ بلایا جائے اور اس سے کہا کہ بڑے میاں ہم اس بات پر تلے بیٹھے تھے کہ اس جوان کا ہاتھ کاٹا جائے لیکن خدا نے مجھے اس سے بچا لیا اور مَیں اسے اس وجہ سے دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اس نے اپنا ہاتھ دے کر یہ چاہا کہ تیری اور تیری بیٹی کی بدنامی نہ ہو اور تم دونوں فضیحت سے بچ جاؤ۔ اور تیری بیٹی کو اس صلے میں دس ہزار درہم دیتا ہوں کہ اُس نے مجھ سے سچ سچ واقعہ بیان کر دیا۔ اب تجھ سے درخواست کرتا ہوں کہ تو مجھے اس بات کی اجازت دے کہ مَیں تیری بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ بوڑھے نے کہا کہ اے امیر تجھے اجازت ہی۔ خالد نے خدا کا شکر کیا اور اس کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے اس کا نکاح پڑھا دیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

دو سو ننانویں رات

جب دو سو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خالد نے

خدا کی حمد و ثنا کی اور نہایت عمدگی سے نکاح پڑھایا اور جوان سے کہا کہ میں نے فلاں لڑکی کے ساتھ جو یہاں موجود ہی تیری اجازت اور مرضی اور تیرے باپ کے اذن سے دس ہزار درہم پر تیرا نکاح پڑھا دیا ہی. جوان نے کہا کہ یہ نکاح مجھے منظور ہی۔ اس کے بعد خالد نے حکم دیا کہ یہ مال سینیوں میں رکھ کر جوان کے گھر بھیج دیا جائے اور لوگ خوش خوش وہاں سے روانہ ہوگئے۔ راوی کہتا ہی کہ اس سے زیادہ عجیب و غریب واقعہ میری نظر سے نہیں گزرا کیونکہ وہ رونے اور فتنہ و فساد سے شروع ہوکر خوشی اور خوش وقتی پر ختم ہوا۔

پھلیاں بیچنے والے کے ساتھ جعفر برمکی کی سخاوت کی کہانی

لوگ ایک واقعہ کہانی کی طرح کہا کرتے ہیں کہ جب ہارون الرشید نے جعفر برمکی کو سولی دی تو ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ جو کوئی اس پر نوحہ کرے گا یا روئے پیٹے گا اُسے بھی سولی پر چڑھا دیا جائے گا اور سب نے اس حکم کے آگے سر جھکا دیا۔ ایک بدو تھا جو دُور ریگستان میں رہتا تھا، ہر سال ایک قصیدہ لے کر جعفر برمکی کے پاس آیا کرتا اور جعفر اس کا صلہ ایک ہزار دینار دیتا۔ بدّو سونے سے لدا پھندا اپنے اہل و عیال کے پاس واپس جاتا اور خوش ہوتا۔ اتفاق کی بات یہ بدّو قصیدہ لے کر دستور کے موافق پہنچا دیکھا کہ جعفر سولی پر چڑھا ہوا ہی۔ سولی کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی اونٹنی روکی، بلک بلک کر رویا، بے حد غمگین ہوا قصیدہ پڑھا اور سوگیا۔ خواب میں اُس نے جعفر برمکی کو دیکھا کہ وہ کہہ رہا ہی کہ تو بڑی تکلیف اٹھا کر میرے پاس آیا اور مجھے اس حالت میں پایا لیکن تو بصرے جاکر اس نام کے شخص کا پتا پوچھ جو وہاں کے تاجروں میں سے ہی اور اس سے کہہ کہ جعفر برمکی نے تجھے سلام کے بعد یہ پیغام دیا ہی

کہ پھلیوں کے سلسلے میں مجھے ایک ہزار دینار دے۔ جب بدّو جاگا تو بصرے روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر اس تاجر کا پتا دریافت کیا اور اس سے مل کر وہ پیغام پہنچایا جو جعفر نے اُسے خواب میں دیا تھا تاجر سنتے ہی رونے پیٹنے لگا اپنا بُرا حال کر لیا۔ ذرا ہوش درست ہوئے تو اس نے بدّو کو عزت سے اپنے پاس بٹھایا اور اس کی بڑی آؤ بھگت کی تین دن تک بدّو اس کے پاس نہایت احترام سے رہا اور جب وہ لوٹنے لگا تو تاجر نے اُسے ایک ہزار پانچ سو دینار دیے اور اس سے کہا کہ ہزار تو وہ ہیں جن کا مجھے حکم ملا ہے اور پانچ سوئیں نذر کرتا ہوں اور ہر سال تجھے ایک ہزار دینار ملیں گے۔ چلتے وقت اس نے تاجر سے کہا کہ خدا کے لیے پھلیوں کا قصہ تو بیان کر تاکہ میں اس کی حقیقت کو سمجھوں اس نے جواب دیا کہ شروع میں میں بہت غریب تھا۔ بغداد کے گلی کوچوں میں گرم پھلیاں لے کر پھیری لگاتا، انھیں بیچتا اور اس سے روزی کماتا۔ ایک دن جب میں نکلا تو بہت سردی تھی اور مینہ برس رہا تھا میرے بدن پر سردی سے بچنے کے لیے کوئی چیز نہ تھی۔ ٹھنڈ اور بارش سے میرا بدن کانپا جاتا تھا اور میری ایسی بُری حالت تھی کہ رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔ اس دن جعفر اپنے اُس محل میں بیٹھا ہوا تھا جس کا چھجا سڑک پر نکلا ہوا ہے اس کے دوست اور کنیزیں اس کے ساتھ تھیں جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو اسے مجھ پر ترس آ گیا اس نے ایک نوکر کو بھیج کر مجھے بلوایا۔ میں اس کے سامنے پہنچا تو کہا کہ اپنی پھلیاں میرے ساتھیوں کے ہاتھ بیچ ڈال۔ میں انھیں اپنے پیمانے سے ناپتا جاتا اور جو انھیں لیتا وہ پیمانے کو اشرفیوں سے بھرتا جاتا یہاں تک کہ سب پھلیاں ختم ہو گئیں اور ٹوکرا خالی ہو گیا۔ میں نے ساری اشرفیاں جمع کر لیں جو مجھے ملی تھیں۔ اب جعفر نے کہا کہ کچھ اور پھلیاں باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ معلوم نہیں ٹوکرے میں اِدھر اُدھر تلاش کیا تو صرف ایک پھلی اور ملی۔ جعفر نے اُسے لے کر دو حصوں میں پھاڑا ایک حصہ خود لے کر دوسرا حصہ اپنی کنیز کو دیا اور کہا کہ تو اس آدھی پھلی کو

کتنے میں خریدتی ہی؟ وہ بولی کہ جتنی اشرفیاں ہیں اُن کے دگنے میں۔ ئیں سخت حیران تھا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ ناممکن ہی۔ ئیں اسی حیرت میں تھا کہ کنیز نے اپنی ایک لونڈی کو حکم دیا اور وہ دگنی اشرفیاں لے آئی۔ اب جعفر نے کہا کہ جو آدھی پھلی میرے پاس ہی اسے ئیں ساری اشرفیوں سے دُگنے میں خریدتا ہوں۔ یہ کہہ کر جعفر نے مجھ سے کہا کہ لے یہ تیری پھلیوں کے دام ہیں اور اس نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ وہ تمام دام جمع کر کے میرے ٹوکرے میں رکھ دے۔ ئیں اُسے لے کر وہاں سے چل دیا اور بصرے آ کر اس مال سے تجارت شروع کر دی۔ خدا کا شکر اور احسان کہ اُس نے مجھے امیر کر دیا۔ اگر ئیں تجھے ہر سال ایک ہزار دینار دیا کروں جو جعفر کے احسان کا ایک شمّہ ہی تو مجھے کوئی کمی محسوس نہ ہوگی۔ دیکھ جعفر کی بلند اخلاقی اور اس کی تعریف زندگی میں اور مرنے کے بعد۔ خدا کی رحمت ہو اس پر!

کاہل ابو محمد کی کہانی

یہ کہانی بھی مشہور ہی کہ ایک روز جب ہارون الرشید خلافت کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا ایک غلام آیا جس کے پاس سُرخ سونے کا ایک تاج تھا اس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ اس کے یاقوتوں اور جواہرات کی قیمت بیان میں نہیں آسکتی۔ غلام نے خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا ای امیرالمومنین شہزادی زبیدہ..... اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔ اس کی بہن نے کہا کہ تیری کہانی کیسی پیاری اور میٹھی ہی! اس نے جواب دیا کہ اگر ئیں زندہ رہی اور بادشاہ نے مجھے قتل نہ کیا تو جو ئیں کل بیان کروں گی وہ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوگی۔ بادشاہ نے اپنے دل میں کہا

کہ واللہ جب تک باقی کہانی نہ سُن لوں اسے قتل نہ کروں گا۔

تین سوویں رات

تین سوویں رات ہوئی تو اس کی بہن نے کہا بہن اپنی کہانی شروع کر۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے بشرطے کہ بادشاہ اجازت دے۔ بادشاہ بولا شہرزاد کہہ۔ اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! غلام نے خلیفہ سے کہا کہ شہزادی زبیدہ تیرے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہتی ہے تجھے معلوم ہے کہ میں نے یہ تاج بنوایا ہے اور اس کے لیے ایک بڑے ہیرے کی ضرورت ہے جو اس کے بیچ میں لگایا جائے۔ میں نے سارے ذخیرے ڈھونڈ ڈالے اس مطلب کا بڑا ہیرا نہیں ملتا۔ خلیفہ نے حاجبوں اور نوابوں سے کہا کہ زبیدہ کے مطلب کا بڑا ہیرا تلاش کرو۔ سب نے تلاش کیا لیکن زبیدہ جیسا ہیرا چاہتی تھی نہ ملا۔ خلیفہ بہت بے چین ہوا اور کہنے لگا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں خلیفہ ساری دنیا کے بادشاہوں کا حکمراں اور ایک ہیرا مجھے نہ ملے حیف ہو تم پر! جاکر تاجروں سے پوچھو۔ جب انھوں نے تاجروں سے پوچھا تو انھوں نے بتایا کہ ایسا ہیرا ہمارے آقا خلیفہ کو بصرے میں ایک شخص کے پاس ملے گا جس کا نام کاہل ابو محمد ہے۔ یہ سُن کر خلیفہ نے اپنے وزیر جعفر کو حکم دیا کہ بصرے کے والی امیر محمد زبیدی کو خط لکھ کہ وہ کاہل ابو محمد کے سفر کا انتظام کر کے اسے امیرالمومنین کے پاس بھیج دے۔ وزیر نے اس مضمون کا خط لکھ کر مسرور کے ہاتھ روانہ کر دیا۔ مسرور خط لے کر بصرے پہنچا اور امیر محمد زبیدی کے پاس گیا۔ محمد بہت خوش ہوا اور مسرور کو بڑی عزت اور احترام سے رکھا۔ اس کے بعد مسرور نے اسے امیرالمومنین ہارون الرشید کا خط پڑھ کر سنایا۔ امیر نے مسرور کو اس کے ساتھیوں کے ساتھ کاہل ابو محمد کے پاس بھیجا۔ وہ اس

کے پاس گئے دروازے پر دستک دی اور ایک غلام نے آکر دروازہ کھولا۔ مسرور نے اس سے کہا کہ اپنے آقا سے کہہ کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہے۔ غلام نے اندر جاکر یہ پیغام پہنچایا۔ ابو محمد نے باہر نکل کر مسرور اور امیر محمد زبیدی کے پیادوں کو دیکھا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دے کر کہا کہ امیرالمومنین کا حکم سر آنکھوں پر لیکن اندر تو آؤ۔ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ہمارے لیے زیادہ دیر تک ممکن نہیں کیونکہ یہ خلیفہ کا حکم ہے اور وہ تیری راہ دیکھ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اتنی تو مہلت دو کہ میں سفر کی تیاری کروں۔

الغرض بہت کہنے سننے کے بعد وہ اس کے ساتھ مکان کے اندر گئے اور دیکھا کہ دہلیز میں نیلی اطلس کے پردے پڑے ہوئے ہیں جن پر سرخ سونے کا کام ہے۔ کاہل ابو محمد نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مسرور کو حمام لے جائیں جو مکان کے اندر ہے اور جب وہ ان کے ساتھ حمام گیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی دیواریں اور فرش اعجوبۂ روزگار ہیں۔ ان پر سونے اور چاندی کا کام ہے پانی میں گلاب کا عرق ملا ہوا ہے۔ غلاموں نے مل کر مسرور اور اس کے ساتھیوں کو خوب نہلایا دھلایا۔ جب وہ حمام سے نکلے تو غلاموں نے انھیں اطلس کی پوشاکیں پہنائیں جن کا بانا سونے کا تھا۔ اب مسرور اور اس کے ساتھی اندر گئے اور انھوں نے دیکھا کہ کاہل ابو محمد اپنے ایوان میں بیٹھا ہوا ہے اس کے اوپر قیمتی ریشم کے پردے لٹک رہے ہیں اور جن میں موتی اور ہیروں کی جھالر ٹنکی ہوئی ہے اور ایوان کے فرش پر ایسے تکیے لگے ہوتے ہیں جن پر خالص سونے کا کام ہے اور وہ ایک دیوان پر بیٹھا ہوا ہے اور دیوان ایک تخت پر ہے اور جواہرات سے مرصع ہے۔ جب مسرور اس کے پاس پہنچا تو اس نے مرحبا کہا اور اس کی طرف بڑھ کر اسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور دسترخوان منگوایا جسے دیکھ کر مسرور نے کہا کہ واللہ اس قسم کا دسترخوان میں نے امیرالمومنین کے پاس بھی کبھی نہیں دیکھا۔ دسترخوان

ہر طرح طرح کے کھانے چُنے گئے جو سب چینی کے برتنوں میں تھے جن پر سنہرا کام تھا۔ مسرور کا بیان ہے کہ ہم کھا پی کر شام تک ہنسی مذاق کرتے رہے اس کے بعد اس نے سب کو پانچ پانچ ہزار دینار دیے اور دوسرے دن ہم سب کو سبز خلعت پہنائے جن پر سونے کے تاروں سے بیل بوٹے کڑھے ہوئے تھے اس نے ہماری بڑی آؤ بھگت کی۔ مسرور نے کہا کہ ہم خلیفہ کے ڈر سے اب زیادہ نہیں ٹھیر سکتے۔ کاہل ابو محمد نے کہا کہ اے ہمارے آقا کل تک صبر کر تا کہ ہم تیار ہو کر تیرے ساتھ چلیں۔ اس لیے وہ اس دن بھی ٹھیر گئے اور رات وہیں گزاری۔ اس کے غلاموں نے کاہل ابو محمد کے لیے ایک خچر پر سونے کی کاٹھی کسی جو طرح طرح کے موتی اور جواہرات سے مرصّع تھی۔ مسرور نے اپنے دل میں کہا کہ دیکھیں جب ابو محمد خلیفہ کے پاس اس ہیئت سے پہنچے گا تو وہ پوچھتا ہے یا نہیں کہ یہ دولت تیرے پاس کہاں سے آئی؟

الغرض سب لوگ محمد زبیدی سے رخصت ہو کر بصرے سے چل دیے اور بغداد پہنچے۔ جب وہ خلیفہ کے پاس آئے اور اس کے سامنے کھڑے ہوئے تو خلیفہ نے ابو محمد کو بیٹھنے کا حکم دیا اور وہ بیٹھ گیا اور نہایت سلیقے اور تمیز سے گفتگو کی اور کہنے لگا کہ اے امیرالمومنین میں تیری خدمت میں ایک ہدیہ لایا ہوں اگر اجازت ہو تو پیش کروں؟ رشید نے کہا کیا مضائقہ ہے! اب اس نے ایک صندوق منگوا کر کھولا اور مختلف تحفے نکالے اُن میں کئی سونے کے درخت تھے جن کے پتّے زمرد کے تھے پھل لال اور زرد یاقوت اور سفید موتیوں کے۔ خلیفہ انھیں حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ ابو محمد نے دوسرا صندوق منگوایا اور اس میں سے ایک خیمہ نکالا جو اطلس کا تھا اور جس کے اوپر موتیوں، یاقوت، زمرد اور زبرجد اور طرح طرح کے دوسرے جواہرات کا تاج بنا ہوا تھا۔ خیمے کے کھمبے عود ہندی کے تھے اور اس کے حاشیوں میں سبز زمرد ٹکے ہوئے تھے اور اس پر تمام جانوروں، پرندوں، چرندوں اور درندوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔

اور ان تصویروں پر ہیرے، یاقوت، زمرد، زبرجد، بلخش اور قسم قسم کے قیمتی پتھر جڑے ہوئے تھے۔ رشید خوش ہوگیا۔ کاہل ابو محمد نے کہا ای امیر المومنین یہ خیال نہ کر کہ میں یہ چیزیں کسی ڈر سے یا لالچ سے تیرے پاس لایا ہوں بلکہ محض اس وجہ سے کہ میں ایک معمولی شخص ہوں اور یہ چیزیں امیر المومنین کے سوا اور کسی کے قابل نہیں۔ اگر تو اجازت دے تو میں ایک آدھ کرتب بھی دکھا کر تجھے خوش کروں۔ رشید نے کہا دیکھیں تو کیا کرتب دکھاتا ہی۔ ابو محمد نے اپنے ہونٹوں کو حرکت دے کر محل کی فصیل کی طرف اشارہ کیا اور وہ اس کی طرف جھک کر آئی۔ پھر دوبارہ اشارہ کیا وہ اپنی جگہ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے اپنی آنکھ سے اشارہ کیا اور کئی کوٹھریاں آموجود ہوئیں جن کے دروازوں میں قفل پڑے ہوئے تھے۔ اس نے ان کی طرف مخاطب ہوکر کچھ کہا اور جواب میں چڑیوں کی بولیاں سنائی دیں۔ رشید کو اور بھی زیادہ اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا کہ تجھے یہ ساری باتیں کہاں سے آئیں تو تو کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہی اور لوگوں کا بیان ہی کہ تیرا باپ حجام تھا اور ایک حمام میں نوکر تھا اور اس کے ترکے میں تجھے کچھ بھی نہیں ملا۔ اس نے کہا کہ ای امیر المومنین میرا قصہ سن اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو کے بعد پہلی رات

جب تین سو راتوں کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! کاہل ابو محمد نے خلیفہ سے کہا امیر المومنین میرا قصہ سن وہ نہایت عجیب و غریب ہی اگر وہ سوئیوں کی نوکوں سے آنکھوں کے کویوں میں لکھا جائے تو عبرت پکڑنے والے اس سے عبرت پکڑیں گے۔ رشید نے کہا کہ اچھا بیان کر۔ ابو محمد نے سنانا شروع کیا کہ

ای امیرالمؤمنین خدا تیری عزت اور دبدبہ قائم رکھے امین۔ لوگوں کا کہنا کہ میں کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور جہاں اور میرے باپ نے مرتے وقت کچھ نہ چھوڑا درست ہی کیونکہ جیسا تونے کہا میرا باپ حجام میں حجام تھا اور میں بچپن میں اتنا کاہل اور سست تھا کہ دنیا میں کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ میری سستی کی یہ حالت تھی کہ میں گرمیوں میں جب سوتا اور میرے اوپر دھوپ آجاتی تو سستی کی وجہ سے مجھ سے اتنا نہ ہوتا کہ میں دھوپ سے اٹھ کر سائے میں چلا جاؤں۔ پندرہ برس کی عمر تک میری یہی حالت رہی ماں کے بعد میرے باپ کا انتقال ہوگیا، خدا اس پر رحمت کرے! اور میرے لیے اس نے کچھ نہ چھوڑا۔ میری ماں لوگوں کے پاس نوکری کرتی اور مجھے کھانے پینے کو دیتی اور میں پڑا دندناتا۔ ایک دن یہ اتفاق ہوا کہ میری ماں چاندی کے پانچ درہم لے کر میرے پاس آئی اور مجھ سے کہنے لگی کہ بیٹا مجھے خبر ملی ہے کہ شیخ ابوالمظفر چین کے سفر کا ارادہ رکھتا ہے شیخ فقیروں کو دوست رکھتا اور اس کی ذات سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا تھا۔ میری ماں نے کہا کہ بیٹا، یہ پانچ درہم لے کر میرے ساتھ اس کے پاس چل تاکہ ہم اس سے درخواست کریں کہ ان درہموں سے تیرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائے شاید خدا کے فضل سے تجھے اس میں فائدہ ہو۔ مگر مارے سستی کے میں نہ اٹھا اور اس نے خدا کی قسم کھائی کہ اگر تو نہ اٹھے گا تو میں تیرا کھانا پینا بند کر دوں گی اور تیرے پاس کبھی نہ آؤں گی بلکہ تجھے بھوکا پیاسا مار ڈالوں گی۔

ای امیرالمومنین جب میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو مجھے یقین ہوگیا کہ وہ بے ایسا کیے نہ رہے گی وہ میری سستی اور کاہلی سے بیزار ہوگئی تھی میں نے اس سے کہا کہ مجھے اٹھا کر بٹھا دے اس نے بٹھا دیا میں رونے لگا اور کہا کہ میرے جوتے لا اور وہ لے آئی۔ میں نے کہا کہ پہنا دے اور اس نے پہنا دیے۔ میں نے کہا کہ مجھے پکڑ کر اٹھا اس نے اٹھا کر کھڑا کیا۔ پھر میں نے کہا کہ مجھے سہارا دے تاکہ میں چلوں اور اس نے

سہارا دیا اور میں اس طرح چلا کہ میرے پاؤں دامن میں پھنستے جاتے تھے آخر خدا خدا کر کے ہم سمندر کے کنارے پہنچے اور شیخ کو سلام کیا اور کہا کہ چچا تو ہی ابو المظفر ہی؟ اس نے کہا لبیک میں نے کہا کہ یہ درہم لے کر میرے لیے چین سے کوئی چیز خریدتا لائیو ممکن ہی کہ خدا اس میں فائدہ دے۔ شیخ ابو المظفر نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کہ تم اس جوان کو جانتے ہو؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہاں یہ کاہل ابو محمد کے نام سے مشہور ہی اور آج سے پہلے ہم نے اسے کبھی گھر سے نکلتے نہیں دیکھا۔ شیخ ابو المظفر نے کہا کہ بیٹا لا درہم خدا برکت دے! اس کے بعد اس نے بسم اللہ کہہ کر میرے ہاتھ سے درہم لے لیے۔ میں اپنی ماں کے ساتھ گھر چلا آیا اور شیخ ابو المظفر روانہ ہو گیا۔ چلتے چلتے وہ اور اس کے ساتھی چین پہنچے۔ وہاں شیخ نے خرید و فروخت کی اور اپنی ضروریات پوری کر کے واپس لوٹے۔ تین دن سمندر کی راہ طے کرنے کے بعد شیخ نے اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ جہاز روکو۔ سوداگروں نے کہا کہ کیا ضرورت پیش آئی؟ اس نے جواب دیا کہ کاہل ابو محمد نے جو کام میرے سپرد کیا تھا وہ میں بھول گیا۔ اُلٹے چلو تاکہ ہم اس کے لیے کوئی چیز خرید لیں جس سے اُسے فائدہ ہو۔ انھوں نے کہا کہ خدا کے لیے واپس نہ چلیں ہم بڑی مسافت طے کر چکے اور اس میں بڑی مصیبت اور مشقت اٹھا چکے ہیں۔ شیخ نے کہا کہ لوٹنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ انھوں نے کہا کہ ہم سے پانچ درہم کا پانچ گنا دس گنا جتنا چاہے لے مگر ہمیں واپسی پر مجبور نہ کر۔ شیخ نے ان کی یہ تجویز منظور کر لی اور انھوں نے بہت سا مال جمع کر کے اس کے حوالے کر دیا۔

اب چلتے چلتے وہ ایک جزیرے کے پاس پہنچے جہاں بہت بڑی آبادی تھی۔ لنگر ڈال دیے اور سوداگر اتر کر معدنیات، جواہرات، موتی اور دوسرا تجارت کا مال خریدنے لگے۔ وہاں ابو المظفر نے دیکھا کہ ایک شخص اپنے آگے بہت سے بندر لیے بیٹھا ہی۔ ان میں سے ایک بندر کے بال نچے کھچے ہیں جب ان کے مالک کی توجہ کسی دوسری

طرف ہوتی تو دوسرے بندر اس کو مارتے اور اُسے مالک پر دھکیل دیتے۔ مالک اُٹھ کر مارتا باندھتا اور سزا دیتا۔ اس پر دوسرے بندر اس بندر پر اور زیادہ خفا ہوتے اور اس کو مارتے۔ شیخ ابوالمظفر کی نظر اس بندر پر پڑی تو اُسے ترس آگیا اور اس نے مالک سے کہا کہ اس بندر کو میرے ہاتھ بیچے گا؟ مالک نے کہا کہ ہاں بیچوں گا۔ شیخ نے کہا کہ میرے پاس ایک یتیم لڑکے کے پانچ درہم ہیں کیا انھیں لے کر تو بندر میرے ہاتھ بیچ ڈالے گا۔ اس نے کہا کہ ہاں بیچ ڈالوں گا، خدا تجھے اس میں برکت دے! اب اس نے مالک کو درہم حوالے کیے اور بندر لے لیا۔ شیخ کے غلاموں نے بندر کو لے کر جہاز سے باندھ دیا لنگر اٹھا دیے گئے اور جہاز جزیرے کی طرف روانہ ہو گیا۔ ایک اور جزیرے پر اترے وہاں تاجروں نے غوطہ مارنے والوں کو چند درہم اُجرت دی کہ وہ غوطہ مار کر معدنیات اور موتی اور جواہرات وغیرہ نکالیں انھوں نے غوطہ مارا۔ جب بندر نے انھیں یہ کرتے دیکھا تو اس نے بھی رسّی تڑا کر چھلانگ ماری اور غوطہ خوروں کے ساتھ پانی میں غوطہ لگایا۔ ابوالمظفر نے کہا کہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ جس مسکین کے لیے میں نے یہ بندر لیا تھا اس کی بدبختی سے وہ بندر جاتا رہا اور سب کے سب ناامید ہو گئے لیکن جب غوطہ خور اوپر نکلے تو بندر بھی ان کے ساتھ نکل آیا۔ اس کے ہاتھوں میں نفیس جواہرات تھے اور اس نے وہ سب ابوالمظفر کے سامنے ڈال دیے۔ شیخ کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا اور اس نے کہا کہ اس بندر میں ضرور کوئی نہ کوئی بڑا بھید ہے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے لنگر اٹھا کر روانہ ہو گئے اور ایک جزیرے کے پاس پہنچے جس کا نام جزیرۂ زنوج تھا۔ وہاں کے باشندے سیاہ فام تھے اور انسانوں کا گوشت کھایا کرتے تھے۔ جوں ہی اُن مردم خوار حبشیوں نے انھیں دیکھا تو وہ اپنی کشتیوں میں بیٹھ کر ان کی طرف دوڑے اور ان کے پاس پہنچ کر جہاز میں جتنے لوگ تھے سب کو پکڑ مشکیں باندھ اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان میں سے جو زیادہ موٹے تازے ہوں ذبح کیا جائے جن کی قضا تھی وہ

حلال ہو گئے اُن کا گوشت کھایا گیا۔ باقی تاجروں کو قید خانے میں بند کر دیا۔ جب رات ہو گئی تو بندر اُٹھ کر ابوالمظفر کے پاس آیا اور اس کی بیڑیاں کھول دیں۔ جب دُوسرے تاجروں نے دیکھا کہ ابوالمظفر آزاد ہو گیا ہے تو وہ کہنے لگے اے ابوالمظفر قریب ہے کہ خدا تیرے ہاتھ سے ہمیں بھی رہائی دے دے۔ شیخ نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو کے بعد دُوسری رات

جب تین سو کے بعد دُوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ابوالمظفر نے کہا کہ اسی بندر نے خدا کی مرضی سے مجھے آزاد کیا ہے اور میں اس کے بدلے اُسے ایک ہزار دینار دیتا ہوں۔ تاجروں نے کہا کہ علیٰ ہٰذالقیاس ہم میں سے بھی ہر ایک اُسے ایک ہزار دے گا اگر وہ ہمیں بھی چھڑا دے۔ یہ سُن کر بندر اٹھا اور ایک ایک کر کے انھیں کھولنے لگا یہاں تک کہ سب کی بیڑیاں کھول دیں اور وہ سب وہاں سے روانہ ہو کر جہاز میں پہنچ گئے دیکھا کہ وہ بالکل صحیح سالم ہے اس میں کسی چیز کی کمی نہیں ہوئی۔ انھوں نے جہاز کے لنگر اٹھا دیے اور چل کھڑے ہوئے۔ ابوالمظفر نے کہا اے تاجرو! جو تم نے بندر سے وعدہ کیا تھا اُسے پورا کرو۔ وہ بولے ہم تیار ہیں اور ہر ایک نے اُسے ایک ایک ہزار دینار دیے اور ابوالمظفر نے بھی اپنے مال میں سے ایک ہزار دینار نکال کر اس کے حوالے کیے بندر کے لیے بڑی دولت جمع ہو گئی۔ اب وہ وہاں سے چلتے چلتے بصرے پہنچے اور ان کے دوست ان سے ملنے آئے۔ جب وہ جہاز سے اترے تو ابوالمظفر نے کہا کہ کاہل ابو محمد کہاں ہے؟ جب یہ خبر میری ماں کو ملی تو وہ میرے پاس

آئی۔ میں سو رہا تھا وہ مجھے جھنجھوڑ کر کہنے لگی بیٹا شیخ ابوالمظفر لوٹ کر شہر میں آگیا ہے، اٹھ اور اس کے پاس جا کر اُسے سلام کر اور پوچھ کہ وہ تیرے لیے کیا لایا ہے؟ ممکن ہے کہ خدا تیری رزق کشائی کرے۔ میں نے کہا کہ مجھے اٹھا اور سہارا دے تاکہ میں یہاں سے نکل کر سمندر کے کنارے جاؤں۔ اب میں لنگڑاتا ہوا وہاں سے چلا اور شیخ ابوالمظفر کے پاس پہنچا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو کہنے لگا مرحبا! تیرے درہموں کی وجہ سے ہم اور یہ تاجر خدا کے فضل سے صحیح و سلامت لوٹے ہیں۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ لے یہ بندر ہے اسے میں نے تیرے لیے خریدا ہے اور اسے لے کر گھر جا اور میرا انتظار کر۔ میں بندر کو اپنے ساتھ لے کر گھر گیا اور اپنے دل میں کہا کہ واللہ یہ تو واقعی بڑی تجارت ہے! گھر پہنچ کر میں نے ماں سے کہا کہ جب کبھی میں سوتا ہوتا تو تو مجھ سے کہتی تھی کہ اٹھ اور تجارت کر۔ دیکھ اس تجارت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے۔

یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا اور ابھی میں بیٹھا ہی ہوا تھا کہ ابوالمظفر کے غلام میرے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ کاہل ابو محمد تو ہی ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اتنے میں ان کے پیچھے پیچھے ابوالمظفر بھی آگیا۔ میں نے اٹھ کر اس کے ہاتھ چومے۔ اس نے کہا کہ میرے گھر چل۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر اس کے گھر پہنچا۔ اس نے اپنے غلاموں سے کہا کہ مال لاؤ۔ جب وہ لے آئے تو اس نے کہا کہ بیٹا پانچ درہم سے خدا نے تجھے اتنا فائدہ دیا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے مال کے صندوق ان کے سروں پر رکھوا دیے اور ان کی کنجیاں میرے حوالے کر کے کہا کہ غلاموں کو لے کر اپنے گھر جا یہ سارا مال تیرا ہے۔ میں انھیں لے کر ماں کے پاس آیا وہ خوش ہو گئی اور کہنے لگی کہ بیٹا خدا نے یہ سارا مال تجھے دیا ہے۔ اب کاہلی چھوڑ دے اور بازار جا کر خرید و فروخت کر۔ میں نے کاہلی چھوڑ کر بازار میں ایک دکان کھولی۔ بندر میرے ساتھ گدی پر بیٹھتا اور جب میں کھاتا تو وہ میرے ساتھ کھاتا اور جب پیتا تو وہ میرے ساتھ پیتا لیکن ہر روز صبح سے

لے کر دوپہر تک وہ غائب رہتا جب آتا تو ایک تھیلی لے کر آتا جس میں ایک ہزار دینار ہوتے اور اسے میرے پاس رکھ کر بیٹھ جاتا۔ بہت دنوں تک یہی حالت رہی اور میرے پاس بے شمار دولت جمع ہو گئی۔ اے امیر المومنین میں نے بہت سی زمینیں اور مکان خرید ڈالے، باغ لگائے، گورے اور کالے غلام اور کنیزیں خریدیں۔ ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ میں اور بندر دونوں بیٹھے تھے کہ یکایک وہ دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ معلوم نہیں کیا بات ہے اتنے میں بندر نہایت شیریں لہجے میں کہنے لگا اے ابو محمد۔ یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے کہا کہ ڈر نہیں میں اپنا حال تجھ سے بیان کرتا ہوں: میں خدا کی درگاہ سے راندہ ہوا جن ہوں۔ تیری خستہ حالت دیکھ کر میں تیرے پاس آیا تھا اور آج تیری یہ حالت ہے کہ تجھے اپنے مال کی بالکل قدر نہیں۔ تجھ سے میری ایک ضرورت ہے اور اس میں تیری بھلائی ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں تیری شادی ایک لڑکی سے کرانا چاہتا ہوں جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کس طرح؟ وہ بولا کہ کل اپنا بہترین لباس پہنیو اور اپنے خچر پر سونے کا زین رکھ کر اس پر سوار ہوجیو اور گھسیاروں کی منڈی جا کر شریف کی دکان کا پتا پوچھیو اور اس کے پاس بیٹھ کر کہیو کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر وہ کہے کہ تیری گرہ میں نہ تو دام ہیں اور نہ تیرا کوئی حسب نسب ہے تو اسے ایک ہزار دینار دے دیجیو۔ اگر وہ کہے کہ اور دے تو اور دے دیجیو اور اسے مال کا لالچ دلائیو۔ میں نے کہا کہ بسر و چشم، کل میں انشاءاللہ یہ کروں گا۔ ابو محمد کا بیان ہے کہ جب سویرا ہوا تو میں نے اپنے بہترین کپڑے پہنے اور خچر پر سونے کی زین رکھ کر سوار ہوا۔ اس کے بعد گھسیاروں کی منڈی پہنچ کر شریف کی دکان کا پتا پوچھا اور دیکھا کہ وہ اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے۔ میں سلام کر کے اس کے پاس بیٹھ گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی

جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو کے بعد تیسری رات

جب تین سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
ابو محمد کسلان کہتا ہے کہ میں نے اُتر کر اسے سلام کیا اور اس کے پاس جا بیٹھا۔ اس وقت میرے ساتھ دس گورے اور کالے غلام تھے۔ شریف نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مجھ سے تیری کوئی ضرورت ہے جسے میں پورا کروں۔ میں نے کہا ہاں میں تیرے پاس ایک حاجت لے کر آیا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ وہ کیا حاجت ہے؟ میں نے کہا کہ میں تیری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرے پاس نہ تو دولت ہے نہ حسب نسب۔ میں نے ایک تھیلی نکال کر اس کے آگے رکھ دی جس میں ایک ہزار دینار سُرخ تھے اور اس سے کہا کہ یہ ہے میرا حسب نسب۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین حسب نسب مال ہے۔ یہ سُن کر شریف نے اپنا سر جھکا لیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر بولا اگر یہی ہے تو میں تجھ سے تین ہزار دینار اور چاہتا ہوں۔ میں نے کہا ابھی لے۔ یہ کہہ کر میں نے ایک غلام کو اپنے گھر بھیجا اور وہ جا کر اتنے دینار لے آیا جتنے اس نے مانگے تھے۔ جب اس نے دیکھا کہ یہ مال بھی اُسے مل گیا تو وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اپنے غلاموں سے کہا کہ دکان میں قفل لگا دو۔ پھر وہ اپنے دوستوں کو لے کر گھر گیا اور میرا نکاح نامہ اپنی بیٹی کے ساتھ لکھوا دیا اور مجھ سے کہا کہ دس دن کے بعد میں اسے رخصت کر دوں گا۔ یہ سُن کر میں خوش خوش گھر لوٹا اور بندر سے تنہائی میں سارا ماجرا بیان کیا۔ اس نے کہا کہ تو نے بہت خوب کیا۔

جب شریف کی مقرر کردہ میعاد قریب آئی تو بندر نے مجھ سے کہا کہ میری

تجھ سے ایک حاجت ہے اگر تو اسے پورا کر دے تو جو مانگے گا میں دوں گا۔ میں نے کہا کہ وہ حاجت کیا ہے؟ اس نے کہا کہ جس کمرے میں تو شریف کی لڑکی سے ہم بستری کرے گا اس کے صدر کی طرف ایک کوٹھری ہے جس کی پیتل کی زنجیر ہے اور کنجیاں زنجیر کے نیچے ہیں۔ انھیں لے کر دروازہ کھولیو اس کے اندر تجھے ایک لوہے کا صندوق ملے گا جس کے چاروں کونوں پر جادو کے چار جھنڈے ہوں گے اور بیچ میں ایک تشت مال سے بھرا ہوا۔ تشت کے پاس گیارہ سانپ اور اس کے اندر ایک سفید مرغ ہوگا، صندوق کے پاس ایک چھری ہوگی، چھری کو لے کر اس مرغ کو ذبح کر ڈالیو اور جھنڈوں کو کاٹ کر صندوق الٹ دیجیو۔ اس کے بعد دلھن کے پاس جا کر سو جائیو۔ بس یہی تجھ سے میری درخواست ہے۔ اس کے بعد میں شریف کے مکان گیا اور کمرے میں جا کر دیکھا کہ وہ کوٹھری موجود ہے جس کا ذکر بندر نے کیا تھا۔ پھر میں دلھن کے پاس گیا تو اس کے حسن اور جمال اور قد و قامت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ زبان اس کی خوبصورتی بیان کرنے سے عاجز ہے اور بے حد خوش ہوا۔ جب آدھی رات ہوئی اور دلھن سو گئی تو میں اٹھا اور کنجیاں لے کر کوٹھری کھولی، چھری لے کر مرغ کو ذبح کیا اور جھنڈیوں کو پھینک کر صندوق الٹ دیا۔ اتنے میں لڑکی کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ کوٹھری کھلی ہوئی ہے اور مرغ ذبح کیا ہوا پڑا ہے۔ اس نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ! اب وہ مردود مجھے لے جائے گا۔ ابھی وہ یہ فقرہ تمام نہ کرنے پائی تھی کہ ایک مردود دیو نے گھر کو گھیر لیا اور لڑکی کو اٹھا کر لے گیا۔ ایک چیخ پکار مچ گئی۔ شریف سر پیٹتا آیا اور کہنے لگا اے ابو محمد یہ تو نے کیا کیا؟ کیا تجھے ہمارے ساتھ یہی سلوک کرنا تھا؟ اسی ڈر سے تو کہ کہیں یہ ملعون دیو میری بیٹی کو اٹھا کر نہ لے جائے میں نے اس کوٹھری میں یہ جادو کر رکھا تھا کیونکہ وہ چھ برس سے اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا مگر اس کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اب تو میرے ہاں نہیں ٹھیر سکتا چل دور ہو۔

شریف کے مکان سے روانہ ہو کر میں اپنے گھر آیا اور بندر کو ڈھونڈنے لگا مگر وہ نہ ملا اور اس کا کچھ پتا نہ چلا۔ اب مجھے یقین ہوا کہ وہی وہ ملعون دیو تھا جو میری بیوی کو اُڑا لے گیا اور مجھے دھوکا دے کر میرے ہاتھ سے مُرغ ذبح کرایا اور جادو اُتروایا۔ اپنی حرکت پر بہت پشیمان ہوا اور میں نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پر تھپڑ مارنے لگا۔ دنیا سے بیزار ہو گیا اور فوراً نکل کر جنگل کی راہ لی۔ چلتے چلتے شام ہو گئی اور مجھے کچھ معلوم نہ ہوا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اپنی دھن میں چلا جا رہا تھا کہ ایک زرد اور ایک سفید سانپ لڑتے ہوئے میرے قریب پہنچے۔ میں نے زمین پر سے ایک پتھر اٹھا کر زرد سانپ پر مارا اور وہ مر گیا کیونکہ وہی سفید سانپ کو دق کر رہا تھا۔ اب سفید سانپ وہاں سے چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس اور سفید سانپوں کو لے کر آیا انھوں نے مُردہ سانپ کے پاس جا کر اس کی تکا بوٹی کر ڈالی۔ یہاں تک کہ سوائے سر کے اور کچھ باقی نہ رہا اور چلتے بنے۔ تھکن کی وجہ سے میں وہیں لیٹ گیا۔ میں لیٹا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا کہ میں نے کسی کو یہ کہتے سنا مگر اس کی شکل دکھائی نہ دی کہ "تقدیر کو اپنا کام کرنے دے اور آرام سے سو کیونکہ اتنی دیر میں کہ انسان آنکھ بند کرے اور کھولے خدا کچھ کا کچھ کر دیتا ہے"

اے امیر المومنین! جب میں نے یہ سنا تو میری حالت دگرگوں ہو گئی اور مجھے بے حد پریشانی ہوئی اتنے میں پیچھے سے مجھے یہ آواز سنائی دی کہ "اے مسلم تیرا رہنما قرآن ہے۔ خوش ہو کہ اب امان میں آگیا ہے۔ شیطان کی دغا بازی سے نہ ڈر کیونکہ ہم لوگ ایمان والے ہیں" میں نے کہا خدا کے واسطے یہ تو بتا کہ تو ہے کون۔ یہ سُن کر ہاتف نے انسان کی صورت اختیار کر لی اور مجھ سے کہا کہ ڈر نہیں تیرے احسان کی خبر ہم کو مل چکی ہے۔ ہم مسلمان جن ہیں۔ اگر تجھے کوئی حاجت ہو تو بیان کر تاکہ ہم اُسے پورا کر دیں۔ میں نے کہا کہ میری حاجت بہت بڑی ہے مجھ پر ایسی سخت

مصیبت آپڑی ہو کہ کسی اور پر نہ گزری ہوگی۔ اس نے کہا کہ تو ابو محمد الکسلان تو نہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ بولا ای ابو محمد میں اس سفید سانپ کا بھائی ہوں جس کے دشمن کو تو نے قتل کیا ہی۔ ہم چار سگے بھائی ہیں اور سب کے سب تیری مہربانی کے شکرگزار ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جو جن بندر کی صورت میں تھا اور جس نے تیرے ساتھ دغابازی کی ہو وہ مردود جنوں میں سے ہی۔ وہ یہ چھل فریب نہ کرتا تو لڑکی ہرگز اس کے قابو میں نہ آتی۔ ایک زمانے سے وہ اس لڑکی پر عاشق تھا اور اُسے لے جانا چاہتا تھا مگر وہ جادو اُسے روکے ہوئے تھا۔ اگر جادو نہ ٹوٹتا تو وہ جن اس کے پاس پھٹک نہ سکتا خیر پریشان نہ ہو ہم تجھے اس لڑکی تک پہنچا دیں گے اور اُس ملعون کو قتل کر دیں گے جو احسان تو نے ہمارے ساتھ کیا ہو وہ ضائع نہیں ہو سکتا۔ یہ کہہ کر اس نے زور سے آواز دی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چوتھی رات

جب تین سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ جن نے یہ کہہ کر کہ تیرا احسان جو ہم پر ہو ضائع نہیں ہو سکتا بہت زور سے ایک آواز دی بہت سے جن آموجود ہوئے اور اس نے ان سے بندر کے متعلق دریافت کیا۔ ایک جن نے جواب دیا میں جانتا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہی۔ اس نے پوچھا کہ کہاں رہتا ہی؟ جن نے کہا کہ تانبے کے شہر میں جہاں کبھی سورج نہیں نکلتا۔ وہ بولا ای ابو محمد ہمارے غلاموں میں سے ایک غلام کو اپنے ساتھ لے جا وہ تجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر لے جائے گا اور تجھے لڑکی کو واپس لے آنے کی تدبیر بتا دے گا۔ مگر تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ یہ جن

کا فرجنوں میں سے ہے جب تک تو اس پر سوار رہے خدا کا نام نہ لیجیو ورنہ وہ تجھے چھوڑ کر بھاگ جائے گا اور تو گر کر ہلاک ہو جائے گا۔ میں نے کہا اچھا۔ ان کے غلاموں میں سے ایک سامنے آیا اور جھک کر بولا کہ سوار ہو۔ میں سوار ہو گیا تو وہ مجھے لے کر ہوا میں اُڑا یہاں تک کہ وہ دنیا سے غائب ہو گیا اور مجھے ستارے مضبوط پہاڑوں کی طرح دکھائی دینے لگے اور آسمان پر فرشتوں کی تسبیح سنائی دینے لگی۔ اُدھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر وہ دیو مجھ سے بات چیت کر کے خدا کی یاد بھلا رہا تھا۔ اسی حالت میں ایک شخص دکھائی دیا اس کا لباس سبز تھا، بال لمبے لمبے اور چہرہ نورانی۔ اس کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا جس میں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ وہ شخص میرے پاس آکر کہنے لگا اے ابو محمد کہہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ورنہ میں یہ نیزہ ابھی کھینچ کر مارتا ہوں۔ خدا کا ذکر نہ کرنے کی وجہ سے میں برداشتہ خاطر تو ہو ہی رہا تھا فوراً میں نے کہہ دیا کہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اور اس شخص نے دیو پر نیزہ مارا اور وہ جل کر راکھ ہو گیا اور میں اُس کی پیٹھ پر سے زمین کی طرف چلا اور زمین پر پہنچ کر متلاطم سمندر میں جا پڑا۔ وہاں میں نے ایک ناؤ دیکھی جس میں پانچ ملاح بیٹھے ہوئے تھے۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو انھوں نے مجھے اٹھا کر ناؤ میں بٹھا لیا اور مجھ سے ایک ایسی زبان میں باتیں کرنے لگے جس کو میں نہیں سمجھتا تھا۔ میں نے اُنھیں اشارے سے بتایا کہ میں تمھاری بولی نہیں سمجھتا۔ چلتے چلتے شام ہو گئی انھوں نے جال ڈال کر ایک مچھلی پکڑی اور اُسے تل کر مجھے کھلایا۔

اب وہ اپنے شہر میں پہنچے اور مجھے اپنے بادشاہ کے پاس لے جا کر اُس کے سامنے کھڑا کر دیا۔ میں نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اس نے مجھے خلعت عطا کیا۔ بادشاہ عربی جانتا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ میں تجھے اپنا مددگار بناتا ہوں۔ میں نے پوچھا کہ اس شہر کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ شہر کا نام ہناد ہے اور وہ چین میں ہے۔ اس کے

بعد بادشاہ نے مجھے اپنے وزیر کے سپرد کر کے کہا کہ اسے شہر کی سیر کرالا۔ اس شہر کے باشندے پہلے کافر تھے اس لیے خدا نے انھیں مسخ کر کے پتھر بنا دیا تھا۔ مَیں نے وہاں کی سیر کی اور اتنے درخت اور پھل دیکھے جتنے کہیں اور نہ دیکھے ہوں گے۔ ایک مہینے کے بعد ایک روز مَیں دریا کے کنارے بیٹھا ہوا تھا کہ ایک سوار آیا اور مجھ سے پوچھا کہ کیا تو کاہن ابو محمد ہے؟ مَیں نے جواب دیا ہاں۔ وہ کہنے لگا بے خوف رہ تیری بھلائی کی خبر مجھے ملی ہے۔ مَیں نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مَیں سانپ کا بھائی ہوں اور اب تو اس جگہ کے قریب ہے جہاں لڑکی ہے اور جہاں تو جانا چاہتا ہے۔ اب اس نے اپنے کپڑے اتار کر مجھے پہنا دیے اور مجھ سے بولا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں جو غلام تیری سواری میں مارا گیا ہے ہمارا ہی غلام تھا۔ یہ کہہ کر اُس نے مجھے اپنے پیچھے گھوڑے پر سوار کر لیا اور جنگل کی راہ لی۔ ایک مقام پر پہنچ کر اس نے کہا کہ اب اتر کر ان دونوں پہاڑوں کے درمیان چلا جا جب تجھے پیتل کا شہر دکھائی دے تو اس سے دور ٹھیرا رہیو جب تک مَیں نہ آؤں اس کے اندر نہ جائیو۔ مَیں آ کر بتاؤں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے۔

مَیں نے بہت خوب کہا اور اتر کر روانہ ہوا۔ شہر کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ اس کی شہر پناہ پیتل کی ہے اور مَیں اس کے گرد چکر لگانے لگا کہ کہیں اس کا دروازہ نظر آئے لیکن کہیں نظر نہ آیا۔ مَیں ابھی چکر لگا ہی رہا تھا کہ سانپ کا بھائی آ پہنچا اور اس نے مجھے ایک جادو کی تلوار دی کہ مجھے کوئی دیکھ نہ سکے۔ اس کے بعد وہ وہاں سے چل دیا مگر ابھی اُسے گئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہو گی کہ ایک شور سنائی دیا اور بہت سے لوگ دکھائی دیے جن کی آنکھیں سینوں میں تھیں۔ جب ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ کہنے لگے کہ تو کون ہے اور تجھے اس جگہ کون لایا ہے؟ مَیں نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ وہ کہنے لگے کہ جس لڑکی کا تو نے ذکر کیا ہے وہ ہے تو دیو کے ساتھ اسی شہر میں مگر ہمیں یہ نہیں معلوم کہ اس نے اُس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اور ہم لوگ سانپ کے بھائی ہیں۔

اس کے بعد انھوں نے کہا کہ اُس چشمے کے پاس جاکر دیکھ کہ پانی کہاں سے اندر جاتا ہے۔ وہیں سے تو بھی اندر چلا جا اور پانی تجھے شہر کے اندر پہنچا دے گا۔ میں نے ایسا ہی کیا اور جب میں پانی کے ساتھ بدرو میں داخل ہو کر اوپر نکلا تو میں شہر کے بیچ میں تھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک لڑکی سونے کے تخت پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کے چاروں طرف دیباج کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ پردوں کے چاروں طرف ایک باغ ہے جس کے درخت سونے کے ہیں اور پھل یاقوت، زبرجد، موتی اور مرجان اور قیمتی قیمتی جواہرات کے۔ لڑکی نے دیکھتے ہی مجھے پہچان لیا پہلے خود سلام کیا اور کہا کہ اے میرے آقا تجھے یہاں کون لایا؟ میں نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا وہ بولی اس ملعون کو مجھ سے اتنی محبت ہے کہ اس نے مجھے بتا دیا ہے کہ کس چیز سے اُسے نقصان پہنچ سکتا ہے اور کس چیز سے فائدہ۔ اس نے یہ بھی کہا ہے کہ اس شہر میں ایک طلسم ہے میں چاہوں تو اُس کے ذریعے سے سینکڑوں کو ہلاک کر سکتا ہوں اور جب میں دیووں کو حکم دوں تو وہ میری اطاعت کریں گے اور یہ طلسم چند کھمبوں کے اندر ہے۔ میں نے پوچھا کہ وہ کھمبے کہاں ہیں؟ اس نے کہا کہ فلاں جگہ۔ میں نے کہا کہ اور وہ طلسم کیا ہے؟ وہ بولی کہ ایک گدھ کی مورت ہے اور اس پر کچھ لکھا ہوا ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتا۔ اس گدھ کو لے کر اپنے آگے رکھیو اور ایک انگارا لے کر اس پر تھوڑا سا مشک ڈالیو جب اس میں سے دھنواں نکلے گا تو دیو آکر جمع ہو جائیں گے۔ اگر تو نے ایسا کیا تو سارے کے سارے دیو آجائیں گے اور ایک بھی غیر حاضر نہ رہے گا اور وہ سب تیری فرماں برداری کریں گے جو تو حکم دے گا اُسے بجا لائیں گے۔ اب جا اور ایسا ہی کر خدا برکت دے! میں نے کھمبوں کے پاس جاکر اس کے کہنے کے مطابق عمل کیا۔ دیو آ پہنچے اور میرے سامنے کھڑے ہو کر کہنے لگے کہ اے آقا ہم سب حاضر ہیں جو تو کہے گا ہم کریں گے۔ میں نے کہا کہ اس مردود دیو کو باندھ کر لے آؤ جو اس لڑکی کو اس کے گھر سے چرا لایا ہے۔ انھوں نے کہا کہ بسر و چشم اور وہ اس ملعون کے پاس

گئے اور اُسے بیڑیوں میں جکڑ اور مشکیں کس لا حاضر کیا اور کہنے لگے کہ ہے ہم تیرا حکم بجا لائے۔ میں نے کہا کہ اب تم چلے جاؤ پھر میں نے لڑکی کے پاس جا کر اس سے سارا واقعہ بیان کیا اور کہا کہ ای میری بیوی کیا تو میرے ساتھ چلے گی ؟ اس نے کہا ہاں۔ اب میں اسی بدررو میں سے نکلا جس سے کہ داخل ہوا تھا اور چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچا جنھوں نے مجھے راستہ بتایا تھا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پانچویں رات

جب تین سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہزادہ کہنے لگا کہ ہم چلتے چلتے ان لوگوں کے پاس پہنچے جنھوں نے ہمیں لڑکی تک پہنچنے کا راستہ بتایا تھا اور میں نے اُن سے کہا کہ مجھے اس راستے پر لگا دو جہاں سے میں اپنے وطن پہنچ جاؤں۔ انھوں نے مجھے راستے پر لگا دیا اور میرے ساتھ سمندر کے کنارے تک گئے اور مجھے ایک کشتی میں بٹھا دیا۔ ہوا موافق تھی کشتی نے ہمیں لا کر بصرے پہنچا دیا۔ جب لڑکی اپنے باپ کے گھر پہنچی تو اس کے خاندان والے اُسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے میں نے پھر گدھ کو مشک کی دھونی دی اور ہر طرف سے دیو آ پہنچے۔ انھوں نے کہا کہ لبیک کیا حکم ہے تاکہ ہم بجا لائیں۔ میں نے کہا کہ جبل کے شہر میں جو کچھ مال و دولت اور معدنیات اور ہیرے جواہرات ہیں انھیں بصرے میں میرے گھر لے آؤ۔ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ اس کے بعد میں نے حکم دیا کہ اس بندر کو لاؤ اور وہ اُسے نہایت ذلت اور حقارت سے لائے۔ میں نے اس سے کہا اے ملعون تو نے مجھ سے کیوں دغا بازی کی؟ اور انھیں حکم دیا کہ اسے پیتل کی بوتل میں بند کر دو۔ انھوں نے اُسے ایک پیتل کی تنگ

بوتل میں داخل کر کے اس کا منہ سیسے سے بند کر دیا اور میں اور میری بیوی خوش خوش زندگی بسر کرنے لگے۔ اے امیرالمومنین اس وقت میرے پاس اس قدر قیمتی ذخیرے ہیں جن کا حد و حساب نہیں اگر تجھے مال و دولت یا کسی اور چیز کی ضرورت ہو تو میں جنات کو حکم دوں گا کہ وہ فوراً تیرے پاس لا کر حاضر کریں۔ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ امیرالمومنین کو اس پر سخت اچنبھا ہوا اور اس کے ہدیے کے عوض اس نے اُسے شاہانہ عطیے اور اس کے لائق انعامات دیے۔

یحییٰ بن خالد برمکی اور منصور کی کہانی

کہتے ہیں کہ ایک بار ہارون الرشید نے اپنے ایک سردار کو بلوایا جس کا نام صالح تھا یہ اس وقت کا واقعہ ہے کہ ابھی تک وہ برمکیوں سے ناراض نہیں ہوا تھا۔ جب وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوا تو ہارون الرشید نے کہا اے صالح تو منصور کے پاس جا کر کہہ کہ میرے تجھ پر دس لاکھ درہم نکلتے ہیں میرا حکم ہے کہ وہ فوراً یہ رقم میرے پاس پہنچا دے اور اے صالح تجھے میں یہ حکم دیتا ہوں کہ اگر اس وقت سے لے کر مغرب تک تجھے یہ رقم نہ مل جائے تو اُس کا سر جسم سے جدا کر دیجیو اور اسے میرے پاس لے آئیو۔ صالح نے منصور کے پاس جا کر امیرالمومنین کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور نے کہا کہ اب میری جان گئی واللہ اگر میں اپنی ساری جاگیریں اور دوسرا مال مہنگے سے مہنگا بھی بیچوں تو اُس کی قیمت ایک لاکھ سے زیادہ نہ آئے گی مگر اے صالح باقی نو لاکھ درہم میں کہاں سے لاؤں گا! صالح نے کہا کہ جلد سے جلد کوئی تدبیر سوچ جس سے تیرا چھٹکارا ہو جائے ورنہ تو مارا جائے گا کیونکہ خلیفہ نے جو میعاد مقرر کر دی ہے اس سے ایک لمحہ بھی میں دیر نہیں کر سکتا اور نہ امیرالمومنین کے حکم کی نافرمانی کر سکتا ہوں اس لیے وقت ختم

ہونے سے پہلے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر نکال۔ منصور بولا اے صالح میں تجھ سے
درخواست کرتا ہوں کہ مجھے میرے گھر لے چل تاکہ میں اپنے بال بچوں اور خاندان والوں
کو خدا حافظ کہہ لوں اور اپنے رشتے داروں کو وصیت کر دوں۔ صالح کا بیان ہے کہ
میں اس کے ساتھ اس کے گھر گیا اور اس نے اپنے خاندان والوں کو خدا حافظ کہنا
شروع کیا اور گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور خدا کی دہائی دینے لگے۔ صالح نے اس
سے کہا میرا خیال ہے کہ برمکیوں کے ہاتھ سے خدا تجھے خوشی دے سکتا ہے تو میرے
ساتھ یحییٰ بن خالد کے گھر چل چنانچہ وہ یحییٰ کے پاس گیا اور اپنی حالت سنائی۔ یحییٰ
بہت غمگین ہوا اور اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اُٹھا کر اپنے
خانگی خزانچی کو بلایا اور پوچھا کہ ہمارے خزانے میں کتنے درہم ہیں؟ اس نے کہا کہ
تقریباً پانچ ہزار یحییٰ نے حکم دیا کہ انھیں لا۔ اس کے بعد اس نے اپنے بیٹے فضل
کے پاس ایک قاصد کو یہ خط دے کر بھیجا کہ ایک ایسی عالی شان جاگیر بکنے کو میرے
پاس آئی ہے جو کبھی بنجر نہ ہوگی۔ کچھ درہم میرے پاس بھیج دے۔ اس نے دس لاکھ
درہم بھیج دیے۔ پھر اس نے اپنے دوسرے بیٹے جعفر کے پاس ایک اور شخص کو ایک
خط دے کر بھیجا جس کا مضمون یہ تھا کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آگیا ہے اور مجھے
کچھ درہموں کی ضرورت ہے جعفر نے بھی فوراً دس لاکھ اس کے پاس بھیج دیے۔

اسی طرح یحییٰ برمکیوں کے پاس مختلف لوگوں کو بھیجتا رہا یہاں تک کہ اس
نے منصور کے لیے بہت دولت جمع کر لی۔ صالح اور منصور کو اس کی بالکل خبر نہ تھی۔
منصور نے یحییٰ سے کہا اے میرے مولیٰ میں نے تیرا دامن پکڑا ہے اور میرے خیال
میں تیرے سوا اور کسی سے اتنی رقم نہیں مل سکتی کیونکہ تو سخاوت کا عادی ہے لہٰذا
میرا باقی قرضا اتار دے اور مجھے اپنا زر خرید بندہ بنا لے۔ یحییٰ سر نیچا کر کے رونے لگا
اور اپنے غلام سے بولا کہ امیر المومنین نے ہماری کنیز دنانیر کو ایک بار ایک بیش بہا

ہیرا دیا تھا۔ اس کے پاس جاکر کہہ کہ وہ اس ہیرے کو میرے پاس بھیج دے۔ غلام جاکر
اس ہیرے کو لے آیا۔ یحیٰی نے کہا اے صالح میں نے یہ ہیرا امیرالمومنین کے لیے تاجروں سے
دو لاکھ دینار میں خریدا تھا اس نے میری کنیز دنانیر کو بخش دیا جو عود بجانے والی ہے۔ اگر وہ
اس ہیرے کو تیرے پاس دیکھے گا اور اُسے پہچان لے گا تو ہماری خاطر تیری جان بخشی
کر دے گا کیونکہ ہمارے ساتھ وہ احسان کرتا ہے اور اے منصور اب تیرے قرضے کے دام
پورے ہوگئے ہیں۔ صالح کا بیان ہے کہ میں نقدی اور اس ہیرے کو لے کر منصور کے ساتھ
رشید کے پاس روانہ ہوگیا۔ ابھی ہم راہ ہی میں تھے کہ میں نے اُسے یہ شعر پڑھتے سُنا: "میں
محبت کی وجہ سے ان کے پاس نہیں گیا بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں مجھ پر تیر نہ پڑیں" مجھے
اس کی بدطینتی، رذالت، شرارت اور خباثت پر تعجب ہوا اور میں نے پھر کر اس سے کہا کہ دنیا میں
برمکیوں سے زیادہ شریف اور تجھ سے زیادہ رذیل موجود نہیں۔ انھوں نے تجھے موت سے چھڑایا،
ہلاکت سے بچایا اور تجھے نجات دے کر تجھ پر احسان کیا اس کے بدلے تو نے نہ اُن کا
شکریہ ادا کیا نہ اُن کی تعریف کی اور نہ کوئی شریفانہ برتاؤ کیا بلکہ اُن کے احسان کے
بدلے یہ شعر پڑھا۔ رشید کے پاس پہنچ کر میں نے اس سے یہ قصہ بیان کیا اور ساری
سرگزشت سنائی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی
جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھٹی رات

جب تین سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ صالح کا
بیان ہے کہ میں نے یہ قصہ رشید سے بیان کیا اور اُسے ساری سرگزشت سنائی۔ رشید
کو یحیٰی کی سخاوت اور مروت اور منصور کی رذالت اور کمینے پن پر سخت تعجب ہوا

حکم دیا کہ ہیرا یحییٰ بن خالد کو واپس کر دیا جائے اور کہا کہ جو چیزیں ہم نے اُسے عطا کی ہیں ان کا واپس لینا ہمارے لیے جائز نہیں۔ صالح نے یحییٰ بن خالد کے پاس جا کر منصور کا قصہ اور اس کی رذالت بیان کی۔ یحییٰ نے کہا اے صالح جب انسان نادار اور دل آزردہ اور متفکر ہو تو اس سے اگر کوئی حرکت سرزد ہو جائے تو اُسے اُس کی سزا نہیں دی جاسکتی کیوں کہ وہ اس کے دل سے نہیں نکلتی اور وہ منصور کی طرف سے صالح سے معذرت کرنے لگا۔ صالح رو پڑا اور کہنے لگا کہ دنیا تیرا جیسا اور شخص پیدا نہ کرے گی۔ افسوس ہے کہ ایسا شخص جس کی سخاوت تیری سخاوت کی طرح ہو اور خُلق تیرا سا، وہ ایک دن زمین کے اندر چُھپ جائے۔

یحییٰ بن خالد اور جعلی خط کی کہانی

بیان کیا جاتا ہے کہ یحییٰ بن خالد اور عبداللہ بن مالک خزاعی آپس میں پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے مگر اُسے ظاہر نہ ہونے دیتے تھے۔ دونوں میں دشمنی کی وجہ یہ تھی کہ امیرالمومنین ہارون الرشید کو عبداللہ بن مالک سے بڑی محبت تھی حتیٰ کہ یحییٰ بن خالد اور اس کے بیٹے کہا کرتے تھے کہ عبداللہ نے امیرالمومنین پر جادو کر دیا ہے۔ یہ دشمنی دونوں کے دلوں میں ایک زمانے تک رہی۔ اتفاق ایسا ہوتا ہے کہ رشید نے عبداللہ بن مالک کو آرمینیہ کا والی بنا کر وہاں روانا کر دیا۔ جب اُسے والی ہوئے ایک مدت گزر گئی تو اس کے پاس ایک عراقی گیا۔ وہ بڑا فاضل اور ادیب، ذکی اور فہیم تھا لیکن غریب ہو چکا تھا اس کی دولت ختم ہو چکی تھی اور اس کے حالات ابتر تھے۔ یحییٰ بن خالد کی طرف سے عبداللہ بن مالک کے نام ایک جعلی خط لکھ کر اس کے پاس آرمینیہ بھیجا اور اس کے دروازے پر پہنچ کر وہ خط اُس کے ایک حاجب کے حوالے کر دیا۔ حاجب نے خط لے کر عبداللہ بن مالک خزاعی کو دے دیا۔ اس نے خط کھول کر پڑھا غور کرنے سے معلوم ہوا کہ خط جعلی ہے۔

پھر اس شخص کو اندر بلوایا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے اسے دعا دی اور اس کے مجلس والوں کی تعریف کی۔ عبداللہ بن مالک نے کہا کہ تجھ پر ایسی کیا مصیبت پڑی جو تو اتنی مشقت اٹھا کر ایک جعلی خط لایا ہے؟ مگر اطمینان رکھ ہم تیری محنت کو رایگاں نہ کریں گے۔ اس شخص نے کہا کہ خدا ہمارے والی کی عمر میں برکت دے! اگر میرا آنا تجھ پر گراں گزرا ہے تو اپنے انکار کے لیے کوئی سبب نہ ڈھونڈ کیونکہ خدا کی زمین بہت وسیع ہے اور رزق دینے والا زندہ ہے اور جو خط میں یحییٰ بن خالد کے پاس سے تیرے نام لایا ہوں اصلی ہے جعلی نہیں۔ عبداللہ نے کہا کہ میں اپنے نمایندے کو جو بغداد میں ہے ایک خط لکھتا ہوں اور اسے حکم دیتا ہوں کہ جو خط تو لایا ہے اس کی تحقیق کرے۔ اگر وہ خط اصلی ہے اور جعلی نہیں تو میں تجھے اپنے کسی صوبے کا حاکم بنا دوں گا یا اگر تیری مرضی ہوگی تو تجھے دو لاکھ درہم گھوڑے اور اصیل اونٹ اور خلعت عطا کروں گا۔ اور اگر خط جعلی نکلا تو حکم دوں گا کہ تجھے دو سو ڈنڈے مارے جائیں اور تیری داڑھی مونڈ ڈالی جائے۔ اس کے بعد عبداللہ نے حکم دیا کہ جب تک اس بات کی تحقیق نہ ہو لے اسے ایک کمرے میں رکھا جائے اور اس کے لیے ضرورت کی چیزیں مہیا کی جائیں اس کے بعد اس نے اپنے نمایندے کے نام بغداد اس مضمون کا خط لکھا کہ میرے پاس ایک شخص ایک خط لے کر آیا ہے اور کہتا ہے کہ وہ یحییٰ بن خالد کی طرف سے ہے مگر مجھے اس میں شک ہے۔ تجھے چاہیے کہ فوراً خود جا کر اس خط کے بارے میں تحقیق کر اور مجھے جلد جواب دے تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ وہ شخص سچا ہے یا جھوٹا۔ یہ خط بغداد میں نمایندے کے پاس پہنچا تو وہ سوار ہو کر گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو ساتویں رات

تین سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب بغداد میں عبداللہ بن مالک خزاعی کے وکیل کو یہ خط ملا تو وہ فوراً سوار ہو کر یحییٰ بن خالد کے مکان پر پہنچا دیکھا کہ وہ اپنے ندیموں اور دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سلام کر کے وہ خط اُسے دے دیا۔ خط پڑھ کر یحییٰ بن خالد نے نمایندے سے کہا کہ کل آکر مجھ سے جواب لے جائیو۔ جب نمایندہ چلا گیا تو یحییٰ نے اپنے ندیموں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا کہ کیا سزا ہے اُس شخص کی جو میری طرف سے ایک جعلی خط لے جا کر میرے دشمن کے ہاتھ میں دے۔ ہر ندیم اپنی اپنی ہانکنے اور طرح طرح کی سزا تجویز کرنے لگا۔ یحییٰ نے کہا کہ تم سب غلطی پر ہو اور تمھاری تجویزیں کم ہمتی اور چھچھورے پن پر دلالت کرتی ہیں تمھیں معلوم ہے کہ عبداللہ کو امیرالمومنین کا قرب حاصل ہے اور تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہم دونوں ایک دوسرے سے ناراض اور آپس میں دشمن ہیں۔ اب خدا نے اس شخص کو میرے اور اس کے درمیان صلح کا سبب بنایا ہے۔ اس کی اس بارے میں مدد کی ہے اور اسے اس بات پر مامور کیا ہے کہ وہ ہمارے دلوں سے نفرت کی اس آگ کو بجھا دے جو بیس سال سے شعلہ زن ہے اور اس کے ذریعے سے ہماری اصلاح کر دے۔ اس لیے میرا فرض ہے کہ اس شخص کے گمان کو یقین کے درجے تک پہنچا دوں اور اس کی حالت سدھارنے کی کوشش کروں اور عبداللہ بن مالک خزاعی کو ایک خط لکھوں جس کا مضمون یہ ہو کہ اس شخص کی اور زیادہ تعظیم و تکریم کرو اور اُسے عزت و احترام سے رکھو۔ ندیموں نے یہ سنا تو وہ اس کے حق میں بھلائی کی دعا مانگنے لگے اور انھیں اس کی بلند حوصلگی اور بامروتی پر تعجب ہوا۔ اس کے بعد یحییٰ نے کاغذ اور دوات منگوا کر اپنے ہاتھ سے عبداللہ بن مالک کو یہ خط لکھا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم تیرا

خط پہنچا خدا تیری عمر میں برکت دے میں نے اسے پڑھا تیری خیریت معلوم کرکے مجھے خوشی ہوئی اور تیرے استقلال اور سعادت مندی سے میں مسرور ہوا تیرا خیال ہے کہ اس شریف آدمی نے میری طرف سے ایک جعلی خط لکھا ہے اور وہ میری طرف سے اس پیغام کے لے جانے کا مجاز نہ تھا۔ یہ درست نہیں اس خط کو میں نے ہی لکھا ہے اور وہ جعلی نہیں ہے۔ مجھے تیرے اکرام واحسان اور خوش خلقی سے امید ہے کہ تو اس شریف اور بزرگ شخص کی امیدیں اور آرزوئیں پوری کردے گا اور اس کا احترام کرکے اس کی مطلب برآری کرے گا اور اس کے ساتھ احسان واکرام کرکے اسے اپنے خاص لوگوں میں شامل کرے گا یہ تیری خوشی سوکی میرے ساتھ ہوگی اور میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔ اس کے بعد اس نے خط پر پتا لکھا اور مہر لگا کر نمائندے کو دے دیا اور نمائندے نے اسے عبداللہ کے پاس بھیج دیا

جب عبداللہ نے یہ خط پڑھا تو اس کا مضمون دیکھ کر وہ خوش ہو گیا اور اس شخص کو بلا کر کہا کہ دونوں باتوں میں سے جو میں نے لکھی تھیں تجھے کون سی زیادہ پسند ہے تاکہ میں اسی کو حاضر کروں ہ اس نے جواب دیا کہ اور چیزوں کے مقابلے میں مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ تو مجھے انعام دے۔ اس پر عبداللہ نے حکم دیا کہ اسے دولاکھ درہم اور دس عربی گھوڑے جن میں سے پانچ پر ریشمی جھولیں ہوں اور پانچ کی زینیں جڑاؤ اور مرصع ہوں اور بیس صندوق کپڑوں کے اور دس اسپ سوار گورے غلام اور ان سب چیزوں کی رعایت سے قیمتی جواہرات دے دیے جائیں۔ بعدازاں اس نے اسے خلعت پہنایا اور اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا اور اسے بڑی شان وشوکت سے بغداد روانہ کر دیا۔ بغداد پہنچ کر قبل اس کے کہ وہ اپنے گھر جائے پہلے یحیٰی بن خالد کے دروازے پر پہنچا اور اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حاجب نے اندر جا کر یحیٰی سے کہا کہ اے میرے مولیٰ دروازے پر ایک شخص ہے جو بڑی شان وشوکت سے آیا ہے خوبصورت

ہے اور خوش حال معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ بہت سے غلام ہیں۔ وہ تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ یحییٰ نے اسے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے یحییٰ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ اس نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ اس نے کہا کہ اے آقا میں ایک شخص ہوں جو زمانے کے ظلم سے مرچکا تھا لیکن تو نے مجھے مصیبتوں کی قبر سے نکال کر دوبارہ زندہ کر دیا اور مقاصد کی جنت میں پہنچا دیا۔ میں وہی شخص ہوں جو تیری طرف سے عبداللہ بن مالک خزاعی کے نام جعلی خط لے گیا تھا۔ یحییٰ نے پوچھا کہ اس نے تیرے ساتھ کیا برتاؤ کیا اور تجھے کیا دیا؟ اس نے کہا کہ عبداللہ نے تیری بخشش اور خوش خلقی اور نعمتوں اور عام سخاوت اور بلند ہمتی اور وسیع مہربانی میں سے اتنا کچھ دیا کہ میں امیر ہوگیا۔ میں اس کی ساری بخششیں اور ہدیے لے کر آیا ہوں اور سب تیرے دروازے پر تیرے حکم کے منتظر ہیں۔ یحییٰ نے کہا کہ جو نیکی تو نے میرے ساتھ کی ہے وہ اس سے بہتر ہے جو میں نے تیرے ساتھ کی۔ تیرا مجھ پر بڑا احسان اور کرم ہے تو نے اس دشمنی کو جو میرے اور اس بڑے شخص کے درمیان تھی دوستی اور محبت سے بدل دیا۔ جتنا مال عبداللہ بن مالک نے تجھے دیا ہے اتنا ہی میں بھی دوں گا۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ میری طرف سے اتنا مال اور گھوڑے اور صندوق دیے جائیں جتنے اسے عبداللہ سے ملے ہیں۔ الغرض ان دو سخی آدمیوں کی بدولت وہ پھر پہلے کی طرح خوش حال اور امیر ہوگیا۔

مامون اور پردیسی فقیہہ کی کہانی

لوگ کہتے ہیں کہ عباسی خلفا میں سے مامون کے برابر کوئی خلیفہ مختلف علوم میں دست رس نہ رکھتا تھا۔ اس نے ہفتے میں دو دن مقرر کیے تھے جب کہ وہ بیٹھ کر

علما سے مناظرہ کرتا۔ ان مجلسوں میں مناظرہ کرنے والے فقہا اور متکلمین اس کے حضور میں درجہ بدرجہ بیٹھتے۔ ایک دن وہ ان کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا کہ مجلس میں ایک پردیسی پہنچا جس کے کپڑے سفید مگر پھٹے پرانے تھے۔ وہ آ کر فقہا کی پشت پر تمام لوگوں کے پیچھے ایک پوشیدہ جگہ پر بیٹھ گیا۔ اب مشکل مسئلوں پر بحث مباحثہ شروع ہوا۔ ان کا دستور تھا کہ ہر مسئلے کو ایک ایک کے سامنے باری باری پیش کرتے اور جو کوئی اس میں زیادہ لطافت پیدا کرنا یا عجیب و غریب نکتہ نکالنا چاہتا بیان کرتا۔ چنانچہ ایک مسئلہ چلتے چلتے اس پردیسی کے پاس پہنچا اور اس نے اس کا جواب تمام فقہا سے بہتر دیا۔ خلیفہ کو اس کا جواب بہت پسند آیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو آٹھویں رات

تین سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خلیفہ مامون کو اس کی گفتگو بہت پسند آئی اور حکم دیا کہ اُسے اس جگہ سے اٹھا کر بلند تر جگہ پر بٹھایا جائے۔ جب اس شخص کے پاس دوسرا مسئلہ پہنچا تو اس کا جواب اس نے پہلے سے بھی اچھا دیا اور مامون کے حکم سے اُسے اور زیادہ بلند رتبے پر بٹھایا گیا۔ پھر تیسرا مسئلہ اس تک پہنچا تو اس نے اس کا جواب پہلے دو جوابوں سے بھی بہتر دیا۔ مامون نے حکم دیا کہ اُسے میرے قریب بٹھایا جائے۔ مناظرہ ختم ہو چکا تو پانی لایا گیا اور لوگوں نے ہاتھ دھوئے کھانا آیا اور سب نے کھایا۔ اس کے بعد فقہا اُٹھ کر چل دیے مگر مامون نے اس شخص کو ان کے ساتھ جانے سے روک لیا اُسے اپنے قریب بٹھا کر بڑی مہربانی سے پیش آیا اور احسان و اکرام کا وعدہ کیا۔ اب شراب کی مجلس گرم ہوئی حسین جبین

ساقی حاضر ہوتے، دَور چلنے لگا جب دَور اس شخص کے پاس پہنچا تو وہ بے ساختہ کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اگر امیرالمومنین اجازت دے تو میں ایک بات کہوں۔ مامون بولا کہ جو کہنا چاہتا ہو کہہ۔ اس نے کہا کہ تیری بلند خیالی پر یہ بات پوشیدہ نہیں ہو (خدا اس کی بلندی قائم رکھے!) کہ میں آج اس اعلیٰ مجلس میں سب سے زیادہ جاہل اور ذلیل ہو کر آیا تھا امیرالمومنین نے میری ذرا سی سمجھ اور عقل کی بنا پر مجھے اپنا قرب عطا کیا، بلند تر رتبہ دیا اور اس درجے پر پہنچا دیا جہاں میری ہمت کی بھی رسائی نہ ہو سکتی تھی۔ اب تو چاہتا ہو کہ مجھ میں اور اس کم مایہ عقل میں جس کی وجہ سے میری ذلت عزت سے بدل گئی ہو اور قلت کثرت سے پھر جدائی ہو جائے۔ خدا نہ کرے کہ امیرالمومنین کو اس تھوڑی سی عقل اور قدر اور فضل پر حسد آئے کیونکہ جب یہ غلام شراب پیے گا تو اس کی عقل جاتی رہے گی اور جہالت عود کر آئے گی، شعور و سلیقہ سلب ہو جائے گا اور میں اسی حقیر درجے پر پہنچ جاؤں گا جس پر کہ پہلے تھا اور لوگوں کی نظروں سے گر جاؤں گا۔ مجھے تیری دانشمندی سے امید ہو کہ تو اپنے فضل و کرم اور بزرگی اور خوش اخلاقی کی بنا پر مجھ سے یہ جوہر زائل نہ کرے گا۔ اس کی یہ باتیں سن کر خلیفہ مامون نے اس کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا اور اُسے اس کے مرتبے پر برقرار رکھا بلکہ اور زیادہ احترام کیا اور اُسے ایک لاکھ درہم سواری کے لیے ایک گھوڑا اور عمدہ عمدہ لباس عطا کیے۔ ساری مجلسوں میں وہ اس کی بڑائی بیان کرتا اور سب فقیہوں سے بڑھ کر اُسے اپنا قرب عطا کرتا یہاں تک کہ اس کا مرتبہ ان سب سے زیادہ بلند اور اونچا ہو گیا اور خدا بہتر جاننے والا ہو۔

علی شار اور زمرّد کی کہانی

سنتے ہیں کہ پُرانے زمانے میں خراسان میں ایک تاجر تھا جس کا نام مجدالدین تھا۔ اس کے پاس بہت مال و دولت، حبشی اور گورے، غلام اور نوکر چاکر تھے مگر ساٹھ برس کی عمر تک اس کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہوئی تھی۔ جب اس کی امیدیں منقطع ہونے لگیں تو خدا نے اپنی رحمت کی، ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے علی رکھا۔ بڑا ہو کر یہ لڑکا چودھویں رات کے چاند جیسا خوب صورت نکلا۔ لیکن اِدھر تو بیٹا جوان ہوا اور کمال کے درجے تک پہنچا اُدھر باپ موت کے مرض میں گرفتار ہو گیا اور اس نے بیٹے کو بلا کر کہا بیٹا اب میرے مرنے کا وقت آگیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تجھے ایک وصیت کروں۔ اس نے پوچھا ابا جان وہ کیا وصیت ہے؟ باپ نے جواب دیا کہ میں تجھے یہ وصیت کرتا ہوں کہ کسی شخص سے زیادہ خلط ملط نہ رکھیو۔ جس چیز سے نقصان اور ضرر پہنچتا ہو اس سے بچ کر رہیو اور بُرے دوست سے پرہیز کیجیو۔ اس کی مثال لوہار کی سی ہے کہ اگر اس کی آگ تجھے نہ بھی جلائے تو اس کا دُھنواں کم از کم ضرور نقصان پہنچائے گا۔ بیٹے نے کہا ابا جان میں تیرے حکم کی اطاعت کروں گا۔ بتا اور کیا کروں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک تجھ سے ہو سکے بھلائی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ ہمیشہ اچھا برتاؤ رکھیو، نیکی کرنے کے موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیجیو کیونکہ موقع ہمیشہ نہیں ملتا۔ اس نے کہا کہ میں یہ بھی منظور کرتا ہوں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو نویں رات

جب تین سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ لڑکے نے

اپنے باپ سے کہا کہ تیرا کہنا سر آنکھوں پر اور فرمایئے؟ اس نے کہا کہ بیٹا خدا کو یاد رکھیو، وہ بھی تجھے یاد رکھے گا اور اپنے مال کی حفاظت کیجیو اور فضول خرچی سے بچیو کیونکہ جو شخص فضول خرچی کرتا ہے وہ رذیل سے رذیل کا محتاج بنتا ہے۔ سن! آدمی کی عزت اس کے مال سے ہے۔ لڑکے نے کہا کہ اور؟ باپ نے کہا کہ اپنے سے بڑے آدمی کا مشورہ لیجیو، جس کام کا ارادہ ہو اس میں جلدی نہ کیجیو، اپنے سے چھوٹے پر رحم کھائیو تاکہ تجھ سے بڑا تجھ پہ رحم کھائے۔ کسی پر ظلم مت کیجیو ورنہ خدا تیرے اوپر کوئی ظلم کرنے والا مسلط کر دے گا اور شراب پینے سے بچیو وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اس کے پینے سے عقل ضائع ہو جاتی ہے اور پینے والا حقیر ہو جاتا ہے۔ یہ ہے میری وصیت تیرے لیے اس کو اپنی آنکھوں کے سامنے رکھیو خدا میرے بعد تیرا نگہبان ہے۔ اتنا کہہ کر وہ بے ہوش ہو گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر ہوش میں آیا تو اس نے استغفار کی، تشہد کا کلمہ پڑھا اور دنیا کو چھوڑ دیا، خدا اس پر رحمت کرے! اس کا بیٹا گریہ وزاری کرنے اور آہیں بھرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دستور کے موافق تجہیز و تکفین کی اور سب چھوٹے بڑے اس کے جنازے کے ساتھ روانہ ہوئے۔ قاری تابوت کے اِرد گرد قرآن پڑھنے لگے اور جو کچھ میّت کے لیے ضروری تھا سب کیا گیا۔ پھر جنازے کی نماز پڑھ کر اُسے دفن کر دیا۔ اس کا بیٹا علی شار بہت غمگین تھا۔ اس نے وہ سب تعزیت کی رسمیں ادا کیں جو بڑے لوگوں میں ہوتی ہے اور اپنے باپ کے سوگ میں غم زدہ رہنے لگا۔ تھوڑے دنوں کے بعد اس کی ماں کا بھی انتقال ہو گیا اس نے ماں کی تجہیز و تکفین اور تعزیت بھی اسی طریقے سے کی جیسی کہ باپ کی کی تھی

ماں باپ کے سوگ سے فرصت پا کر اپنی دکان پر بیٹھ کر خرید و فروخت کرنے لگا اور اپنے باپ کی وصیت کے موافق وہ کسی سے خلط ملط نہ کرتا۔ ایک سال تک اس کی یہ حالت رہی۔ اس کے بعد بد چلن عورتوں کے لڑکے فریب سے اُس کے

پاس پہنچے اور دوست بن گئے یہاں تک کہ ان کے ساتھ اُسے بھی بدچلنی کی طرف میلان ہوگیا۔ اس نے سیدھا راستا چھوڑ دیا اور پیالے بھر بھر کر شراب پینے اور حسینوں کے پاس صبح شام جانے لگا۔ وہ اپنے دل میں کہتا کہ جو مال میرے باپ نے میرے لیے جمع کیا ہی اگر میں اُسے خرچ نہ کروں گا تو کس کے لیے چھوڑوں گا۔ چنانچہ علی شار نے اب فضول خرچی اور عیاشی پر کمر باندھ لی۔ دن رات دولت کو پانی کی طرح بہاتا۔ آخر باپ کی ساری کمائی ختم ہوگئی۔ جب اُس کی یہ نوبت پہنچی اور اس کا دل افلاس سے پریشان ہونے لگا تو اس نے دکان اور دوسری جایداد وغیرہ بیچنی شروع کردی۔ اس کے بعد اس نے اپنے بدن کے کپڑے تک بیچ ڈالے اور ایک لباس کے سوا اس کے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ جب اس کا نشہ ہرن ہوا اور اُسے ہوش آیا تو وہ پچھتانے لگا۔ ایک دن جب صبح سے عصر تک اس نے کچھ کھایا پیا نہ تھا وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ آؤ اُن لوگوں کے پاس چلیں جن پر میں اپنا مال صرف کرتا رہا ہوں، شاید اُن میں سے کوئی مجھے آج کھانا کھلا دے۔ اس خیال میں ایک ایک کے پاس گیا لیکن جس کا دروازہ کھٹکھٹاتا وہ چھپ جاتا اور کہوا دیتا کہ گھر میں نہیں ہی یہاں تک کہ بھوک نے اُسے بے تاب کردیا۔ اب وہ سوداگروں کے بازار میں سے ہو کر گزرا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو دسویں رات

جب تین سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ بھوک کے مارے بے تاب ہو کر وہ سوداگروں کے بازار کی طرف گیا دیکھا وہاں لوگ حلقہ باندھے

کھڑے ہیں اپنے دل میں کہنے لگا کہ نہ معلوم یہ لوگ کیوں جمع ہیں! زرا دیکھنا تو چاہیے۔
واللہ بغیر اس کی سیر دیکھے میں یہاں سے ہرگز نہیں ٹلوں گا اور وہ حلقے کی طرف بڑھا
دیکھتا کیا ہے کہ ایک میانہ قد لڑکی کھڑی ہوئی ہے۔ قد و قامت موزوں، رخسار گلاب
کے پھول اور سینہ ابھرا ہوا حسن و جمال اور آب و تاب میں ساری دنیا سے بڑھ چڑھ کر
ہے۔ اس لڑکی کا نام زمرد تھا۔ علی شار کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کا حسن و جمال
دیکھ کر ششدر رہ گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک میں یہ نہ دیکھ لوں کہ
اس کے کتنے دام لگتے ہیں اور اسے کون خریدتا ہے آگے نہ بڑھوں گا۔ چنانچہ وہ
تاجروں کے برابر جا کھڑا ہوا۔ لوگ سمجھے کہ یہ بھی خریداروں میں سے ہے وہ سب اسے
جانتے تھے انھیں معلوم تھا کہ وہ ماں اور باپ دونوں کا ترکہ پاکر امیر ہو گیا ہے۔ اب
دلال نے کنیز کے پاس کھڑے ہو کر کہنا شروع کیا کہ ای تاجرو! ای مال دارو تم میں کون اس لڑکی
پر پہلی بولی بولنا چاہتا ہے جو چاندوں کی چاند، بے بہا موتی اور پردہ بنانے والوں
کی زمرد اور ڈھونڈنے والوں کا مقصد اور آرزو والوں کی مسرت ہے؟ شروع کرو
شروع کرنے میں کوئی عیب نہیں اور نہ شروع کرنے والے پر کوئی برائی آسکتی ہے
ایک تاجر نے کہا میں پانسو دینار لگاتا ہوں۔ دوسرا بولا پانسو دس۔ ایک بڈھے نے
جس کا نام رشید الدین تھا، جس کی آنکھیں کرنجی تھیں اور جو بدصورت تھا چھ سو لگائے۔
دوسرے نے کہا اور دس۔ بڈھا بولا پورے ایک ہزار دینار۔ یہ سن کر دوسرے
تاجروں نے بولیاں بند کر دیں چپ ہو گئے اور دلال نے لڑکی کے مالک سے مشورہ
کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے اس شخص کے ہاتھ بیچوں گا جسے
وہ خود پسند کرے گی، اس کے بارے میں خود اس لڑکی سے پوچھ۔ دلال نے لڑکی کے
پاس آکر کہا ای چاندوں کی چاند یہ تاجر تجھے خریدنا چاہتا ہے۔ لڑکی نے اس کی طرف
آنکھ اٹھا کر دیکھا اور ویسا ہی پایا جیسا کہ اوپر آ چکا ہے۔ دلال سے کہنے لگی کہ میں ایسے

بوڑھے کے ہاتھ نہیں بکنا چاہتی جو بڑھاپے سے کھوسٹ ہو گیا ہو۔ دلّال نے اس کی باتیں سُن کر کہا کہ تو حق بجانب ہے اور تیری قیمت دس ہزار دینار سے کم نہیں۔ اب دلّال نے اس کے مالک سے کہا کہ وہ اس بوڑھے کو منظور نہیں کرتی۔ مالک نے کہا کہ کسی دوسرے خریدار کے متعلق اس سے مشورہ کر۔ اب ایک اور شخص نے آگے بڑھ کر کہا کہ میں بھی وہی دام لگاتا ہوں جو اس بوڑھے نے لگائے تھے۔ اس پر وہ راضی نہیں ہوئی۔ کنیز نے دیکھا کہ اس کی داڑھی میں خضاب لگا ہوا ہے کہنے لگی کہ یہ بھی عجیب عیب اور بُرائی کی بات ہے کہ بڑھاپے کا مُنہ کالا کر دیا گیا ہے اور اُسے اس پر اور بھی زیادہ تعجب ہوا۔ دلّال نے یہ سن کر کہا کہ واللہ تو سچ کہتی ہے۔ تاجر نے دلّال سے پوچھا وہ کیا کہتی ہے؟ دلّال نے لڑکی کی باتیں دہرا دیں۔ تاجر نے مان لیا کہ وہ اس کے متعلق سچ کہتی ہے اور اس کے خریدنے سے وہ دست کش ہو گیا۔ اب ایک اور تاجر نے آگے بڑھ کر دلّال سے کہا کہ اسی قیمت پر جو میں نے سنی ہے اس سے میرے متعلق دریافت کر۔ دلّال نے لڑکی سے پوچھا۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ کانا ہے بولی یہ تو کانا ہے۔ دلّال نے کہا کہ آیا تو اُس سامنے والے تاجر کے ہاتھ بکنا چاہتی ہے۔ لڑکی نے دیکھا کہ وہ ٹھنگنا ہے اور اس کی داڑھی ناف تک لٹکی ہوئی ہے۔ دلّال نے کہا کہ اے میری آقا تو خود دیکھ کر حاضرین میں سے تجھے کون پسند ہے اور مجھے بتا تاکہ میں تجھے اس کے ہاتھ بیچ ڈالوں۔ یہ سُن کر لڑکی نے تاجروں کے حلقے پر نظر ڈالی اور ایک ایک کو جانچنے لگی یہاں تک کہ اُس کی نظر علی شار پر پڑی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو گیارھویں رات

تین سو گیارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب لڑکی کی

نظر علی شار پر پڑی تو اُسے دیکھتے ہی لڑکی کے دل میں ہزاروں آرزوئیں اُمنڈنے لگیں اور اس کا دل اس پر آ گیا کیونکہ اس کا حسن نرالا تھا وہ نسیم سے زیادہ لطیف اور نازک تھا اور وہ کہنے لگی کہ ای دلّال میں اس نوجوان کے سوا اور کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی اس کا چہرہ خوب صورت اور قد دل کش ہی بجز اس کے میرا مالک اور کوئی نہیں ہوسکتا اس کے رخسار چکنے چکنے ہیں اور لعاب کوثر کا پانی ہی، اس کے تھوک سے بیمار شفا پاتے ہیں، اُس کی خوبروئی کے آگے شاعر اور نثار دونوں حیران ہیں، اس کے بال گھونگر والے، گال گلاب کی مانند اور نظر جادوگر ہی۔ دلّال نے لڑکی کو علی شار کی تعریف کرتے سُنا تو وہ اس کی فصاحت پر حیران ہوگیا۔ لڑکی کے مالک نے کہا کہ تو نے محض اس کا ظاہری حسن دیکھا ہی جس کے آگے سورج شرماتا ہی اور اس کی صرف دو چار باتیں سُنی ہیں اس پر تجھے اتنا اچنبھا ہی تجھے معلوم نہیں اُسے قرآن کی ساتوں قرأتیں آتی ہیں اور حدیثوں کو صحیح روایات سے بیان کرسکتی ہی، ہفت قلم ہی، بڑے بڑے عالموں سے اس نے علوم حاصل کیے ہیں اور اس کے ہاتھ سونے چاندی سے زیادہ قیمتی ہیں، وہ ریشمی پردے بنا کر بیچتی ہی، اس کا بنایا ہوا ایک ایک پردہ پچاس پچاس دینار کو بکتا ہی اور آٹھ دن میں ایک پردہ تیار ہوجاتا ہی۔ دلّال نے کہا کیسا خوش اقبال ہوگا وہ شخص جس کے گھر میں یہ ہوگی اور جس کے بھیدوں کا ذخیرہ بن کر وہ رہے گی!

اس کے بعد لڑکی کے مالک نے کہا ای دلّال وہ جس کے ہاتھ بکنا چاہے بیچ ڈال۔ دلّال اجازت پاکر علی شار کے پاس گیا اور اس کے ہاتھ چوم کر کہنے لگا ای میرے آقا اس لڑکی کو خرید لے کیونکہ اس نے تجھ ہی کو پسند کیا ہی۔ دلّال نے لڑکی کی تعریفیں بیان کیں اور بتایا کہ اُسے کیا کیا فن آتے ہیں اور کہنے لگا کہ اگر تو اُسے خرید لے تو یہ تیری بڑی خوش قسمتی ہی یہ اس ذات کا عطیہ ہی جو عطیے میں کنجوسی نہیں کرتی۔ یہ سُن کر علی شار نے تھوڑی دیر کے لیے اپنا سر جھکا لیا اور اپنے اوپر دل ہی دل میں ہنسنے اور

کہنے لگا کہ اس وقت تو میرے پاس کھانے تک کے دام نہیں ہیں لیکن تاجروں کے سامنے اپنی نادداری کا اظہار بھی مناسب نہیں۔ لڑکی نے اسے سر جھکاتے دیکھا تو دلال سے بولی میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے اس کے پاس لے چل تاکہ میں اپنے آپ کو اس کے سامنے پیش کروں اور اسے اس بات پر راضی کروں کہ وہ مجھے لے لے اس لیے کہ میں اس کے سوا اور کسی کے ہاتھ بکنا نہیں چاہتی۔ دلال نے اسے لے جا کر علی شار کے آگے کھڑا کر دیا اور کہنے لگا اے میرے آقا تیری کیا رائے ہے؟ لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ لڑکی نے کہا اے میرے آقا اور دلی محبوب تو مجھے کیوں نہیں خریدتا؟ تو جتنے میں چاہے مجھے خرید لے میری وجہ سے تیری بہتری ہو گی۔ علی نے اپنا سر اٹھایا اور کہنے لگا کہیں خریداری زبردستی ہو سکتی ہے! ایک ہزار دینار میں تو مہنگی ہے۔ وہ کہنے لگی اے میرے آقا اچھا تو مجھے نو سو میں خرید لے۔ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا آٹھ سو میں۔ وہ انکار کرتا جاتا اور لڑکی برابر دام کم کرتی چلی جاتی تھی یہاں تک کہ اس نے کہا کہ سو دینار میں تو خریدے گا۔ اس نے جواب دیا کہ میرے پاس سو دینار بھی پورے نہیں۔ اس پر وہ ہنس پڑی اور کہنے لگی کہ تیرے پاس سو سے کتنے کم ہیں؟ اس نے کہا میرے پاس کم زیادہ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ واللہ میرے پاس نہ ایک درہم ہے نہ ایک دینار۔ بہتر ہے کہ تو کسی اور گاہک کو تلاش کر۔ جب لڑکی کو معلوم ہوا کہ اس کے پاس کچھ بھی نہیں تو اس نے کہا کہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک کونے میں لے چل۔ اس نے اس کی تعمیل کی اور لڑکی نے اپنی جیب سے ایک تھیلی نکالی جس میں ایک ہزار دینار تھے اور کہنے لگی اس میں سے نو سو تول کر میری قیمت دے دے باقی سو اپنے پاس رہنے دے تاکہ وہ تیرے کام آئیں۔ علی نے اس کے کہنے پر عمل کیا اور اسے نو سو دینار میں خرید کر اس کی قیمت دے دی اور لڑکی کو لے کر گھر چل دیا۔ لڑکی اس کے گھر پہنچی تو دیکھا کہ گھر بالکل صفاچٹ ہے نہ اس میں فرش ہے نہ برتن لڑکی نے اسے اور ایک ہزار دینار دے کر کہا کہ بازار

جاکر تین سو دینار کا فرش اور برتن خرید لا ، وہ خرید لایا ۔ پھر اس نے کہا کہ ہمارے لیے کھانے پینے کی چیزیں مہیا کر اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی ۔

تین سو بارھویں رات

جب تین سو بارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ لڑکی نے کہا کہ ہمارے لیے تین دینار کی کھانے پینے کی چیزیں لا وہ لے آیا تو پھر اس نے کہا کہ ایک پردے کا ریشمی کپڑا مجھے لا دے اور سنہری رپہلی کلابتوں اور سات رنگ کا ریشم ، یہ چیزیں آگئیں تو لڑکی نے گھر میں فرش بچھایا ، شمع جلائی اور دونوں بیٹھ کر کھانے پینے لگے ۔ اس کے بعد انھوں نے اپنی آرزو پوری کی ، پردے کے پیچھے ایک دوسرے سے لپٹ کر سو گئے صبح تک لپٹے پڑے رہے ۔ دونوں کے دلوں میں ایک دوسرے کی محبت بیٹھ گئی ۔ اب لڑکی نے اپنا کام شروع کیا پردہ لیا اور رنگ برنگ کے ریشمی دھاگوں سے اسے کاڑھا ، کلابتوں سے زردوزی کا کام کیا اور اس کے کناروں پر پرندوں کی شکلیں کاڑھیں اور ان کے ارد گرد چرندوں اور درندوں کی ۔ کوئی ایسا جانور نہ ہوگا جس کی شکل اس نے نہ بنائی ۔ آٹھ دن کے بعد اس نے فارغ ہو کر اُسے کاٹا چھانٹا ، اس پر استری کی اور اپنے آقا کو دے کر کہا کہ اسے بازار لے جاکر کسی تاجر کے ہاتھ پچاس دینار میں بیچ ڈال مگر خبردار کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ نہ بیچیو ورنہ اس کی وجہ سے مجھ میں اور تجھ میں جدائی ہو جائے گی کیونکہ ہمارے بہت سے دشمن ہیں جو ہماری تاک میں لگے ہوئے ہیں ۔ اس نے پردے کو بازار لے جاکر جیسا کہ لڑکی نے کہا تھا ایک تاجر کے ہاتھ بیچ ڈالا ۔ دام کھرے کر کے علی پہلے کی طرح پھر کپڑا ، ریشم ، کلابتوں

اور کھانے پینے کی ضروری چیزیں خرید کر لڑکی کے پاس گیا اور باقی دام بھی اس کے حوالے کیے۔

اسی طرح ہر آٹھویں دن اپنے شوہر کو ایک پردہ دیتی اور وہ اُسے پچاس دینار میں بیچ آتا۔ پورے ایک سال تک ان کا یہی دستور رہا۔ اب ایک روز جو پردہ لے کر بازار گیا اور اُسے دلاّل کے سپرد کیا تو ایک عیسائی نے آگے بڑھ کر اُسے ساٹھ دینار میں خریدنا چاہا لیکن علی نے انکار کر دیا عیسائی نے اس کی قیمت بڑھاتے بڑھاتے سو دینار تک پہنچا دی اور دلاّل کو بھی دس دینار رشوت میں دینے کیے۔ دلاّل علی شار کے پاس آکر اُسے پھسلانے لگا کہ وہ ان داموں پر عیسائی کے ہاتھ بیچ ڈالے اور کہا ای میرے آقا اس عیسائی سے ڈر نہیں اس سے تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ دوسرے تاجر بھی دلاّل کی ہاں میں ہاں ملانے لگے آخر اس نے ڈرتے ڈرتے پردہ عیسائی کے ہاتھ بیچ ڈالا اور دام لے کر گھر کی طرف روانہ ہو گیا مگر اس نے دیکھا کہ عیسائی پیچھے پیچھے چلا آرہا ہی۔ علی نے اس سے پوچھا ای عیسائی تو میرے پیچھے کیوں لگا ہوا ہی؟ اس نے جواب دیا ای میرے آقا گلی کے اُس سرے پر مجھے ایک ضرورت ہی خدا تجھے کسی ضرورت میں مبتلا نہ کرے! جب علی شار اپنے گھر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ عیسائی بھی اس کے ساتھ ہی اور اس سے کہنے لگا ای ملعون جہاں کہیں میں جاتا ہوں تجھے کیوں اپنے ساتھ پاتا ہوں؟ اس نے کہا کہ ای میرے آقا میں پیاسا ہوں، ایک چلّو پانی مجھے پلا دے خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ذمّی ہی اور ایک چلّو پانی کے لیے میرے یہاں آیا ہی خدا کی قسم میں اُسے نا امید نہیں کر سکتا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تیرھویں رات

جب تین سو تیرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شخص ذمی ہے اور میرے پاس آ کر ایک گھونٹ پانی کی غرض سے آیا ہے، خدا کی قسم میں اسے نامراد نہیں لوٹا سکتا۔ وہ گھر کے اندر گیا اور پانی کا کوزہ اٹھایا ہی تھا کہ اس کی کنیز زمرد نے دیکھ لیا اور کہنے لگی اے میرے پیارے کیا تو پردہ بیچ آیا؟ اس نے کہا ہاں۔ لڑکی نے پوچھا کسی تاجر یا کسی چلتے پھرتے کے ہاتھ، کیوں کہ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم جدا ہونے والے ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ میں نے اسے ایک تاجر ہی کے ہاتھ بیچا ہے۔ لڑکی بولی کہ مجھ سے سارا واقعہ بیان کرتا کہ میں اس کا تدارک کر سکوں اور یہ پانی کا کوزہ تو کیوں لیے جا رہا ہے؟ اس نے کہا کہ دلال کو پانی پلانے۔ لڑکی نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ جب وہ کوزہ لے کر باہر آیا تو دیکھا کہ عیسائی دہلیز کے اندر آ چکا ہے۔ اس سے کہنے لگا اے کتے تیری یہ جرأت؟ تو کس طرح بغیر میری اجازت کے میرے گھر کے اندر آیا؟ اس نے کہا اے میرے آقا یہاں سے نکلنے تک میں ایک قدم آگے نہ بڑھوں گا اور تیرے فضل و احسان، کرم اور خوش سلوکی کا شکرگزار ہوں گا۔ اس کے بعد پانی کا کوزہ لے کر انتظار کرنے لگا کہ عیسائی اٹھے لیکن وہ نہ اٹھا۔ علی شار نے کہا اب تو اٹھ کر کیوں چلتا نہیں بنتا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولیٰ اُن لوگوں کی طرح نہ بن جو نیکی کر کے احسان جتاتے ہیں۔ اے میرے مولیٰ، پانی تو میں پی چکا ہوں، اب تو مجھے کھانا بھی کھلا دے خواہ تیرے گھر میں روٹی کا ٹکڑا یا بسکٹ اور پیاز ہی کیوں نہ ہو۔ علی شار نے کہا کہ اب زیادہ بک بک نہ کر، اپنا رستہ لے۔ میرے ہاں اس وقت کچھ نہیں۔ عیسائی نے کہا اگر گھر میں کچھ نہیں تو لے یہ سو دینار اور بازار سے کوئی چیز خرید لا خواہ ایک ہی روٹی کیوں نہ ہو تاکہ میرے اور تیرے درمیان روٹی اور نمک کا واسطہ ہو جائے۔ علی شار نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عیسائی بھی عجب

پاگل معلوم ہوتا ہے سو دینار دے کر چاہتا ہے کہ دو درہم کی ئیں کوئی چیز لے آؤں اور عیسائی پر ہنسنے لگا عیسائی بولا اے میرے آقا میں محض کوئی ایسی چیز چاہتا ہوں جس سے بھوک جاتی رہے، خواہ سوکھی روٹی اور ایک پیاز ہی مل جائے کیونکہ بہترین کھانا وہ ہے جو بھوک کے وقت کام دے نہ کہ امیرانہ خوراک۔ علی شار نے کہا اچھا یہیں بیٹھا رہ اور انتظار کر میں کمرے میں قفل لگا کر بازار سے تیرے لیے کوئی چیز لے آؤں۔ علی نے کمرہ بند کیا اس میں قفل ڈالا اور بازار جا کر تلا ہوا پنیر، سفید شہد، کیلے اور روٹی خرید کر اس کے پاس لے آیا۔ عیسائی نے یہ چیزیں دیکھیں تو کہنے لگا اے میرے مولیٰ یہ چیزیں بہت زیادہ ہیں دس آدمیوں کے لیے کافی ہوں گی اور میں اکیلا ہوں تو بھی میرے ساتھ کھا۔ اس نے جواب دیا کہ تو اکیلا ہی کھا، میرا پیٹ بھرا ہوا ہے عیسائی نے کہا اے میرے مولیٰ حکما کا قول ہے کہ اگر میزبان اپنے مہمان کے ساتھ نہ کھائے تو وہ حرام کی اولاد ہے۔ یہ سن کر علی شار بیٹھ گیا اور اس کے ساتھ تھوڑا سا کھایا پھر چاہتا ہی تھا کہ ہاتھ اٹھائے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چودھویں رات

جب تین سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ علی شار نے بیٹھ کر اس کے ساتھ تھوڑا سا کھایا اور ہاتھ کھینچنے والا ہی تھا کہ عیسائی نے ایک کیلا چھیل کر اس کے دو ٹکڑے کیے اور اس میں ایسا بھنگ کا ست اور افیون کا جوہر ملایا کہ اگر اس کا ایک درہم بھر ہاتھی کو دے دیا جائے تو وہ بھی گر پڑے۔ بعد ازاں اس نے ایک کیلے کے ٹکڑے کو شہد میں ڈبو کر کہا اے میرے مولیٰ تجھے اپنے دین کی

قسم اسے کھائے. علی شار کو اس بات سے شرم آئی کہ کہیں اس کی قسم نہ ٹوٹ جائے اور اس کیلے کے ٹکڑے کو لے کر نگل گیا. جوں ہی وہ اس کے پیٹ میں پہنچا اس کا سر گھومنے لگا اور ایسا آنکھیں بند کر کے پڑا گویا ایک سال سے برابر سو رہا ہو. جب عیسائی نے یہ دیکھا تو وہ اس تیزی سے اٹھا جیسے گنجا ریچھ یا مسلط موت، اور علی شار کو اسی حالت میں چھوڑ، کنجی لے دوڑتا ہوا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اس عیسائی کا بھائی وہی بوڑھا تھا جس نے اس کنیز کے ایک ہزار دینار لگائے تھے اور لڑکی نے دھتکار بتا دی تھی۔ وہ ظاہر مسلمان اور دل میں عیسائی تھا اس نے دکھلانے کے لیے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا۔ جب کنیز نے اس میں عیب نکالے اور اُسے منظور نہ کیا تو وہ جل گیا۔ اپنے بھائی سے شکایت کی اور اس نے وعدہ کیا کہ میں کسی حیلے سے اس لڑکی کو علی شار کے پاس سے اُڑا لاؤں گا۔ اس کا نام برسوم تھا۔ بڑا چالاک، مکار، دھوکے باز اور چلتا پرزہ۔ اس روز سے برابر اس فکر میں لگا رہا کہ کسی نہ کسی مکر سے لڑکی کو اُڑا لائے چنانچہ آج اس کا داؤ چل گیا۔ علی شار کو بے ہوش کر سیدھا اپنے بھائی کے پاس پہنچا اور اس سے سارا قصہ بیان کیا۔ بھائی خچر پر سوار ہو اپنے غلاموں کو لے اس کے ساتھ علی شار کے گھر روانہ ہو گیا اور اپنے ساتھ ہزار دینار کی تھیلی لے لی تاکہ اگر والی سے مڈبھیڑ ہو جائے تو اس کی مٹھی گرم کر سکے۔

علی شار کے مکان پر پہنچ کر اس نے کمرہ کھولا اور عیسائی بھائیوں کے ساتھی زمرد کی طرف دوڑے اُسے زبردستی پکڑ لیا اور کہا کہ اگر تو نے آواز نکالی تو ہم تجھے قتل کر دیں گے۔ گھر کی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگایا۔ علی شار کو دہلیز میں سوتا چھوڑا اور کنجی کو اس کے پاس رکھ دروازہ بند کر دیا۔ لڑکی کو لے کر جب وہ عیسائی اپنے محل پہنچا تو اُسے اپنی کنیزوں کے حوالے کر کے اس سے کہا اے رنڈی ایش وہی بوڑھا ہوں جس کو تو نے قبول نہیں کیا تھا بلکہ میری مذمت کی تھی۔ دیکھ اب میں نے تجھ کو بے درہم و دینار کے لے لیا ہے۔ لڑکی کی آنکھوں

سے آنسو بہنے لگے اس نے کہا ای بدذات بوڑھے خدا تجھ سے سمجھے تو نے مجھ میں اور میرے آقا میں جدائی ڈالی۔ وہ بولا ای رنڈی، ای چھوکری دیکھ کہ ئیں اب تجھے کیا سزا دیتا ہوں۔ حضرت مسیح اور مریم کی قسم اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا اور ہمارے دین میں داخل نہ ہوئی تو ئیں تجھے طرح طرح کی تکلیفیں دوں گا۔ لڑکی نے کہا کہ واللہ اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے گا پھر بھی ئیں اسلام کے مذہب کو نہیں چھوڑ سکتی۔ خدا نے چاہا تو عنقریب خوشی حاصل ہوگی وہ جو چاہے کر سکتا ہی۔ دانش مندوں کا قول ہی کہ جسمانی تکلیف برداشت کرنا دین چھوڑنے سے بہتر ہی۔ بوڑھے عیسائی نے نوکروں اور لونڈیوں کو بلا کر کہا کہ اِسے لٹاؤ انھوں نے اسے لٹایا اور بوڑھا اُسے بڑی بے رحمی سے مارتا رہا۔ لڑکی دہائیاں دیتی مگر کوئی اس کی مدد کو نہ آتا۔ آخر اس نے فریاد کرنی دہائی مانگنی بند کر دی اور کہنے لگی کہ اللہ میرے لیے کافی ہی مجھے کسی اور کی حاجت نہیں، یہاں تک کہ اس کا سانس بند ہوگیا اور آواز رک گئی۔ جب بوڑھا اپنے دل کی بھڑاس نکال چکا تو اس نے نوکروں سے کہا کہ اس کی ٹانگیں پکڑ کر کھینچو اور باورچی خانے میں پھینک آؤ، کھانے کے لیے کچھ نہ دو۔ یہ حکم دے کر وہ ملعون سو گیا اور رات بھر سوتا رہا۔ صبح ہوئی تو ظالم نے لڑکی کو دوبارہ مارا اور پھر نوکروں کو حکم دیا کہ اُسے اپنی جگہ ڈال آئیں۔ انھوں نے اس کی تعمیل کی۔ لڑکی کو درد اور تکلیف سے ذرا افاقہ ہوا تو اس نے کہا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اللہ میرے لیے کافی ہی اور وہی بہترین سرپرست ہی۔ پھر وہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے لگی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پندرھویں رات

جب تین سو پندرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ اِذ مرد

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگنے لگی۔ یہ تو اس کا ماجرا ہوا۔ اب علی شار کا قصہ سُنیے۔
وہ دُوسرے دن تک پڑا سوتا رہا اس کے بعد بھنگ کا اثر جاتا رہا اس نے آنکھیں کھول دیں اور زور سے آواز دی کہ اے زمرد! لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ وہ اٹھ کر کمرے میں گیا دیکھا کہ کمرہ خالی اور میدان صاف ہے۔ سمجھ گیا کہ یہ حرکت اس کے ساتھ اُسی عیسائی نے کی ہے آنسو بہانے اور منہ پیٹنے لگا۔ بہت پچھتایا کہ اس کا کہنا کیوں نہ مانا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہوتا تھا! اپنی حماقت پر جھونجل آئی کپڑے پھاڑ ڈالے اور دو پتھر ہاتھ میں لے کر شہر میں چکر لگانے شروع کر دیے۔ پتھر اپنے سینے پر مارتا اور چلاتا کہ یا زمرد! چھوٹے بڑے اس کے گرد جمع ہو جاتے اور مجنوں مجنوں کہہ کر اُسے چھیڑتے۔ جو لوگ اُسے پہچانتے تھے وہ اس پر افسوس کرتے اور کہتے کہ یہ تو فلاں شخص ہے اسے کیا ہو گیا؟ دن بھر اس کی یہی حالت رہی جب رات ہوئی تو وہ گلی ہی میں کہیں پڑ کر سو گیا۔ دوسرے دن وہ پھر صبح سے شام تک پتھر لیے شہر میں پھرتا رہا اندھیرا ہو گیا تو وہ اپنے گھر کی طرف چلا کہ وہاں جا کر سو جائے اتنے میں اس کی ایک پڑوسن کی نظر اس پر پڑی۔ یہ ایک بڑھیا عورت تھی بڑی نیک بخت۔ اس نے کہا بیٹا خدا تجھے سلامت رکھے! تو کب سے مجنوں ہو گیا ہے؟ اس بڑھیا پڑوسن کو یقین تھا کہ وہ عاشق اور فراق میں مبتلا ہے اس نے کہا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ! بیٹا میں چاہتی ہوں کہ تو اپنی مصیبت کی داستان مجھ کو سنا ممکن ہے خدا اپنی مشیت سے مجھے اس قابل کر دے کہ میں تیری مدد کر سکوں۔ علی شار نے وہ ساری داستان کہہ سنائی جو برسوم عیسائی کے ہاتھوں اس پر گزری تھی۔ بڑھیا نے سارا ماجرا سُن کر کہا بیٹا تو معذور ہے۔ اس کے بعد وہ رونے لگی اور بولی بیٹا جا کر فوراً ایک پٹارا خرید لا جیسا بساطیوں کے پاس ہوتا ہے اور کنگن، انگوٹھیاں، بالیاں اور دوسری ایسی ہی چیزیں اکٹھی کر جو عورتوں کے قابل ہوں جن کے لیے دام خرچ کرنے میں وہ کنجوسی نہ کریں۔

ان تمام چیزوں کو پٹارے میں رکھو کر میرے پاس لے آئیں باطن کا بھیس بدل کر اُسے اپنے سر پر رکھوں گی، گھر گھر جا کر لڑکی کی تلاش کروں گی اس کا پتا لگا کر رہوں گی انشاءاللہ تعالیٰ۔ علی شاہ اس کی باتوں سے خوش ہو گیا اس کے ہاتھ چومے اور فوراً جا کر وہ چیزیں لے آیا جو بڑھیا نے مانگی تھیں۔ جب بڑھیا کے پاس یہ تمام چیزیں آ گئیں تو اس نے اٹھ کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے، شہد کے رنگ کی نقاب سر پر ڈالی، ایک جریب ہاتھ میں لی اور پٹارا اُٹھا گلیوں گلیوں اور گھر گھر چکر لگانے لگی۔ وہ اسی طرح گھر گھر محلے محلے اور گلی گلی پھر رہی تھی کہ خدا نے اُسے ملعون رشید الدین عیسائی کے محل میں پہنچا دیا اور اس نے اندر سے کراہنے کی آواز سُن کر دروازے پر دستک دی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو سولھویں رات

تین سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب بڑھیا نے سنا کہ مکان کے اندر سے کراہنے کی آواز آ رہی ہے تو اس نے دروازہ کھٹکھٹایا ایک کنیز نے آ کر کواڑ کھولے اور اُسے سلام کیا۔ بڑھیا نے اس سے کہا کہ میرے پاس چھوٹی موٹی ضرورت کی چیزیں بکاؤ ہیں تمھارے ہاں کوئی ہے جو ان میں سے کچھ خریدے؟ کنیز نے کہا ہاں اور اُسے گھر کے اندر لے جا کر بٹھایا۔ تمام کنیزیں اس کے آس پاس جمع ہو گئیں اور ہر ایک نے کچھ نہ کچھ خریدا۔ بڑھیا نے نرمی سے گفتگو کی اور دام بھی سستے بتائے۔ کنیزیں اس کی ان باتوں سے بہت خوش ہوئیں۔ بڑھیا مکان میں اِدھر اُدھر دیکھتی رہی کہ کراہنے والی کہاں ہے کہ یکایک اس کی نظر اس پر جا پڑی۔ اب بڑھیا کنیزوں

کے ساتھ اور زیادہ نرمی اور خوش اخلاقی سے باتیں کرنے لگی۔ غور کرنے سے اُسے معلوم ہُوا کہ زمرد بندھی پڑی ہے۔ اُسے پہچان کر بڑھیا رونے لگی اور کنیزوں سے کہا کہ ای میری بیٹیو یہ لڑکی کون ہے جو اس حالت میں پڑی ہوئی ہے؟ کنیزوں نے سارا قصہ بیان کیا اور کہنے لگیں کہ ہم نے اپنی مرضی سے ایسا نہیں کیا بلکہ یہ ہمارے مالک کا حکم ہے اور وہ آج کل سفر پر گیا ہُوا ہے۔ بڑھیا نے کہا ای میری بیٹیو! میں تم سے درخواست کرتی ہوں کہ اس بے چاری کے بندھن کھول دو جب تمھیں معلوم ہو کہ تمھارا مالک آنے والا ہے تو اسے پھر پہلے کی طرح باندھ دینا۔ خدا تمھیں اس کا اجر دے گا۔ انھوں نے زمرد کی مشکیں کھول دیں اور اسے کھانے پینے کو دیا۔ اس کے بعد بڑھیا نے کہا کاش تمھارے گھر میں آنے سے پہلے میری ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوتیں! یہ کہہ کر وہ زمرد کے پاس گئی اور اس سے بولی ای میری بیٹی خدا تجھے سلامت رکھے! عنقریب خدا تیری مصیبت دُور کر دے گا۔ پھر چپکے سے اس نے کہا کہ میں تیرے آقا علی شار کے پاس سے آئی ہوں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ کل رات جاگتی اور کان لگائے سُنتی رہیو۔ تیرا آقا یہاں آکر محل کی چوکی کے پاس سیٹی دے گا اسے سن کر تو بھی سیٹی دیجیو اور کھڑکی سے ایک رسّی لٹکا کر اُتر جائیو وہ تجھے لے جائے گا۔ لڑکی نے اس کا شکریہ ادا کیا اور بڑھیا وہاں سے روانہ ہو کر علی شار کے پاس گئی، اسے خبر کی اور اس سے کہا کہ کل آدھی رات کے وقت فلاں محلے میں جائیو وہاں اس ملعون کا گھر ہے اور یہ اس کی نشانی ہے۔ محل کے نیچے کھڑے ہو کر سیٹی بجائیو وہ نیچے اُتر آئے گی اور تو اسے لے کر جہاں چاہے چلا جائیو۔ علی شار نے اس پر بڑھیا کا بہت بہت شکریہ ادا کیا اور رات کا انتظار کرنے لگا۔ مقررہ وقت آیا تو وہ اس محلے میں گیا جس کا ذکر بڑھیا نے کیا تھا۔ محل کو دیکھ کر وہ پہچان گیا اور اس کے نیچے چوکی پر بیٹھ گیا چونکہ وہ نیند میں چُور تھا سو گیا۔ بڑی ذات وہ ہے جو کبھی سوتی نہیں۔ مارے عشق کے وہ ایک مدت سے سویا نہ تھا اور نیند سے

متوالا ہو رہا تھا۔ وہ سو ہی رہا تھا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو سترھویں رات

تین سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ واجب کہ وہ سو رہا تھا ایک چور شہر میں چوری کرنے نکلا اور اتفاق سے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچ کر چاروں طرف گھوما مگر اس پر چڑھنے کا کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ گھومتے گھومتے وہ اس چوکی کے پاس پہنچا اور علی شار کو سوتا ہوا پایا اس کی پگڑی اٹھالی۔ اُدھر ان واقعات سے بے خبر زمرد چھت پر چڑھی اور چور کو اندھیرے میں کھڑا ہوا دیکھا خیال کیا کہ وہ اس کا آقا ہوگا۔ اس نے اوپر سے سیٹی دی اور چور نے نیچے سے اور وہ رسی تھام کر اس کے پاس نیچے آئی اور اپنے ساتھ اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک خرجی لیتی آئی۔ چور نے اپنے دل میں کہا اس میں کوئی بھید ہے۔ اس نے خرجی کو ہاتھ میں لے لیا اور لڑکی کو اپنے کاندھے پر بٹھا کر بجلی کی طرح غائب ہو گیا۔ زمرد نے اس سے کہا کہ بڑھیا نے تو مجھ سے بیان کیا تھا کہ تو میری وجہ سے بیمار اور کمزور ہو گیا لیکن میں دیکھتی ہوں کہ تو گھوڑے سے بھی زیادہ قوی ہے۔ چور نے اس کا کوئی جواب نہ دیا مگر جب لڑکی نے اس کے چہرے پہ ہاتھ پھیرا تو دیکھا کہ اس کی داڑھی حمام کی جھاڑو کی طرح ہے گویا سؤر نے پر نگل لیے ہیں اور ان کا کچھ حصہ منہ سے باہر نکلا ہوا ہے۔ وہ ڈر گئی اور کہنے لگی کہ تو کیا بلا ہے؟ چور نے کہا اے لونڈیا میں احمد دنف کے گروہ کا شاطر کرد چور ہوں میرا نام جوان ہے۔ ہم کل چالیس شاطر چور ہیں اور وہ سب آج عشا کے وقت سے صبح تک تجھ سے ہم بستر ہوں گے۔ یہ سن کر وہ رونے اور اپنا منہ پیٹنے لگی اور اُسے

یقین ہوگیا کہ وہ تقدیر کی ماری ہوئی ہے اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ اپنے آپ کو خدا کے سپرد کردے۔ لہٰذا اس نے صبر سے کام لیا اور اپنے آپ کو خدا کے حوالے کر دیا اور کہنے لگی کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے۔

جوان کے یہاں آنے کی وجہ یہ تھی کہ اس نے احمد دنف سے کہا تھا ہے استادمیں اس شہر میں پہلے بھی آچکا ہوں اور مجھے شہر کے باہر ایک غار معلوم ہے جس میں چالیس آدمی آسکتے ہیں میں چاہتا ہوں کہ تم سے پہلے وہاں پہنچ کر اپنی ماں کو اس میں بٹھادوں اور پھر شہر میں لوٹ کر تمھاری قسمت سے چوری کروں اور تمھارے نام سے غار میں حفاظت سے رکھ آؤں اور جب تم آجاؤ تو میں اپنی طرف سے تمھاری میزبانی کروں۔ احمد دنف نے جواب دیا کہ جو تیرا جی چاہے کر۔ اس لیے وہ ان سے پہلے روانہ ہو کر وہاں پہنچا اور اپنی ماں کو اس غار میں بٹھادیا۔ جب وہ غار سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ ایک فوجی آدمی پڑا سو رہا ہے اور اس کے پاس ایک گھوڑا بندھا ہوا ہے۔ جوان نے اس سپاہی کی گردن کاٹ کر اس کے کپڑے اور گھوڑا اور ہتھیار لے لیے اور ان چیزوں کو لے جا کر اپنی ماں کے پاس غار میں چھپا آیا پھر گھوڑے کو وہاں باندھ کر شہر گیا اور چلتے چلتے اس عیسائی کے محل کے پاس پہنچا اور جو کچھ اس نے وہاں کیا وہ بیان کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد علی نثار کی پگڑی اور زمرد کو لے کر چل دیا اور اپنی ماں کے پاس پہنچ کر اُسے اتار دیا اور ماں سے کہا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں اس لڑکی کی پہرے داری کیجیو۔ یہ کہہ کر وہ چل کھڑا ہوا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھارھویں رات

جب تین سو اٹھارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

جوان نامی کرد نے اپنی ماں سے کہا جب تک میں تیرے پاس واپس نہ آجاؤں اس لڑکی کو اپنی حفاظت میں رکھیو۔ وہ چل دیا زمرد اپنے دل میں کہنے لگی کہ مجھے اپنی نجات کی فکر میں غفلت نہ کرنا چاہیے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں یونہی ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھی رہوں اور وہ چالیس آدمی آکر باری باری مجھ پر سوار ہوں اور مجھے اس کشتی کی طرح کر دیں جو سمندر میں ڈوبی ہوئی ہو! یہ کہہ کر وہ بڑھیا کی طرف مخاطب ہوئی جو کرد جوان کی ماں تھی اور اس سے کہنے لگی خالہ جان تیرا جی چاہے تو غار کے باہر چل کر میں چاندنی میں تیری جوئیں دیکھ دوں۔ بڑھیا نے کہا بیٹی واللہ یہ ٹھیک ہے میں مدت سے حمام نہیں گئی ہوں، یہ سور مجھے جگہ جگہ لیے پھرتے ہیں اور بڑھیا اس کے ساتھ باہر آئی وہ اس کی جوئیں دیکھنے اور انھیں اس کے سر سے نکال نکال کر مارنے لگی بڑھیا کو نیند آنے لگی اور وہ سو گئی۔ اب زمرد نے اٹھ کر اس سپاہی کے کپڑے پہنے جسے کرد جوان نے قتل کیا تھا، اس کی تلوار کمر سے باندھی اس کی پگڑی سر پر رکھی اور جب اس نے مرد کا بھیس بدل لیا تو اشرفیوں کی خرجی لے کر گھوڑے پر سوار ہو گئی دعا کی ای بہترین پردہ پوش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل میری پردہ پوشی کیجیو اور اپنے دل میں یہ سوچ کر کہ اگر میں شہر کی طرف گئی تو ممکن ہے سپاہی کے ساتھیوں میں سے کوئی مجھے دیکھ لے اور میری بری گت بنائے۔ اس نے شہر کی طرف جانے کا قصد چھوڑ دیا اور بیابان جنگل کی طرف چل پڑی دس دن تک خرجی اور گھوڑے کو لیے بناسپتی کھاتی اور گھوڑے کو کھلاتی دریا کا پانی پیتی اور گھوڑے کو پلاتی چلتی رہی۔ گیارھویں دن وہ ایک شہر کے پاس پہنچی جو نہایت عمدہ اور محفوظ اور زرخیز تھا۔ سردیاں جا چکی تھیں اور بہار کے پھول کھل رہے تھے، کونپلیں پھوٹ رہی، نہریں بہہ رہی اور چڑیاں گا رہی تھیں۔

جب وہ شہر کے نزدیک پہنچی اور دروازہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ لشکر اور امرا اور شہر کے بڑے بڑے لوگ وہاں کھڑے ہیں۔ انھیں اس حالت میں دیکھ کر اُسے

تعجب ہوا وہ اپنے دل میں کہنے لگی کہ تمام شہر والے یہاں کیوں جمع ہیں، اس کا ضرور کوئی نہ کوئی سبب ہوگا۔ وہ ان کے پاس پہنچی ہی تھی کہ سارے کا سارا لشکر اس کی طرف بڑھا اور سب نے گھوڑوں سے اتر کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگے ای ہمارے مولیٰ سلطان، خدا تجھے کامیاب کرے! تمام منصب دار اس کے آگے صف باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سپاہی لوگوں کی روک تھام کرتے جاتے اور کہتے جاتے کہ جہاں پناہ خدا تجھے کامیاب کرے اور تیرا آنا مسلمانوں کے لیے مبارک ہو! جہاں پناہ اور زمانے کے اکلوتے خدا تجھے قائم رکھے! زمرد نے کہا ای شہر والو کیا ماجرا ہی؟ حاجب نے کہا کہ اس خدا نے جو بخشش میں کنجوسی نہیں کرتا تجھے یہ شہر عطا کیا ہی اور تجھے اس کا سلطان بنایا ہی اور ان کی گردنیں تیرے حکم کے ماتحت کی ہیں۔ سُن اس شہر کا یہ دستور ہی کہ جب کبھی ان کا بادشاہ فوت ہو جاتا ہی اور اس کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا تو لشکر شہر کے باہر نکلتا ہی اور تین دن ٹھیرتا ہی جو شخص اس رستے سے آتا ہی جس سے تو آیا ہی اُسے اپنا بادشاہ بناتا ہی۔ خدا کا شکر ہی کہ اس نے ایک ایسا شخص بھیجا جو ترکوں کی اولاد میں سے ہی اور حسین ہی۔ اگر تجھ سے کم حیثیت کا بھی آیا ہوتا وہ بھی بادشاہ بن جاتا۔ زمرد ہر بات میں دانش مند تھی کہنے لگی کہ یہ نہ سمجھو کہ میں عام ترکوں کی اولاد سے ہوں بلکہ میں بڑے خاندان کا ترک ہوں میں اپنے خاندان سے ناراض ہو کر چلا آیا ہوں اور ان سے کنارہ کشی اختیار کی ہی۔ دیکھو یہ اشرفیوں کی تھیلی میرے پاس ہی جس میں سے میں نے راہ بھر غریبوں اور مسکینوں کو خیرات دی ہی۔ لوگوں نے اُسے دعائیں دیں اور بہت خوش ہوئے اسی طرح زمرد بھی خوش تھی اپنے دل میں کہتی تھی کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اُنیسویں رات

جب تین سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! زمرد نے اپنے دل میں کہا کہ اس حالت کو پہنچنے کے بعد کیا عجب ہی جو خدا مجھے میرے آقا سے یہیں ملا دے، وہ جو چاہے کر سکتا ہی۔ یہی سوچتی وہ چل کھڑی ہوئی لشکر اس کے ساتھ ساتھ تھا شہر کے اندر پہنچ کر امرا، وزرا سب پیدل چلنے لگے۔ محل میں پہنچ کر اُسے ہاتھوں ہاتھ اتارا اور تخت پر بٹھایا اور سب نے اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تخت پر بیٹھتے ہی اس نے حکم دے کر خزانے کھلوا دیے اور تمام لشکر کو انعام دیا۔ انھوں نے دعا دی کہ تیری حکومت ہمیشہ قائم رہے! رعایا اور تمام ملک والے اس کی اطاعت کرنے لگے۔ اس طرح اس نے مدت تک حکومت کی اور حکم احکام جاری کرتی رہی اس کی بخششوں اور پارسائی کی وجہ سے لوگوں کے دلوں پر بڑا اثر تھا۔ اس نے چنگی معاف کر دی قیدیوں کو رہا کر دیا ظلم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا۔ رعایا اس کو بہت عزیز رکھتی اور اُسے سُکھ ہی سُکھ تھے تاہم جب کبھی اُسے اپنے شوہر کی یاد آجاتی، وہ روتی اور خدا سے دعا مانگتی کہ وہ ان دونوں کو ملا دے۔ ایک رات ایسا ہوا کہ اُسے وہ پُرانا زمانہ یاد آنے لگا جو اس نے اپنے شوہر کے ساتھ گزارا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ دل بے چین ہو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے حرم سرا میں کنیزوں، خواصوں کو علیحدہ علیحدہ کمرے دیے اور ان کے روزینے اور مشاہرے مقرر کیے اور ان سے کہا میں تنہائی میں کچھ دن عبادت کرنا چاہتی ہوں۔ چنانچہ دن کو روزہ رکھتی اور رات بھر نمازیں پڑھتی امرا کو یقین آ گیا کہ ان کا بادشاہ بڑا دین دار ہی۔ وہ اپنے پاس غلام بچوں کے سوا کسی اور کو نہ آنے دیتی اور وہ بھی جب کہ اُن سے کوئی کام پڑتا۔

تخت پر بیٹھے ایک سال ہو گیا اور شوہر کی اُسے کوئی خبر نہ ملی وہ بہت غم زدہ

تھی جب رنج و غم بڑھتا ہی چلا گیا تو اس نے وزیروں اور حاجیوں کو بلا کر کہا کہ معماروں اور تعمیر کے فن کے ماہروں کو بلاؤ کہ وہ محل کے پاس ایک میدان تیار کریں جس کی لمبائی اور چوڑائی ایک ایک فرسخ ہو۔ انھوں نے اس کے حکم کی فوراً تعمیل کی، میدان اس کی مرضی کے موافق تیار ہو گیا۔ میدان تیار ہو چکا تو ایک بارہ دری بنوائی گئی اور اس میں اُمرا کی کرسیاں ایک قطار میں بچھائی گئیں۔ پھر وہ آئی اور حکم دیا کہ میدان میں دسترخوان بچھایا جائے اور اس پر تمام قسم کے عمدہ عمدہ کھانے چُنے جائیں۔ دسترخوان لگ گیا تو اس نے اُمرا سے کہا کہ کھانا کھاؤ انھوں نے کھایا۔ اس کے بعد وہ اُمرا سے مخاطب ہو کر کہنے لگی میں چاہتا ہوں کہ جب نیا چاند نکلے تو تم لوگ پھر یہی کرو اور شہر میں ڈھنڈورا پٹوا دو کہ کوئی شخص اس روز اپنی دکان نہ کھولے سب لوگ آکر بادشاہ کے دسترخوان پر کھانا کھائیں اور جو شخص اس کے خلاف کرے گا وہ اپنے ہی دروازے پر لٹکا دیا جائے گا۔ جب نیا چاند نکلا تو انھوں نے حکم کی تعمیل کی اور یہی ان کا معمول ہو گیا۔ یہاں تک کہ دوسرے سال کا پہلا چاند نکلا وہ میدان میں آئی اور ڈھنڈورا پٹیا گیا کہ اے لوگو اگر کسی نے اپنی دکان کھولی یا انبار یا گھر تو وہ فوراً اپنے مکان کے دالانے پر لٹکا دیا جائے گا۔ تم سب پر فرض ہے کہ بادشاہ کے دسترخوان پر حاضر ہو کر کھانا کھاؤ۔ جب ڈھنڈورا پٹ چکا اور دسترخوان بچھایا گیا تو لوگ جوق در جوق وہاں پہنچے۔ زمرد نے حکم دیا کہ سب دسترخوان پر بیٹھیں اور طرح طرح کے کھانے پیٹ بھر کر کھائیں۔ لوگ اس کے حکم کے مطابق کھانے بیٹھ گئے اور وہ حکومت کی کرسی پر بیٹھ کر ان کا تماشا دیکھنے لگی۔ دسترخوان پر بیٹھنے والا ہر شخص اپنے دل میں یہی سمجھتا کہ بادشاہ میری ہی طرف دیکھ رہا ہے اور کھاتا جاتا۔ اُمرا لوگوں سے کہتے جاتے کہ کھاؤ اور شرماؤ نہیں کیونکہ بادشاہ کو یہی بات پسند ہے۔ سب نے پیٹ بھر کر کھایا اور بادشاہ کو دعا دیتے گھر چلے گئے۔ سب یہی کہتے تھے کہ ہم نے عمر بھر اس جیسا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا جو اس طرح

خوبیوں سے محبت رکھتا ہوا اور زمرد رعایا کی دعائیں لیتی ہوئی اپنے محل میں داخل ہوئی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بیسویں رات

جب پوری تین سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! زمرد اپنی دعوت پر خوش ہو کر محل میں گئی اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ اگر خدا کو منظور ہے تو مجھے اسی ذریعے سے اپنے شوہر علی شار کی خبر مل جائے گی۔ دوسرا چاند نکلا تو اس نے دستور کے موافق پھر دعوت دی، دسترخوان بچھایا گیا، خود بدولت آکر اپنی کرسی پر بیٹھی اور لوگوں سے کہا کہ بیٹھ جاؤ اور کھاؤ۔ وہ دسترخوان کے ایک سرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور لوگ کچھ ٹولیوں میں اور کچھ اکیلے آ آ کر بیٹھتے جاتے تھے کہ زمرد کی نظر عیسائی برسوم پر پڑی جس نے اس کے شوہر سے پردہ خریدا تھا اُس نے اسے پہچان لیا اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ آج میرا نصیب جاگتا نظر آتا ہے۔ اتنے میں برسوم آگے آکر کھانے کے لیے لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اس نے ایک خوان میں چاول دیکھے جن پر شکر چھڑکی ہوئی تھی مگر خوان ذرا دور تھا اس نے لوگوں کو دھکا دے کر خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اُسے اُٹھا کر اپنے سامنے رکھ لیا۔ اس کے ساتھ والے نے کہا کہ تو اپنے آگے سے کیوں نہیں کھاتا؟ کیا یہ تیری بدتمیزی نہیں ہے کہ تو اس چیز کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے جو تجھ سے دور ہے! کیا تجھے شرم نہیں آتی؟ برسوم نے کہا کہ میں تو اسی میں سے کھاؤں گا۔ ساتھ والے نے جواب دیا کہ کھا خدا یہ راس نہ لائے! ایک بھنگڑی کہنے لگا کھانے بھی دو میں بھی اس کے ساتھ کھاؤں گا۔ اس شخص نے جواب دیا کہ اے منحوس ترین بھنگڑی یہ تم لوگوں کا

کھانا نہیں ہو اسے امیر آدمی کھاتے ہیں۔ تم اسے نہ کھاؤ امیروں کے پاس واپس کر دو تاکہ وہ اُسے کھائیں۔ برسوم نے اس کی مخالفت کی اور چاولوں کا ایک لقمہ لے کر اپنے مُنہ میں رکھ لیا اور چاہتا ہی تھا کہ دُوسرا لقمہ لے کہ زمرد نے جو اسے دیکھ رہی تھی بعض سپاہیوں سے پکار کر کہا کہ اس شخص کو لے آؤ جس کے آگے شکرانے کا خوان رکھا ہوا ہے اور اُسے وہ لقمہ مُنہ میں نہ رکھنے دو جو اس کے ہاتھ میں ہے بلکہ اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دو۔ یہ سُنتے ہی چار سپاہی اس کے پاس پہنچے اس کے ہاتھ سے نوالہ چھین لیا، اُس کی ٹانگیں پکڑ کھینچ لائے اور زمرد کے آگے لا کر کھڑا کر دیا۔

لوگ ہکا بکا ہو گئے۔ کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے اور ایک دوسرے سے کہنے لگے واللہ اس نے بڑی زیادتی کی اپنے ہم پایہ لوگوں کا کھانا کیوں نہیں کھایا۔ ان میں سے ایک بولا میں نے تو اُسی دیے پر قناعت کی جو میرے آگے تھا بھنگڑی نے کہا شکر ہے خدا کا میں نے میٹھے چاولوں کے خوان میں سے کچھ نہ کھایا۔ انتظار ہی کرتا رہا کہ خوان اُس کے آگے پہنچ جائے اور وہ اس کا لطف اٹھانے لگے تو میں بھی اس کے ساتھ کھانے لگوں اتنے میں یہ حادثہ گزرا۔ بعض لوگ آپس میں یہ کہہ رہے تھے کہ ذرا دیکھنا تو چاہیے کہ اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جاتا ہے۔ جب زمرد کے سامنے پیش ہوا تو اس نے کہا اے نیلی چشم! تیرا کیا نام ہے اور تو ہمارے ملک میں کیوں آیا ہے؟ ملعون نے اپنا نام چھپایا وہ مسلمانوں کی طرح سفید پگڑی باندھے ہوتے تھا اور کہنے لگا اے بادشاہ میرا نام علی ہے: میں جولاہہ ہوں اور سوداگری کے لیے یہاں آیا ہوں۔ زمرد نے کہا ہماری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم حاضر کرو۔ لوگوں نے فوراً یہ چیزیں اس کے سامنے رکھ دیں۔ زمرد نے ریت اور قلم لے کر تختی پر مارا قلم سے بندر کی طرح کی ایک شکل کھینچی تھوڑی دیر تک سر اٹھا کر برسوم کی طرف غور سے دیکھتی رہی اور اس کے بعد اس نے کہا اے کتے تو بادشاہوں کے آگے کس طرح جھوٹ بولتا ہے؟ کیا تو عیسائی نہیں اور تیرا نام برسوم نہیں ہے اور کسی چیز

کی تلاش میں یہاں نہیں آیا ہے؟ سچ سچ بتا ورنہ خدا کی قسم میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔ یہ سُن کر برسوم دم بخود ہو گیا امرا اور حاضرین آپس میں کہنے لگے کہ یہ بادشاہ رمل بھی جانتا ہے، پاک ہے وہ ذات جس نے اُسے یہ چیز عطا کی! زمرّد نے عیسائی سے چلّا کر کہا سچ سچ بتا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا۔ عیسائی نے کہا جہاں پناہ مجھے معاف کر جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا سچ ہے، یہ بدبخت عیسائی ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکیسویں رات

جب تین سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عیسائی نے کہا کہ جہاں پناہ مجھے معاف کر جو کچھ تو نے رمل سے دریافت کیا ہے وہ سچ ہے یہ بدبخت عیسائی ہے۔ امرا وغیرہ کو جو وہاں حاضر تھے تعجب ہوا کہ بادشاہ رمل دیکھ کر واقعات بیان کر دیتا ہے اور کہنے لگے کہ یہ بادشاہ نجومی ہے اور دنیا میں ایسا کوئی دوسرا نہیں۔ اب زمرّد نے حکم دیا کہ اس عیسائی کی جلد کھینچ لو اور اس میں بھس بھر کر میدان کے دروازے پر لٹکا دو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اس کا گوشت اور ہڈیاں جلا دی جائیں اور اس پر کوڑا کرکٹ ڈال دیا جائے۔ چنانچہ جو کچھ اس نے حکم دیا تھا سب کی تعمیل کی گئی۔ جب لوگوں نے عیسائی کی یہ گت بنتے دیکھی تو کہا کہ اس کی سزا یہی ہے جو اُسے ملی اور وہ نوالہ اُس کے لیے سخت منحوس ثابت ہوا۔ ایک شخص بولا کہ مجھ کم بخت پر لعنت ہو اگر میں زندگی میں کبھی بھی میٹھے چاول کھاؤں۔ بھنگڑی کہنے لگا شکر ہے خدا کا کہ اس نے مجھے اس مصیبت سے بچایا جو اس شخص پر پڑی ہے کیونکہ اس نے میرا ہاتھ ان چاولوں کے کھانے سے روک دیا تھا۔ اب تمام لوگ اُٹھ کھڑے ہوئے

اور انھوں نے قسم کھائی کہ اس عیسائی کی جگہ چاولوں کے پاس کبھی نہ بیٹھیں گے۔

جب تیسرا چاند نکلا تو پھر دستور کے مطابق دسترخوان بچھا، کھانے لگائے گئے۔ زمرد کرسی پر بیٹھی اور لشکر حسب قاعدہ آراستہ ہوا۔ سب کے دلوں پر زمرد کا دبدبہ بیٹھا ہوا تھا۔ شہر والے معمول کے مطابق آئے اور دسترخوان کے گرد پھر کر دیکھا کہ وہ مخصوص خوان کہاں ہے اور ایک شخص نے دوسرے سے کہا ای حاجی خلف! اس نے جواب دیا حاضر ہوں ای حاجی خالد۔ پہلا شخص بولا کہ میٹھے چاولوں کے خوان سے الگ تھلگ رہیو اور اس میں سے کچھ نہ کھائیو۔ اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل سویرے لٹکا ہوا ہوگا۔ پھر وہ سب کھانے کے لیے دسترخوان کے چاروں طرف بیٹھ گئے اور کھانے لگے۔ زمرد اسی جگہ بیٹھی تھی کہ اس کی نظر ایک شخص پر پڑی جو میدان کے دروازے سے بھاگتا ہوا چلا آرہا تھا۔ غور سے دیکھنے پر اُسے معلوم ہوا کہ یہ وہی جوان نامی کرد چور ہے جس نے سپاہی کو قتل کیا تھا۔ اس کے آنے کی وجہ یہ تھی کہ جب وہ اپنی ماں کو چھوڑ کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا تو اُس نے کہا کہ کل میرے ہاتھ بڑی دولت لگی ہے۔ پہلے تو یہ کہ میں نے ایک سپاہی کو قتل کر کے اس کا گھوڑا لے لیا۔ دوسرے اُسی رات مجھے ایک اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلی ملی اور ایک لڑکی جس کی قیمت تھیلی کی اشرفیوں سے بھی زیادہ ہے۔ ان تمام چیزوں کو میں اپنی ماں کے پاس غار میں رکھ آیا ہوں۔ وہ سب خوش خوش شام کو غار کی طرف چل دیے۔ پہلے غار میں کرد جوان داخل ہوا اور پیچھے پیچھے دوسرے لوگ تاکہ جن چیزوں کا اس نے ذکر کیا ہے وہ انھیں لا کر دے لیکن اس نے دیکھا کہ وہاں کچھ بھی نہیں ہے۔ ماں سے پوچھا کہ لڑکی، گھوڑا اور مال کیا ہوا؟ ماں نے ساری سرگزشت بیان کر دی اور وہ جھلا کر اپنی ہتھیلیاں کاٹنے لگا۔ اس نے کہا کہ واللہ میں اس رنڈی کو ڈھونڈ کر جہاں کہیں وہ ہوگی لاؤں گا خواہ وہ پستے کے چھلکے کے اندر ہی کیوں نہ ہو اور اپنے دل کی بھڑاس نکالوں گا۔ یہ کہہ کر وہ اس کی تلاش میں چل دیا اور اُسے شہر در شہر ڈھونڈتا ہوا زمرد کے

شہر میں پہنچا۔ جب وہ شہر میں داخل ہوا تو وہاں کسی مرد کو نہ پایا کہ ہڑتال کا سبب پوچھے لہٰذا اس نے اُن عورتوں سے پوچھا جو ایک جھروکے سے دیکھ رہی تھیں انھوں نے کہا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ دسترخوان بچھاتا ہے اور لوگ وہاں جاکر کھانا کھاتے ہیں۔ یہ کہہ کر انھوں نے اُسے میدان کا پتا دیا جہاں دسترخوان بچھا کرتا تھا اور وہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا مگر اس خوان کے سوا جس کا بیان ہو چکا ہے اُسے کہیں کوئی خالی جگہ نہ ملی وہ وہیں خوان کے سامنے بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ لوگوں نے چلّا کر کہا بھائی تو کیا کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اس خوان میں سے کھانا چاہتا ہوں اور خوب پیٹ بھر کر کھانا چاہتا ہوں۔ ایک شخص بولا اگر تو نے اس میں سے کھایا تو کل صبح پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔ جوان نے جواب دیا چپ رہ ایسی باتیں نہ کر اور اپنے ہاتھ کو خوان کی طرف بڑھا کر اُسے اپنے سامنے کھینچ لیا۔ اُس کے پاس ہی بھنگڑی بیٹھا تھا جس کا ذکر اوپر آ چکا ہے۔ جب اس نے دیکھا کہ جوان نے اس خوان کو اپنی طرف کھینچا تو وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر بھاگا۔ بھنگ کا نشہ ہرن ہو گیا دُور جا بیٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے اس خوان کی ضرورت نہیں۔ اس کے بعد جوان نامی کردنے خوان کی طرف کوّے کے پنجے کی طرح اپنا ہاتھ بڑھایا اور اُسے بھر کر اونٹ کے کھُر کی طرح اس میں سے نکالا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بائیسویں رات

جب تین سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جوان نامی کُردنے خوان میں سے اپنا ہاتھ نکالا جو اونٹ کے کھُر کی طرح معلوم ہوتا تھا اور نوالے

کہ اپنے ہاتھ میں اتنا گھمایا پھرایا کہ اس کی شکل بڑی نارنگی کی سی ہو گئی پھر جلدی سے اُسے اپنے مُنہ میں ڈال لیا وہ بادل کی طرح گرجتا ہؤا اس کے پیٹ میں اتر گیا اور طباق کا جس جگہ سے نوالہ لیا گیا تھا پیندا نظر آنے لگا۔ اس کے برابر والے نے کہا شکر ہی خدا کا کہ میں نے تیرے سامنے بیٹھ کر نہیں کھایا تو نے تو ایک ہی نوالے میں طباق کی تہ اڑا دی۔ بھنگڑی بولا اُسے کھانے دو کیونکہ میں اُس کی شکل کو پھانسی پر چڑھا ہؤا دیکھ رہا ہوں۔ اس کے بعد بھنگڑی نے اُس کی طرف مخاطب ہو کر کہا خدا کرے کہ یہ نوالہ تجھے راس نہ آئے!۔ اب اس نے دوسرے نوالے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور چاہتا ہی تھا کہ اُسے بھی پہلے نوالے کی طرح ہاتھ میں گھمائے کہ زمرد نے سپاہیوں کو پکار کر کہا کہ اس شخص کو فوراً حاضر کرو وہ اپنے ہاتھ میں کا نوالہ نہ کھانے پائے۔ اس نے خوان سے ابھی سر نہ اٹھایا تھا کہ سپاہیوں نے آ کر اُسے پکڑ لیا اور لے جا کر زمرد کے سامنے پیش کر دیا لوگ اُسے بُرا بھلا کہنے لگے اور آپس میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں کہ وہ اسی سزا کا مستحق ہی ہم نے اُسے نصیحت کی تھی لیکن اس نے نہ مانی۔ اس جگہ پر جو بیٹھے گا اس کا انجام قتل ہوگا، یہ چاول اپنے کھانے والے کے لیے نحوست لاتے ہیں۔

زمرد نے پوچھا کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہی اور تو ہمارے شہر میں کیوں آیا ہی؟ اس نے کہا اے بادشاہ اور میرے مولیٰ میرا نام عثمان ہی میں ایک باغ کا مالی ہوں اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہی کہ میری ایک چیز کھو گئی ہی اُسے ڈھونڈنے آیا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ لاؤ تو رمل کی تختی اور لوگوں نے فوراً لا کر پیش کی۔ اس نے قلم لے کر تختی پر رمل کی شکلیں بنائیں اور ان پر تھوڑی دیر تک غور کرتی رہی۔ پھر اس نے سر اٹھا کر کہا اے خبیث لعنت ہو تجھ پر! تو بادشاہوں کے آگے جھوٹ بولتا ہی؟ رمل سے مجھے معلوم ہوتا ہی کہ تو کُرد ہی تیرا نام جوانؔ ہی اور تو چور ہی، لوگوں کا مال دھوکے سے چُراتا اور ایسے شخصوں کو قتل کرتا ہی جن کا قتل خدا نے بغیر کسی گناہ

کے حرام کیا ہو۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے ڈانٹا اور کہنے لگی بدمعاش اپنا حال ٹھیک ٹھیک بتا
ورنہ میں تیرا سر کاٹ کر پھینک دوں گا۔ زمرد کی باتیں سُن کر اس کا رنگ زرد پڑ گیا اور اُس
کے دانت دکھائی دینے لگے اُسے گمان ہوا کہ اگر وہ سچ کہہ دے گا تو چھوٹ جائے گا۔ وہ
کہنے لگا اے بادشاہ تو سچ کہتا ہے لیکن اب میں تیرے ہاتھ پر توبہ کرتا اور خدا کی طرف رجوع
کرتا ہوں۔ زمرد نے کہا کہ یہ مجھ سے نہیں ہو سکتا کہ میں مسلمانوں کے راستے میں ایک بلا رہنے
دوں۔ اس کے بعد اُس نے اپنے افسروں سے کہا کہ اسے لے جاؤ اور اس کی کھال کھینچ کر
وہی اس کی بھی گت بناؤ جو پچھلے مہینے میں اُس شخص کی بنائی گئی تھی جو اسی جیسا
تھا۔ فوراً حکم کی تعمیل کی گئی۔ جب بھنگڑی نے دیکھا کہ لشکر والے اُسے پکڑے لیے
جاتے ہیں تو اس نے چاولوں کے خوان کی طرف سے اپنا مُنہ پھیر لیا اور کہنے لگا کہ تیرا
میرے سامنے ہونا حرام ہے۔ لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے اور زمرد نے
اپنے محل میں جا کر غلاموں کو واپس کر دیا۔

تیسرے مہینے پھر حسبِ دستور میدان میں لوگ جمع ہوئے اور کھانا چُنا گیا اور انتظار
ہونے لگا کہ اجازت ملے تو شروع کریں۔ اتنے میں زمرد آکر کرسی پر بیٹھی اور ان کی طرف
دیکھنے لگی۔ اب اس نے دیکھا کہ چاولوں کے خوان کے پاس کی جگہ خالی ہے حالانکہ
وہاں چار شخص آسکتے ہیں، بڑا تعجب ہوا۔ ابھی وہ بیٹھی ادھر اُدھر دیکھ ہی رہی تھی کہ اس کی نظر
ایک طرف مبذول ہوئی، اس نے دیکھا کہ ایک شخص شہر کے دروازے میں سے داخل ہو کر تیز تیز چلا آرہا ہے چلتے
چلتے وہ دسترخوان کے پاس آکر ٹھیر گیا اور یہ دیکھ کر چاولوں کا طباق جہاں رکھا ہے
اس کے ارد گرد کے سوا کوئی جگہ خالی نہیں، وہ وہیں بیٹھ گیا۔ زمرد نے غور سے دیکھا تو
یہ وہی ملعون عیسائی تھا جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا وہ اپنے دل میں
کہنے لگی کہ کیسی مبارک ہے آج کی دعوت کہ یہ کافر میرے جال میں پھنس گیا۔ اس کے
آنے کا سبب عجیب و غریب تھا یعنی جب وہ اپنے سفر سے لوٹا اور شہر آباد کو صبح ہوتی

دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تئیسویں رات

تین سو تئیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ وہ ملعون جس نے اپنا نام رشید الدین رکھ چھوڑا تھا سفر سے لوٹا تو اس کے گھر والوں نے بیان کیا کہ زمرد اشرفیوں کی تھیلی لے کر غائب ہو گئی۔ یہ سن کر اس نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور منہ پہ طمانچے مارنے لگا داڑھی نوچ ڈالی اور اپنے بھائی برسوم کو مختلف شہروں میں بھیجا کہ جاکر اُسے تلاش کرے۔ جب بہت دن گزر گئے اور اس کا بھائی بھی نہ لوٹا تو وہ خود اسے اور زمرد کو ڈھونڈھنے نکلا۔ قسمت اُسے زمرد کے شہر میں لے آئی جہاں وہ مہینے کی پہلی تاریخ کو داخل ہوا۔ شہر کے گلی کوچوں میں پھرنے لگا دیکھا کہ وہ خالی پڑے ہیں دکانیں بند ہیں، عورتیں کھڑکیوں میں کھڑی جھانک رہی ہیں۔ اس نے بعض عورتوں سے پوچھا کہ یہ کیا ماجرا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو بادشاہ تمام لوگوں کے لیے دسترخوان بچھاتا ہے اور سب اُسی دسترخوان پر کھانا کھاتے ہیں اور کسی کی مجال نہیں کہ وہ اپنے گھر یا دکان میں بیٹھا رہے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اُسے میدان کا پتا بتا دیا۔ وہ میدان میں پہنچا تو کھانے پر لوگوں کا جمگھٹ لگا ہوا تھا اور اس جگہ کے سوا جہاں وہ مخصوص خوان رکھا ہوا تھا کوئی اور جگہ خالی نہ تھی۔ وہاں بیٹھ کر اس نے کھانے کے لیے اس خوان کی طرف ہاتھ بڑھایا کہ اتنے میں زمرد نے سپاہیوں کو آواز دے کر کہا کہ جو شخص چاولوں کے خوان کے پاس بیٹھا ہے اسے پکڑ لاؤ۔ سپاہی اس خوان کو پہچان گئے تھے اُسے پکڑ کر زمرد کے پاس لے آئے۔ زمرد نے پوچھا اے ملعون تیرا نام کیا ہے کیا کام کرتا ہے اور ہمارے شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے کہا جہاں پناہ میرا نام

رستم ہو اور میرا کوئی پیشہ نہیں فقیر درویش ہوں۔ زمرد نے اپنے آدمیوں سے کہا لاؤ میری رمل کی تختی اور پیتل کا قلم اور اس نے قلم لے کر رمل کی تختی پر خط کھینچنے اور ان پر غور کرنے لگی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا کر کہا اے کتے تو بادشاہوں سے جھوٹ بولتا ہے؟ تو عیسائی ہے تیرا نام رشید الدین، اور تیرا پیشہ یہ ہے کہ تو مسلمان لڑکیوں کو دغابازی سے لے جاتا ہے ظاہرا تو مسلمان ہے مگر دل میں عیسائی۔ سچ کہہ اگر تو نے جھوٹ بولا تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔ یہ سن کر وہ گڑگڑانے لگا اور بولا جہاں پناہ تو سچ کہتا ہے۔ اب زمرد نے حکم دیا کہ اُسے لٹا یا جائے اور اس کی دونوں ٹانگوں پر سو سو کوڑے اور بدن پر ہزار کوڑے لگائے جائیں پھر اس کی کھال کھینچ کر اُس میں سن بھرو اور شہر کے باہر ایک گڑھا کھود کر اُس کے اندر جلا دو اور اس پر کوڑا کرکٹ اور گندگی ڈال دی جائے۔ لوگ اس کا حکم بجا لائے پھر اس کے بعد لوگوں کو کھانے کی اجازت دی۔ سب نے کھایا اور کھا چکے تو اپنے اپنے گھر روانہ ہوئے۔ زمرد بھی اپنے محل میں گئی اور کہنے لگی شکر ہے خدا کا جس نے زمین اور آسمانوں کو پیدا کیا ہے میرا دل ان لوگوں کی طرف سے ٹھنڈا کر دیا جنھوں نے مجھے تکلیف پہنچائی تھی۔ بعد ازاں پھر اُسے اپنے شوہر علی شار کی یاد آگئی اور وہ بلک بلک کر رونے لگی۔ جب اس کی طبیعت ہلکی ہوئی، ہوش و حواس ٹھکانے آئے تو دل میں خیال کیا کہ جس خدا نے مجھے دشمنوں پر قابو دیا ہے عجب نہیں اسی طرح وہ ایک دن میرے دوستوں سے بھی مجھ ملا دے۔ اور پھر اُس نے استغفار پڑھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چوبیسویں رات

جب تین سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! زمرد

نے خدا سے مغفرت چاہی اور کہنے لگی ممکن ہو خدا مجھے میرے محبوب علی شار سے جلد ملا دے وہ جو چاہے کر سکتا ہو اور اپنے بندوں کی حالت سے رتی رتی واقف ہو۔ اس کے بعد اس نے خدا کی تعریف کی دوبارہ مغفرت چاہی اور اپنے آپ کو تقدیر کے حوالے کر دیا اُسے یقین ہو گیا کہ ہر ابتدا کی انتہا ہوتی ہو۔ اسی طرح اس نے پورا مہینا گزارا، دن میں رعایا پروری، عدل و انصاف کرتی اور رات کو اپنے شوہر علی شار کی جدائی پر گریہ و زاری۔ چوتھے مہینے کا چاند نکلا تو اس نے حکم دیا کہ پہلے کی طرح میدان میں دسترخوان بچھایا جائے۔ لوگ کھانا شروع کرنے کے لیے اجازت کے منتظر تھے اور چاولوں کے پاس کی جگہ خالی تھی زمرد دسترخوان کے ایک سرے پر عوام الناس سے بلند جگہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کی آنکھیں میدان کے دروازے کی طرف لگی ہوئی تھیں کہ جو کوئی اندر آئے اُسے وہ دیکھ سکے۔ دل ہی دل میں کہہ رہی تھی کہ اے پروردگار تو نے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملایا اور ایوبؑ کی بلائیں دور کیں، اپنی قدرت اور بزرگی سے میرے شوہر علی شار کو بھی مجھ سے ملا کر مجھ پر احسان کر تو ہر چیز پر قادر ہو۔ اے دنیاؤں کے پروردگار گمراہوں کے ہادی، آوازوں کے سننے والے اور دعاؤں کے قبول کرنے والے میری دعا سن تو ہی بندوں کا پالنے والا ہو۔ وہ ابھی اپنی دعا ختم نہ کرنے پائی تھی کہ میدان کے دروازے سے ایک شخص داخل ہوا جو قد و قامت میں بید کی چھڑی کی طرح تھا۔ دبلا پتلا رنگ زرد مگر پھر بھی وہ نہایت حسین جوان اور باشعور و باسلیقہ معلوم ہوتا تھا۔ جب وہ اندر آیا تو چاولوں کے خوان کے پاس کے سوا اور کوئی جگہ خالی نہ پائی وہیں بیٹھ گیا۔ زمرد نے جوان کو دیکھا تو اس کا دل دھڑکنے لگا۔ غور سے دیکھنے پر اُسے صاف نظر آیا کہ وہ اس کا شوہر علی شار ہو اس کے منھ سے خوشی کی چیخ نکلنے کو تھی کہ اس نے رسوائی کے ڈر سے ضبط کیا تاہم اس کے اندر کھلبلی مچ گئی اور اس کا دل دھک دھک کرنے لگا مگر اس نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ علی شار کے یہاں آنے کا سبب بھی

سن لو جب وہ چوکی پر سو گیا اور زمرد اتری اور کرد جوان اسے لے اڑا تو اس کے بعد اس کی آنکھ کھلی اس نے دیکھا کہ وہ ننگے سر ہی اسے یقین ہو گیا کہ کسی نے اس پر ظلم کر کے سوتے میں اس کا عمامہ اتار لیا ہی اور اس نے وہ جملہ کہا جس کے کہنے والے کو شرمانے کی ضرورت نہیں یعنی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ اس کے بعد وہ اس بڑھیا کے پاس گیا جس نے اُسے زمرد کا پتا دیا تھا اُس کا دروازہ کھٹکھٹایا جب بڑھیا نکل کر باہر آئی تو اس کے آگے رونے لگا یہاں تک کہ غش آگیا جب غشی دور ہوئی تو اس نے بڑھیا کو سارا قصہ سنایا۔ بڑھیا نے اس کے کیے پر اُسے لعنت ملامت کی۔ برا بھلا کہا اور کہنے لگی کہ تیری مصیبت اور بلا خود تیری ہی لائی ہوئی ہی۔ بڑھیا نے اتنی لعنت ملامت کی کہ اس کے نتھنوں سے خون جاری ہو گیا اور وہ دوبارہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھبیسویں رات

تین سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ اجب علی شار کو ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ اس کی وجہ سے بڑھیا بھی رو رہی ہی اس کے آنسو بہ رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ اور واویلا کرنے لگا۔ بڑھیا کو اس پر ترس آگیا اور اس سے کہا کہ ٹھیرو میں ابھی جاکر خبر لاتی ہوں۔ بڑھیا روانہ ہوئی اور دوپہر کو واپس آکر کہا ای علی میرے خیال میں تیری حسرت تجھے مار کر چھوڑے گی۔ اب قیامت سے پہلے تو اپنی محبوبہ کو نہ دیکھ سکے گا۔ وجہ یہ ہی کہ جب محل والے صبح کو اُٹھے تو انھوں نے دیکھا کہ باغ کی طرف والا جھروکا ٹوٹا ہوا ہی۔ زمرد نادارد ہی اور اپنے ساتھ عیسائی کے مال کی ایک خرجی بھی لے گئی ہی۔ میں وہاں پہنچی تو میں نے دیکھ کر والی اپنے آدمیوں کو لیے دروازے پر کھڑا ہی

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم ! یہ سنتے ہی علی شار کی آنکھوں کے آگے
اندھیرا آگیا اور وہ زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھا اُسے موت سامنے کھڑی دکھائی دینے لگی۔
روتے روتے اس کا بُرا حال ہوا عشق اور جدائی اس کے سر پر سوار تھی وہ سخت بیمار پڑ گیا اور
گھر سے باہر نکلنے کے قابل نہ رہا۔ بڑھیا طبیبوں کو لاتی اُسے دوائیں پلاتی اور اس کے
لیے یخنیاں پکاتی۔ ایک سال کے بعد اس میں کچھ جان آئی اور اُسے پُرانی باتیں پھر یاد
آنے لگیں۔ جب دوسرا سال ہوا تو بڑھیا نے کہا کہ بیٹا رونے پیٹنے سے تو تیری محبوبہ ملنے
سے رہی اگر ایسا ہی ہے تو اٹھ اور کمر باندھ کر شہر شہر اس کی تلاش کر ممکن ہے اس کا پتا
لگ جائے۔ بڑھیا اُسے برابر ہمت اور تقویت دلاتی رہی آخر وہ سفر پر آمادہ
ہوگیا پھر وہ اسے حمام لے گئی، شراب پلائی، مرغیاں کھلائیں اور ہر روز یہی دستور
رکھا یہاں تک کہ ایک مہینے کے بعد وہ دل کو مضبوط کر کے چل دیا چلتے چلتے زمرد کے
شہر میں پہنچا اور میدان میں کھانے پر بیٹھ گیا اور نوالہ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ لوگ
افسوس کرنے اور کہنے لگے ای جوان اس خوان میں سے نہ کھا کیونکہ جس کسی نے اس میں
سے کھایا ہے اُسے نقصان پہنچا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ مجھے اسی میں سے کھانے دو، ان
کا جو جی چاہے میرے ساتھ کریں کہیں مجھے اس تکلیف دہ زندگی سے آرام تو ملے۔ علی شار
کے نوالہ اٹھاتے ہی زمرد کا ارادہ ہوا کہ اسے اپنے پاس بلوائے لیکن فوراً اس کے دل
میں خیال آیا کہ وہ بھوکا ہوگا اور وہ اپنے دل میں کہنے لگی مناسب ہے پہلے اُسے پیٹ
بھر کر کھا لینے دوں۔ وہ کھا رہا تھا اور لوگ حیران تھے کہ دیکھیں اس پر کیا گزرتی ہے جب
وہ کھا کر سیر ہوگیا تو زمرد نے اپنے چند غلاموں سے کہا کہ اس جوان کو جو چاول کھا
رہا ہے نرمی کے ساتھ بلا لاؤ اور کہو کہ چل کر بادشاہ سے گفتگو اور سوال و جواب کر۔ غلام
جا کر اس کے پاس کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے ای میرے آقا چل اور خوش ہو کہ بادشاہ
تجھ سے دو دو باتیں کرنا چاہتا ہے۔ اس نے کہا کہ سر آنکھوں سے اور غلام بچوں کے

ساتھ چھوڑلیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھبیسویں رات

جب تین سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! علی شار غلام بچوں کے ہمراہ ہولیا اور لوگ کہنے لگے کہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔ دیکھنا چاہیے بادشاہ اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔ ایک شخص بولا کہ وہ اس کے ساتھ بھلائی کرے گا اگر وہ اُسے نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتا تو اُسے پیٹ بھر کر کھانے نہ دیتا علی شار زمرد کے سامنے آکر کھڑا ہوا تو اس نے سلام کیا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ زمرد نے سلام کا جواب دیا اور اس کے ساتھ عزت سے پیش آئی اور کہنے لگی کہ تیرا نام اور پیشہ کیا ہے اور تو اس شہر میں کیوں آیا ہے؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ میرا نام علی شار ہے میں سوداگر زادہ ہوں میرا وطن خراسان ہے اور میرے اس شہر میں آنے کی وجہ یہ ہے کہ میں اپنی ایک کنیز کو تلاش کرنے نکلا ہوں جو کھو گئی ہے اور جو مجھے میرے کانوں اور آنکھوں سے زیادہ عزیز تھی۔ جب سے وہ گم ہوئی ہے میری روح کا کوئی مسکن نہیں رہا بس یہ ہے میرا قصہ۔ اس کے بعد وہ رونے لگا اور بے ہوش ہو گیا۔ زمرد نے حکم دیا کہ اس کے چہرے پر گلاب چھڑکا جائے۔ لوگوں نے اس کے مُنہ پر گلاب کے چھینٹے دیے اس کے ہوش درست ہو گئے تو زمرد نے کہا کہ رمل کی تختی اور پیتل کا قلم لاؤ اور اس نے قلم سے کر رمل کی تختی پر نقش بنائے اور تھوڑی دیر تک سوچتی رہی پھر اس نے کہا کہ تو سچ کہتا ہے۔ خدا تجھے اس سے جلد ملا دے گا۔ غمزدہ نہ ہو۔ اس کے بعد اس نے حاجب کو حکم دیا کہ اسے حمام لے جاؤ، بہترین شاہانہ لباس پہناؤ، خاص

شاہی گھوڑا اُسے سواری کے لیے دیا جائے اور پھر شام کے وقت اُسے محل میں لاؤ۔ حاجب سینے پر ہاتھ رکھ کر اُلٹے قدموں ہٹا اور علی شار کو ساتھ لے کر زمرد کے پاس سے چلا گیا۔

لوگ آپس میں کہنے لگے آخر سلطان اس جوان کے ساتھ اتنی مہربانی سے کیوں پیش آیا؟ ایک شخص کہنے لگا کہ میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ بادشاہ اس کے ساتھ برا سلوک نہ کرے گا کیونکہ اس کی شکل ہی ایسی پیاری ہے اور یہ میں اس وجہ سے بھی سمجھ گیا تھا کہ بادشاہ نے اُسے پیٹ بھر کر کھانے دیا۔ الغرض ہر شخص کچھ نہ کچھ کہتا اور اپنا راستہ لیتا۔ زمرد کو یقین نہ آتا تھا وہ بے تاب تھی کہ کب رات ہو اور وہ اپنے دلی محبوب سے تنہائی میں ملے۔ خدا خدا کر کے رات ہوئی تو وہ اپنی خواب گاہ میں گئی اور یہ ظاہر کیا کہ وہ سو گئی ہے۔ اس نے اپنا یہ دستور بنا لیا تھا کہ دو چھوٹے نوکروں کے سوا کوئی اس کی خواب گاہ میں نہ سوتا اور وہ بھی بغیر بلائے نہ آ سکتے۔ خواب گاہ میں پہنچ کر اس نے اپنے محبوب علی شار کو بلا بھیجا اور خود تخت پر بیٹھی۔ اس کے آگے اور پیچھے موم بتیاں جل رہی تھیں کمرے میں سونے کے جھاڑ جگمگ جگمگ کر رہے تھے۔ جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ بادشاہ نے اسے بلوایا تو انھیں تعجب ہوا ہر ایک اپنا اپنا قیاس دوڑانے لگا، ہر ایک کا گمان جداگانہ تھا۔ بعض کی رائے تھی کہ بادشاہ کو اس کے ساتھ دلی تعلق پیدا ہو گیا ہے اور وہ اُسے کل کسی نہ کسی لشکر کا سپہ سالار بنا دے گا۔ لوگ اپنی عقل آرائیاں کر رہے تھے کہ علی شار زمرد کے پاس پہنچا اُس کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور دُعا دی۔ زمرد نے اپنے دل میں کہا ابھی میں اس پر اپنے آپ کو ظاہر نہ کروں گی بلکہ اس کے ساتھ تھوڑا سا مذاق کرنا چاہیے۔ کہنے لگی اے علی تو حمام ہو آیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے مولیٰ ہاں۔ زمرد نے کہا کہ اُٹھ اور اس مرغی اور دوسرے گوشت میں سے کچھ کھا اور یہ شربت اور شراب پی کیونکہ تو تھکا ہوا ہے، پھر میرے قریب آئیو۔

زمرد نے جو جو حکم دیا تھا اس نے کیا۔ اور جب وہ کھا پی کر فارغ ہو گیا تو زمرد نے کہا کہ تخت پہ آ کر میرے پاؤں دبا۔ وہ اس کے پاؤں اور پنڈلیاں دبانے لگا دیکھا کہ اس کا بدن ریشم سے بھی زیادہ نرم ہے۔ اب زمرد نے کہا کہ بھی کرتا ہوا اوپر کی طرف آ۔ وہ بولا ای میرے مولی گھٹنوں سے آگے نہیں بڑھوں گا۔ زمرد نے کہا کیا تو میری نافرمانی کرنا چاہتا ہے! خبردار ورنہ یہ رات تجھ پر بری گذرے گی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تئیسویں رات

جب تین سو تئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! زمرد نے اپنے شوہر علی شار سے کہا اگر تو نے میری مخالفت کی تو آج رات تیری خیر نہیں۔ تجھے میرا کہنا ماننا چاہیے۔ میں تجھے اپنا معشوق بناؤں گا اور ایک امیر کا مرتبہ دوں گا۔ علی شار نے کہا جہاں پناہ میں کس بات میں تیری اطاعت کروں؟ اس نے جواب دیا کہ اپنے کپڑے اتار کر اوندھا لیٹ جا۔ علی شار نے کہا ایسا کام تو میں نے عمر بھر نہیں کیا ہے اگر تو زبردستی کرے گا تو میں قیامت کے دن تیرا دامن گیر ہوں گا۔ جو کچھ تو نے مجھے دیا ہے مجھ سے لے لے اور مجھے اپنے شہر سے جانے دے۔ یہ کہہ کر وہ رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ زمرد نے کہا اگر تو کپڑے اتار کر پیٹ کے بل لیٹا تو میں تیری گردن اُڑا دوں گا۔ الغرض اس نے اس کا کہنا مان لیا اور وہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گئی۔ علی شار نے دیکھا کہ وہ ریشم سے زیادہ نرم اور مکھن سے زیادہ ملائم ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ بادشاہ تو تمام عورتوں سے بڑھ کر نازک اندام ہے۔ زمرد تھوڑی دیر تک اس کی پیٹھ پر رہنے کے بعد اتر آئی قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی ای میرے آقا ان باتوں کے باوجود بھی تو نے مجھے نہ پہچانا۔ اس نے کہا ای بادشاہ تو

کون ہو؟ وہ بولی تیری کنیز زمرد۔ یہ سن کر علی شار اس کے بوسے لینے لگا اور اُسے اس طرح دبوچا جیسے شیر بکری کو دبوچتا ہو اور اُسے بالکل یقین آگیا کہ وہ بے شک اُس کی کنیز ہو اور اس کی آواز غلام بچّوں کے کان میں پہنچی اور وہ آکر پردے کے پیچھے سے جھانکنے لگے اور انھوں نے دیکھا کہ بادشاہ علی شار کے پاس لیٹا ہوا ہو اور نخرے کر رہا ہو۔ غلام بچّوں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ نخرے تو مردکے سے نخرے نہیں، ہو نہ ہو یہ بادشاہ عورت ہو لیکن انھوں نے اس بات کو پوشیدہ رکھا اور اس کا ذکر کسی سے نہ کیا۔ جب دن نکلا تو زمرد نے کُل لشکر اور اُمرا کو اپنے پاس بلا بھیجا اور ان سے کہنے لگی کہ میں اس شخص کے وطن کو جانا چاہتا ہوں، میری واپسی تک تم اپنی حکمرانی کے لیے کسی نائب کو مقرر کرلو۔ زمرد کے اس حکم کو انھوں نے بخوشی منظور کرلیا۔ اب اس نے سفر کا سامان تیار کیا مثلاً راہ کا توشہ، زر و جواہر، کپڑے، تحفے، اونٹ، خچر اور شہر سے روانہ ہوگئی۔ چلتے چلتے علی شار کے شہر میں پہنچی اور گھر میں داخل ہوئی، لوگوں کو انعام دیا، خیرات کی اور رہنے سہنے لگے ان کی اولاد ہوئی اور انھوں نے بڑی خوشی سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آپہنچی۔ پاک ہو وہ ذات جس کے لیے بلا زوال کے بقا ہو اور خدا کا شکر ہر حال میں۔

بُدور اور جُبیر بن عُمیر کے عشق کی کہانی

کہنے والے کہتے ہیں کہ ایک رات ہارون الرشید کو بالکل نیند نہ آئی اور جب وہ جاگتے جاگتے اور کروٹیں بدلتے بدلتے اکتا گیا تو اس نے مسرور کو بلا کر کہا ای مسرور! دیکھ کوئی ایسا ہو جو مجھے اس بیداری میں تسلی دے سکے۔ اس نے عرض کی ای میرے مولیٰ اگر تیرا جی چاہے تو محل کے باغ میں چل کر پھولوں کا نظارہ کر اور ستاروں کو دیکھ کر

وہ کس خوبی سے آسمان پر جڑے ہوئے ہیں اور ان کے درمیان چاند کس طرح پانی پر چمک رہا ہے۔ خلیفہ بولا اے مسرور ان میں سے کسی چیز میں میرا دل نہیں لگتا۔ مسرور نے نے کہا اے میرے مولیٰ تیرے محل میں تین سو تیری چہیتی کنیزیں ہیں اور ان کے لیے الگ الگ محل سرائیں ہیں۔ انھیں حکم دے کہ ہر ایک اپنی محل سرا میں جا کر بیٹھے اور بغیر اس کے کہ انھیں معلوم ہو تو ان کا تماشا دیکھ۔ اس نے کہا اے مسرور یہ سچ ہے کہ محل میرا محل ہے اور کنیزیں میری ملکیت لیکن ان میں سے کسی چیز کی طرف میرا میلان نہیں ہوتا۔ مسرور نے کہا اے میرے مولیٰ عالموں، حکیموں اور شاعروں کو حکم دے کہ وہ تیرے پاس آ کر مباحثے کریں، اشعار پڑھیں اور قصے کہانیاں بیان کریں۔ اس نے جواب دیا کہ ان چیزوں میں سے بھی کسی کو میری طبیعت نہیں چاہتی۔ مسرور نے کہا اے میرے مولیٰ غلاموں اور ندیموں اور ظریفوں کو حکم دے کہ وہ علمی نکتے بیان کریں، لطیفے سنائیں اور تیرا دل خوش کریں۔ اس نے کہا اے مسرور ان میں سے بھی کسی بات کی طرف میری رغبت نہیں۔ مسرور نے کہا اے میرے آقا تو پھر میری گردن اڑا دے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھائیسویں رات

جب تین سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! مسرور نے خلیفہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو پھر میری گردن اڑا دے شاید اس سے تیری بیزاری جاتی رہے اور جو گھبراہٹ تجھے ہے وہ دور ہو جائے۔ اس پر رشید ہنس پڑا اور کہنے لگا اے مسرور دیکھ اس وقت ندیموں سے کوئی موجود ہے۔ مسرور

باہر جاکر واپس آیا اور کہنے لگا کہ ای میرے مولیٰ دروازے پر اس وقت علی بن منصور خلیعی دمشقی ہی۔ خلیفہ نے کہا اُسے بلالو۔ مسرور جاکر اُسے بلا لایا جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ السلام علیک یا امیرالمومنین۔ خلیفہ نے سلام کا جواب دے کر کہا ای ابن منصور کوئی کہانی تجھے یاد ہو تو سُنا۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین کوئی ایسی چیز بیان کردوں جو مَیں نے خود آنکھ سے دیکھی ہی یا ایسی جو محض سُنی سنائی ہی؟ خلیفہ نے کہا کہ اگر کوئی عجیب و غریب واقعہ تیری آنکھوں کے سامنے گزرا ہی تو اُسے بیان کر کیونکہ سُنی سنائی باتیں ایسی نہیں ہوتیں جیسی کہ آپ بیتی۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین کان اور دل لگاکر سُن۔ خلیفہ نے کہا ای ابن منصور مَیں اپنے کانوں سے سُن رہا ہوں اور دل سے تیری طرف متوجہ ہوں۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین سُن۔ بصرے کے والی محمد بن سلیمان کی طرف سے میرا سالانہ مقرر ہی۔ ایک بار مَیں دستور کے موافق اس کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ سیر و شکار پر جانے کے لیے سوار کھڑا ہی۔ مَیں نے اُسے سلام کیا اور اس نے مجھے، پھر مجھ سے کہنے لگا ای ابن منصور میرے ساتھ سوار ہو کر شکار پر چل۔ مَیں نے کہا ای میرے مولیٰ مَیں سواری سے معذور ہوں۔ اس نے مجھے حاجبوں اور داباؤں کے حوالے کرکے مہمان خانے میں بٹھا دیا۔ اس کے بعد وہ شکار پر روانہ ہوگیا اُن لوگوں نے مجھے بڑے احترام سے رکھا اور بہترین طریقے سے مہمان داری کی۔ ایک دن مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ ایک مدت سے مَیں بغداد سے بصرے آیا کرتا ہوں لیکن محل سے باغ اور باغ سے محل کے سوا اور کچھ مَیں نہیں جانتا۔ اس سے بہتر اور کب موقع ملے گا آؤ بصرے کے مختلف حصّوں کی سیر تو کرو۔ اکیلے چلو، خوب گشت لگاؤ اور تماشا دیکھو۔ چنانچہ مَیں اپنے بہترین کپڑے پہن بصرے میں اِدھر اُدھر سیر کرنے کے لیے چل کھڑا ہوا۔

ای امیرالمومنین تجھے معلوم ہی کہ بصرے میں ستّر ایسی سڑکیں ہیں جو ستّر ستّر عراقی فرسخ لمبی ہیں۔ لہذا مَیں وہاں کی گلیوں میں راہ بھول گیا اور مجھے پیاس معلوم

ہونے لگی۔ اے امیرالمومنین میں چلا جا رہا تھا کہ میری نظر ایک بڑے پھاٹک پر پڑی جس
میں پیتل کے دو حلقے لگے ہوئے اور سُرخ کمخواب کے پردے پڑے ہوئے تھے اور اس
کے دونوں طرف دو چبوترے تھے۔ پھاٹک کے اوپر انگور کی بیل کی ایک ٹٹی تھی جس
سے اس کے اُوپر سایہ پڑتا تھا۔ میں اس مکان کا نقشہ دیکھنے ٹھیر گیا۔ کھڑے ہوتے ہی مجھے
ایک غم زدہ نغمہ سُنائی دیا جو کسی غمگین دل سے نکل رہا تھا اور میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ
اگر اس نغمے والا حسین بھی ہے تو اُس میں حُسن اور فصاحت اور شیریں بیانی سب موجود
ہیں۔ یہ خیال کرتا ہوا میں دروازے کے پاس گیا اور پردے کو تھوڑا تھوڑا سرکانا شروع
کیا دیکھا کہ ایک گوری گوری کنیز بیٹھی ہوئی ہے جو چودھویں رات کے چاند کی طرح حسین
ہے اس کی بھویں ملی ہوئی ہیں، پلکیں خوابیدہ، سینے پر دو انار رکھے ہوئے، ہونٹ پتلے
پتلے گویا دو عقیق، منہ گویا سلیمانؑ کی انگوٹھی اور موتیوں کی لڑی جس سے شاعر اور
نثار دونوں کی عقل دنگ ہو جائے۔ الغرض ہر حُسن اس میں موجود تھا اور وہ مردوں
اور عورتوں دونوں کے لیے فتنہ تھی، آنکھ اس کے دیکھنے سے کبھی سیر نہ ہوتی تھی پردے
میں سے اُسے جھانک ہی رہا تھا کہ اس نے نظر اُٹھائی اور مجھے دروازے پر کھڑا دیکھ کر
اپنی لونڈی سے کہا دیکھو دروازے پر کون ہے؟ لونڈی اٹھ کر میرے پاس آئی اور کہنے لگی
اے بوڑھے تجھے شرم نہیں آتی؟ بڑھاپا اور عیب! میں نے کہا کہ بڑھاپے کو تو میں جانتا
ہوں مگر جہاں تک عیب کا سوال ہے تو میرے خیال میں عیب کی تو کوئی بات میں
نے کی نہیں۔ اس پر لونڈی کی مالکہ بولی اس سے بڑھ کر اور کون سا عیب ہو سکتا ہے کہ
اپنا گھر چھوڑ کر دوسروں کے گھر میں گھستا چلا آتا ہے اور اپنی بیوی کو چھوڑ کر دوسرے
شخص کی بیوی پر نظر ڈالتا ہے۔ میں نے کہا اے میری آقا میں اس میں معذور ہوں۔ اس
نے پوچھا تو کس طرح معذور ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں پردیسی ہوں اور مجھے اتنی
پیاس لگی ہے کہ میں مارے پیاس کے مرا جا رہا ہوں۔ اس نے کہا کہ تیرا عذر مجھے قبول ہے

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو انتیسویں رات

جب تین سو انتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکی بولی تیرا عذر معقول ہے اور اس نے اپنی لونڈی کو بلا کر کہا اے لطف سونے کے کوزے سے اسے پانی پلا۔ لونڈی ایک سونے کا کوزہ لے آئی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے پانی میں مشک کی لپٹ آرہی تھی اور کوزہ سبز ریشم کے رومال سے ڈھنکا ہوا تھا۔ اب میں پانی پینے لگا ٹھیر ٹھیر کر گھونٹ گھونٹ اور کنکھیوں سے اُس لڑکی کی طرف دیکھتا جاتا۔ دیر کے بعد میں نے کوزہ لونڈی کو واپس دے دیا مگر اٹھا نہیں۔ لڑکی نے کہا کہ بڈھے اب اپنا راستہ لے۔ میں نے کہا اے میری آقا میں کچھ سوچ رہا ہوں۔ اس نے پوچھا کیا سوچ رہا ہے۔ میں بولا زمانے کا ہیر پھیر اور حادثوں کا پیش آنا۔ اس نے کہا تیرا کہنا سچ ہے واقعی زمانہ عجیب عجیب باتیں کرتا ہے۔ لیکن تو نے زمانے کی کون سی ایسی بات دیکھی کہ سوچ میں پڑ گیا؟ میں نے کہا کہ مجھے اس گھر کے مالک کی یاد آرہی ہے جب وہ زندہ تھا تو میرا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا کہ محمد بن علی جوہری اور وہ بڑا مالدار تھا معلوم نہیں کہ اس نے کوئی اولاد بھی چھوڑی۔ اس نے کہا کہ ہاں چھوڑی ہے ایک بیٹی بدور اور جبسے اس کی ساری دولت ورثے میں ملی ہے۔ میں نے کہا شاید تو ہی اُس کی بیٹی ہے۔ اس نے کہا ہاں اور مسکرا دی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ بڈھے تو بہت باتیں کر چکا اب چلتا ہو۔ میں نے کہا کہ جاؤں گا تو سہی لیکن میں دیکھتا ہوں کہ تیری صورت اتری ہوئی ہے اپنا حال بتا شاید خدا میرے ہاتھ سے تجھے خوشی

عطا کرے۔ اس نے کہا ای بوڑھے اگر تو بھید رکھ سکتا ہے تو میں اپنا بھید تجھ پر ظاہر کردوں گی یہ بتا تو ہے کون میں سمجھوں تو کہ رازداری کے قابل ہے بھی یا نہیں؟ میں نے کہا ای میری آقا اگر تو جاننا چاہتی ہے کہ میں کون ہوں تو سُن میرا نام علی بن منصور خلیعی دمشقی ہے اور میں امیرالمومنین ہارون الرشید کا ندیم ہوں۔

میرا نام سنتے ہی وہ کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئی اس نے مجھے سلام کیا اور کہا ای ابن منصور خوش آمدی!! اب میں تجھ سے اپنا حال بیان کروں گی اور تجھے اپنے راز کا امانت دار بناؤں گی۔ سُن میں عاشق ہوں مگر جدائی میں مبتلا۔ میں نے اس سے کہا ای میری آقا تو حسین ہے تیرا معشوق بھی حسین ہوگا۔ آخر وہ کون شخص ہے جس پر تو عاشق ہے؟ اس نے جواب دیا میں جبیر بن عمیر شیبانی پر عاشق ہوں جو بنو شیبان کا سردار ہے۔ یہ کہ کر اس نے ایک جوان کا حلیہ بیان کیا جس سے زیادہ خوب صورت بصرے میں تو ہوگا نہیں۔ میں نے کہا ای میری آقا تمھارے درمیان ملاقات یا خط و کتابت ہوئی ہے؟ اس نے کہا ہاں لیکن اس کا عشق محض زبانی تھا دل سے نہیں کیونکہ اس نے نہ اپنا وعدہ پورا کیا اور نہ اپنے عہد و پیمان پر قائم رہا۔ میں نے کہا ای میری آقا تم میں جدائی کس طرح ہوتی؟ اس نے کہا جدائی کا سبب یہ ہوا کہ ایک دن میں بیٹھی ہوئی تھی اور یہی لونڈی میرے بالوں میں کنگھی کر رہی تھی۔ کنگھی کرنے کے بعد اس نے میری چوٹی گوندھی میرا حُسن اُسے بھلا معلوم ہوا اس نے جھک کر میرے رخسار کو بوسہ دیا۔ ہمیں اس کا علم نہ تھا کہ وہ آنے والا ہے وہ آگیا اور اس نے دیکھ لیا کہ لونڈی میرا رخسار چوم رہی ہے وہ فوراً ناراض ہو کر اُلٹے پاؤں لوٹ گیا اور اس نے اپنے دل میں ٹھان لی کہ وہ پھر کبھی مجھ سے نہ ملے گا۔ اس دن سے آج تک وہ میرے پاس نہیں پھٹکا اور ای ابن منصور نہ اس نے خط لکھا نہ میرے خط کا جواب دیا۔ میں نے کہا پھر تو کیا چاہتی ہے؟ اس نے جواب دیا میں تجھے اس کے پاس ایک خط دے کر بھیجنا چاہتی ہوں اگر تو جواب لے آئے تو میں تجھے پانسو دینار دوں گی اور اگر بغیر جواب کے لوٹے تو تیرے آنے

جانے کا خرچ ایک سو دینار۔ میں نے کہا جیسی تیری مرضی اس نے کہا کہ بسرو چشم۔ اس نے لونڈی سے دوات اور کاغذ منگایا۔ خط لکھا اور مُہر لگا کر مجھے دے دیا۔ میں خط لے کر جُبیر بن عُمیر شیبانی کے گھر پہنچا معلوم ہؤا وہ شکار پر گیا ہؤا ہی۔ بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ میں بیٹھا ہی ہؤا تھا کہ وہ شکار سے لوٹا۔ ای امیرالمومنین جب میں نے اُسے گھوڑے پر سوار دیکھا تو اس کے حُسن و جمال کو دیکھ کر میری عقل دنگ ہوئی۔ اس نے نظر اٹھائی تو مجھے اپنے دروازے پر بیٹھا ہؤا پایا گھوڑے سے اتر کر میرے پاس آیا اور مجھے گلے سے لگا کر سلام کیا۔ مجھے ایسا معلوم ہؤا گویا میں نے ساری دنیا و مافیہا کو گلے سے لگا لیا۔ اس کے بعد وہ مجھے اپنے ساتھ لے مکان کے اندر گیا، اپنے فرش پر بٹھایا اور کھانے کی میز منگوائی۔ وہ خراسانی خولنج کی بنی ہوئی تھی اور اس کے پائے سونے کے۔ اس پر ہر قسم کے کھانے طرح طرح کے تلے ہوئے اور بھُنے ہوئے گوشت لگائے گئے اور اسی طرح کی اور دوسری چیزیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تیسویں رات

تین سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ جب علی بن منصور جُبیر بن عُمیر شیبانی کے دسترخوان پر بیٹھا تو جبیر نے کہا ہمارے کھانے کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا اور اسے کھا کر ہمارا دل خوش کر۔ علی بن منصور کا بیان ہی کہ میں نے کہا خدا کی قسم جب تک تو میری حاجت پوری نہ کر دے گا میں تیرے کھانے میں سے ایک نوالہ بھی نہ اٹھاؤں گا۔ اس نے کہا تیری حاجت کیا ہی؟ میں نے وہ خط نکال کر اُسے دے دیا۔ اس نے اُسے پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو اُسے پھاڑ کر زمین پر پھینک دیا اور مجھ سے کہنے لگا ای ابن منصور!

مَیں تیری تمام حاجتیں پوری کرنے کے لیے تیار ہوں سوا اس حاجت کے جو اس خط کے لکھنے والی سے تعلق رکھتی ہو، اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں۔ مَیں نے یہ سنا تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اُٹھنے لگا۔ اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہا ای ابنِ منصور اگرچہ مَیں تم دونوں کے پاس موجود نہ تھا لیکن اگر تو چاہے تو مَیں بتا دوں کہ اس نے تجھ سے کیا کہا ہو۔ مَیں نے کہا بتا اس نے مجھ سے کیا کہا ہو۔ وہ بولا کیا اس نے تجھ سے یہ نہیں کہا اگر تو اس کا جواب لے آئے گا تو مَیں تجھے پانسو دینار دوں گی اور اگر نہ لائے گا تو تیرے آنے جانے کا خرچ سو دینار؟ مَیں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا آج میرے ساتھ رہ جا کھا پی چین کر، خوش ہو اور پانسو دینار لے۔ مَیں اس کے پاس بیٹھ گیا اور مَیں نے کھایا پیا اور مزے اُڑائے۔ خوش ہوا اور باتیں چیتیں کیں پھر مَیں نے اس سے پوچھا تیرے ہاں کیا گانے بجانے کا کوئی انتظام نہیں ہو؟ اس نے جواب دیا ایک مدت سے مَیں بغیر گانے بجانے ہی کے شراب پیتا ہوں۔ یہ کہہ اس نے اپنی ایک کنیز کو ای شجرۃ الدر کہہ کر آواز دی کنیز اپنی حرم سرا میں سے نکل کر آئی اس کے پاس ہندستان کی بنی ہوئی ایک سارنگی ریشم کے غلاف کے اندر تھی وہ آ کر بیٹھ گئی اور سارنگی کو اپنی گود میں رکھ کر اکیس طرح کے راگ بجائے۔

جب کنیز بجا چکی تو اس کے مالک نے ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ کنیز نے کہا ای بوڑھے خدا تجھ سے اس کا مواخذہ نہ کرے! آقا کی اس بے ہوشی کے ڈر سے ہم ایک مدت گزری کہ بغیر گانے بجانے کے شراب پیا کرتے ہیں۔ خیر اب تو اُس کمرے میں جا اور سو جا۔ مَیں اس کمرے کی طرف چل دیا جو اس نے بتایا تھا اور وہاں جا کر سو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک غلام ایک تھیلی لے کر آیا جس میں پانسو دینار تھے اور کہنے لگا یہ وہ ہی جس کا وعدہ میرے آقا نے تجھ سے کیا تھا لیکن اُس لڑکی کے پاس لوٹ کر نہ جائیو جس نے تجھے بھیجا ہو گویا نہ تجھے اس بات کی خبر ہو نہ ہمیں۔ مَیں نے بسر و چشم کہا اور تھیلی لے کر چلتا ہوا۔ چلتے چلتے اپنے دل میں کہنے لگا کہ لڑکی کل سے میرے انتظار میں ہو گی۔ واللہ مَیں ضرور اس

کے پاس جاکر سارا ماجرا بیان کروں گا جو میرے اور جبیر کے درمیان پیش آیا ہے۔ اگر میں اس کے پاس نہ گیا تو وہ مجھے اور میرے ہم وطنوں کو برا بھلا کہے گی۔ یہ سوچ کر میں اس کے ہاں پہنچا دیکھا وہ دروازے کے پیچھے کھڑی ہے۔ جوں ہی اس کی نظر مجھ پر پڑی کہنے لگی ای ابن منصور تو نے میری حاجت پوری نہ کی۔ میں نے کہا تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ وہ بولی ای ابن منصور مجھے اور باتیں بھی معلوم ہو چکی ہیں اور وہ یہ ہیں کہ جب تو نے اسے خط دیا تو اس نے پھاڑ کر پھینک دیا اور تجھ سے کہا ای ابن منصور سوا اس خط لکھنے والی کی حاجت کے میں اور تیری تمام حاجتیں پوری کروں گا صرف اس کے خط کا جواب میرے پاس نہیں۔ جب تو ناراض ہو کر اس کے پاس سے اٹھنے لگا تو اس نے تیرا دامن پکڑ لیا اور تجھ سے کہا ای ابن منصور آج تو میرے ہاں ٹھیر تو میرا مہمان ہے۔ کھا پی، مزے اڑا، خوش ہو اور پانسو دینار لے۔ لہٰذا تو اس کے پاس ٹھیر گیا کھایا پیا مزے اڑائے خوش ہوا باتیں چیتیں کیں اور کنیز نے فلاں راگ بجایا وہ غش کھا کر گر پڑا۔ ای امیرالمومنین میں نے اس سے پوچھا کیا تو بھی وہاں موجود تھی؟ اس نے کہا ای ابن منصور کیا تو نے شاعر کا یہ قول نہیں سنا ہے: "عاشقوں کے دلوں میں آنکھیں ہوتی ہیں جن سے وہ ان چیزوں کو دیکھ لیتے ہیں جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتیں"۔ لیکن ای ابن منصور کوئی ایسی چیز نہیں جس پر زمانہ گزرے اور وہ بدلے نہیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکتیسویں رات

جب تین سو اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ لڑکی نے کہا ای ابن منصور یہ ممکن نہیں کہ زمانہ ایک چیز پر گزرے اور وہ متغیر نہ ہو۔ پھر اس نے

آسمان کی طرف اپنی نظر اُٹھائی اور کہنے لگی ای میرے خدا میرے مالک، میرے مولی جس طرح تونے جبیر بن عمیر کی محبت میں مجھے گرفتار کیا ہی اُسے بھی میری محبت میں گرفتار کردے۔ یہ محبت میرے دل سے اس کے دل میں منتقل ہو جائے! بعدازاں اس نے مجھے سو دینار راہ خرچ کے دیے اور میں انھیں لے کر بصرے کے حاکم کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ شکار سے لوٹ آیا ہی۔ میں نے اس سے اپنا حق لیا اور بغداد واپس آگیا۔

دوسرے سال میں اپنا حق لینے پھر بصرے گیا، حاکم نے میرا حق مجھے دیا۔ میں بغداد واپس ہونے لگا تو مجھے بدور کا خیال آگیا۔ میں نے اپنے دل میں کہا دیکھوں تو سہی کہ اُس کے اور اس کے دوست کے درمیان کیا ماجرا پیش آیا۔ میں اس کے گھر پہنچا کیا دیکھتا ہوں کہ مکان کے آگے جھاڑو دی گئی ہی چھڑکاؤ کیا گیا ہی نوکر چاکر اور غلام کھڑے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا غالباً رنج کی وجہ سے اس کا دل ٹوٹ گیا وہ مرگئی ہی اور اُس کے مکان میں کوئی اور امیر رہنے آیا ہی۔ چنانچہ میں اُسے چھوڑ کر جبیر بن عمیر شیبانی کے گھر پہنچا دیکھا اس کے چبوترے ٹوٹے پڑے ہیں پہلے کی طرح وہاں نہ کوئی غلام ہی نہ عیش کا سامان۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ شاید وہ بھی مرگیا اور اس کے دروازے پر کھڑا ہو کر آنسو بہانے لگا۔ ای امیرالمومنین میں گریہ وزاری کر ہی رہا تھا کہ ایک حبشی غلام مکان سے نکل کر میرے پاس آیا اور کہنے لگا ای بوڑھے تیرا ستیاناس ہو! تو کیوں اس مکان پر گریہ وزاری کر رہا ہی؟ میں نے جواب دیا میں اس مکان میں اپنے ایک دوست سے ملنے آیا کرتا تھا۔ اس نے پوچھا اس کا نام کیا تھا؟ میں نے کہا جبیر بن عمیر شیبانی۔ وہ بولا اس پر کیا گزری ہی؟ خدا کے فضل سے وہ ویسا ہی امیر دولت مند ہی لیکن خدا نے اُسے ایک لڑکی کی محبت میں گرفتار کر رکھا ہی جس کا نام بدور ہی اور وہ اس کے عشق میں سرتاپا ڈوبا ہوا ہی۔ محبت کے مارے وہ اس طرح پڑا رہتا ہی جیسے پتھر۔ اگر اُسے بھوک لگتی ہی تو وہ نہیں کہتا کہ مجھے کھانا کھلاؤ، اگر پیاس لگتی ہی تو پانی نہیں مانگتا۔ میں نے کہا اس سے میرے

لیے اجازت لے آؤ کہ میں مل سکوں۔ اس نے کہا تو ایسے شخص سے ملنا چاہتا ہے جو تیری بات سمجھے یا اس سے جو نہ سمجھے؟ میں نے کہا کہ جو کچھ بھی ہو میں اس سے ملنا چاہتا ہوں۔ غلام اجازت لینے کے لیے اندر گیا اور اجازت لے آیا۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ وہ پتھر کی طرح پڑا ہوا ہے نہ اشارہ سمجھتا ہے نہ کوئی بات جب میں اس سے کچھ کہتا..... تو وہ میرا منہ دیکھنے لگتا۔ ایک خادم نے مجھ سے کہا اے میرے آقا اگر تجھے کوئی شعر یاد ہو تو اس کے سامنے پڑھ اور اونچی آواز سے اُسے سنا۔ اُسے سن کر وہ بیدار ہو جائے گا اور تجھ سے باتیں کرے گا۔ میں نے کچھ اشعار پڑھے تو اس نے اپنی آنکھیں کھول دیں اور مجھ سے کہا اے ابن منصور خوش آمدی! مذاق سنجیدہ ہو گیا۔ میں نے کہا اے میرے آقا میں تیرے کسی کام آسکتا ہوں؟ اس نے جواب دیا ہاں میں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ اس کے پاس خط بھیجوں۔ اگر تو جواب لے آیا تو میں تجھے ایک ہزار دینار دوں گا اور اگر بغیر جواب کے لوٹا تو تیرا راہ خرچ دو سو دینار۔ میں نے کہا تیری مرضی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تئیسویں رات

جب تین سو تئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ابن منصور کا بیان ہے کہ میں نے کہا جو تیری مرضی۔ جبیر نے ایک کنیز کو بلا کر دوات قلم اور کاغذ منگایا وہ لے آئی تو اس نے خط لکھ کر اس پر مہر لگائی اور مجھے دے دیا۔ میں اُسے لے کر بدور کے گھر گیا اور پہلے دن کی طرح پردہ تھوڑا تھوڑا اٹھایا دیکھا کہ دس اُبھرے ہوئے سینے والی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں اور بدور ان کے درمیان ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے ستاروں کے بیچ میں چودھویں رات کا چاند یا سورج جو

بادلوں کے پیچھے سے نکلا ہو۔اس کے چہرے پر نہ غم ہو نہ الم۔ مَیں اُس کی طرف دیکھ ہی رہا تھا اور اس کی حالت پر حیران تھا کہ اس نے میری طرف نظر اٹھائی اور دیکھا کہ میں دروازے پر کھڑا ہوں کہنے لگی ای ابن منصور اہلاً وسہلاً مرحبا اندر آ۔ مَیں نے اندر جاکر اُسے سلام کیا اور خط دیا۔ اس نے پڑھا اور مطلب سمجھا تو ہنسنے لگی اور کہا ای ابن منصور مَیں ابھی جواب لکھتی ہوں تاکہ جس چیز کا اس نے تجھ سے وعدہ کیا ہی تجھے دے۔ مَیں نے کہا کہ خدا تجھے نیک بدلا دے! اس نے ایک لونڈی کو آواز دے کر کہا لکھنے کا سامان لا۔ لونڈی قلم دوات اور کاغذ لے آئی تو اس نے ایک خط لکھا۔ مَیں نے کہا ای میری آقا واللہ اس کے اور موت کے درمیان اسی خط کی کسر ہی۔ یہ کہ کر مَیں نے اسے پھاڑ ڈالا اور کہا دوسرا خط لکھو۔ وہ بولی سرآنکھوں سے اور دوسرا خط لکھا۔ مَیں نے کہا ای میری آقا واللہ اس کے پڑھتے ہی اس کی روح جسم سے نکل جائے گی۔ اس نے مجھ سے کہا ای ابن منصور کیا واقعی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی ہی جو تو اس طرح کہتا ہی؟ مَیں نے کہا اگر مَیں اس سے زیادہ کہوں تو وہ بھی درست ہوگا لیکن بڑے لوگ معاف کر دیا کرتے ہیں۔ جب اس نے میری باتیں سنیں تو اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور اس نے ایک ایسا خط لکھا کہ ای امیر المومنین تیرے منشیوں میں کوئی شخص ویسا نہیں لکھ سکتا۔ جب وہ لکھ چکی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تینتیسویں رات

تین سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ بدور نے خط لکھ کر اس پر مہر لگا مجھے دے دیا۔ مَیں نے کہا ای میری آقا یہ خط بیمار کی دوا اور محبت

کے مارے ہوئے کی شفا ہو اور میں خط لے کر چل دیا۔ جب چلا ہی تھا کہ اس نے مجھے پھر بلایا اور کہا اس سے کہیو کہ میں آج رات تیری مہمان ہوں گی۔ میں بہت خوش ہوا اور خط لے کر جبیر بن عمیر کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کی آنکھیں جواب کے انتظار میں دروازے پر لگی ہوئی ہیں۔ میں نے اُسے خط دیا اس نے کھولا پڑھا اور اس کا مفہوم سمجھا ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ہوش آیا تو بولا ای ابن منصور کیا اس نے یہ اپنے ہاتھ سے لکھا ہے اور اسے اپنی انگلیوں سے چھوا ہے؟ میں نے کہا ای میرے آقا کیا لوگ اپنے پاؤں سے لکھا کرتے ہیں! ای امیرالمومنین واللہ ابھی ہم یہ باتیں ختم بھی نہ کرنے پائے تھے کہ ہمیں دہلیز میں اس کے جھانجنوں کی آواز سنائی دی۔ وہ آگئی تھی اسے دیکھ کر جبیر کھڑا ہو گیا گویا کہ اُسے کبھی کوئی رنج ہی نہ ہوا تھا اور اس طرح اس کو لپٹا لیا جیسے کہ لام الف کو۔ اس کی بیماری جو ٹلتی نظر نہ آتی تھی فوراً دُور ہو گئی۔ اس کے بعد وہ بیٹھ گیا مگر لڑکی نہ بیٹھی۔ میں نے کہا ای میری آقا تو کیوں نہیں بیٹھتی؟ اس نے جواب دیا ای ابن منصور بغیر اس شرط کے جو ہمارے درمیان ہے میں بیٹھ نہیں سکتی۔ میں نے پوچھا کہ وہ کیا شرط ہے؟ وہ بولی عاشقوں کے بھید سے کوئی دوسرا واقف نہیں ہوتا۔ یہ کہہ کر وہ اپنا مُنہ اس کے کان کے پاس لے گئی اور چپکے چپکے کچھ کہا اور اس نے جواب دیا بسر و چشم پھر جبیر نے اُٹھ کر اپنے غلام کے کان میں کچھ کہا، غلام چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک قاضی اور دو گواہوں کو لے کر واپس آیا۔ جبیر اُٹھ کر ایک لاکھ دینار کا ایک توڑا لے آیا اور قاضی سے کہنے لگا میرا نکاح اس لڑکی سے پڑھا دے اور یہ اس کا مہر ہے۔ قاضی نے لڑکی سے کہا کہ تجھے منظور ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے منظور ہے اور نکاح ہو گیا۔

اب لڑکی نے تھیلی کھول کر اس میں سے مُٹھی بھر اشرفیاں نکالیں اور قاضی اور گواہوں کو دے دیں۔ باقی تھیلی اُسے واپس کر دی۔ قاضی اور گواہ چلتے ہوئے۔ میں

اور وہ دونوں بیٹھ کر خوشیاں منانے لگے یہاں تک کہ رات کا بڑا حصہ گزر گیا۔ اب میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ وہ دونوں عاشق ہیں اور مدت تک ایک دوسرے سے جدا رہے ہیں بہتر ہو کہ میں فوراً اٹھ کر ان سے دور کسی جگہ جا کر سو رہوں اور انھیں اکیلا چھوڑ دوں۔ اس خیال سے میں اٹھا مگر اس نے میرا دامن پکڑ لیا اور کہنے لگی کہ اس وقت تیرے دل میں کیا خیال گزر رہا ہو؟ میں نے کہا محض فلاں خیال۔ اس نے کہا کہ بیٹھ جب ہم چاہیں گے کہ تو چلا جائے تو ہم خود تجھے چلتا کر دیں گے۔ میں ان کے ساتھ صبح کے قریب تک بیٹھا رہا۔ جب صبح ہونے کو آئی تو لڑکی نے کہا ای ابن منصور اس کمرے میں چلا جا کیونکہ ہم نے اس میں تیرے لیے فرش بچھوا دیا ہو اور وہ تیرا سونے کا کمرہ ہو۔ میں جا کر اس میں سو گیا۔ علی الصباح ایک غلام تشت اور لوٹا لایا میں نے وضو کر کے صبح کی نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ بیٹھا ہی تھا کہ جبیر اور اس کی محبوبہ حمام سے نکلے جو مکان کے اندر تھا اور اپنے بال نچوڑنے لگے۔ میں نے ان سے صباح بخیر کہا اور ان کی سلامتی اور ایک دوسرے سے ملنے پر مبارک باد دی اور جبیر سے کہا کہ جو چیز شرط سے شروع ہوتی ہو رضامندی پر ختم ہوتی ہو وہ بولا تو سچ کہتا ہو اور تو انعام واکرام کا مستحق ہو چکا ہو۔ اس کے بعد اس نے اپنے خانگی خزانچی کو آواز دی اور اس سے کہا کہ تین ہزار دینار لے آ۔ وہ تین ہزار دینار کا ایک توڑا لے آیا جبیر نے مجھ سے کہا کہ انھیں قبول کر کے مجھ پر احسان کر۔ میں نے کہا میں اس وقت تک قبول نہ کروں گا جب تک کہ تو یہ نہ بتلائے کہ عشق اس سے منتقل ہو کر تیرے دل میں کس طرح آگیا تو تو اس سے دور بھاگتا تھا۔ اس نے کہا سن ہمارے ہاں ایک میلا ہوتا ہو جس کا نام نوروز کا میلا ہو۔ اس روز لوگ کشتیوں میں سوار ہو کر سمندر کی سیر کرتے ہیں۔ میں بھی اس روز اپنے ساتھیوں کے ساتھ سیر کرنے نکلا۔ میں نے دیکھا کہ ایک کشتی میں دس کنیزیں سوار ہیں جو چاند کی طرح ہیں اور یہ شریف زادی بدور ان

کے ساتھ ہی سارنگی اس کے پاس ہی اس نے اس پر گیارہ مختلف راگ بجائے۔ میں نے کہا کہ پھر بجا لیکن وہ نہ مانی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چونتیسویں رات

جب تین سو چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جبیر کا بیان ہی کہ میں نے لڑکی سے کہا کہ دوبارہ بجا لیکن اس نے نہ مانا۔ میں نے ملاحوں سے کہہ کر اس کی طرف اتنی نارنگیاں پھنکوائیں کہ میں ڈرنے لگا کہیں کشتی ڈوب نہ جائے جس میں وہ بیٹھی ہوئی ہی۔ اس کے بعد وہ چلتی ہوئی۔ بس اسی دن سے محبت اس کے دل سے منتقل ہو کر میرے دل میں آگئی۔ میں نے انھیں ایک دوسرے سے ملنے پر مبارک باد دی اور اس توڑے کو لے کر بغداد چلا آیا۔ یہ کہانی سُن کر خلیفہ خوش ہو گیا اور اُس کی بیداری اور دل تنگی جاتی رہی۔

ایک یمنی اور اُس کی چھ کنیزوں کی کہانی

سننے میں آیا ہی کہ ایک روز امیر المومنین مامون اپنے محل میں بیٹھا تھا۔ اُمرا اور رؤسا شعرا اور ندما حاضر تھے۔ اُس کے ندیموں میں ایک ندیم محمد بصری تھا۔ مامون نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے محمد میں چاہتا ہوں کہ تو اس وقت کوئی ایسی چیز سنائے جو میں نے کبھی نہ سُنی ہو۔ اس نے عرض کیا امیر المومنین تو چاہتا ہی کہ میں سُنی سنائی کوئی کہانی کہوں یا آپ بیتی؟ مامون نے کہا کہ دونوں میں سے جو زیادہ عجیب

ہو وہ سنا۔ اس نے کہا امیر المومنین سُن اگلے زمانے میں ایک بڑا امیر شخص تھا، یمن کا رہنے والا۔ وہ ایک بار جو یمن سے بغداد آیا تو یہاں کی ماند و بود اُسے کچھ ایسی اچھی معلوم ہوئی کہ اپنے بیوی بچوں اور مال و دولت کو لے کر مستقل طور پر یہاں آ رہا۔ اس کے پاس چاند سی چھ کنیزیں تھیں، ایک گوری دوسری گندمی تیسری موٹی چوتھی دُبلی پانچویں زرد اور چھٹی کالی۔ وہ سب خوب صورت تھیں خوب پڑھی لکھی اور گانے بجانے میں اُستاد۔ ایک دن اس نے ان کنیزوں کو بلایا کھانا اور شراب منگوائی سب کو اپنے پاس بٹھا کر کھلایا پلایا۔ جب وہ کھا پی کر مزے میں آگئیں تو اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور گوری کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا اے چاند سے مکھڑے والی کوئی مزے دار گانا سُنا۔ کنیز نے سارنگی لے کر اس کا ٹھاٹ ملایا اور اس خوبی سے بجایا کہ مکان ناچنے لگا۔ ان کے آقا نے خوشی میں آ کر وہ جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی پلائے پھر اس نے دوسرا جام بھر کر گندمی کنیز کی طرف اشارہ کیا اور کہا اے انگیٹھی کی روشنی اور مہکتے ہوئے سانس والی اپنی پیاری آواز سنا جسے لوگ سُن سُن کر محو ہو جاتے ہیں۔ اس نے سارنگی لے کر کئی راگ بجائے اور اس کے نغموں سے مکان گونج اُٹھا اس نے اپنے انداز سے دلوں کو فریفتہ کر لیا۔ آقا نے مسرور ہو کر جام پی لیا اور کنیزوں کو بھی دیے۔ اس کے بعد تیسرا جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور موٹی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گا کوئی دوسرا راگ بجا۔ اس نے سارنگی لے کر ایسا زمزمہ چھیڑا جس سے تمام حسرتیں دُور ہو جائیں۔ ان کا مالک خوش ہو گیا اور جام لے کر اس نے کنیزوں کو پلایا اور پھر جام بھر کر اس نے اپنے ہاتھ میں لیا اور دبلی کنیز کی طرف اشارہ کیا اور کہا اے جنت کی حور میٹھی میٹھی چیزیں سُنا۔ اس نے سارنگی لے کر اس کے تار ملائے اور مختلف راگ گانے بجانے لگی۔ آقا کو بڑی فرحت ہوئی اور جام چڑھا گیا۔ پھر اس نے ایک جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور زرد رُو کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگا اے دن کے سورج عمدہ اشعار سنا۔ اُس نے

سارنگی لے کر بہترین راگ بجائے۔ مالک خوش ہو گیا خود پی اور کنیزوں کو پلائی۔ اب ایک اور جام بھر کر اپنے ہاتھ میں لیا اور کالی کنیز کی طرف اشارہ کر کے کہا ای آنکھ کی پتلی تو بھی کچھ سُنا خواہ دو ہی بول کیوں نہ ہوں۔ اس نے سارنگی لے کر اُسے ٹھیک ٹھاک کیا اور طرح طرح کے راگ بجانے شروع کیے۔

گانے بجانے سے فارغ ہو کر کنیزوں نے اپنے آقا کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور کہا آقا ہمارے درمیان فیصلہ کر۔ آقا نے ان کے حُسن و جمال اور مختلف رنگوں کو دیکھا خدا کی حمد و ثنا کی اور ان سے کہنے لگا کہ تم میں سے کوئی ایسی نہیں جس نے قرآن نہ پڑھا ہو راگ نہ سیکھے ہوں اور جو پُرانے لوگوں کی تاریخ اور گزشتہ قوموں کے حالات سے واقف نہ ہو۔ میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک باری باری اُٹھے اور اپنی سوکن کی طرف اشارے کرے۔ مثلاً گوری گندمی کی طرف اور موٹی دبلی کی طرف اور زرد کالی کی طرف اور اپنی تعریف اور اپنی سوکن کی مذمت بیان کرے۔ اس کے بعد وہ سوکنیں بھی ایسا ہی کریں۔ لیکن قرآن اور تاریخ اور اشعار سے دلیل پیش کی جائے تاکہ میں تمھاری لیاقت اور شیریں بیانی کو دیکھوں۔ وہ بولیں جو آقا کا حکم اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پینتیسویں رات

جب تین سو پینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ یمنی سے اس کی کنیزوں نے کہا کہ جو آقا کا حکم۔ اور ان میں سے پہلے گوری اُٹھی اور کالی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی ای کالی حیف ہے تجھ پر۔ وارد ہوا ہے کہ سفیدی نے کہا میں چمکتا اچھا نور ہوں، میں نکلتا ہوا چاند ہوں، میرا رنگ کھلا ہوا ہے میری پیشانی چمکتی ہوئی . . . .

میرے حُسن پر شاعروں نے نظمیں کی نظمیں کہہ ڈالی ہیں میرا رنگ تندرستوں اچھے ہوئے پھولوں

اور چمکتے ہوئے تاروں کی طرح ہے۔ خدا نے اپنی بزرگ کتاب میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا ہے کہ اپنے ہاتھ کو گریبان میں ڈال کر نکال اور وہ سفید ہو جائے گا مگر کسی بیماری سے نہیں۔ اور خدا نے یہ بھی کہا ہے کہ جن لوگوں کے چہرے سفید ہوں گے ان کے رہنے کی جگہ خدا کی رحمت ہے۔ لہٰذا میرا رنگ ایک چمک دار چیز ہے۔ میرے حُسن و جمال کا کیا کہنا۔ میرے رنگ کے لوگوں پر لباس بھلا معلوم ہوتا ہے، دل مائل ہوتے ہیں اور سفیدی میں اور بھی خوبیاں ہیں۔ منجملہ ان کے یہ کہ برف جو آسمان سے گرتی ہے سفید ہوتی ہیں۔ وارد ہُوا ہے کہ بہترین رنگ سفید ہے مسلمان سفید پگڑیوں پر فخر کرتے ہیں۔ اگر میں اس کی ساری تعریفیں کروں تو بیان بہت لمبا چوڑا ہو جائے گا۔ کم اور کافی چیز اس سے بہتر ہے جو زیادہ اور بے سود ہو۔ اور اے اب میں تیری بُرائی بیان کرتی ہوں اے کالی اور روشنائی کے رنگ والی تو لُہار کی خاک کے مانند اور کوّے کے چہرے کی طرح ہے جو دوستوں میں جدائی ڈالتا ہے۔ شاعروں نے سفیدی کی تعریف اور سیاہی کی مذمت کی ہے۔ تاریخ میں ہے کہ نوحؑ علیہ السلام ایک رات سو رہے تھے ان کے دونوں بیٹے سامؔ اور حامؔ ان کے پاس بیٹھے تھے کہ ہوا چلی ان کے کپڑے اُٹھ گئے اور جسم کا پوشیدہ حصّہ کھُل گیا۔ حامؔ اُسے دیکھ کر ہنسنے لگا اور ڈھانکا نہیں لیکن سامؔ نے اُٹھ کر ڈھانک دیا۔ اتنے میں ان کے باپ کی آنکھ کھل گئی چونکہ دونوں بیٹوں کا حال انھیں معلوم ہو چکا تھا انھوں نے سامؔ کو دعا اور حامؔ کو بد دعا دی۔ سامؔ کا چہرہ سفید ہو گیا اور تمام انبیا اور خلیفہ اور بادشاہ اسی کی اولاد ہیں، اور حامؔ کا چہرہ کالا اور وہ بھاگ کر حبش کے ملک کو چلا گیا حبشی اُسی کی اولاد سے ہیں۔ لوگ اس پر متفق ہیں کہ حبشیوں میں عقل کم ہوتی ہے اور ضرب المثل ہے کہ حبشی عقل مند کس طرح ہو سکتا ہے! اس کے آقا نے کہا کہ بس بیٹھ جا اس قدر کافی ہے بلکہ تو نے بہت زیادہ بیان کیا۔

پھر اس نے کالی کی طرف اشارہ کیا وہ اٹھی اور گوری کی طرف اشارہ کرکے

کہنے لگی تجھے معلوم نہیں کہ قرآن میں آیا ہی کہ "قسم ہی رات کی جب وہ بہت تاریک ہو اور دن کی جب وہ خوب روشن ہو"۔ اگر رات میں سے زیادہ بڑائی نہ ہوتی تو خدا اس کی قسم دن سے پہلے نہ کھاتا، سمجھ دار اور دانش مند لوگ اس سے اتفاق نہ کرتے۔ تجھے معلوم نہیں کہ سیاہی جوانی کی زینت ہی سر سفید ہوجاتا ہی تو لذتیں جاتی رہتی ہیں اور آدمی موت کے دن گننے لگتا ہی۔ اگر سیاہی کا درجہ سب سے بڑا نہ ہوتا تو خدا اُسے دل اور پُتلی میں جگہ نہ دیتا۔ اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہی کہ دوستوں کی صحبت رات میں بھلی معلوم ہوتی ہی محض اس بڑائی اور فائدے کا ذکر تیرے لیے کافی ہونا چاہیے کیونکہ رات کی تاریکی کی طرح اور کوئی چیز دوست و احباب کو چغل خوروں، ملامت کرنے والوں سے نہیں بچاتی اور دن کی سفیدی سے زیادہ کوئی چیز انھیں رسوا نہیں کرتی۔ دیکھ تاریکی میں کتنی خوبیاں ہیں! اگر میں سیاہی کی تعریف بیان کرتی چلی جاؤں تو اس کی تفصیل لمبی چوڑی ہو جائے گی لیکن جو بات تھوڑی ہو اور کافی وہ اس سے بہتر ہی جو زیادہ ہو اور بیکار۔ اے گوری تیرا رنگ کوڑھ کا رنگ ہی، تیرے وصال سے مرد کا دم گھٹتا ہی اور وارد ہوا ہی کہ سردی اور ٹھنڈک جہنم میں نافرمانوں کے عذاب کے لیے ہی۔ کالوں کی فضیلت یہ بھی ہی کہ روشنائی جس سے قرآن لکھا جاتا ہی سیاہ ہی، اگر سیاہ مُشک اور سیاہ عنبر نہ ہوتا تو اور کون سی خوشبو بادشاہوں کے پاس لوگ لے جاتے! سیاہی میں اور بہت سی خوبیاں ہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا جتنا تو نے کہا وہ کافی ہی۔ وہ بیٹھ گئی اور آقا نے موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اُٹھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھتیسویں رات

جب تین سو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! یمنی

نے جو کنیزوں کا آقا تھا موٹی کنیز کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے اٹھ کر دبلی کی طرف اشارہ
کیا اور اپنے پائنچے اور آستینیں چڑھالیں، پیٹ کھول دیا یہاں تک کہ اس کی پنڈلیں اور
ناف کی گولائی دکھائی دینے لگی۔ اس نے ایک انگی قمیص پہن لی جس سے اس کا سارا
بدن کھل گیا اور وہ کہنے لگی شکر ہے اس خدا کا جس نے مجھے پیدا کیا اور کیا خوب پیدا کیا!
موٹا بنایا اور کیا خوب موٹا بنایا! گدّوں کا ہم شکل بنایا اور بہت زیادہ خوب صورتی اور
رونق بخشی اور اپنی بزرگ کتاب میں میرا ذکر کر کے مجھے قرب اور شرف بخشا اس کا
قول ہے کہ "وہ ایک موٹا بچھڑا لایا" خدا نے مجھے ایک ایسے باغ کی طرح بنایا ہے جس میں
شفتالو اور انار ہوں۔ شہر والے موٹی چڑیوں کو مزے لے کر کھاتے ہیں اور دبلی چڑیوں کو
پسند نہیں کرتے۔ سارے انسان موٹے گوشت کو پسند کرتے ہیں۔ مٹاپے میں اور بھی
بہت سی خوبیاں ہیں۔ اگر کوئی شخص قصاب کی دکان پر جاتا ہے تو موٹا ہی گوشت
طلب کرتا ہے۔ حکما کا قول ہے کہ مزہ تین چیزوں میں ہوتا ہے، گوشت کھانے، گوشت
پر سوار ہونے اور گوشت کے اندر گوشت داخل کرنے میں۔ اری جھانکڑ تیری پنڈلیاں
چڑیا کی پنڈلیوں اور تنور کی سلاخ کی طرح ہیں۔ تو ایسی ہے جیسے پھانسی کا تختہ یا
دُبلا گوشت اور تجھ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس سے دل خوش ہو۔ اس کے آقا نے
کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہے اور وہ بیٹھ گئی۔

اس کے بعد اس نے دبلی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اٹھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ
بید کی چھڑی یا خیزران کی ٹہنی یا ریحان کی لکڑی اور کہنے لگی شکر ہے خدا کا جس نے
مجھے پیدا کیا اور خوب صورت بنایا اور میرے وصل کو انتہائی مقصد کا درجہ عطا کیا
اور مجھے ایسی ٹہنی کی طرح بنایا جس کی طرف دل مائل ہوں۔ اگر میں اٹھتی ہوں تو
پھرتی سے۔ بیٹھتی ہوں تو ادا سے۔ مذاق میں حاضر جواب ہوں اور خوشی کی وجہ سے
دل شاد رہتی ہوں۔ میں نے یہ کبھی نہیں سنا کہ کوئی اپنی محبوبہ کی یہ تعریف کرتا ہو کہ وہ

ہاتھی کی طرح ہی یا لمبے چوڑے پہاڑ کی مانند بلکہ معشوق کی تعریف یہ ہو اس کا قد کشیدہ اور بدن چھریرا ہو۔ تھوڑے کھانے سے میرا پیٹ بھر جاتا ہو تھوڑے پانی سے میری پیاس بجھ جاتی ہو۔ میں اُٹھنے بیٹھنے میں سبک ہوں اور میرا مزاج ظریف ہو۔ میں چڑیا سے زیادہ خوش مزاج اور زرزور سے زیادہ پھرتیلی ہوں۔ عاشق میرے وصال کے خواہش مند رہتے ہیں۔ میرا جسم نازک ہو، میری مسکراہٹ لوگوں کو بھاتی ہو۔ میں بید کی چھڑ یا خیزران کی ٹہنی یا ریحان کی لکڑی ہوں، حسن میں میرا کوئی نظیر نہیں۔ مجھ ہی جیسوں پر عاشق مزاج دیوانے رہتے ہیں اور مشتاق پریشان۔ اگر میرا چاہنے والا مجھے اپنی طرف کھینچتا ہو تو میں آسانی سے کھنچ جاتی ہوں اور اگر وہ مجھے اپنی طرف مائل کرنا چاہتا ہو تو میں مائل ہو جاتی ہوں، اُسے دق نہیں کرتی۔ اور تو اے موٹی ہاتھی کے جتنا کھاتی ہو، تو نہ تھوڑے سے سیر ہوتی ہو اور نہ بہت سے تیرے عاشق کو تجھ سے آرام نہیں ملتا، کسی کروٹ اسے چین نہیں آتا۔ تیرے مٹاپے کی وجہ سے وہ تجھ سے خوش نہیں رہ سکتا، تیرے مٹاپے میں نہ خوب صورتی ہو نہ مزہ نہ لطف۔ موٹا گوشت سوائے ذبح کرنے کے اور کسی کام کا نہیں، نہ اس کی کوئی تعریف کی جا سکتی ہو۔ اگر تجھ سے کوئی مذاق کرے تو تو خفا ہو جاتی ہو، اگر کھیلے تو غمگین ہو جاتی ہو۔ اگر تو ناز و ادا سے کام لیتی ہو، تو ہنکتی ہو اگر چلتی ہو تو زبان نکال دیتی ہو، اگر کھاتی ہو تو سیر نہیں ہوتی۔ تو پہاڑ سے زیادہ بھاری اور گناہ اور وبال سے زیادہ بدصورت ہو۔ تجھ میں نہ حرکت ہو نہ برکت، سوا کھانے اور سونے کے تیرا اور کوئی کام نہیں۔ اگر تو پیشاب کرتی ہو تو شر شر اور اگر پاخانہ پھرتی ہو تو پھدڑ پھدڑ، تو پھولا ہوا کبوتر یا مسخ ہاتھی ہو۔ اگر تو پاخانے جاتی ہو تو چاہتی ہو کہ کوئی تیری آب دست کرائے۔ یہ انتہا درجے کی سستی ہو اور گناہوں کی ابتدا۔ قصہ مختصر تجھ میں ایک بھی خوبی نہیں۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہو اور وہ بیٹھ گئی۔

بعدازاں اس نے زرد رنگ کی طرف اشارہ کیا وہ اٹھی اور اس نے پہلے خدا کی حمد و ثنا کی رسول اللہ پر درود اور سلام بھیجا اور پھر گندمی کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سوسینتیسویں رات

تین سوسینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! زرد رنگ والی کنیز اٹھ کھڑی ہوئی اور خدا کی حمد و ثنا کرنے کے بعد گندمی رنگ کی طرف اشارہ کیا اور کہا میری تعریف قرآن میں آئی ہے خدا نے میرے رنگ کی تعریف کی ہے اور اسے باقی تمام رنگوں پر فضیلت دی ہے وہ قرآن میں کہتا ہے کہ " وہ زرد ہے بہت زیادہ زرد جسے دیکھ کر لوگ خوش ہو جاتے ہیں"۔ لہٰذا میرا رنگ قرآن کی آیت ہے، میرا حسن و جمال انتہائی، میرا رنگ دینار کا رنگ اور تاروں، چاندوں اور سیب کا رنگ ہے۔ میری شکل ملیح لوگوں کی شکل ہے۔ زعفران کا رنگ تمام رنگوں پر سبقت لے گیا ہے۔ میری شکل اور میرا رنگ عجیب و غریب ہے، میرا بدن نرم ہے، میں مہنگی ہوں اور تمام عمدہ عمدہ خوبیاں مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ خالص سونے کی طرح میرا رنگ بھی کم یاب ہے۔ مجھ میں اور کتنی ہی خوبیاں ہیں۔ اے گندمی رنگ والی اب اپنی مذمت سن۔ تیرا رنگ بھینس کا رنگ ہے تجھے دیکھ کر روئیں کانپ اٹھتی ہیں۔ اگر تیرا رنگ کسی چیز میں ہو تو لوگ اس کی مذمت کرتے ہیں۔ اگر کھانے میں ہو تو وہ زہر آلود ہے۔ تیرا رنگ مکھیوں کا رنگ ہے اور اگر کتے میں بھی ہو تو وہ عیب سمجھا جاتا ہے اور وہ رنگوں کو گڈمڈ کر دیتا ہے یہ غم زدگی کی نشانی ہے۔ کبھی کسی نے یہ نہ سنا ہوگا کہ سونا یا موتی یا ہیرے گندمی رنگ کے ہوتے

ہیں. جب تو پاخانے جاتی ہو تو تیرا رنگ بدل جاتا ہی، وہاں سے نکلتی ہو تو اور زیادہ بدصورت ہو جاتی ہی۔ تو نہ کالی ہو کہ پہچانی جائے نہ گوری ہو کہ تیری تعریف کی جاسکے، تجھ میں اور کوئی خوبی نہیں ہی۔ اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا بس اتنا کافی ہی اور وہ بیٹھ گئی۔

اب اس نے گندمی کی طرف اشارہ کیا۔ وہ بڑی حسین وجمیل تھی۔ اس کا قدوقامت نہایت موزوں تھا اور کمال درجے کا آب وتاب والا۔ اس کا بدن گدگدا، بال کالے کالے اور رخسار گلاب کی طرح تھے، آنکھیں سُرمئی، چہرہ ملیح، زبان فصیح، کمر پتلی اور کولھے بھاری۔ اس نے کہا شکر ہی خدا کا جس نے مجھے نہ موٹا بھدا بنایا نہ دُبلا جھاکڑ سا، نہ کوڑھ سا سفید نہ بیماری جیسا زرد اور نہ کوئلے سا کالا بلکہ میرے رنگ پر عقل مند لوگ گرویدہ ہوتے ہیں اور شاعر ہزار زبان سے گندمی رنگ والوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اس رنگ کو سارے رنگوں پر ترجیح دیتے ہیں کیونکہ گندمی رنگ والے کی خوخصلت تعریف کے قابل ہوتی ہی۔ میں ملیح ہوں، میرا قدوقامت دل پسند، میرا رنگ بادشاہوں کو مرغوب ہی، ہر امیر وغریب اس پر عاشق ہی۔ میں نہایت ہلکی پھلکی نمکین اور نازوانداز والی ہوں۔ میرا بدن گدگدا ہی اور قیمت گراں، بچپن، ہنر اور فصاحت مجھ میں کمال کا درجہ رکھتے ہیں۔ میرا ناک نقشہ پیارا ہی میری زبان شیریں، مزاج خوش اور اٹھنا بیٹھنا خوب صورتی کے ساتھ ہی اور تو ملوخیہ کے پودے کی طرح ہی جو باب اللوق کے آس پاس اُگتا ہی: زرد رنگ اور سوا جڑ کے کچھ نہیں۔ لعنت ہو تجھ پر ای قصاب کی ہانڈی، تانبے کے زنگ، اُلّو کے چہرے اور زقّوم کے پھل۔ جو تیرے ساتھ سوئے اُسے سانس نہ آئے بلکہ زندہ درگور ہو جائے۔ تیرا حصّہ حُسن میں بالکل نہیں۔ اس کے بعد اس کے آقا نے کہا کہ بیٹھ جا اتنا کافی ہی۔ پھر اس کے بعد اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اڑتیسویں رات

جب تین سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! پھر اس کے بعد اس کے آقا نے اس سے کہا کہ بیٹھ جا اتنا کافی ہے اور سب میں صلح کرا دی، انھیں عمدہ عمدہ پوشاکیں پہننے کو دیں جن میں بحری اور برّی جواہرات ٹنکے ہوئے تھے۔ اے امیرالمومنین میں نے کبھی کسی جگہ ان کنیزوں سے زیادہ خوب صورت کنیزیں نہیں دیکھیں۔ مامون نے محمد بصری سے یہ کہانی سُنی تو وہ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا اے محمد کیا تو جانتا ہے کہ یہ کنیزیں اور ان کا آقا کہاں رہتا ہے؟ اور کیا تو ان کو ان کے آقا سے ہمارے لیے خرید سکتا ہے؟ محمد نے کہا اے امیرالمومنین میں نے سُنا ہے کہ آقا کو ان سے بڑا اُنس ہے اور ان کی جدائی وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ مامون نے کہا کہ ہر کنیز کے عوض ان کے مالک کو دس ہزار دینار دے، یہ کُل ساٹھ ہزار دینار ہوتے ہیں۔ تو یہ رقم ساتھ لے جا کر اس کے گھر جا اور انھیں خرید لا۔ محمد بصری دینار لے کر اس کے پاس روانہ ہو گیا اور جب وہ کنیزوں کے آقا کے پاس پہنچا تو اس سے کہا کہ امیرالمومنین انھیں خریدنا چاہتا ہے اور یہ دام بھیجے ہیں۔ اس نے امیرالمومنین کی خاطر انھیں بیچنا منظور کر لیا اور کنیزیں اُس کے پاس بھجوا دیں۔ کنیزیں امیرالمومنین کے پاس پہنچیں تو اس نے ان کے لیے ایک نہایت نفیس مجلس آراستہ کی اور وہ اس کے ساتھ ہم پیالہ و ہم نوالہ ہوئیں۔ ان کے حُسن و جمال اور مختلف رنگوں اور شیریں بیانی کو دیکھ کر خلیفہ دنگ رہ گیا۔ جب ایک مدت گزر گئی اور ان کے پہلے مالک سے جس نے انھیں بیچا تھا ان کی جُدائی برداشت نہ ہو سکی تو اس نے امیرالمومنین مامون کو ایک خط لکھا اس میں اس محبت کا ذکر کیا جو اُسے اُن سے تھی۔ یہ خط خلیفہ مامون کے پاس آیا تو اس نے کنیزوں کو عمدہ عمدہ پوشاکیں پہنائیں اور انھیں ساٹھ ہزار دینار دے کر ان کے مالک کے

پاس بھیج دیا۔ کنیزیں اس کے پاس پہنچیں تو دیناروں سے زیادہ اسے ان کے ملنے کی خوشی ہوئی اور وہ ان کے ساتھ نہایت مزے کی زندگی بسر کرنے لگا یہاں تک تمام عیشوں کو کِرکِرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آپہنچی۔

ہارونُ الرشید اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیرالمومنین خلیفہ ہارون الرشید کا دل بہت گھبرانے لگا کسی طرح اسے چین نہ آتا تھا۔ آخر اُٹھ کر ٹہلنا شروع کیا ٹہلتے ٹہلتے وہ ایک حجرے کے پاس پہنچا جس پر پردہ پڑا ہوا تھا جب اس نے پردہ اٹھایا تو حجرے کے صدر میں اُسے ایک تخت دکھائی دیا۔ تخت پر کوئی کالی سی چیز پڑی ہوئی تھی جیسے کوئی کالا آدمی سو رہا ہو، اس کے داہنی طرف ایک شمع جل رہی تھی اور ایک اس کے بائیں جانب۔ اسے یہ دیکھ کر تعجب ہو رہا تھا کہ یکایک اس کی نظر ایک صراحی پر پڑی جس میں پرانی شراب بھری ہوئی تھی اور جس کے اوپر پیالہ رکھا ہوا تھا۔ خلیفہ کی حیرت اور بڑھ گئی۔ دل میں کہنے لگا کہ اس حبشی کے پاس یہ چیزیں! آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا تو دیکھا کہ ایک لڑکی اپنے بالوں سے چھپی ہوئی سو رہی ہے۔ اس کا چہرہ کھولا تو چودھویں رات کا چاند۔ خلیفہ نے پیالہ شراب سے بھرا اور لڑکی کے گلابی رخساروں کے نام پر چڑھا گیا پھر جھک کر اس نشان کو بوسہ دیا جو اس کے چہرے پر تھا۔ وہ جاگ اُٹھی اور کہنے لگی "اے خدا کے امین یہ کیا بات ہے؟" ہارون الرشید نے جواب دیا "تمھارے ہاں ایک مہمان آیا ہے تاکہ تم صبح تک اس کی میزبانی کرو۔ لڑکی نے کہا "بسر و چشم" اور اس نے شراب پیش کی دونوں نے پی۔ اس کے بعد اس نے سارنگی لے کر تار ملائے اور اکیس مختلف راگ بجائے۔ گانے بجانے سے فارغ ہو کر وہ بولی امیرالمومنین! میں مظلوم ہوں

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اُنتالیسویں رات

جب تین سو اُنتالیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکی بولی اے امیر المومنین میں مظلوم ہوں۔ اس نے پوچھا کیونکر، کس نے تجھ پر ظلم کیا ہے؟ لڑکی نے جواب دیا تیرے بیٹے نے مجھے مدت ہوئی دس ہزار دینار میں خریدا تھا اس کی خواہش تھی کہ مجھے تیری نذر کرے لیکن تیری چچیری بہن نے میری قیمت اُسے ادا کر دی اور مجھے اس کمرے میں بند کرا دیا تاکہ میں تجھ سے پوشیدہ رہوں۔ خلیفہ نے کہا مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے کہا میں تجھ سے یہ مانگتی ہوں کہ تو کل رات میرے پاس آ۔ خلیفہ انشاء اللہ کہہ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔

دوسرے دن صبح کو اس نے ابونواس کے پاس قاصد بھیجا لیکن جب وہ اُسے نہ ملا تو خلیفہ نے اپنے حاجب کو بھیجا کہ اس کا پتا لگائے۔ حاجب نے دیکھا کہ وہ ایک مےخانے میں ایک ہزار درہم میں گرو ہے۔ یہ درہم اس نے ایک لونڈے پر صرف کیے تھے۔ حاجب نے حال دریافت کیا تو اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اُسے ایک حسین لونڈے کے ساتھ پیش آیا تھا اور جس کی وجہ سے اس نے ایک ہزار درہم خرچ کیے تھے۔ حاجب نے کہا مجھے دکھا کہ وہ کون ہے اگر وہ اس قابل ہے تو تو معذور سمجھا جائے گا۔ اس نے جواب دیا ٹھیر جا تو ابھی اُسے دیکھے گا۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ لڑکا آ پہنچا۔ جب وہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ سفید لباس پہنے ہوئے ہے۔ سفید کے نیچے سُرخ اور سُرخ کے نیچے سیاہ۔ ابونواس کی نظر اس پر پڑی تو وہ آہیں بھرنے لگا۔ اس کے

بعد لڑکے نے سفید لباس اتار ڈالا اور سرخ رہنے دیا۔ یہ دیکھ کر ابو نواس کی طبیعت اور زیادہ بکھر گئی اور اس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ پھر اس نے سرخ لباس بھی اتار ڈالا اور سیاہ رہنے دیا۔ اب ابو نواس کے دل کی حالت کا کیا پوچھنا تھا۔ حاجب نے ابو نواس کے عشق کا یہ رنگ دیکھا تو خلیفہ سے جا کر واقعہ بیان کیا۔ خلیفہ نے ایک ہزار درہم منگوا کر حاجب سے کہا کہ انھیں لے جا ابو نواس کو دے اور اسے گرد سے چھڑا لا۔ حاجب ابو نواس کے پاس گیا اور اُسے چھڑا کر خلیفہ کے پاس لے آیا۔ جب وہ خلیفہ کے پاس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہ جس میں یہ مصرع ہو: "ای خدا کے امین یہ کیا بات ہی؟" اس نے کہا بسر و چشم یا امیر المومنین اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چالیسویں رات

تین سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! ابو نواس نے بسر و چشم کہہ کر یہ اشعار پڑھنے شروع کر دیے: "جاگتے جاگتے میری رات کالی ہونے لگی میں تھک گیا اور تفکرات زیادہ ہو گئے۔ کبھی میں اپنے محل میں ٹہلتا کبھی حرم سراؤں میں یہاں تک کہ میری نظر ایک کالی چیز پر پڑی مگر وہ ایک گوری لڑکی تھی جو بالوں سے ڈھنکی ہوئی تھی۔ پہلے میں نے ایک پیالہ شراب کا پیا پھر اس کے پاس جا کر اس کے چہرے پر جو نشان تھا اُسے بوسہ دیا۔ وہ جاگ پڑی اور کہنے لگی ای خدا کے امین یہ کیا بات ہی؟ میں نے جواب دیا کہ رات کے وقت تمھارے ہاں ایک مہمان آیا ہی اور چاہتا ہی کہ تم صبح تک اُسے پناہ دو۔ وہ بخوشی راضی ہو گئی اور کہنے لگی ای میرے آقا تیری مہمانی سر آنکھوں پر"۔ خلیفہ نے کہا خدا تیرا بُرا کرے! گویا تو ہمارے ساتھ تھا

اب خلیفہ اُسے لے کر لڑکی کے پاس گیا۔ ابو نواس نے دیکھا کہ اس کی پوشاک اور نقاب دونوں پیلے رنگ کی ہیں حیران ہو گیا اور اُس کی تعریف میں اشعار پڑھنے لگا۔ اشعار کا سلسلہ ختم ہوا تو لڑکی نے خلیفہ کے سامنے شراب پیش کی اور خود عود لے کر گانے بجانے لگی۔ اس کے بعد امیر المومنین نے حکم دیا کہ ابو نواس کو اتنی زیادہ پلائی جائے کہ وہ اپنے ہوش میں نہ رہے۔ اور خلیفہ نے خود اُسے ایک جام دیا اس نے ایک گھونٹ پیا اور پیالہ ہاتھ میں لیے کا لیے رہ گیا۔ اب خلیفہ نے لڑکی سے کہا کہ اس کے ہاتھ سے پیالہ لے کر اُسے چھپا دے۔ لڑکی نے پیالہ لے کر اپنی رانوں کے درمیان چھپا لیا اور خلیفہ نے ننگی تلوار اپنے ہاتھ میں لی اور ابو نواس کے پاس کھڑے ہو کر اُسے تلوار سے چھیڑنے لگا۔ اس کی آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ خلیفہ ننگی تلوار لیے کھڑا ہے۔ یہ دیکھ کر اس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ خلیفہ بولا ایک نظم سنا جس میں تیرے پیالے کا ذکر ہو ورنہ میں تیری گردن اڑا دوں گا۔ اس نے فی البدیہہ کہا: "میرا قصہ بھی عجیب و غریب قصہ ہے اور یہی غزال چور ہے۔ اس نے میری شراب کا پیالہ لے کر ایسی جگہ چھپا لیا ہے جس کے خیال سے میرا دل دھک دھک کرتا ہے۔ ڈر کے مارے میں اس کا نام نہیں لینا چاہتا وہ جگہ خلیفہ کا حصہ ہے"! امیر المومنین نے کہا تجھ پر خدا کی مار! تجھے یہ باتیں کیونکر معلوم ہوئیں؟ لیکن جو کچھ تو نے کہا میں مانتا ہوں اور اس نے ابو نواس کو ایک خلعت اور ایک ہزار دینار عطا کیے اور وہ خوش خوش چلتا ہوا۔

کُتّے اور اُس کے سونے کے تشت کی کہانی

سُنا ہے ایک شخص بہت زیادہ مقروض ہو گیا تھا اور اس کی پریشانیاں برابر بڑھتی جاتی تھیں آخر وہ اپنے اہل و عیال کو چھوڑ کر دیوانہ وار نکل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے مدت کے بعد ایک شہر میں پہنچا جس کی شہر پناہ بلند اور عمارتیں عالی شان تھیں۔

سفر کی ماندگی، بُرا احوال، بھوک کی شدت، انجان شہر، بے چارہ سڑک پر اِدھر اُدھر مارا مارا پھر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کچھ بڑے بڑے آدمی کہیں جا رہے ہیں وہ بھی ان کے ساتھ ساتھ ہولیا یہاں تک کہ ایک محل میں داخل ہوئے جو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاہی محل ہے۔ وہ بھی ان کے پیچھے لگا ہوا اندر پہنچ گیا اندر جا کر وہ سب ایک شخص کے پاس پہنچے جو صدر میں بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور جلالت ٹپک رہی تھی اور گرد و پیش غلام اور نوکر چاکر کھڑے تھے۔ اس کی وضع بتا رہی تھی کہ کوئی وزیرزادہ ہے جب اُس کی نظر اِن لوگوں پر پڑی تو وہ اٹھ کر ان کے پاس آیا اور بڑے تپاک سے ان کا خیر مقدم کیا۔ مسافر یہ حالت دیکھ کر گھبرایا اس کا دل دھڑکنے لگا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکتالیسویں رات

جب تین سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! وہ شخص عالی شان مکان، غلاموں اور نوکروں چاکروں کو دیکھ کر گھبرایا اور خوف زدہ ہو کر ٹھٹھک گیا اجنبیت اور جان کے ڈر سے پیچھے ہٹ کر دُور ایک جگہ اکیلا جا بیٹھا جہاں اُسے کوئی نہ دیکھ سکے۔ وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص چار شکاری کُتے لے کر آیا جو ریشم اور کمخواب کی جھولیں پہنے ہوئے تھے، سونے کے پٹے ان کے گلوں میں اور چاندی کی زنجیریں بندھی ہوئی تھیں۔ اس نے ہر کتے کو الگ الگ باندھا خود وہاں سے چلتا ہوا، تھوڑی دیر میں چاندی سونے کے تشت لایا جس میں عمدہ عمدہ کھانے تھے اور ہر کُتے کے سامنے ایک ایک تشت رکھ دیا اور پھر انھیں چھوڑ کر چلا گیا۔ وہ شخص بھوک کے مارے للچائی ہوئی نظروں سے کھانے کی طرف دیکھتا اور چاہتا کہ کسی کتے کی طرف

بڑھ کر اس کے ساتھ کھانے لگے مگر ناد ے ڈر کے رُک جاتا۔ کتوں میں سے ایک نے اس کی طرف دیکھا، خدا نے اس کی حالت سے اس کُتّے کو آگاہ کر دیا، وہ رُک گیا۔ اس شخص کی طرف اشارہ کیا۔ اس نے آگے بڑھ کر کھانا شروع کر دیا اور پیٹ بھر کر کھایا۔ جب وہ جانے لگا تو کتے نے اشاروں میں کہا کہ تشت اور جو کھانا اس میں باقی ہے اپنے ساتھ لیتا جا اور اپنے پنجوں سے تشت اُس کی طرف سرکا دیا۔ وہ شخص اُسے لے کر وہاں سے چل دیا اور کسی نے اس کا پیچھا نہیں کیا۔ لیکن اس نے اس شہر کو چھوڑ دیا اور دوسرے شہر میں چلا گیا اور تشت کو بیچ کر اس کے داموں سے سوداگری کا مال خریدا، مال لے کر اپنے وطن پہنچا اور اُسے بیچ کر اپنا قرضہ ادا کیا، خوب کھایا پیا اور عیش و عشرت سے زندگی بسر کی، اس کے مال میں بڑی برکت ہوئی۔ ایک مدت تک اپنے وطن میں رہنے کے بعد اس نے اپنے دل میں کہا کہ تشت والے کے شہر میں چلنا چاہیے، ایک عمدہ تحفہ جو اس کے قابل ہو لے جاؤں اور اُسے اس تشت کی قیمت بھی ادا کر دوں جو اس کے ایک کتّے نے مجھے بخشا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سوغات لی جو اس کے قابل سمجھی اور تشت کی قیمت گرہ میں باندھ کر چل کھڑا ہوا۔ دن رات سفر کرتے کرتے وہ اس منزلِ مقصود پر جا پہنچا اور اس مکان کو تلاش کرنے لگا تاکہ کتّے کے مالک سے ملے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے بالآخر وہ اس جگہ آیا جہاں وہ محل تھا لیکن کیا دیکھتا ہے کہ محل کی ایک جگہ پُرانا کھنڈر ہے جہاں کوّے کائیں کائیں کر رہے۔ نہ مکان کا پتا ہے نہ مکین کا، احوال دگرگوں ہے اور حالت بھیانک۔ یہ دیکھ کر اس کا دل کانپ اُٹھا۔

جب اس شخص نے ان پرانے کھنڈروں پر نظر ڈالی اور دیکھا کہ روزگار نے ان پر ظاہر اکیا مصیبت ڈھائی ہے اور قیمتی چیزوں کا محض نشان باقی رہ گیا ہے تو اُسے کسی سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہ رہی۔ اب اس نے اس اجڑی ہوئی بستی پر جو نگاہ کی تو اسے ایک مسکین دکھائی دیا جس کی حالت دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے تھے

اور بیٹھ کر روتے تھے۔ اس سے پوچھا کہ بتا تو سہی زمانے نے اس مکان کے مالک کے ساتھ کیا کیا اور اس کے خوب صورت چاندوں اور چمکتے ہوئے تاروں کو کیا ہوگیا، عمارت پر کیا آفت آئی کہ چار دیواری کے سوا اور کچھ باقی نہ رہا؟ اس نے جواب دیا کہ وہ یہی غریب ہی جسے تو دیکھ رہا ہی اور جو اپنی مصیبت پر آہ و بکا کر رہا ہی۔ تجھے معلوم نہیں اس حدیث میں: "خدا نے اپنے اوپر واجب کر رکھا ہی کہ وہ جس چیز کو اس دنیا میں بلند کرتا ہی اُسے گرا کر چھوڑتا ہی"، عبرت ہی ان لوگوں کے لیے جو اس کی پیروی کریں اور نصیحت ہی ان کے لیے جو اس سے ہدایت پکڑیں۔ مجھ سے ان باتوں کا سبب دریافت نہ کر۔ زمانے کے انقلاب کے آگے کوئی بات عجیب نہیں۔ میں ہی ہوں اس مکان کا باشندہ، اس کا بانی، اس کا مکین، اس کے خوب صورت چاندوں، عالی شان اور بے بہا تحفوں، حسین کنیزوں کا مالک۔ لیکن زمانے نے پلٹا کھایا، نوکروں اور مال و دولت کا خاتمہ کر دیا، مجھے شکستہ حال بنا دیا اور وہ بلائیں جو اُس کے پاس چھپی ہوئی رکھی تھیں میرے اُوپر لا توڑیں۔ تو جو یہ سوال کرتا ہی تو اس کی کوئی وجہ ہوگی۔ وہ وجہ مجھے بتا اور تعجب کو جانے دے۔ اس پر اس شخص نے سارا قصہ سنایا اور بے حد رنج والم کا اظہار کیا اور کہنے لگا کہ میں تیرے لیے ایک ایسا ہدیہ لایا ہوں جسے سب لوگ پسند کریں گے اور اشرفیاں تیرے تشت کی قیمت جو میں لے گیا تھا کیونکہ وہی سبب ہی غربت کے بعد میری امارت کا، میرے ویران گھر کے آباد ہونے اور میری تکلیفوں اور تنگ دستی کے دور ہونے کا۔ وہ اپنی کہانی کہہ چکا تو اس نے اپنا سر ہلایا، رونے پیٹنے اور فریاد کرنے لگا اور بولا ای شخص میرے خیال میں تو دیوانہ ہوگیا ہی ایسی باتیں کوئی سمجھ دار آدمی تو کرتا نہیں۔ میرا کتا تجھے سونے کا تشت کس طرح دے سکتا ہی اور اگر دیا ہی تو یہ عجیب بات ہوگی کہ میں اپنے کتے کے دیے کو واپس لے لوں۔ میں کتنی ہی تکلیف اور مصیبت میں کیوں نہ ہوں تیری کسی چیز کو ہاتھ لگانا مجھ پر حرام ہی۔

لہٰذا جہاں سے تو آیا ہی صحیح و سلامت واپس جا۔ یہ سُن کر اس شخص نے اس کے قدم چومے اس کی تعریف کرتا ہوا چل دیا اور رخصت کے وقت یہ شعر پڑھا: انسان اور کتے سب کے سب چلتے بنے۔ ان انسانوں اور کتوں کو میرا سلام پہنچے! واللہ اعلم

اسکندریہ کے والی اور چور کی کہانی

کہتے ہیں اسکندریہ کے نواح میں ایک والی تھا جس کا نام حسام الدین تھا۔ ایک دن وہ اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے پاس ایک لشکری آکر کہنے لگا اے میرے مولیٰ والی میں رات اس شہر میں پہنچا اور فلاں سرائے میں اُترا ہوں تہائی رات تک سونے کے بعد جب میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ میری خرجی کٹی ہوئی ہے اس میں سے ایک ہزار دینار کا توڑا غائب ہے۔ ابھی وہ اپنی بات ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ والی نے اپنے سرداروں کو بلا کر حکم دیا کہ تمام سرائے والوں کو حاضر کر کے انھیں صبح تک قید خانے میں بند کر دیا جائے۔ صبح ہوئی تو اس نے سزا دینے کے آلات منگوائے اور تمام لوگوں کو اس لشکری کے سامنے بلوایا جس کے دینار چوری گئے تھے اور چاہتا ہی تھا کہ انھیں سزا دے جو ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا پہنچا اور والی کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بیالیسویں رات

جب تین سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ والی سزا

دینے ہی والا تھا کہ ایک شخص بھیڑ کو چیرتا پھاڑتا پہنچا۔ والی اور لشکری کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا اور کہنے لگا اے امیران تمام آدمیوں کو چھوڑ دے یہ بے گناہ ہیں۔ اس لشکری کا مال چُرانے والا میں ہوں اور دیکھ یہ اس کی تھیلی ہی جو میں نے اس کی خرجی سے چُرائی ہی۔ یہ کہ کر اس نے اپنی آستین میں سے تھیلی نکالی اور والی اور لشکری کے آگے رکھ دی۔ والی نے لشکری سے کہا اپنا مال لے اور اپنے پاس رکھ۔ اب ان لوگوں کے خلاف تیرا کوئی دعویٰ نہیں رہا۔ تمام سرائے والے اور سب حاضرین اس شخص کی تعریف کرنے اور اُسے دعا دینے لگے۔ اس کے بعد اس شخص نے کہا اے امیر استادی اس میں نہیں ہی کہ میں نے خود آکر یہ تھیلی پیش کر دی بلکہ کمال اس میں ہی کہ میں دوبارہ اس لشکری کے پاس سے اُڑا لوں گا۔ والی نے کہا کہ اُستاد تو کس طرح یہ تھیلی چُرا لے گیا تھا؟ اس نے جواب دیا اے امیر میں ایک دن قاہرہ میں صرّافوں کے بازار میں کھڑا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ اس لشکری نے یہ اشرفیاں لے کر اس تھیلی میں رکھ لیں۔ میں گلی گلی اس کے پیچھے لگا رہا لیکن اشرفیاں چُرانے کی کوئی ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔ اس کے بعد وہ قاہرہ سے روانہ ہوگیا اور میں شہر شہر اس کا پیچھا کرتا اور تدبیر سوچتا رہا تاکہ راہ میں اس کی تھیلی اُڑا لوں لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ جب وہ اس شہر میں داخل ہوا تو میں اس کے پیچھے پیچھے تھا یہاں تک کہ وہ اس سرائے میں اترا میں بھی اس کے پڑوس میں اتر پڑا اور انتظار کرتا رہا۔ جب وہ سو گیا اور میں نے سنا کہ وہ خراٹے لے رہا ہی تو میں آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھا اور اس چھری سے اس کی خرجی کاٹی اور دیکھ اس طرح تھیلی لے لی۔ یہ کہ کر اس نے ہاتھ بڑھایا اور والی اور لشکری کے آگے سے وہ تھیلی اٹھا لی۔ والی پیچھے ہٹ گیا اور لشکری اور تماش بیں دیکھنے لگے کہ اب وہ دکھائے گا کہ اس نے کس طرح خرجی میں سے تھیلی نکالی۔ لیکن وہ شخص تھیلی لے کر بھاگا اور ایک تالاب میں کود پڑا۔ والی نے اپنے نوکروں سے چلّا کر کہا کہ دوڑو پکڑو لیکن وہ ابھی اپنے کپڑے اتار کر سیڑھیوں تک بھی نہ پہنچے

پائے تھے کہ چور چلتا بنا۔ لاکھ تلاش کیا وہ نہ ملا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اسکندریہ کے تمام گلی کوچے ایک دوسرے میں جا نکلتے ہیں۔ چور ہاتھ نہ آیا تو لوگ لوٹ آئے اور والی نے لشکری سے کہا کہ تیرا لوگوں پر کوئی دعویٰ نہیں تجھے معلوم ہوگیا کہ چور کون ہے اور تجھے تیرا مال مل گیا تو نے اس کی حفاظت نہ کی۔ لشکری ناچار واپس لوٹ آیا اس کا مال تو جا ہی چکا تھا اور والی کے ہاتھ سے سب لوگ بچ گئے۔ یہ خدا کا فضل تھا۔

ملک ناصر اور تین والیوں کی کہانی

کہا جاتا ہے کہ ایک بار ملک ناصر نے قاہرہ، بولاق اور فسطاط کے تینوں والیوں کو بلایا اور کہا میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک وہ عجیب ترین واقعہ بیان کرے جو اُسے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا ہے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تینتالیسویں رات

جب تین سو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ملک ناصر نے تینوں والیوں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم میں سے ہر ایک اپنی اپنی ولایت کے زمانے کا عجیب ترین واقعہ بیان کرے۔ پہلے قاہرہ کے والی نے بیان کرنا شروع کیا اے میرے مولیٰ سلطان سُن۔ عجیب ترین واقعہ جو میری ولایت کے زمانے میں میرے ساتھ پیش آیا ہے یہ ہے کہ اس شہر میں دو عادل گواہ تھے جن کی گواہی قتل وخون کے معاملات میں بھی مانی جاتی تھی۔ ساتھ ہی وہ دونوں رنڈی بازی، شراب خوری اور حرام کاری کے

بھی بڑے شوقین تھے۔ باوجود جاننے کے میں ان کا کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ ان کو سزا دینے کے
لیے کوئی تدبیر کارگر نہ ہوتی تھی۔ عاجز آگیا تو میں نے بھٹی والوں، نُقل و میوہ اور شمع فروشوں
اور رنڈی خانوں کے مالکوں سے یہ تنبیہہ کر دی کہ جب کبھی یہ دونوں شخص کسی جگہ
شراب خواری یا رنڈی بازی کرتے ہوں، ساتھ یا الگ الگ اور اکیلے یا دُکیلے اُن سے وہ
چیزیں خریدیں جو شراب نوشی کے وقت استعمال کی جاتی ہیں تو فوراً مجھے آکر خبر کر دیں
اور ان کی حرکات پر پردہ نہ ڈالیں۔ چنانچہ ایک رات کا ذکر ہے ایک شخص میرے پاس آیا
اور کہنے لگا ای میرے مولیٰ، اس وقت وہ دونوں گواہ فلاں جگہ فلاں کوچے میں فلاں مکان
کے اندر سخت بدکرداری میں مشغول ہیں۔ میں نے اور میرے غلام نے اُٹھ کر بھیس بدلا اور
بغیر کسی اور کو ساتھ لیے ہم چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے ہم وہاں جا پہنچے اور دستک دی۔
ایک کنیز نے آکر دروازہ کھولا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں بغیر جواب دیے اندر داخل
ہوگیا دیکھا کہ دونوں گواہ اور گھر کا مالک بیٹھے ہوئے ہیں ان کے ساتھ رنڈیاں اور بہت
سی شراب ہے۔ میری صورت دیکھ کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ بڑی تعظیم سے مجھے صدر مقام
پر بٹھایا اور بولے ای محترم مہمان اور نیک ندیم، خوش آمدی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ
انھیں میرا بالکل ڈر نہیں۔ اب مکان کا مالک اٹھ کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد تین سو
دینار لے کر لوٹا اور بے دھڑک مجھ سے کہنے لگا ای ہمارے مولیٰ والی تو بے عزتی سے
زیادہ ہماری ذلت کر سکتا ہے۔ ہمیں سزا دینا تیرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔ لیکن تجھے اس
سے پریشانی کے سوا اور کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ بہتر ہے کہ یہ دینار لے اور ہماری پردہ پوشی
کر کیونکہ خدا کا نام ستار بھی ہے اور وہ اُنھیں بندوں سے محبت کرتا ہے جو پردہ پوش ہوں۔
اس میں تجھے ثواب ملے گا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں یہ مال لے لوں اور اس دفعہ
ان کی پردہ پوشی کر دوں۔ اگر دوسری بار پھر انھیں پکڑا تو سزا دے دوں گا۔ دیناروں
کا لالچ بھی آگیا غرض کہ دینار میں نے لے لیے وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اور کسی کو کانوں کان

ضمیمہ جوڑی۔

دوسرے دن کیا دیکھتا ہوں کہ قاضی کا پیادہ چلا آتا ہے مجھ سے کہنے لگا کہ اے والی! قاضی کے پاس تشریف لے چلیے۔ اس نے تجھے بلایا ہے۔ میں اٹھ کر اس کے ساتھ قاضی کے ہاں پہنچا مجھے کچھ معلوم نہ تھا کہ اس نے کیوں بلایا ہے۔ میں قاضی کے پاس پہنچا تو وہاں وہ دونوں گواہ بھی موجود تھے اور وہ گھر والا جس نے مجھے تین سو دینار کی تھیلی دی تھی۔ اب گھر والے نے اٹھ کر مجھ پر تین سو دینار کا دعویٰ کیا اور مجھے انکار کرتے نہ بن پڑا اس کے بعد اس نے دستاویز نکالی دونوں عادل گواہوں نے گواہی دی کہ اس کے تین سو دینار مجھ پر آتے ہیں اور انھوں نے اس وقت تک مجھے نہ چھوڑا جب تک مجھ سے تین سو دینار لے نہ لیے۔ مجھے بہت غصہ آیا میں نے ٹھان لی کہ اُن سے سمجھوں گا، میں پچھتاتا تھا کہ میں نے انھیں سزا کیوں نہ دی اور پشیمان ہو کر وہاں سے روانہ ہوا۔ یہ ہے عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا۔

اس کے بعد بولاق کا والی کھڑا ہو کر کہنے لگا اے ہمارے مولیٰ سلطان میری ولایت کے زمانے میں جو عجیب ترین واقعہ میرے ساتھ پیش آیا یہ ہے کہ ایک بار مجھ پر پورے تین لاکھ دینار قرض ہو گئے۔ مجھے بڑی پریشانی تھی میں نے اپنی ساری ملکیت اور مال و متاع بیچ ڈالا لیکن ایک لاکھ دینار سے زیادہ ہاتھ نہ لگا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چوالیسویں رات

جب تین سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بولاق کے والی نے کہا میں نے سب کچھ رکھا رکھایا بیچ کر فقط ایک لاکھ دینار جمع کیے۔ ایک

رات اسی خیال میں غلطاں و پیچاں تھا کہ کیا کروں کیا نہ کروں کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے غلام سے کہا دیکھ دروازے پر کون ہی۔ غلام باہر جاکر لوٹا تو مُنھ پہ ہوائیاں اُڑ رہی تھیں، چہرہ اترا ہؤا اور ہاتھ پاؤں کانپ رہے تھے۔ میں نے پوچھا تجھ پر کیا بلا نازل ہوئی؟ اس نے جواب دیا کہ دروازے پر ایک شخص ہی جو ایک کھال کے سوا اور کچھ پہنے ہوئے نہیں۔ اس کے ہاتھ میں تلوار، کمر سے خنجر لگا ہؤا ہی اور اس کے ساتھ اسی طرح کے اور کئی شخص ہیں۔ وہ تجھے بلاتا ہی۔ میں تلوار لے کر نکلا کہ دیکھوں وہ کون لوگ ہیں میں نے ان کو ویسا ہی پایا جیسا کہ غلام نے کہا تھا۔ اُن سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے ہم ڈاکو ہیں۔ آج رات ہمیں بڑی غنیمت ہاتھ لگی ہی اور ہم اُسے تیری نذر کرتے ہیں تاکہ تیری پریشان خاطری دوٗر ہو جائے اور تو اپنا قرضہ ادا کر دے میں نے پوچھا وہ غنیمت کا مال کہاں ہی؟ انھوں نے میرے سامنے ایک صندوق رکھ دیا جس میں سونے اور چاندی کے برتن بھرے ہوئے تھے۔ میں خوش ہوگیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس سے اپنا قرضہ بھی ادا کر سکوں گا اور اتنا ہی اور میرے لیے بچ بھی رہے گا۔ اب میں صندوق کو مکان کے اندر لے گیا اور دل میں سوچا کہ میں انھیں خالی ہاتھ جانے دینا مروت سے بعید ہی۔ چنانچہ میں نے وہ ایک لاکھ دینار لے جاکر انھیں دے دیے جو میرے پاس تھے اور ان کی نیکی کا شکر گزار ہؤا۔ وہ لوگ دینار لے کر رات کے اندھیرے میں چلتے ہوئے۔ جب صبح ہوئی تو میں نے دیکھا کہ صندوق میں محض تانبے اور ٹین کی چیزیں ہیں جن پر سونا چڑھا ہؤا ہی اور سب ملا کر پانسو درہم سے زیادہ کی مالیت نہیں۔ سخت غصہ آیا اور بہت رنج ہؤا کہ جو دینار میرے پاس تھے وہ بھی ہاتھ سے گئے۔ یہ ہی عجیب ترین واقعہ جو مجھے اپنی ولایت کے زمانے میں پیش آیا۔

اب فسطاط کا والی کھڑا ہؤا اور کہنے لگا اے میرے مولیٰ سلطان میرے

ساتھ جو عجیب و غریب واقعہ میری ولایت کے زمانے میں پیش آیا یہ ہے کہ میں نے ایک بار دس ڈاکوؤں کو پھانسی دی اور انھیں علیحدہ علیحدہ تختوں پر لٹکا کر پہرے داروں کو حکم دیا کہ ہوشیار رہیں کوئی شخص ان میں سے کسی کو لے نہ جائے۔ دوسرے دن علی الصباح میں اُدھر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو مجرم ایک ہی تختے پر لٹکے ہوئے ہیں۔ میں نے پہرے داروں سے پوچھا یہ کس نے کیا اور وہ دوسرا تختہ کیا ہوا جس پر دوسرا مجرم لٹکا ہوا تھا؟ انھوں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی۔ جب میں نے انھیں مارنے کی ٹھانی تو انھوں نے کہا اے امیر کل ہمیں نیند آگئی تھی آنکھ کھلی تو ہم نے دیکھا کہ ایک مجرم اور اس کے تختے کو کوئی چرا لے گیا ہے ہمیں تیری طرف سے بڑا ڈر لگا اسی وقت ایک کسان آتا ہوا دکھائی دیا جس کے ساتھ ایک گدھا تھا۔ ہم نے اُسے پکڑ کر قتل کر دیا اور اس تختے پر بجائے اُس لاش کے لٹکا دیا جو چوری گئی تھی مجھے بڑا تعجب ہوا میں نے ان سے پوچھا کہ کسان کے ساتھ کیا تھا؟ انھوں نے کہا کہ ایک خرجی جو گدھے پر پڑی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا اس کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے ہمیں معلوم نہیں۔ میں نے کہا اُسے میرے پاس لے آؤ۔ جب وہ لائے تو میں نے اُسے کھلوایا کیا دیکھتا ہوں کہ اس کے اندر ایک لاش ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہے۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور اپنے دل میں کہنے لگا سبحان اللہ کسان کی پھانسی کا سبب اسی مقتول کا خون تھا اور خدا کسی بندے پر ظلم نہیں کرتا۔

صرّاف اور چور کی کہانی

سنا ہے کہ ایک بار کوئی صرّاف اشرفیوں کا توڑا لیے چوروں کے پاس سے گزرا۔ ان میں سے ایک چور نے کہا میں اس توڑے کو چرا سکتا ہوں۔ دوسرے نے پوچھا کیونکر؟ اس نے جواب دیا دیکھ لینا یہ کہہ کر وہ صرّاف کے پیچھے پیچھے اس کے گھر تک گیا صرّاف نے

اندر پہنچ کر تھیلی کو الماری میں پھینک دیا اُسے زور کا پیشاب لگا ہوا تھا بے تحاشا پاخانے میں گھس گیا اور کنیز سے کہا کہ لوٹے میں پانی لا۔ کنیز لوٹا لے کر اس کے پیچھے پیچھے پہنچی دروازے کے کواڑ کھلے تھے۔ چور اندر آیا اور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس گیا اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پینتالیسویں رات

جب تین سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ چور تھیلی لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا اور صراف اور کنیز کا سارا ماجرا بیان کیا۔ انھوں نے کہا واللہ جو کچھ تو نے کیا بڑی اُستادی کا کام ہے ہر ایک ایسا نہیں کر سکتا۔ لیکن پاخانے سے نکل کر صراف نے تھیلی کو نہ پایا ہوگا تو غریب کنیز کی کم بختی آگئی ہوگی اس لیے تھیلی اڑانے کے سوا تو نے کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر تیرا شکریہ ادا کیا جا سکے۔ اگر تو استاد ہے تو کنیز کو مار پیٹ سے نجات دے۔ اس نے کہا کہ انشاءاللہ میں کنیز اور تھیلی دونوں کو بچا لوں گا یہ کہہ کر وہ چور صراف کے گھر پہنچا دیکھا کہ واقعی تھیلی کی وجہ سے وہ کنیز کو مار رہا ہے اس نے دروازے پر دستک دی۔ صراف نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا میں تیسرے تیرے پڑوسی کا غلام ہوں۔ صراف نے باہر آکر پوچھا کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے آقا نے تجھے سلام کہا ہے اور کہا ہے کہ تو ایسا سٹھیا گیا ہے ایسا سٹھرا بہترا کیوں ہوگیا ہے اتنی قیمتی تھیلی دکان کے دروازے پر چھوڑ کر چلا آیا۔ اگر کسی غیر شخص کی نظر پڑ جاتی تو وہ لے کر چمپت ہوتا اگر میرا آقا اسے نہ دیکھتا اور حفاظت سے نہ رکھتا تو وہ تیرے ہاتھ سے جا چکی تھی۔ یہ کہہ کر اس نے تھیلی نکالی۔ صراف نے اُسے دیکھا تو کہنے لگا واقعی یہ میری ہی تھیلی ہے اور اُسے

لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ چور نے کہا کہ میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک کہ تو میرے آقا کو اس کی رسید لکھ کر نہ دے۔ مجھے ڈر ہی کہ اگر تو نے رسید لکھ کر مہر نہ لگائی تو اُسے یقین نہ آئے گا کہ تھیلی تجھے وصول ہو چکی ہی۔ صراف مکان کے اندر گیا کہ تھیلی کی رسید لکھوا لائے۔ چور اب کیوں ٹھیرتا وہ تھیلی لے کر چلتا ہوا اور کنیز پٹنے سے بچ گئی۔

قوص کے والی اور چور کی کہانی

قوص کا والی علاء الدین ایک رات اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک خوب صورت اور خوش قامت شخص نوکر کے سر پر ایک صندوق رکھے آیا اور دروازے پر ٹھہر کر والی کے ایک غلام سے کہا اندر جا کر امیر سے کہہ کہ میں اس سے تنہائی میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ غلام نے اندر جا کر پیغام پہنچا دیا اور اس نے اندر آنے کی اجازت دے دی۔ والی نے دیکھا کہ وہ بلند بالا اور خوب صورت وجیہ آدمی ہی اسے اپنے پاس بٹھایا اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور پوچھا کہ تیری کیا حاجت ہی؟ اس شخص نے جواب دیا میں ایک ڈاکو ہوں چاہتا ہوں کہ تیرے ہاتھ پر توبہ کر کے پھر خدا کی طرف رجوع کروں۔ میری درخواست کو منظور کر اور مجھ کو سیدھے راستے پر لگا۔ میں اس وقت تیری آنکھوں کے سامنے ہوں۔ میرے پاس ایک صندوق ہی جس میں تقریباً چالیس ہزار دینار کا سامان ہی جس کا مستحق سب سے زیادہ تو ہی۔ اُسے لے کر تو اپنی حلال کمائی میں مجھے ایک ہزار دینار دے دے تاکہ میں اس سے تجارت کروں توبہ توڑنے سے بچ جاؤں اور مجھے حرام کی کمائی کی ضرورت نہ پڑے۔ خدا تجھے اس کا ثواب دے گا۔ یہ کہہ کر اس نے صندوق کھولا اور والی کو دکھایا کہ اس میں زیور، ہیرے جواہرات اور موتی ہیں۔ والی کی آنکھیں چندھیا گئیں بہت خوش ہوا اور خزانچی کو بلا کر کہا کہ اے فلاں توڑا لے آ

جس میں ایک ہزار دینار ہیں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھیالیسویں رات

تین سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! والی نے خزانچی کو بلا کر کہا کہ فلاں توڑا لے آ جس میں ایک ہزار دینار ہیں۔ جب خزانچی وہ توڑا لایا تو والی نے اس شخص کے حوالے کیا۔ اس نے اُسے لے لیا اور والی کا شکریہ ادا کیا اور رات کے اندھیرے میں غائب ہوگیا۔ صبح ہوئی تو والی نے سناروں کے چودھری کو بلوایا۔ صندوق کھولا زیور، جواہرات، سونا اور موتی جو جو اس کے اندر تھا نکال کر دکھایا۔ سنار نے ایک ہی نظر میں پرکھ لیا اور کہا کہ یہ ساری چیزیں ٹین اور پیتل کی ہیں جواہرات اور موتی کانچ کے۔ والی کو بڑا صدمہ ہوا لوگوں کو اس کے پیچھے دوڑایا لیکن وہ کسی کے ہاتھ نہ لگا۔

ابراہیم بن مہدی اور سوداگر زادی کی کہانی

ایک بار امیرالمومنین مامون نے ابراہیم بن مہدی سے کہا جو سب سے زیادہ عجیب وغریب ماجرا تیرے ساتھ پیش آیا ہو اُسے بیان کر۔ وہ کہنے لگا اے امیرالمومنین سُن ایک روز کا ذکر ہے کہ میں سیر کرنے نکلا اور چلتے چلتے ایک جگہ پہنچا جہاں کھانوں کی خوشبو آرہی تھی۔ اے امیرالمومنین میرا جی للچانے لگا اور میں ٹھیر گیا لیکن حیران تھا آگے بڑھتا تو کھانوں کا لالچ دامن پکڑتا اور اندر داخل ہونے کی بھی ہمت نہ تھی۔ اسی خیال میں ٹھٹکتے بڑھتے آنکھ جو اوپر اٹھی تو کیا دیکھا کہ ایک جھروکے کے پاس

ہوں اور اس کے پیچھے کسی کی ایسی خوب صورت ہتھیلی اور کلائی دکھائی دے رہی ہو جس سے زیادہ خوب صورت مَیں نے کبھی نہیں دیکھی تھی۔ میرے حواس اڑ گئے اور کھانوں کی خوشبو کا خیال میرے دماغ سے اتر گیا۔ مَیں سوچنے لگا کہ کسی نہ کسی ترکیب سے وہاں پہنچنا چاہیے۔ مَیں نے دیکھا کہ قریب ہی ایک درزی ہے اس کے پاس جاکر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ مَیں نے پوچھا یہ کس کا مکان ہے؟ اس نے جواب دیا ایک سوداگر کا۔ مَیں نے پوچھا اس کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں ابن فلاں اور سوداگروں کے سوا اور کسی سے میل جول نہیں رکھتا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ دو شریف اور وضع دار شخص گھوڑوں پر سوار وہاں پہنچے۔ درزی نے مجھ سے کہا کہ یہ اس کے بڑے گہرے دوست ہیں ان کے یہ یہ نام ہیں۔ مَیں گھوڑے کو ایڑ دے کر ان کے پاس پہنچا اور کہنے لگا بڑا انتظار کرایا۔ فلاں شخص تو دیر سے تمھارا راستہ دیکھ رہا ہے اور ان کے ساتھ روانہ ہو کر مکان کے دروازے پر پہنچا۔ مَیں اور وہ دونوں شخص اندر گئے۔ جب گھر والے نے مجھے ان کے ساتھ دیکھا تو اسے یقین ہوا کہ مَیں ان کا دوست ہوں اس نے میرا خیر مقدم کیا اور مجھے بلند ترین جگہ پر بٹھایا۔ اس کے بعد دستر خوان بچھایا گیا۔ مَیں اپنے دل میں کہنے لگا کہ خدا نے کھانے کا مقصد تو پورا کر دیا لیکن ہتھیلی اور کلائی ابھی باقی ہیں۔

اب ہم اٹھ کر ایک دوسری جگہ شراب نوشی کے لیے گئے۔ مَیں نے دیکھا کہ وہاں عمدہ عمدہ چیزوں کا ڈھیر لگا ہوا ہے۔ گھر والا یہ سمجھ کر کہ مَیں اس کے مہمانوں کا مہمان ہوں میرے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آتا اور مجھ سے مخاطب ہوتا اسی طرح وہ دونوں میری بڑی خاطر تواضع کرتے اور یہ سمجھتے کہ مَیں گھر والے کا کوئی بڑا مخلص دوست ہوں الغرض سب کے سب مجھ پر مہربان تھے۔ ہم نے پیالے پر پیالے چڑھانے شروع کیے۔ اب ایک کنیز نکل کر آئی بید کی چھڑ جیسی نازک، نہایت حسین اور خوش قامت۔ اس نے عود لے کر گانا شروع کیا۔ اے امیر المومنین مَیں بے چین ہو گیا اس کا حسن اور گانا مجھے بہت

پسند آیا اور اُس کی اُستادی پر حسد کرنے لگا۔ میں نے کہا ای کنیز ابھی ایک چیز کی کمی باقی ہی اس نے غصّے میں آکر عود اپنے ہاتھ سے پھینک دیا اور کہنے لگی کیا ایسے بے وقوف بھی مجلسوں کے بیٹھنے کے قابل ہو گئے ہیں۔ میں بہت پچھتایا ایک اُسی کو نہیں دوسرے لوگوں کو بھی میرا کہنا بُرا معلوم ہُوا۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب میری امیدوں پر پانی پھر گیا مجھے کوئی صورت نظر نہ آتی تھی جس سے بگڑی ہوئی بات پھر بن جائے اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ میں نے عود مانگا اور کہا کہ جس راگ میں اس نے کمی کی ہی اُسے میں بتاتا ہوں۔ چنانچہ عود دیا میں نے تار ملا کر بجانا شروع کیا۔ کنیز پھر لپک اُٹھی، میرے پانوں پر گر پڑی اور انھیں چومنے لگی اور کہا ای میرے آقا۔ معاف کر۔ واللہ مجھے معلوم نہ تھا کہ تجھے موسیقی میں یہ کمال حاصل ہی تیرے جیسا راگ میں نے کبھی نہیں سُنا۔ اب لوگ میری خاطر مدارات کرنے لگے اور بے حد خوش ہوئے۔ ہر ایک نے مجھ سے گانے بجانے کی فرمایش کی اور میں نے ایک ایسا راگ بجایا کہ لوگ بدمست ہو گئے، اُن کے حواس بھی جاتے رہے۔ بڑی دیر کے بعد محفل برخاست ہوئی مہمان سوار ہو کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ گھر والا اور کنیز باقی رہ گئے یا میں۔ اس کے بعد اس نے میرے ساتھ چند پیالے پیے اور مجھ سے کہنے لگا ای میرے آقا میری عمر اب تک بے کار گزری تجھ جیسے شخص سے ملاقات نہ ہوئی۔ ای میرے آقا خدا کی قسم بتا کہ تو کون ہی تاکہ مجھے معلوم ہو کہ خدا نے آج کس ندیم کو بھیج کر مجھ پر احسان کیا ہی۔ میں ٹال مٹول کرتا اور اپنا نام صاف صاف نہ بتاتا۔ وہ مجھے برابر قسمیں دیتا جاتا۔ آخر کار میں نے اپنا نام بتا دیا۔ جوں ہی اس نے میرا نام سنا تو وہ اچھل پڑا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو سینتالیسویں رات

جب تین سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ابراہیم بن مہدی کا بیان ہے کہ میرا نام سُن کر وہ اچھل پڑا اور کہنے لگا بڑے تعجب کی بات ہوتی اگر تیرے سوا اور کسی میں یہ فضیلت پائی جاتی۔ تقدیر نے مجھ پر ایسا احسان کیا ہے کہ میں اس کا شکریہ کافی طور سے ادا نہیں کر سکتا۔ شاید میں خواب دیکھ رہا ہوں ورنہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خلافت کے گھرانے والا میرے گھر مجھ سے ملنے آئے اور آج رات میرا ہم پیالہ ہو۔ میں نے اُسے قسم دی کہ بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا اور نہایت مہربانی سے پوچھنے لگا کہ میرے گھر تیرے آنے کی کیا وجہ ہے۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا کچھ نہ چھپایا اور کہا جہاں تک کھانے کا تعلق تھا میں نے سیر ہو کر کھایا البتہ اس ہتھیلی اور کلائی سے میری مراد بر نہ آئی۔ اس نے جواب دیا کہ ہتھیلی اور کلائی سے بھی انشاء اللہ تیری مراد بر آئے گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک کنیز کو آواز دی اے فلاں، فلاں کنیز سے کہہ کہ وہ نیچے اتر کر آئے۔ اس طرح وہ ایک ایک کر کے اپنی کنیزوں کو بلاتا اور میرے سامنے پیش کرتا ان میں سے کوئی میری محبوبہ نہ نکلی۔ پھر اس نے کہا اے میرے آقا اب سوا میری ماں اور بہن کے اور کوئی باقی نہیں رہا لیکن خدا کی قسم میں انھیں بھی نیچے بلا کر تیرے سامنے پیش کروں گا تاکہ تو انھیں بھی دیکھ لے۔ مجھے اس کی حوصلہ مندی اور کشادہ دلی پر تعجب ہوا میں نے کہا قربانت شوم! پہلے اپنی بہن کو بلا چنانچہ اس کی بہن اُتر کر آئی اور جوں ہی میری نظر اس کے ہاتھوں پر پڑی میں پہچان گیا کہ جن ہتھیلیوں اور کلائیوں کو میں نے دیکھا تھا وہ اسی کی ہیں۔ میں بولا جزاک اللہ یہی وہ لڑکی ہے جس کی ہتھیلی اور کلائی میں نے دیکھی تھی۔ اب اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ فوراً گواہ بلائے جائیں۔ جب گواہ حاضر ہوئے تو اس نے اشرفیوں کے دو توڑے

منگوائے اور گواہوں سے کہا کہ یہ میرا مولیٰ اور آقا ابراہیم بن مہدی امیرالمومنین کا چچا
میری فلاں بہن سے شادی کرنا چاہتا ہے تمہیں اس بات پر گواہ بناتا ہوں کہ میں نے
اس ایک توڑے کے مہر کے عوض اس کی شادی اس سے کر دی۔ اس کے بعد اس نے
مجھ سے کہا کہ میں نے اس مہر کے عوض جس کا میں نے ذکر کیا ہے تیری شادی اپنی فلاں بہن
سے کر دی ہے۔ میں نے کہا قبول ہے اور منظور۔ یہ کہہ کر اس نے ایک توڑا اپنی بہن کو دے دیا
اور دوسرا گواہوں کو۔ پھر اس نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میں ایک گھر تیرے لیے آراستہ کیے
دیتا ہوں تاکہ تو اس میں اپنی بیوی کے ساتھ سوئے۔ اس کی دریا دلی دیکھ کر میں دنگ
رہ گیا اور مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں اس مکان میں اپنی بیوی سے ہم بستر ہوں اس
لیے میں نے اس سے کہا کہ اُسے میرے گھر روانہ کر دے۔ اے امیرالمومنین! تیرے سر کی
قسم اس نے لڑکی کے ساتھ اتنا جہیز بھیجا کہ ہمارے مکان میں باوجود اس کی وسعت کے
سما نہ سکا۔ بعد ازاں اس سے یہ لڑکا پیدا ہوا جو تیرے سامنے کھڑا ہے۔ مامون کو اس شخص کی
سخاوت کا حال سُن کر بڑا تعجب ہوا کہنے لگا کہ رحمت ہو اس پر! ایسا دوسرا ہونا ممکن
نہیں اور ابراہیم بن مہدی سے کہا کہ اُسے بلا کر میں دیکھوں۔ ابراہیم نے اُسے مامون
کی خدمت میں حاضر کیا۔ مامون نے اس سے گفتگو کی، اس کی خوبیوں اور علم سے وہ
بہت خوش ہوا اور اُسے اپنا خاص مصاحب بنایا۔ خدا دینے والا اور بخشش کرنے والا ہے۔

اس عورت کی کہانی جس کے ہاتھ بھیک دینے پر کاٹ ڈالے گئے تھے

ایک بادشاہ نے اپنے ملک میں یہ حکم دے دیا کہ اگر کوئی شخص بھیک دے گا
تو میں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں گا۔ لہٰذا سب لوگوں نے بھیک دینا بند کر دیا کسی کو جرأت
نہ ہوتی تھی کہ کسی کو بھیک دے۔ ایک دن اللہ کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ ایک عورت کے

پاس کوئی فقیر آیا جو بھوک سے پریشان حال تھا اور کہنے لگا کہ مجھے بھیک دے اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سواڑتالیسویں رات

جب تین سواڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! فقیر نے عورت سے کہا کہ مجھے بھیک دے۔ اس نے جواب دیا میں تجھے کس طرح بھیک دے سکتی ہوں بادشاہ بھیک دینے والے کا ہاتھ کاٹ ڈالتا ہے۔ فقیر بولا خدا کے واسطے مجھے بھیک دے۔ جب اس نے خدا کا واسطہ دیا تو اس کا دل پسیج گیا اس نے اسے دو روٹیاں دے دیں۔ یہ خبر بادشاہ کو ملی اور اس نے حکم دیا کہ وہ عورت اس کے سامنے پیش کی جائے۔ جب وہ آئی تو بادشاہ نے اس کے دونوں ہاتھ قلم کر دیے اور وہ اپنے گھر لوٹ آئی۔

کچھ روز کے بعد بادشاہ نے اپنی ماں سے کہا میں شادی کرنا چاہتا ہوں امیری شادی ایک حسین عورت سے کر دے۔ وہ بولی ہمارے پڑوس میں ایک عورت ہے جس سے زیادہ حسین لونڈی اور نہ ہوگی لیکن اس میں ایک سخت عیب ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کہ وہ کیا؟ ماں نے جواب دیا اس کے دونوں ہاتھ کٹے ہوئے ہیں۔ بادشاہ نے کہا میں اُسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ ماں اُسے لے آئی۔ بادشاہ نے اُسے دیکھا تو گرویدہ ہو گیا، اس کے ساتھ نکاح کر لیا۔ یہ یہ وہی عورت تھی جس نے فقیر کو بھیک کی دو روٹیاں دی تھیں اور اس کے دونوں ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ جب بادشاہ نے اس عورت سے شادی کی تو اس کی سوکنیں اس پر حسد کرنے لگیں۔ انھوں نے بادشاہ کو خط لکھا کہ وہ بڑی بدچلن ہے اس کے ایک لڑکا پیدا ہو چکا تھا۔ بادشاہ نے اپنی ماں کو لکھ بھیجا کہ وہ اُسے جنگل میں لے جا کر چھوڑ آئے ماں نے اس کی تعمیل کی اور اسے لے جا کر جنگل میں چھوڑ آئی۔ یہ عورت اپنی قسمت کو روتی

پیٹتی واویلا کرتی اور جنگل میں ڈھونڈتی پھرتی سو وہ اپنے بیٹے کو کندھے پر بٹھائے چلی جا رہی تھی کہ اس کا گزر ایک ندی پر ہوا پیاس لگ آئی تھی پانی پینے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی۔ جھکی ہی تھی کہ لڑکا پانی میں گر گیا اور وہ بیٹھ کر اپنے بیٹے پر زار زار رونے لگی۔ اتنے میں اس کے پاس سے دو شخص گزرے اور کہنے لگے کہ تو کیوں روتی ہی؟ اس نے جواب دیا کہ میرے کندھے پر میرا بیٹا تھا وہ پانی میں گر گیا ہی۔ انھوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہی کہ ہم اُسے نکال کر تیرے پاس لے آئیں؟ اس نے کہا ہاں۔ انھوں نے خدا سے دعا مانگی اور لڑکا صحیح وسالم نکل آیا اس کا بال تک نہ بھیگا تھا پھر انھوں نے کہا کہ کیا تو چاہتی ہی کہ خدا تیرے ہاتھوں کو پہلے کی طرح کر دے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ انھوں نے خدا سے دعا کی اور اس کے ہاتھ پہلے سے بہتر ہو گئے۔ اس کے بعد انھوں نے کہا تو جانتی ہی کہ ہم کون ہیں؟ وہ بولی جاننے والا خدا ہی۔ انھوں نے کہا ہم وہی روٹیاں ہیں جو تو نے فقیر کو دی تھیں اور جن کی وجہ سے تیرے ہاتھ کاٹ ڈالے گئے تھے۔ شکر کر خدا کا کہ اس نے تیرے ہاتھ اور تیرا بیٹا تجھے دوبارہ عنایت کیا اور اس نے خدا کی حمد وثنا کی۔

اِسرائیلی عابد کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک عابد تھا جس کے گھر والے سوت کاتا کرتے اور وہ ہر روز بازار جا کر اسے بیچتا، روئی خریدتا اور جو کچھ فائدہ ہوتا اس سے اپنے بال بچوں کے لیے اس دن کے لیے کھانا خریدتا تاکہ وہ کھائیں۔ ایک دن حسبِ معمول اس نے سوت بیچا تو اس کا بھائی اُسے ملا اور اس سے اپنی حاجت مندی کا دکھڑا رونے لگا۔ اس نے بکری کی قیمت اُسے دے دی اور خالی ہاتھ گھر لوٹ آیا۔ گھر والوں نے پوچھا کہ روئی اور کھانا کہاں ہی؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں شخص مجھے ملا تھا اور اس نے اپنی حاجت مندی

کی شکایت کی اس لیے میں نے جتنے دام تھے اُسے دے دیے۔ انھوں نے کہا اب ہم
کیا کریں؟ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز بھی نہیں جسے ہم بیچ سکیں۔ ان کے پاس ایک
ٹوٹا ہوا پیالہ اور ایک گھڑا تھا۔ انھیں وہ بازار لے گیا لیکن کسی نے اس کے خریدنے
کی ہامی نہ بھری۔ وہ ابھی بازار ہی میں تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس
کے پاس ایک مچھلی تھی اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند
کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو انچاسویں رات

جب تین سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ وہ شخص
پیالہ اور گھڑا لے کر بازار گیا لیکن کسی نے ان کے خریدنے کی ہامی نہ بھری۔ وہ ابھی
بازار ہی میں تھا کہ اس کے قریب سے ایک شخص گزرا جس کے پاس ایک سڑی ٹکسی
مچھلی تھی اور اُسے کوئی خریدتا نہ تھا۔ مچھلی والے نے اس سے کہا کہ کیا تو اپنی بیکار
چیزیں میری نکمی چیز کے عوض بیچتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اور اپنا پیالہ اور
گھڑا اُسے دے کر مچھلی لے لی اور اُسے لے کر اپنے گھر آیا۔ گھر والوں نے کہا ہم اس
مچھلی کا کیا کریں؟ اس نے جواب دیا کہ جب تک خدا ہمیں اور رزق نہ دے اسی کو
تل کر کھائیں گے۔ انھوں نے مچھلی کو لے کر اس کا پیٹ چاک کیا تو انھیں اس کے اندر
ایک موتی ملا۔ بوڑھے کو اس کی خبر کی۔ اس نے کہا کہ دیکھو اگر وہ موتی چھید کیا ہوا ہے
تو وہ کسی کی ملکیت ہے اور اگر اس میں چھید نہیں ہے تو وہ خدا کی طرف سے تمھارا
رزق ہے۔ جب انھوں نے غور سے دیکھا تو اس میں چھید نہ تھا۔ صبح ہوئی تو وہ اسے
ایک پرکھنے والے کے پاس لے گیا جو اس کا دوست تھا۔ اس نے پوچھا اے فلاں شخص

تجھے یہ موتی کہاں سے ہاتھ لگا؟ وہ بولا یہ خدا کا عطیہ ہے۔ اس شخص نے کہا کہ اس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے اور میں یہ قیمت دینے کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اسے فلاں شخص کے پاس لے جا کیونکہ وہ مجھ سے زیادہ مال دار اور پرکھ والا ہے۔ بوڑھا وہ موتی اس کے پاس لے گیا۔ اس نے کہا کہ اس کی قیمت ستر ہزار درہم ہے اس سے زیادہ نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے ستر ہزار درہم دے دیے۔ بوڑھے نے حمالوں کو بلایا اور وہ درہموں کی تھیلیاں لاد کر اس کے گھر کے دروازے پر پہنچے۔ یہاں اُسے ایک فقیر ملا اور کہنے لگا کہ خدا نے جو کچھ تجھے عطا کیا ہے اس میں سے مجھے بھی دے۔ بوڑھے نے فقیر سے کہا کہ کل تک ہم بھی تیری ہی طرح تھے لہٰذا آدھا تو لے جا۔ جب مال کے دو حصّے کیے گئے اور ہر ایک نے ایک ایک حصہ لیا تو فقیر نے کہا کہ اپنا مال اپنے ہی پاس رہنے دے، خدا تجھے اس میں برکت دے! میں تو تیرے پروردگار کا فرستادہ ہوں تاکہ تیرا امتحان کروں۔ بوڑھے نے کہا کہ شکر اور احسان ہے خدا کا۔ اس کے بعد مرتے دم تک اس نے اور اس کے بال بچوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔

ابوحسان زیادی اور ایک خراسانی کی کہانی

ابوحسان زیادی سے روایت ہے کہ ایک بار میری حالت بہت پتلی تھی حتیٰ کہ بنیے اور بھٹیارے اور سارے قرض خواہ میرے پیچھے پڑ گئے۔ اس سے مجھے بڑی تکلیف پہنچی کیونکہ چھٹکارے کی کوئی صورت بن نہ پڑتی تھی۔ میں اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ کیا کروں اتنے میں میرے غلام نے آکر کہا کہ دروازے پر ایک حاجی کھڑا ہے جو تجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ میں نے کہا کہ اندر بلا لا۔ وہ اندر آیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ کوئی خراسانی ہے۔ اس نے مجھے سلام کیا اور میں نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے پوچھا کہ

کیا تو ابوحسان زیادی ہی؟ میں نے کہا ہاں۔ تیرا کیا مقصد ہی؟ وہ بولا میں پردیسی ہوں حج کو جانا چاہتا ہوں اور میرے پاس بہت سا مال ہی جسے میں اپنے ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اس لیے میرا ارادہ ہی کہ یہ دس ہزار درہم اس وقت تک تیرے پاس چھوڑے جاؤں جب تک کہ حج سے لوٹوں۔ اگر قافلہ لوٹ آئے اور تو مجھے ان کے ساتھ نہ دیکھے تو جان لیجیو کہ میں مرگیا ہوں۔ اس وقت یہ مال تیری نذر ہی اور اگر میں لوٹ آیا تو وہ میرا ہی۔ میں نے کہا کہ انشاء اللہ تیرا کہنا کیا جائے گا۔ یہ کہہ کر اس نے ایک چمڑے کی تھیلی نکالی اور میں نے غلام سے کہا کہ ترازو لا اور وہ ترازو لے آیا۔ خراسانی نے انھیں تول کر میرے حوالے کیا اور چل دیا۔ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر اپنا قرضہ ادا کیا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پچاسویں رات

جب تین سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ابوحسان زیادی کا بیان ہی کہ میں نے قرض خواہوں کو بلا کر جتنا قرضہ جتنا میرے اوپر تھا ادا کر دیا اور خوب خرچ کیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب تک وہ شخص لوٹے گا اس وقت تک خدا کوئی نہ کوئی سبیل نکال دے گا۔ دوسرے دن غلام نے آکر کہا کہ تیرا دوست خراسانی دروازے پر کھڑا ہی۔ میں نے کہا اُسے اندر بلا لا۔ جب وہ اندر آیا تو اس نے کہا کہ میں تو حج کے لیے تیار تھا لیکن مجھے یہ خبر ملی ہی کہ میرے باپ کا انتقال ہوگیا اس لیے میں واپس جانا چاہتا ہوں، وہ مال جو میں نے کل تجھے دیا تھا واپس کر دے۔ یہ سن کر مجھے اتنا صدمہ پہنچا کہ کبھی کسی اور کو نہ پہنچا ہوگا اور میں حیران و پریشان ہو کر چپ ہوگیا کوئی جواب نہ دے سکا کیونکہ اگر میں

انکار کرتا تو وہ مجھے قسم دیتا اور مجھے آخرت میں شرمندگی اٹھانی پڑتی اور اگر میں کہتا کہ میں اسے خرچ کر چکا ہوں تو وہ شور مچاتا اور میری بے عزتی کرتا اس لیے میں نے کہا کہ خدا تجھے سلامت رکھے امیر امکان محفوظ نہیں ہے، اور تیرا مال یہاں رہ نہ سکتا تھا اس لیے میں نے تیری تھیلی لے کر ایک دوسرے شخص کے پاس رکھ دی ہے۔ تو کل آئیو اور خدا نے چاہا تو اُسے لے جائیو۔ یہ سُن کر وہ چلا گیا۔ مگر میں خراسانی کی واپسی پر اتنا متحیر تھا کہ اس رات مجھے بالکل نیند نہ آئی بلکہ آنکھیں بند کرنا بھی اجیرن ہو گیا۔ میں اُٹھ کر غلام کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ خچر پر زین کس۔ اس نے کہا اے میرے مولیٰ ابھی اندھیرا ہے اور رات باقی ہے۔ اب میں پھر اپنے بچھونے پر گیا لیکن نیند نہ آئی اور میں برابر غلام کو جگاتا اور وہ وہی جواب دیتا رہا یہاں تک کہ تڑکا ہوا اور اس نے میرے خچر پر کاٹھی رکھی اور میں سوار ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جاؤں اس لیے میں نے باگ خچر کی گردن پر ڈال دی اور سوچنے لگا اور خچر بغداد کے پورب کی طرف چل دیا۔ میں چلا ہی جا رہا تھا کہ میں نے چند آدمیوں کو آتے دیکھا میں نے ان کی طرف سے پھر کر دوسرے راستے پر چلنا شروع کر دیا لیکن میرا عمامہ دیکھ کر وہ میری طرف بڑھے اور کہنے لگے کہ کیا تجھے ابوحسان زیادی کے گھر کا پتا معلوم ہے؟ میں نے کہا ابوحسان تو میں ہی ہوں۔ انھوں نے کہا کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہے چل۔ میں ان کے ساتھ روانہ ہو کر مامون کے پاس پہنچا۔

جب میں مامون کے سامنے آیا تو اس نے پوچھا تو کون ہے؟ میں نے کہا کہ میں قاضی ابویوسف کے ساتھیوں میں سے ایک فقیہ اور محدث ہوں۔ اس نے دریافت کیا تیری کنیت کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ ابوحسان زیادی۔ وہ بولا اپنا قصہ تفصیل کے ساتھ بیان کر۔ میں نے ساری داستان کہہ سنائی تو وہ زار زار رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا اے بدبخت تیری وجہ سے آج رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے سونے نہ دیا۔ جب میں شروع رات میں سویا تو انھوں نے فرمایا کہ ابوحسان زیادی

کی مدد کر۔ اس پر پھر میری آنکھ کھل گئی مگر مجھے بالکل خبر نہ تھی کہ تو کون ہو میں پھر سو گیا۔ آنحضرتؐ پھر خواب میں دکھائی دیے اور یہی ارشاد کیا پھر بھی میری سمجھ میں نہ آیا اور میں سو گیا پھر خواب میں آپ کو دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں کہ کم بخت ابو حسان زیادی کی مدد کر۔ اس کے بعد مجھے سونے کی ہمت نہ پڑی رات بھر جاگتا رہا اور لوگوں کو جگا کر ہر طرف تیری تلاش میں بھیجا۔ یہ کہہ کر اس نے مجھے دس ہزار درہم دیے اور کہا کہ یہ خراسانی کے لیے ہیں پھر اور دس ہزار درہم دے کر کہا کہ انھیں خرچ کر اور اپنی حالت سنبھال۔ پھر اور تیس ہزار درہم دیے اور کہا کہ ان سے اپنی حالت بہتر کر اور جلوس کے دن میرے پاس آئیو تاکہ میں تجھے کوئی عہدہ دوں۔ درہم لے کر میں روانہ ہوا اور گھر پہنچ کر وہاں فجر کی نماز پڑھی۔ اتنے میں خراسانی بھی آ پہنچا۔ میں نے اُسے گھر میں بلا کر اس کے سامنے ایک تھیلی رکھ دی اور کہا کہ تیرا مال ہے۔ اس نے جواب دیا کہ یہ وہی نہیں ہے جو میں نے تجھے دیا تھا۔ میں نے کہا کہ درست ہے۔ اس نے کہا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ میں نے اس سے ساری باتیں کہہ دیں اور وہ رونے لگا اور اس نے مجھ سے کہا کہ اگر تو پہلے ہی سے مجھے سچ سچ بتا دیتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکیانویں رات

جب تین سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خراسانی نے زیادی سے کہا کہ اگر تو نے پہلے ہی سے سچ سچ کہہ دیا ہوتا تو میں تجھ سے تقاضا نہ کرتا اور خدا کی قسم اب میں تجھ سے کچھ نہ لوں گا اور اُس مال کو تیرے اوپر حلال کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ میرے پاس سے چلا گیا۔ میں نے اپنی حالت بہتر کی اور جلوس کے

دن مامون کے دروازے پر گیا۔ جب مَیں اندر پہنچا تو وہ بیٹھا ہوا تھا مَیں اس کے سامنے حاضر ہوا۔ اس نے مجھے اپنے قریب بلا کر اپنی جانماز کے نیچے سے ایک پروانہ نکالا اور کہنے لگا کہ اس پروانے کی رُو سے باب السلام سے لے کر مدینے کی غربی جانب کا قاضی بنایا جاتا ہی اور مَیں نے تیری تنخواہ اس قدر ماہانہ مقرر کی ہی۔ لہٰذا دل میں خدا کا خوف رکھیو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی عنایت کو نہ بھولیو۔ اس پر لوگوں کو تعجب ہوا اور انھوں نے مجھ سے اس کا مطلب پوچھا۔ مَیں نے سارا قصّہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا اور یہ خبر لوگوں میں پھیل گئی۔ ابوحسان برابر مدینے کا قاضی رہا یہاں تک کہ مامون ہی کے زمانے میں اس کا انتقال ہوگیا۔ خدا اس پر رحمت کرے!

دوست کی مدد ضرورت کے وقت

ایک شخص بڑا مال دار تھا لیکن اس کی دولت ضائع ہوگئی اور وہ غریب ہوگیا۔ اس کی بیوی نے کہا کہ کسی دوست کے پاس جا تاکہ اس کی مدد سے تیری حالت سنبھل جائے۔ اس نے اپنے ایک دوست کے پاس جا کر اپنی حاجت بیان کی۔ دوست نے اسے پانسو دینار قرض دیے کہ ان سے تجارت کرے۔ یہ شخص پہلے جوہری تھا اس نے جوہری بازار میں جا کر ایک دکان کھولی اور جواہرات کے کاروبار کا ارادہ کیا۔ جب وہ دکان پر آ کر بیٹھا تو تین شخص اس کے پاس آئے اور اس کے باپ کو پوچھنے لگے۔ اس نے کہا کہ اس کا انتقال ہوگیا ہی۔ انھوں نے پوچھا کہ اس کے کوئی اولاد ہی؟ اس نے جواب دیا کہ اس نے اِسی غلام کو چھوڑا ہی جو تمھارے سامنے ہی۔ انھوں نے کہا اس کا جاننے والا کون ہی کہ تو اس کا بیٹا ہی؟ اس نے کہا کہ بازار والے۔ وہ بولے کہ انھیں گواہی کے لیے ہمارے پاس بلا لا۔ وہ انھیں بلا لایا اور انھوں نے اس بات کی گواہی دی۔ ان

تین آدمیوں نے ایک خرجی نکالی جس میں تقریباً تیس ہزار دینار تھے۔ علاوہ بریں ہیرے اور قیمتی معدنیات، اور کہنے لگے کہ یہ ہمارے پاس تیرے باپ کی امانت تھی۔ یہ کہہ کر وہ چل دیے۔ پھر اس کے پاس ایک عورت آئی اور ان ہیروں میں سے کچھ ہیرے جن کی قیمت پانسو دینار ہوگی تین ہزار دیناروں میں خریدے۔ اس عورت کے ہاتھ یہ سودا بیچ کر وہ اٹھا اور پانسو دینار لیے ہوئے اس دوست کے پاس گیا جس سے اس نے قرضہ لیا تھا اور کہنے لگا کہ یہ پانسو دینار ہے جو میں نے تجھ سے قرض لیے تھے کیونکہ خدا نے مجھے کامیاب کر دیا اور مال دار بنا دیا ہے۔ اس کے دوست نے کہا کہ وہ تو میں نے بطور ہدیے کے دیے تھے اور فی سبیل اللہ ان سے بری الذمہ ہو گیا تھا۔ انھیں تو لے جا اور اس کاغذ کو بھی لیتا جا لیکن گھر پہنچ کر اسے پڑھیو اور اس پر عمل کیجیو۔ وہ ان دیناروں اور کاغذ کو لے کر اپنے گھر گیا اور جب اُسے کھولا تو اس میں یہ اشعار تھے: "جو آدمی تیرے پاس پہلے آئے تھے میرے رشتے دار ہیں، باپ اور چچا اور ماموں۔ جو کچھ تو نے بیچا میری ماں کے ہاتھ بیچا اور دینار اور ہیرے میں نے تجھے بھیجے تھے۔ اس سے میرا مقصد تجھے نقصان پہنچانا نہ تھا بلکہ یہ کہ تجھے میرے سامنے شرمندگی نہ ہو۔"

ایک شخص کی کہانی جو غریب ہونے کے بعد مال دار ہو گیا

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جس کی دولت مندی ضرب المثل تھی لیکن خدا کی شان اس کا مال ضائع ہو گیا۔ اس کی حالت بگڑ گئی یہاں تک کہ اس کے پاس ایک کوڑی بھی نہ رہی بڑی محنت مشقت سے اُسے روٹی بھی نصیب ہوتی۔ ایک رات اسی غم اور غصے میں وہ سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ کوئی شخص اس سے کہہ رہا ہے کہ تیری روزی مصر میں ہے وہاں جا کر اُسے تلاش کر۔ وہ مصر روانہ ہوا۔ وہاں پہنچا تو رات کا وقت تھا، ایک مسجد میں

جا کر سو رہا۔ مسجد کے پاس ایک مکان تھا۔ اللہ کا کرنا چوروں کی ایک ٹولی اس مسجد میں سے ہو کر اس مکان میں داخل ہوئی۔ چوروں کی آہٹ پا کر گھر والے جاگ اٹھے اور شور مچانے لگے۔ والی اپنے سپاہیوں کو لے کر ان کی مدد کے لیے آپہنچا۔ چور تو بھاگ گئے اور والی مسجد میں داخل ہوا تو اس نے دیکھا کہ یہ بغدادی وہاں کھڑا ہوا ہے۔ اُسے پکڑ کر والی نے خوب مارا کہ وہ مرنے کے قریب ہوگیا اور اسے تین دن تک قید خانے میں بند رکھا۔ اس کے بعد والی نے اسے بلا کر پوچھا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد کا۔ والی نے پوچھا کہ تیرے مصر آنے کی کیا وجہ ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں نے خواب دیکھا تھا کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ تیری روزی مصر میں ہے، وہاں جا۔ جب میں مصر آیا تو میں نے دیکھا کہ جس روزی کی اس نے خبر دی تھی یہ کوڑے ہیں جو مجھے تجھ سے ملے۔ اس پر والی کھلکھلا کر ہنس پڑا اور کہنے لگا اے بے وقوف! میں نے تین بار خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے کہ بغداد میں فلاں شکل کا ایک گھر ہے اور اس کی تعریف یہ ہے اس کے صحن میں ایک چھوٹا سا باغ ہے جس کے نیچے ایک گڑھا ہے اور اس گڑھے میں بہت مال و دولت ہے، وہاں جا کر اُسے لے لے۔ مگر میں نہ گیا اور تو اپنی بے وقوفی سے محض ایک خواب کی بنا پر جو پریشان خیال ہے شہر شہر سفر کرتا پھرتا ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اُسے کچھ درہم دیے اور کہا کہ ان کی مدد سے تو اپنے وطن چلا جا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بانویں رات

تین سو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! والی نے

بغدادی کو کچھ درہم دے کر کہا کہ ان کی مدد سے اپنے وطن میں چلا جا اور انھیں لے کر وہ شخص بغداد واپس گیا جس مکان کا والی نے ذکر کیا تھا وہ اسی شخص کا گھر تھا۔ جب وہ اپنے گھر پہنچا تو گڑھے کو کھودا اور اس میں سے بے حد مال ملا۔ اس طرح خدا نے اس کی روزی میں بڑی برکت دی۔ یہ عجیب و غریب اتفاق ہے۔

خلیفہ متوکّل اور محبوبہ کی کہانی

امیر المومنین متوکّل علی اللہ کے محل میں چار ہزار اس کی چہیتی کنیزیں تھیں جن میں سے دو سو رومی اور دو سو دوغلی اور حبشنیں تھیں اور یہ چار سو کنیزیں جن میں سے دو سو گوری اور دو سو حبشنیں اور دوغلی تھیں متوکّل کو عبید بن طاہر نے پیش کی تھیں۔ منجملہ ان کنیزوں کے جو بصرے کی دوغلی کنیزوں میں سے تھیں ایک کنیز تھی جس کا نام محبوبہ تھا اور جو حسن و جمال اور آب و تاب میں یکتا۔ وہ عود نوازی میں اُستادہ گانے میں لاجواب شاعرہ اور خوش خط تھی۔ متوکّل اس پر فریفتہ تھا۔ ایک گھڑی اُسے اپنے سے جدا نہ ہونے دیتا۔ کنیز نے جو اس کا یہ میلان دیکھا تو اس کے ساتھ گھمنڈ سے پیش آنے لگی اور اس کے احسانوں کو بھول گئی۔ متوکّل اس سے ناراض ہو گیا اُسے چھوڑ دیا اور محل والوں کو منع کر دیا کہ اس سے بات نہ کریں۔ ایک مدّت تک وہ اس حالت میں رہی مگر اس کی کشش متوکّل کے دل سے نہ گئی۔ ایک دن صبح کو اس نے اپنے مصاحبوں سے کہا میں نے رات خواب میں دیکھا ہے کہ مجھ میں اور محبوبہ میں صلح ہو گئی ہے۔ انھوں نے کہا خدا کرے کہ بیداری میں بھی اسی طرح ہو۔ وہ یہی باتیں کر رہا تھا کہ اس کی ایک خادمہ نے آکر اس کے کان میں کچھ کہا۔ یہ سن کر وہ مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور حرم سرا میں گیا اور جس خادمہ نے اس کے کان میں کچھ کہا

تھا وہ کہہ رہی تھی کہ ہم نے محبوبہ کے حجرے سے گانے اور عود بجانے کی آواز سنی ہو لیکن ہمیں اس کی وجہ معلوم نہیں۔ جب متوکل اس کے حجرے کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ عود نہایت خوبی سے بجا رہی اور اس پر یہ اشعار گا رہی ہو: "مَیں محل میں اِدھر اُدھر ماری ماری پھرتی ہوں اور کوئی نہیں ملتا جس سے مَیں شکایت کروں اور وہ جواب دے۔ گویا مَیں نے ایسا گناہ کیا ہو جس سے کوئی توبہ مجھے چھٹکارا نہیں دے سکتی۔ کیا کوئی ایسا شخص نہیں جو میری سفارش بادشاہ کے پاس کرے جو خواب میں آکر مجھ سے صلح کر گیا ہو"

یہ اشعار سن کر متوکل حیرت میں آگیا۔ کیا عجیب اتفاق ہو محبوبہ نے بھی وہی خواب دیکھا جو مَیں نے دیکھا ہو۔ اب وہ اس کے حجرے میں داخل ہوا اور جوں ہی کنیز کو اس کی آہٹ معلوم ہوئی وہ دوڑ کر اس کے پاس آگئی اور اس کے قدموں پر گر کر انھیں چومنے لگی اور کہا اے میرے آقا یہ واقعہ مَیں نے رات خواب میں دیکھا ہو اور جس وقت مَیں جاگی تو مَیں نے یہ اشعار نظم کیے۔ متوکل نے کہا خدا کی قسم مَیں نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا ہو اور دونوں نے ایک دوسرے کو گلے لگا کر آپس میں صلح کر لی اور متوکل سات دن رات برابر اس کے ساتھ رہا۔ محبوبہ نے اپنے رخسار پر مشک سے متوکل کا نام لکھ رکھا تھا جو جعفر تھا اور جب متوکل کا انتقال ہوا تو سوا محبوبہ کے تمام کنیزوں کو صبر آگیا،

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تریپنویں رات

جب تین سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! متوکل

کے مرنے کے بعد محبوبہ کے سوا اس کی ساری کنیزوں کو صبر آگیا مگر وہ مرتے دم تک غمگین رہی اور اسی کے پہلو میں دفن ہوئی، خدا ان دونوں پر اپنی رحمت بھیجے!

آبنوس کے گھوڑے کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان اور بڑے دبدبے والا بادشاہ تھا۔ اس کی تین بیٹیاں تھیں جو چاند کی طرح خوب صورت اور باغ کی طرح شگفتہ تھیں اور ایک بیٹا چندے آفتاب چندے ماہتاب۔ ایک دن جبکہ بادشاہ حکومت کی کرسی پر بیٹھا ہوا تھا تین حکیم آئے، ایک کے پاس ایک سونے کا مور تھا دوسرے کے پاس پیتل کا بگل اور تیسرے کے پاس ہاتھی دانت اور آبنوس کا گھوڑا۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں اور ان میں کون سے فائدے ہیں؟ مور والے نے کہا کہ یہ مور دن رات ہر گھڑی گزرنے پر اپنے بازو پھڑپھڑاتا اور آواز دیتا ہے۔ بگل والے نے کہا یہ بگل شہر کے دروازے پر رکھ دیا جائے تو شہر پر پہرا دے گا۔ اگر شہر میں کوئی دشمن آئے گا تو یہ بگل خود بخود بجنے لگے گا اور لوگ دشمن کو پہچان لیں گے اور وہ پکڑ لیا جائے گا۔ گھوڑے والا بولا اے میرے مولیٰ اس گھوڑے میں یہ صفت ہے کہ اس کا سوار جہاں چاہے پہنچ سکتا ہے۔ بادشاہ نے کہا میں تمھیں اس وقت انعام دوں گا کہ پہلے ان کا تجربہ کر لوں۔ اول اس نے مور کا تجربہ کیا اور اُسے ویسا ہی پایا جیسا کہ مور والے نے کہا تھا۔ پھر اس نے بگل کا تجربہ کیا اور اُسے بھی بگل والے کے کہنے کے موافق پایا۔ اس نے ان دونوں حکیموں سے کہا کہ مانگو کیا مانگتے ہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم دونوں یہ مانگتے ہیں کہ ہم دونوں کی شادی اپنی ایک ایک بیٹی سے کر دے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹیوں میں سے دو انھیں حوالے کر دیں۔ اب تیسرے حکیم نے جو گھوڑا لایا تھا آگے بڑھ کر بادشاہ کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور کہنے لگا جہاں پناہ مجھ پر

بھی ویسی ہی بخشش کر جیسی کہ تو نے ان دونوں پر کی ہے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ پہلے
مَیں تیری لائی ہوئی چیز کا امتحان کر لوں۔ یہ سُن کر بادشاہ کا بیٹا آگے بڑھا اور بولا
ابا جان میں اس گھوڑے پر سوار ہو کر اس کا تجربہ اور اس کے کمال کا امتحان کروں گا۔
بادشاہ نے کہا کہ جس طرح تیری خوشی ہو اس کا تجربہ کر۔ شاہ زادہ گھوڑے پر سوار
ہو گیا اور اپنے پانو ہلانے لگا لیکن گھوڑا ٹس سے مس نہ ہُوا۔ شاہ زادے نے حکیم سے
کہا کہ کہاں گئی وہ چال کی تیزی جس کا تو نے دعویٰ کیا تھا۔ حکیم شہزادے کے پاس
گیا اور اُسے اوپر اڑنے کا پیچ دکھا کر کہا اس پیچ کو اوپر کی طرف کھینچ۔ جب اس نے
پیچ کو کھینچا تو گھوڑے نے جنبش کی اور وہ شہزادے کو لے کر آسمان کی طرف اُڑا اور
اور اڑتے اڑتے نظروں سے غائب ہو گیا۔ یہ دیکھ کر شہزادہ حیران پریشان۔ گھوڑے
پر سوار ہونے سے اسے بڑی ندامت تھی اور وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ حکیم نے میرے
مارنے کی چال چلی ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ۔ اب اُس نے
گھوڑے کے تمام اعضا کو غور سے دیکھنا شروع کیا۔ دیکھتے دیکھتے اس کی نظر ایک چیز
پر پڑی جو مُرغ کے تاج کی طرح گھوڑے کے دائیں اور بائیں دونوں شانوں پر تھی۔
سوچا کہ ان دونوں کھونٹیوں کے سوا اور تو کوئی چیز دکھائی نہیں دیتی۔ ہو نہ ہو یہی
اس کی کلیں ہیں اور اس نے داہنے شانے والی کھونٹی کو کھینچا گھوڑا اور زیادہ تیزی
سے اوپر کی طرف چڑھنے لگا۔ یہ دیکھ کر اس نے وہ کھونٹی چھوڑ دی بائیں شانے والی
کو کھینچنے لگا اور گھوڑے کی جنبش بجائے اوپر کے نیچے کی طرف ہونے لگی اور وہ آہستہ
آہستہ زمین کی طرف اُترا شہزادہ ڈرتا بھی جاتا تھا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی
اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھاونویں رات[1]

تین سو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ گھوڑا آہستہ آہستہ زمین کی طرف چلا۔ شہزادہ خوف زدہ بھی تھا اور گھوڑے کا یہ کمال دیکھ کر خوش بھی۔ تاہم اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ ہلاکت سے نجات ملی۔ وہ تمام دن اترتا رہا کیونکہ اوپر چڑھتے چڑھتے وہ زمین سے بہت دُور پہنچ گیا تھا۔ اترتے وقت وہ جدھر چاہتا اوپر لے جاتا اور جب چاہتا نیچے لے آتا۔ جب اُسے گھوڑے کی تمام کلیں معلوم ہوگئیں تو اس نے اس کی باگ زمین کی طرف پھیر دی اور ان ملکوں اور شہروں کی سیر کرنے لگا جنھیں اس نے کبھی نہ دیکھا تھا اور اس لیے انھیں پہچان نہ سکتا تھا۔ منجملہ اور شہروں کے اس کی نظر ایک شہر پر پڑی جس کے مکانات نہایت خوب صورت تھے اور چاروں طرف سبزہ زار اور درخت اور نہریں تھیں۔ اپنے دل میں کہنے لگا کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ اس شہر کا کیا نام ہے اور وہ کس ملک میں ہے! اسی خیال میں وہ شہر کے گرد چکر لگاتے اور اِدھر اُدھر غور سے دیکھنے لگا۔ دن کی روشنی ختم ہونے والی تھی، سورج ڈوب رہا تھا اس نے سوچا کہ رات بسر کرنے کے لیے مجھے اس شہر سے زیادہ خوب صورت جگہ کہاں ملے گی یہیں رہو صبح کو وطن روانہ ہو جاؤں گا اور گھر والوں اور باپ سے سارا ماجرا اور جو کچھ مَیں نے آنکھوں سے دیکھا ہے بیان کر دوں گا۔ اب وہ ایسا کوئی گوشہ ڈھونڈنے لگا جہاں وہ اور اس کا گھوڑا امن وامان سے رہ سکیں اور کوئی انھیں دیکھنے نہ پائے۔ اس تلاش میں تھا کہ اس کی نظر بیچ شہر میں ایک عالی شان محل پر پڑی جس کے چاروں طرف فصیل اور اونچے اونچے برج تھے اس نے وہ کل دبائی جس سے گھوڑا نیچے اُترتا

---

[1] ۳۴۵ سے ۳۵۷ تک کی راتوں کی کہانیاں حذف کر دی گئی ہیں۔ بہت فحش ہیں۔

تھا۔ گھوڑا اُترتے اُترتے سیدھا محل کی چھت پر آگیا۔ شہزادہ گھوڑے سے اتر پڑا خدا کا شکر بجالایا۔ گھوڑے کے اردگرد پھرتا اور کہتا واللہ جس شخص نے تجھے ان اوصاف کے ساتھ بنایا ہے وہ بڑا ماہر حکیم ہے۔ اگر خدا نے میری زندگی میں برکت دی اور مجھے صحیح وسالم میرے وطن اور خاندان میں پہنچا دیا اور مجھے میرے باپ سے ملایا تو اس حکیم کے ساتھ بڑی فیاضی سے پیش آؤں گا اور اُسے بہت انعام دوں گا۔ پھر وہ محل کی چھت پر رات کے انتظار میں ایک طرف بیٹھا رہا اور جب اسے یقین ہو گیا کہ سب لوگ سو گئے ہوں گے تو وہ اُٹھا۔ بھوک پیاس سے سخت بے چین تھا۔ گھوڑے پر سوار ہونے کے بعد سے اس وقت تک نہ ایک بوند پانی کی اس کے حلق میں گئی تھی نہ اناج کا ایک دانہ۔ خیال کیا محل میں کھانے پینے کی چیزیں تو ضرور ہوں گی۔ نیچے چل کر دیکھنا چاہیے۔ گھوڑے کو وہیں چھوڑا اور آہستہ آہستہ راستہ ٹٹولتا چلا۔ ایک زینہ نظر آیا اور وہ نیچے اترا دیکھا کہ صحن میں مرمر کا فرش ہے۔ مکان اور عمارت کی خوب صورتی کا کیا کہنا۔ لیکن حیرت یہ ہوئی کہ وہاں نہ اُسے کوئی آواز سنائی دی نہ کوئی انسان دکھائی دیا۔ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دائیں بائیں دیکھتا اور اس کی سمجھ میں نہ آتا کہ کدھر جائے۔ دل میں کہنے لگا اس سے تو بہتر یہی ہے کہ میں اپنے گھوڑے کے پاس جاکر وہیں رات گزاروں اور جب سویرا ہو تو اس پر سوار ہو کر چلتا بنوں۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اُنسٹھویں رات

تین سو اُنسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! شہزادہ کھڑا ہوا اپنے دل سے یہی باتیں کر رہا تھا کہ محل کی طرف ایک روشنی آتی ہوئی دکھائی

دی خود سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ روشنی کے ساتھ کچھ کنیزیں ہیں اور ان کے بیچ میں ایک لڑکی جو حسین، دراز قامت اور جمال و کمال میں چاند کو مات کرتی ہے۔ یہ لڑکی اس شہر کے بادشاہ کی بیٹی تھی باپ کو اس سے اتنی محبت تھی کہ اس نے اس کے لیے یہ محل بنوایا تھا۔ جب کبھی اس کا جی گھبراتا وہ اپنی کنیزوں کو لے کر یہاں آتی اور ایک دو روز یا زیادہ ٹھیر کر اپنی محل سرا میں واپس چلی جاتی۔ اتفاق کی بات کہ وہ اس رات اپنی کنیزوں کے ساتھ سیر و تفریح کے لیے آئی تھی۔ ایک خادم تلوار لگائے ہم راہ تھا آکر انھوں نے فرش بچھایا خوشبو کی انگیٹھیاں جلائیں اور کھیل کود کر دل بہلانے لگیں۔ اپنے کھیل کود اور ہنسی مذاق میں مشغول تھیں کہ شہزادہ خادم کی طرف بڑھا، ایک طمانچہ مار اُسے زمین پر گرا دیا اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھین کر ان کنیزوں کی طرف بڑھا وہ دائیں بائیں ہٹ گئیں شہزادی کی نظر جو اس پر پڑی تو اس کی موہنی صورت دیکھ کر کہنے لگی تو شاید وہی شخص ہے جس نے کل مجھ سے شادی کرنے کی تجویز میرے باپ کے سامنے پیش کی تھی اور اس نے اس خیال سے رد کر دیا تھا کہ تو بدصورت ہے واللہ میرے باپ نے جھوٹ بولا تو تو خوب صورت ہے۔ بات یہ تھی کہ ہندستان کے بادشاہ کے بیٹے نے شہزادی سے شادی کرنے کی تجویز بادشاہ کے سامنے پیش کی تھی مگر اس نے انکار کر دیا تھا کیوں کہ شہزادہ بدصورت تھا۔ شہزادی کو گمان ہوا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ساتھ شادی کرنا چاہتا ہے وہ آگے بڑھی اُسے گلے لگا کر بوسے دینے لگی اور دونوں پاس پاس لیٹ گئے۔ کنیزوں نے کہا اے آقا یہ وہ شخص نہیں ہے جس نے تجھ سے شادی کرنے کی تجویز تیرے باپ کے سامنے پیش کی تھی وہ بدصورت تھا اور یہ خوب صورت ہے۔ جو تجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور جسے تیرے باپ نے منظور نہیں کیا۔ اس کے نوکر ہونے کے قابل بھی نہیں۔ اے آقا یہ تو بڑی شان و شوکت والا آدمی ہے۔

اب کنیزیں خادم کے پاس گئیں جو بے ہوش پڑا ہوا تھا اُسے جگایا۔ وہ گھبرا کر اُٹھا اور اپنی تلوار ڈھونڈنے لگا۔ کنیزوں نے کہا کہ جو شخص تجھے تھپڑ دے کر تیری تلوار لے گیا ہے وہ شاہزادی کے پاس بیٹھا ہوا ہے۔ اس خادم کو بادشاہ نے اپنی

بیٹی کی حفاظت کے لیے مقرر کیا تھا اُسے ڈر تھا کہ کہیں اس کے ساتھ کوئی حادثہ پیش نہ آئے۔ خادم اُٹھ کر پردے کے پاس گیا اور اُسے اٹھا کر دیکھا کہ شہزادی شہزادے کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہو اور دونوں باتیں کر رہے ہیں۔ خادم کی نظر ان دونوں پر پڑی تو اُس نے شہزادے سے کہا ای میرے آقا، بتا کہ تو انسان ہی یا جن۔ شہزادہ بولا ای منحوس غلام تو ایران کے بادشاہوں کی اولاد کو کافر شیطان کہتا ہی۔ یہ کہہ کر اس نے تلوار اُٹھالی اور کہا کہ میں بادشاہ کا داماد ہوں، اس نے میری شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہی۔ یہ سُن کر خادم نے کہا ای میرے آقا اگر تو انسان ہی جیسا کہ تو خود کہتا ہی تو شہزادی تیرے سوا اور کسی کے قابل نہیں اور سب سے زیادہ تو اس کا مستحق ہی۔ اس کے بعد خادم بادشاہ کے پاس جا کر چلانے، کپڑے پھاڑنے اور سر پر خاک ڈالنے لگا۔ اس کی چیخ پکار سُن کر بادشاہ نے کہا تجھ پر کیا بلا ٹوٹی ہی؟ تو نے مجھے پریشان کر دیا ہی۔ جلد بتا زیادہ باتیں نہ بنا۔ اس نے کہا ای بادشاہ اپنی بیٹی کے پاس چل اس کے اوپر ایک بھوت سوار ہی جس کی وضع انسانوں کی سی اور شکل شہزادوں کی سی ہی۔ جلد چل کر اُسے نکال۔ بادشاہ نے اُس سے یہ کہتے سنا تو اس کے قتل کی ٹھان لی اور خادم سے کہنے لگا کہ تو نے کیوں اتنی غفلت کی کہ یہ بھوت اس پر سوار ہو گیا؟ اور بادشاہ اس محل کی طرف روانہ ہو گیا جہاں اس کی بیٹی تھی وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ کنیزیں کھڑی ہوئی ہیں۔ ان سے پوچھا کہ میری بیٹی کے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا ہی؟ انھوں نے کہا ای بادشاہ ہم شہزادی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ جوان تلوار لیے یکایک ہم پر ٹوٹ پڑا جو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہی اور جس سے زیادہ خوب صورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ ہم نے ماجرا پوچھا تو وہ کہنے لگا کہ تو نے اس کی شادی اپنی بیٹی سے کر دی ہی۔ اس سے زیادہ ہمیں خبر نہیں کہ اور نہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ جن ہی یا انس لیکن وہ بہت باعصمت اور سلیقہ مند ہی، اس سے کوئی بری بات سرزد نہیں ہوئی۔ جب بادشاہ نے کنیزوں

کو یہ کہتے سنا تو اس کا غصہ اُتر گیا اور وہ پردے کو تھوڑا تھوڑا کھسکانے لگا دیکھا کہ اس کی بیٹی شہزادے کے ساتھ باتیں کر رہی ہے اور وہ نہایت حسین ہے اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ غیرت کی وجہ سے وہ ضبط نہ کر سکا پردہ اُٹھا کر ہاتھ میں ننگی تلوار لیے دونوں کی طرف بھوت کی طرح بڑھا۔ جب شہزادے کی نظر اس پر پڑی تو اس نے شہزادی سے کہا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو ساٹھویں رات

تین سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ شہزادے نے پوچھا کہ یہ تیرا باپ ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ یہ سُن کر وہ تلوار لے کر اُٹھا اور اس زور سے نعرہ مارا کہ بادشاہ کانپ اٹھا۔ اُسے یقین آ گیا کہ شہزادہ مجھ سے زیادہ پھرتیلا ہے اور اس سے پہلے کہ شہزادہ بادشاہ پر حملہ کرے بادشاہ نے اپنی تلوار میان میں ڈال لی اور جہاں تھا وہیں کھڑا رہا۔ شاہ زادہ اس کے پاس پہنچا بادشاہ اس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور کہنے لگا اے نوجوان تو انسان ہے یا جن؟ شاہ زادے نے کہا اگر مجھے تیرے مرتبے اور تیری بیٹی کی عزت کا پاس نہ ہوتا تو میں تیرا خون بہا دیتا۔ تو مجھے شیطانوں کی طرف کیونکر منسوب کرتا ہے حالانکہ میں ایران کے ان بادشاہوں کی اولاد میں سے ہوں کہ اگر وہ چاہیں تو تیری عزت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں اور تیرے ملک پر قابض ہو جائیں۔ بادشاہ نے اس کی باتیں سنیں تو وہ سہم گیا اُسے اپنی جان کے لالے پڑ گئے اور کہنے لگا اگر تو بادشاہوں کی اولاد میں سے ہے جیسا کہ تو خود کہتا ہے تو بغیر میری اجازت کے تو محل میں کیوں آیا، کس لیے میری بے عزتی

کی اور میری بیٹی کے پاس آکر کہا کہ تو اس کا شوہر ہی اور یہ جھوٹ بولا کہ میں نے
تیری شادی اس کے ساتھ کر دی ہی؟ میں تو وہ شخص ہوں کہ جس نے بادشاہوں
اور بادشاہ زادوں کو قتل کر دیا جبکہ وہ میری بیٹی کا پیغام لے کر آئے۔ تجھے میری
قوت کے آگے کون بچا سکتا ہی! اگر میں اپنے غلاموں اور نوکروں کو آواز دوں اور
اُن سے کہوں کہ وہ تجھے قتل کر دیں تو وہ فوراً تجھے قتل کر دیں گے اور تجھے کوئی
بچا نہ سکے گا۔ جب شاہ زادے نے یہ باتیں سنیں تو وہ بادشاہ سے کہنے لگا مجھے
تجھ پر اور تیری نادانی پر تعجب ہوتا ہی۔ کیا تجھے اپنی بیٹی کے لیے مجھ سے بہتر شوہر
مل سکتا ہی؟ کیا تیری نظر سے کوئی ایسا شخص گزرا ہی جو مجھ سے زیادہ قوی دل
اور حملہ آور اور بڑے دبدبے اور لاؤ لشکر والا ہو؟ بادشاہ نے کہا واللہ نہیں۔ لیکن
ای جوان میں چاہتا ہوں کہ تو گواہوں کے سامنے اس سے شادی کی تجویز پیش کرتا کہ
اس کا نکاح تیرے ساتھ کر دوں کیونکہ اگر میں نے تیرا نکاح اس کے ساتھ چوری چھپے
کر دیا تو ساری دنیا میں بدنام ہو جاؤں گا۔ شاہ زادے نے کہا اب تو نے
معقول بات کہی ہی لیکن ای بادشاہ اگر تو نے اپنے غلاموں اور نوکر چاکروں اور لشکر کو
لے کر میرے اوپر چڑھائی کر دی اور جیسا کہ تیرا خیال ہی انھوں نے مجھے قتل کر دیا تو اس
صورت میں کیا تیری بدنامی نہ ہوگی بعض لوگ تجھے سچا جانیں گے اور بعض جھوٹا۔
ای بادشاہ میری رائے یہ ہی کہ تو میرا کہنا مان۔ بادشاہ نے کہا کہہ کیا کہتا ہی۔۔۔۔۔۔
شاہ زادے نے کہا کہ یا تو میں اور تو تنہا مقابلہ کریں اور ہم میں سے جو شخص دوسرے
کو قتل کر دے وہی بادشاہت کا زیادہ سزاوار سمجھا جائے، یا آج رات تو مجھے رہنے
دے اور کل صبح کو تو اپنا لشکر اور فوجیں اور غلام لے کر میرے اوپر چڑھائی کر اور
مجھے بتا دے کہ ان کی تعداد کیا ہی۔ بادشاہ نے کہا ان کی تعداد چالیس ہزار سوار ہی اور
اسی قدر غلام اور ان کے ماتحت۔ شاہ زادے نے کہا کہ کل جب دن نکلے تو انھیں

میرے مقابلے میں لائیو اور اُن سے کہیو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکسٹھویں رات

جب تین سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ زادے نے کہا کہ انھیں میرے مقابلے میں لا کر کہیو کہ یہ شخص اس شرط پر میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے کہ وہ تم سب سے مقابلہ کرے گا اور اس کا دعویٰ ہے کہ وہ سب پر غالب آئے گا اور سب کو نیچا دکھائے گا اور تمھاری اس کے آگے کچھ بھی نہ چلے گی۔ یہ کہہ کر تو مجھے ان کے ساتھ لڑنے دیجیو۔ اگر انھوں نے مجھے قتل کر دیا تو تیرا بھید چھپا رہے گا اور تیری عزت بچی رہے گی اور اگر میں نے غالب آ کر انھیں نیچا دکھایا تو میں اس قابل ہوں کہ بادشاہوں سے رشتہ ناتا قائم کروں۔ بادشاہ نے اس کی بات پسند کی اور اس کا مشورہ مان لیا۔ اگرچہ اس نے سمجھا کہ وہ بڑی ڈینگ کی ہانکتا ہے لیکن ساتھ ہی اس کی دلیری پر خوف زدہ بھی ہو گیا کہ کہیں یہ کوئی جن تو نہیں ہے ساری فوج کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے بعد دونوں بیٹھ کر باتیں کرنے لگے اور بادشاہ نے نوکر کو بلا کر کہا ابھی وزیر کے پاس جا اور کہہ کر تمام لشکر کو جمع کر کے ہتھیاروں سے آراستہ ہونے کا حکم دے۔ نوکر نے وزیر کو بادشاہ کا حکم پہنچا دیا اور وزیر نے فوجی سرداروں اور اُمرا کو بلا کر حکم دے دیا کہ وہ گھوڑوں پر سوار ہو کر ہتھیار لگائے ہوئے نکلیں۔

یہ تو ان کا قصہ ہوا۔ اب بادشاہ کا حال سنیے۔ وہ شہزادے سے برابر باتیں چیتیں کرتا رہا۔ اُس کی باتیں اور عقل و تمیز اُسے بہت پسند آئی۔ وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ صبح ہو گئی۔ بادشاہ وہاں سے اُٹھ کر اپنے تخت پر جا بیٹھا فوج کو حکم دیا کہ سوار

ہو جائے اور اپنے بہترین گھوڑوں میں سے ایک عمدہ گھوڑا شاہ زادے کی سواری کے لیے پیش کیا اور حکم دیا کہ اس کا ساز و سامان نہایت عمدہ ہو۔ شاہ زادہ بادشاہ سے کہنے لگا کہ جب تک میں لشکر کے پاس جا کر اس کا معاینہ نہ کر لوں ہرگز سوار نہ ہوں گا۔ بادشاہ نے کہا جیسی تیری مرضی۔ اب بادشاہ اور شاہ زادہ ساتھ ساتھ چلے اور میدان میں پہنچے جوان نے دیکھا کہ لشکر بے شمار ہے۔ بادشاہ نے بلند آواز سے کہا اے لوگو میرے پاس ایک جوان آیا ہے اور میری بیٹی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ اس سے زیادہ خوب صورت، دل کا مضبوط اور طاقتور میری نظر سے نہیں گزرا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ تنہا تمھیں مار کر نیچا دکھائے گا اگر تمھاری تعداد ایک لاکھ بھی ہو تو اس کے آگے کم ہے۔ لہٰذا جب وہ تمھارے مقابلے میں آئے تو اُسے بھالوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لینا اس کی مثال یہ ہے کہ چھوٹا منہ اور بڑا نوالہ۔ پھر بادشاہ نے کہا بیٹا اُن سے کہ کیا چاہتا ہے وہ بولا اے بادشاہ تو نے میرے ساتھ ناانصافی کی ہے۔ میں اُن سے اس حالت میں کیونکر لڑ سکتا ہوں کہ میں پیدل ہوں اور وہ سوار! بادشاہ نے کہا کہ میں نے تجھے سوار ہونے کے لیے کہا تھا لیکن تو نہ مانا۔ تمام گھوڑے تیرے آگے حاضر ہیں، ان میں سے جو پسند ہو لے لے۔ شاہ زادے نے کہا تیرے گھوڑوں میں سے مجھے کوئی پسند نہیں۔ میں سوار ہوں گا تو اپنے اس گھوڑے پر جو مجھے یہاں لایا ہے۔ بادشاہ نے کہا تیرا گھوڑا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا تیرے محل میں۔ بادشاہ نے پوچھا میرے محل میں کس جگہ؟ اس نے کہا چھت پر۔ بادشاہ نے کہا یہ پہلی بے وقوفی کی بات ہے جو تو نے کی۔ بھلا گھوڑا چھت پر کس طرح ہو سکتا ہے۔ لیکن کیا مضایقہ، ابھی تیرا جھوٹ سچ کھل جاتا ہے۔ بادشاہ نے اپنے ایک مصاحب کی طرف مخاطب ہو کر کہا میرے محل میں جا اور چھت پر جو چیز ہو اُسے لے آ۔ لوگوں کو جوان کی بات پر بڑا تعجب ہوا وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے گھوڑا زینے پر سے کیونکر اتر سکتا ہے۔ ایسی بات ہم نے تو آج تک سنی نہیں۔ بادشاہ کے مصاحب

نے محل پر چڑھ کر دیکھا تو واقعی وہاں ایک گھوڑا کھڑا ہوا ہی۔ اس سے زیادہ خوبصورت اس نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ پاس پہنچ کر غور جو کیا تو آبنوس اور ہاتھی دانت کا ہی۔ اس مصاحب کے ساتھ بادشاہ کے چند اور مصاحب بھی اوپر چڑھ آئے تھے۔ وہ بھی گھوڑے کو دیکھ کر ہنسنے لگے اور کہا کیا جوان کا مطلب اسی گھوڑے سے تھا؟ ہمارے خیال میں وہ پاگل ہی۔ لیکن ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو باسٹھویں رات

تین سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! مصاحبوں نے کہا ابھی سارا معاملہ صاف ہو جائے گا۔ ممکن ہی اس میں کوئی عظیم الشان بھید ہو۔ وہ گھوڑے کو اٹھا کر لائے اور بادشاہ کے سامنے لا کھڑا کیا۔ لوگ اس کے گرد جمع ہو کر اُسے دیکھنے، اُس کی خوب صورتی اور زین اور لگام کی عمدگی پر عش عش کرنے لگے۔ بادشاہ کو بھی وہ بہت پسند آیا اور تعجب سے پوچھا یہی تیرا گھوڑا ہی؟ شہزادے نے کہا ہاں ای بادشاہ یہی میرا گھوڑا ہی ابھی تو اس کی عجیب وغریب باتیں دیکھ لے گا۔ بادشاہ بولا اچھا لے اپنا گھوڑا اور سوار ہو۔ اس نے کہا جب تک لشکر دور نہ ہٹ جائے میں سوار نہ ہوں گا۔ بادشاہ نے لشکر والوں سے کہا جو اس کے آس پاس تھے کہ گھوڑے سے ایک تیر کے فاصلے پر دور چلے جاؤ۔ شاہ زادے نے کہا ای بادشاہ دیکھ اب میں اپنے گھوڑے پر سوار ہوتا ہوں اور ان پر حملہ کر کے انھیں تتر بتر اور ان کے دل پاش پاش کرتا ہوں۔ بادشاہ نے کہا جو تیرا جی چاہے کر اور ان کے ساتھ کوئی کسر نہ چھوڑ کیونکہ وہ بھی تیرے ساتھ کوئی کسر نہیں چھوڑیں گے۔

شاہ زادہ اپنے گھوڑے کے پاس جاکر اس پر سوار ہوگیا اور لشکر نے اپنی صفیں باندھ لیں لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ جوں ہی یہ بیچ صف کے بیچ میں آئے گا ہم اُسے نیزوں کی نوکوں اور تلواروں کی دھار پر لے لیں گے۔ ایک شخص بولا واللہ یہ بڑی بُری بات ہے ایسے خوب صورت اور خوش قد جوان کو ہم کیونکر قتل کر سکتے ہیں! ایک دوسرے نے کہا تمھاری اس تک رسائی بہت مشکل سے ہوسکتی ہے۔ ایسا حوصلہ کوئی یونھی نہیں کرتا اُسے اپنی بہادری اور جواں مردی پر بھروسا ہے۔ شاہ زادے نے گھوڑے پر سوار ہوکر اُڑنے کا پیچ پھرایا لوگ گردنیں نکال نکال کر اس کی طرف دیکھنے لگے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ گھوڑا ہلنے چلنے اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جیسا گھوڑے کیا کرتے ہیں پھر جب اس کے پیٹ میں ہوا بھر گئی تو وہ زمین سے اُبھرا اور ہوا میں اُڑ گیا بادشاہ نے اُسے معلق ہوتے اور اڑتے دیکھا تو لشکر کو آواز دی کمبختو پکڑو کہیں تمھاری زد سے نکل نہ جائے۔ وزیروں اور نوابوں نے کہا اے حضور کیا اُڑتی ہوئی چڑیا کو کوئی پکڑ سکتا ہے! یہ ضرور کوئی بڑا جادوگر تھا۔ بڑا فضل ہوا۔ خدا کا شکر کر کہ تجھے اس کے ہاتھ سے نجات ملی۔

شاہ زادے کی یہ حالت دیکھنے کے بعد بادشاہ اپنے محل میں گیا اور اپنی بیٹی سے سارا ماجرا بیان کیا جو اُسے میدان میں شاہ زادے کے ساتھ پیش آیا تھا۔ شہزادی کو اس کی جدائی پر بڑا افسوس ہوا اور وہ اتنی سخت بیمار پڑی کہ تکیے سے سر نہ اُٹھاتی۔ بادشاہ نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اُسے اپنے سینے سے لگایا اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس سے کہنے لگا بیٹی خدا کا شکر کر کہ اس نے ہمیں اس مکار جادوگر سے نجات دی۔ اس کے بعد اس نے شہزادے کا ماجرا پھر بیان کیا اور یہ کہ وہ کس طرح ہوا میں اڑ گیا۔ لیکن اس نے ایک بات بھی نہ سُنی جو باپ نے کہی تھی بلکہ اور زیادہ رونے پیٹنے لگی اور اپنے سے عہد کیا کہ جب تک خدا اُسے مجھ سے ملا

نہ دے نہ میں کھانا کھاؤں گی نہ پانی پیوں گی۔ باپ کو اپنی بیٹی کی حالت دیکھ کر بڑا صدمہ پہنچا اور سخت پریشان رہنے لگا۔ جتنا اُسے تسلی دیتا اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تر سٹھویں رات

تین سو تر سٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ جتنا اُسے تسلی دیتا اتنا ہی اس کی محبت زور پکڑتی۔

یہ تو بادشاہ اور اس کی بیٹی کا حال ہوا، اب شہزادے کا ماجرا سنیے۔ جب وہ ہوا میں اڑا اور تنہائی ہوئی تو لڑکی کے حسن و جمال کی یاد آئی۔ بادشاہ کے مصاحبوں سے وہ اس شہر بادشاہ اور اس کی بیٹی کا نام پوچھ چکا تھا، یہاں کے آتے پتے اُسے معلوم ہو گئے تھے۔ وہ تیزی کے ساتھ اڑتا ہوا اپنے شہر پہنچا، شہر کا چکر کھانے کے بعد اپنے باپ کے محل کی طرف گیا اور چھت پر اتر پڑا، گھوڑے کو وہیں چھوڑ کر اترا اور اپنے باپ کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ اس کی جدائی میں غمگین بیٹھا ہے۔ بیٹے کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا دوڑ کر اسے سینے سے لگا لیا اور بہت خوش ہوا۔ جب شاہ زادہ اپنے باپ کے پاس بیٹھا تو اس نے حکیم کے بارے میں دریافت کیا جس نے وہ گھوڑا بنایا تھا اور کہا ابا جان اس کا کیا حشر ہوا؟ باپ نے جواب دیا کہ خدا حکیم کا ستیا ناس کرے اور اس گھڑی کا جب میں نے اُسے دیکھا تھا اُسی کی وجہ سے ہم میں یہ تفرقہ پڑا۔ بیٹا جب سے تو غائب ہوا وہ قید خانے میں ہے۔ شاہ زادے نے کہا اس پر مہربانی کر اور قید خانے سے نکال کر اُسے میرے پاس بلا۔ حکیم بادشاہ کے پاس آیا تو اس نے اُسے خوشنودی کا خلعت عطا کیا اور اس کے ساتھ

انعام واکرام سے پیش آیا لیکن اپنی بیٹی اُسے نہ دی حکیم اندر ہی اندر تیش کھانے لگا
اور اپنے کیے پر بہت پچھتایا اُسے یقین ہو گیا کہ شاہ زادہ گھوڑے کے بھید سے واقف
ہو گیا ہی۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے سے کہا میری رائے میں اس گھوڑے پر ہرگز سوار نہ ہو
بلکہ اس کے پاس بھی نہ پھٹک اس لیے کہ تجھے اس کی اصلیت سے واقفیت نہیں جو
تو دیکھتا ہی محض دھوکے کی ٹٹی ہی۔ شاہ زادہ اپنے باپ سے سفر کا سارا ماجرا بیان کر چکا
تھا جس پر اس کے باپ نے کہا تھا کہ اگر وہ تجھے قتل کرنا چاہتا تو قتل کر چکا ہوتا لیکن ابھی
تیری موت نہیں آئی تھی۔ شاہ زادہ اس لڑکی کی محبت میں بے چین تھا جو صنعا کے
بادشاہ کی بیٹی تھی اس سے زیادہ صبر نہ ہو سکا۔ صبح ہوتے ہی وہ گھوڑے کے پاس
گیا اس پر سوار ہو کر اڑنے کا پیچ پھرایا وہ ہوا میں بلند ہو کر آسمان کی طرف چل دیا۔
اتنے میں باپ نے اٹھ کر بیٹے کو تلاش کیا کہیں نہ ملا تو پریشان ہو کر محل پر چڑھا دیکھا
صاحب زادے صاحب ہوا میں اڑے چلے جا رہے ہیں۔ سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور بے حد
پچھتایا کہ اس نے گھوڑے کو لے کر پہلے ہی چھپا کیوں نہ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا
اگر اب کے میرا بیٹا لوٹا تو میں اس گھوڑے کو سلامت نہ چھوڑوں گا اس کے بغیر مجھے
اپنے بیٹے کی طرف سے اطمینان نہیں ہو سکتا۔ بیٹے کو آنکھوں کے سامنے غائب ہوتے
دیکھ کر وہ رونے پیٹنے لگا اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند
کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چونسٹھویں رات

جب تین سو چونسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ
اپنے بیٹے کی جدائی پر رونے پیٹنے لگا۔ یہ تو اس کا حال ہوا، اب اس کے بیٹے کا قصہ سنیے

وہ ہوا میں اُڑتے اُڑتے صنعا پر جا کر رُکا اسی جگہ اترا جہاں پہلے اُترا تھا اور دبے پاؤں شہزادی کی محل سرا میں پہنچا دیکھا وُہاں نہ وہ ہے نہ اس کی کنیزیں نہ اس کا محافظ خادم غمگین اور افسردہ خاطر اِدھر اُدھر ڈھونڈنے لگا دیکھتے دیکھتے پتا چلا وہ آج ایک بالکل الگ تھلگ کمرے میں ہے اور تکیے پر سر رکھے لیٹی ہوئی ہے۔ کنیزیں اور مامائیں اس کے اردگرد کھڑی ہیں۔ شاہزادے نے اندر جا کر انھیں سلام کیا۔ جوں ہی لڑکی کے کان میں اُس کی آواز پہنچی وہ اُٹھ بیٹھی اسے گلے سے لگا لیا، اس کی پیشانی چومنے اور اسے سینے سے لگانے لگی۔ شہزادے نے کہا اے میری آقا اتنی مدت تک تو نے مجھے اکیلا رکھا۔ اس نے جواب دیا کہ اکیلا تو تو نے مجھے چھوڑ دیا تھا۔ اگر تو کچھ دنوں اور غائب رہتا تو میں ضرور مر جاتی۔ شہزادے نے کہا اے میری آقا تجھے معلوم ہے کہ تیرے باپ نے میری کیا گت بنائی اور میرے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ اے لوگوں کے دلوں کو تباہ کرنے والی! اگر مجھے تیری محبت کا پاس نہ ہوتا تو میں اُسے قتل کر دیتا اور سب کو اس سے عبرت ہوتی لیکن تیری محبت کی وجہ سے میں اس سے بھی محبت کرتا ہوں۔ شہزادی نے کہا تو نے میری جدائی کس طرح گوارا کی؟ کہیں میری زندگی بے تیرے آرام سے گزر سکتی تھی! شہزادہ بولا کیا تو میری بات سننے اور کہنا ماننے کے لیے تیار ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جو تو کہنا چاہتا ہے۔ میں تیرا کہنا مانوں گی اور بالکل مخالفت نہ کروں گی۔ شہزادے نے کہا میرے ساتھ میرے ملک و وطن کو چل۔ اس نے کہا سر آنکھوں سے۔ شہزادہ باغ باغ ہو گیا، اس کا ہاتھ پکڑا، خدا کی قسم دی پھر محل کے اوپر جا کر اپنے گھوڑے پر سوار ہوا شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھایا اپنی پیٹھ سے خوب مضبوط باندھا اور اس پیچ کو پھرایا جس سے گھوڑا اوپر کی طرف بڑھا کرتا تھا۔ گھوڑا انھیں لے کر ہوا میں اڑا۔ یہ دیکھ کر کنیزیں چلّانے لگیں اور انھوں نے جا کر شہزادی کے ماں باپ کو خبر کی۔

بادشاہ اور بادشاہ کی بیگم دونوں محل کی چھت پر گئے۔ بادشاہ نے نظر اوپر

اٹھائی دیکھا کہ آبنوس کا گھوڑا ہوا میں اڑا چلا جاتا ہی۔ بادشاہ کا دل ٹوٹ گیا، اس نے
چلّاکر کہا ای شاہ زادے خدا کے واسطے مجھ پر اور میری بیوی پر رحم کر ہم میں اور ہماری
بیٹی میں جدائی نہ ڈال۔ لیکن شہزادے نے کچھ جواب نہ دیا۔ مگر ساتھ ہی خیال آیا کہ شاید
شہزادی کو اپنے ماں باپ کے چھٹنے کا افسوس ہو وہ اس سے کہنے لگا ای خانہ برانداز
کیا تو چاہتی ہی کہ مَیں تجھے تیرے ماں باپ کے پاس واپس کر دوں؟ اس نے جواب دیا
کہ ای میرے آقا واللہ میری یہ ہرگز خواہش نہیں۔ مَیں تو اب تیرے ساتھ ہوں۔ تیری محبت
نے مجھے ہر چیز سے بے پروا کر دیا ہی حتیٰ کہ ماں باپ سے بھی۔ یہ سن کر شہزادے کی
مارے خوشی کے باچھیں کھل گئیں اور وہ آہستہ آہستہ اڑانے لگا تاکہ شہزادی کو تکلیف
نہ ہو۔ اب چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار پر پہنچے جہاں پانی کا چشمہ بہہ رہا تھا، وہاں اتر کر
انھوں نے کھایا پیا۔ اس کے بعد شہزادہ پھر سوار ہو گیا اور شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا کر
اسے رسّی سے مضبوط باندھ دیا تاکہ وہ گر نہ پڑے اور آگے روانہ ہو گیا آخر اپنے
باپ کے شہر میں پہنچا۔ اب اُسے اور زیادہ خوشی ہوئی اس نے چاہا کہ لڑکی کو شاہی
محل اور باپ کی حکومت کا معائنہ کرائے اور یہ ثابت کر دے کہ میرے باپ کا ملک
میرے باپ کے ملک سے بڑا ہی اس لیے وہ پہلے ایک باغ میں اترا جو اُس کے
باپ کی سیرگاہ تھی اور شہزادی کو محل سرا میں لے گیا جو اس کے باپ کے لیے آراستہ
کی گئی تھی اور گھوڑے کو محل سرا کے دروازے پر کھڑا کر کے لڑکی سے کہا اس کی نگہبانی
کیجیو اور جب تک مَیں اپنا قاصد نہ بھیجوں یہیں ٹھیری رہیو۔ مَیں باپ کے پاس جا کر
تیرے لیے ایک محل آراستہ کروں گا اور تجھے اپنی شان و شوکت دکھاؤں گا۔ اس کی
یہ باتیں سن کر لڑکی بہت خوش ہوئی اور کہنے لگی جو تیرا جی چاہے کر، اور شہرزاد کو صبح
ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پینسٹھویں رات

جب تین سو پینسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ لڑکی نے کہا جو تیرا جی چاہے کر وہ سمجھ گئی کہ میں نہایت شان و شوکت سے داخل ہوں گی جس کی میں مستحق ہوں۔ اب شہزادہ وہاں سے چل کر شہر میں داخل ہوا اور اپنے باپ کے پاس گیا۔ باپ نے جو بیٹے کو دیکھا تو بڑا خوش ہوا اس کا خیر مقدم کیا اور مرحبا کہا۔ شہزادہ کہنے لگا ابا جان میں اس شہزادی کو لے آیا ہوں جس کا میں نے ذکر کیا تھا اُسے شہر کے باہر ایک باغ میں ٹھیرا دیا ہے اور تجھے خبر دینے آیا ہوں تاکہ تو جلوس تیار کرکے اس کی پیشوائی کو چلے اور اُسے اپنی شان و شوکت اور اپنا لاؤ لشکر دکھائے۔ بادشاہ نے فوراً رعایا کو حکم دیا کہ شہر کو نہایت خوب صورتی سے آراستہ و پیراستہ کریں اور خود نہایت تزک و احتشام کے ساتھ سوار ہوا۔ لشکر اور تمام امرا وزرا، نوکر چاکروں کو لے کر چلا۔ شہزادے نے باپ کے محل میں سے زیور اور پوشاکیں اور کل چیزیں جو گزشتہ بادشاہوں نے جمع کر رکھی تھیں نکالیں اور شہزادی کے لیے سبز، سرخ اور زرد کمخواب کا ڈولا تیار کرا کر اس میں ہندی اور رومی اور حبشی کنیزوں کو بٹھایا اور عجیب و غریب خزانے نکالے۔ پھر شہزادہ ڈولے کو ڈولے والیوں کے پاس چھوڑ کر باغ میں گیا جہاں وہ شہزادی کو چھوڑ آیا تھا اور چاروں طرف دیکھا لیکن نہ اُسے پایا نہ گھوڑے کو، وہ منہ پیٹنے اور کپڑے پھاڑنے اور پاگلوں کی طرح باغ میں چکر لگانے لگا۔ جب اس کی عقل ذرا ٹھکانے آئی تو وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اُسے گھوڑے کا بھید کیونکر معلوم ہوا وہ تو بالکل اس کے کل پُرزوں سے ناواقف تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایرانی حکیم کو جس نے گھوڑا بنایا تھا اس کا پتا چل گیا اور وہ اسے لے اُڑا کیونکہ میرے باپ نے اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا تھا۔ اب شہزادے نے باغ کے چوکیداروں کو بلا کر پوچھا کہ

کوئی شخص وہاں سے گزرا ہی؟ کسی کو تم نے یہاں سے گزرتے اور باغ کے اندر داخل ہوتے دیکھا ہی؟ انھوں نے جواب دیا کہ اگر ہم نے کسی کو یہاں آتے دیکھا ہی تو وہ ایرانی حکیم تھا جو کارآمد بوٹیاں جمع کرنے آیا تھا۔ شہزادے نے انھیں یہ کہتے سنا تو اُسے یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی کو لے گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھیاسٹھویں رات

جب تین سو چھیاسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ان کی باتیں سن کر شہزادے کو یقین ہو گیا کہ وہی حکیم لڑکی کو لے گیا ہی۔ قسمت کا لکھا بغیر پورا ہوئے نہیں رہتا۔ اللہ کی قدرت جب شہزادہ لڑکی کو باغ کی محل سرا میں چھوڑ کر اس کے خیر مقدم کی تیاری کرنے باپ کے محل میں گیا تو اسی وقت بوٹیاں جمع کرنے کی غرض سے حکیم باغ میں پہنچا اور اُسے مشک و عطر کی خوشبوئیں آنے لگیں جن سے ساری فضا معطر تھی۔ یہ خوشبو شہزادی کے پاس سے آ رہی تھی۔ حکیم اس خوشبو کی طرف چلا اور چلتے چلتے اس محل سرا تک پہنچ گیا۔ جوں ہی اس کی نظر گھوڑے پر پڑی اس کا دل باغ باغ ہو گیا کیونکہ اسے گھوڑے کے ہاتھ سے چلے جانے کا بڑا افسوس تھا۔ اس نے گھوڑے کے پاس جا کر اس کے سارے کل پرزے جانچے دیکھا کہ سب ٹھیک ہیں لیکن جوں ہی اس نے چاہا کہ سوار ہو کر چل دے خیال آیا کہ دیکھوں تو سہی شہزادہ کون سی چیز لا کر اس گھوڑے کے پاس یہاں چھوڑ گیا ہی۔ وہ ہر طرف نظر دوڑاتا محل سرا میں داخل ہوا دیکھا کہ ایک لڑکی وہاں بیٹھی ہوئی ہی جیسے کہ صاف آسمان پر سورج۔ اُسے دیکھتے ہی وہ سمجھ گیا کہ اس میں کوئی نہ کوئی خاص بھید ہی شہزادہ ہی اُسے

گھوڑے پر بٹھا کر یہاں لایا ہوگا اور اس محل سرا میں چھوڑ کر شہر گیا ہوگا تاکہ جلوس لاکر اُسے شان و شوکت کے ساتھ شہر میں لے جائے۔ یہ سوچ کر حکیم اس کی طرف بڑھا اور اُس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ شہزادی نے اس کی طرف نگاہ اُٹھائی دیکھا کہ ایک نہایت بدصورت اور کریہہ منظر شخص سامنے کھڑا ہی۔ پوچھا کہ تو کون ہی؟ اس نے کہا ای میری آقا میں شہزادے کا قاصد ہوں، اُس نے مجھے تیرے پاس اس لیے بھیجا ہی کہ میں تجھے دوسرے باغ میں لے چلوں جو شہر کے قریب ہی۔ یہ سُن کر لڑکی نے کہا شہزادہ کہاں ہی؟ اس نے جواب دیا شہر میں اپنے باپ کے پاس، اور عنقریب جلوس کے ساتھ تیرے پاس آنے والا ہی۔ شہزادی بولی ای شخص کیا شہزادے کے پاس اور کوئی نہ تھا جسے وہ میرے پاس بھیجتا؟ یہ سُن کر حکیم ہنس پڑا اور کہنے لگا ای میری آقا میری بدصورتی اور کریہہ منظری پر مت جا۔ اگر تجھے بھی مجھ سے وہ فائدے پہنچتے جو شہزادے کو پہنچے ہیں تو تو میرے متعلق ایسا خیال نہ کرتی۔ شہزادے نے خاص طور پر میری بدشکلی اور ڈراونی صورت ہی کی وجہ سے تیرے پاس بھیجا ہی کیونکہ وہ تجھ پر عاشق ہی اور عاشق شکی ہوتے ہیں ورنہ اس کے پاس بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں۔ یہ باتیں لڑکی کی سمجھ میں آگئیں اُسے یقین ہوگیا کہ وہ سچ کہتا ہی اور اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اس کو اجازت ملی تھی۔

تین سو سترھویں رات

جب تین سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ لڑکی اُٹھ کھڑی ہوتی اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہنے لگی کہ ای میرے باپ

میری سواری کے لیے تو کیا لایا ہی؟ اس نے کہا ای میری آقا اسی گھوڑے پر چڑھ جس پر تو سوار ہو کر آئی ہی۔ شہزادی نے کہا ئیں اکیلی اس پر نہیں چڑھ سکتی۔ یہ سُن کر حکیم مسکرایا اور اسے یقین ہو گیا کہ اب پالا مار لیا۔ وہ اس سے کہنے لگا ئیں خود تیرے ساتھ سوار ہوں گا۔ یہ کہ کر وہ سوار ہو گیا اور لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اُسے اپنے بدن سے ملا کر خوب مضبوط باندھ دیا لڑکی تو بالکل بے خبر تھی کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہی۔ حکیم نے پرواز کے پیچ کو دبایا گھوڑے کے پیٹ میں ہوا بھر گئی اور وہ حرکت کرتے کرتے اوپر کی طرف چلا اور اڑتے اڑتے شہر سے غائب ہو گیا۔ لڑکی نے کہا ای شخص تیرا بیان شہزادے کے متعلق کیا ہو گیا؟ تو نے تو کہا تھا کہ اس نے تجھے میرے پاس بھیجا ہی۔ حکیم نے کہا خدا کی مار شہزادے پر وہ بڑا خبیث اور ملعون ہی شہزادی نے کہا یہ تیری ہمت کیونکر پڑی کہ تو اپنے آقا کی نافرمانی کرتا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ وہ میرا آقا نہیں۔ تجھے معلوم ہی ئیں کون ہوں؟ شہزادی نے کہا مجھے تیرے متعلق اتنا ہی معلوم ہی جتنا تو نے خود بیان کیا۔ وہ بولا یہ باتیں ئیں نے تجھے اور شہزادے کو دھوکا دینے کے لیے کہی تھیں جس گھوڑے پر تو سوار ہی اسے شہزادے کی نذر کر کے ئیں ایک مدت سے پشیمان تھا ئیں نے اسے بنایا ہی لیکن شہزادے نے اس پر قبضہ کر لیا۔ اب ئیں اس پر غالب آگیا اور تو بھی میرے ہاتھ لگی۔ اب اس کا دل بھی اسی طرح جلے گا جس طرح اس نے میرا دل جلایا ہی۔ اب اس کے ہاتھ یہ گھوڑا ہرگز نہیں لگ سکتا۔ تو غم نہ کر بلکہ دل شاد ہو ئیں تیرے لیے اس سے زیادہ کارآمد ثابت ہوں گا۔ یہ سن کر لڑکی اپنے منہ پر طمانچے مارنے لگی دل میں کہتی ہائے افسوس نہ تو میرا محبوب ہی مجھ کو ملا نہ ئیں اپنے ماں باپ ہی کے پاس رہی اور اپنی مصیبت پر زار زار روتی۔

حکیم اسے لیے لیے رُوم کے ملک میں پہنچا اور ایک سبزہ زار میں اُترا

جہاں بہت سے درخت اور ندیاں تھیں۔ سبزہ زار کے قریب ایک شہر تھا جس پر ایک عظیم الشان بادشاہ حکمرانی کرتا تھا۔ اتفاق کی بات تھی کہ بادشاہ سیر و شکار کے لیے نکلا اور پھرتے پھرتے اس سبزہ زار پر پہنچا دیکھا کہ ایک بدصورت شخص ایک خوب صورت لڑکی کے ساتھ کھڑا ہے۔ حکیم کی توجہ ابھی اس طرف نہ ہوئی تھی کہ بادشاہ کے غلاموں نے جھپٹ کر حکیم، لڑکی اور گھوڑے کو گرفتار کر لیا اور سب کو بادشاہ کے پاس لا کر حاضر کیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ جس قدر لڑکی حسین ہے اسی قدر مرد کریہہ منظر۔ کچھ بے جوڑ سی بات معلوم ہوئی۔ لڑکی سے پوچھا یہ بوڑھا تیرا کیا لگتا ہے؟ قبل اس کے کہ وہ کچھ کہے حکیم بول اٹھا کہ یہ میری بیوی اور چچیری بہن ہے۔ لیکن لڑکی نے یہ سن کر کہا کہ اے واللہ اے بادشاہ وہ جھوٹا ہے نہ وہ میرا شوہر ہے نہ میں اسے پہچانتی ہوں بلکہ وہ مجھے دھوکا دے کر زبردستی پکڑ لایا ہے۔ جب بادشاہ نے لڑکی کا بیان سنا تو کہا اس شخص کو مارو، بادشاہ کے آدمیوں نے اُسے اتنا مارا کہ وہ مرتے مرتے بچا۔ اس کے بعد بادشاہ نے حکم دیا کہ اُسے شہر لے جا کر قید خانے میں ڈال دیں۔ بغرض کہ حکیم سے لڑکی اور گھوڑا چھین لیا گیا اور اُسے قید خانے بھیج دیا لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ گھوڑے میں کیا خوبیاں ہیں اور وہ کس طرح چلتا ہے۔

یہ تو حکیم اور لڑکی کی سرگزشت ہوئی، اب شہزادے کی کہانی سنیے۔ وہ سفر کے کپڑے پہن اور ضرورت کے موافق مال لے بُری حالت میں چل کھڑا ہوا اور رواں دواں گاؤں گاؤں شہر شہر اسے ڈھونڈنے لگا۔ جہاں جاتا آبنوس کے گھوڑے کا حال پوچھتا مگر جو کوئی آبنوس کے گھوڑے کا نام سنتا تعجب کرتا اور اس کی بات پر یقین نہ لاتا۔ یونہی اُسے ایک زمانہ گزر گیا اور باوجود آبادیوں اور جنگلوں کی خاک چھاننے کے کہیں اُسے ان دونوں کا پتا نہ چلا۔ اس کے بعد وہ لڑکی کے باپ کے شہر میں پہنچا وہاں بھی اُسے کوئی خبر نہ ملی بلکہ اس نے دیکھا بادشاہ بیٹی کے غم میں سوگ نشین ہے۔ پھر پلٹ کر روم کے ملک میں آیا اور کھوج لگانے لگا جہاں بیٹھتا جس سے ملتا لڑکی کے متعلق دریافت کرتا۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی

اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اڑسٹھویں رات

جب تین سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! شہزادہ روم کے شہر میں پہنچ کر اُٹھتے بیٹھتے ہر شخص سے شہزادی اور آبنوس کے گھوڑے کی بابت پوچھتا۔ اتفاق کی بات جس سرا میں وہ اُترا تھا وہاں چند سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی ان کے قریب جاکر بیٹھ گیا اور ایک سوداگر کو کہتے سُنا کہ دوستو میں نے ایک عجیب سے عجیب چیز دیکھی ہے۔ انھوں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا میں ایک ملک میں فلاں شہر سے ہو کر گزرا (اب اس نے اسی شہر کا نام لیا جس میں کہ وہ لڑکی تھی) وہاں کے باشندوں سے ایک نہایت اچنبھے کی بات سُنی وہ یہ کہ ایک روز اس شہر کا بادشاہ اپنے مصاحبوں اور دیگر اُمرا کے ساتھ سیر و شکار کے لیے گیا۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو ان کا گزر ایک سبزہ زار میں ہوا انھوں نے دیکھا وہاں ایک مرد کھڑا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے اور اور ایک آبنوس کا گھوڑا ہے۔ مرد تو بدصورت اور ڈراونی شکل کا تھا لیکن عورت نہایت حسین و جمیل، خوش رو، خوش خرام، کمال درجے کی سڈول، اور آبنوس کا گھوڑا تو ایک اعجوبہ تھا اس صنعت کا اور ایسا خوب صورت آج تک کسی کی نظر سے نہیں گزرا ہوگا۔ حاضرین نے پوچھا اچھا تو بادشاہ نے پھر ان کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولا اس مرد سے بادشاہ نے پوچھا کہ یہ لڑکی تیری کون ہے؟ اس نے جواب دیا میری بیوی اور چچیری بہن ہے۔ لڑکی نے کہا کہ یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اس پر بادشاہ نے لڑکی کو اس سے علیحدہ کر لیا، اُسے خوب پٹوایا اور قید خانے میں بند کر دیا۔ اب رہا آبنوس

کا گھوڑا اس کا ہے مجھے علم نہیں۔ سوداگر کی یہ باتیں سن کر شہزادہ اس کے قریب گیا۔ بڑی نرمی اور لجاحت کے ساتھ اس سے اس شہر اور بادشاہ کا نام پوچھا اور جب شہزادے کو شہر اور بادشاہ کا نام معلوم ہو گیا تو وہ رات اس نے بڑی خوشی میں گذاری۔

صبح ہوتے ہی وہ چل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس شہر تک پہنچ گیا مگر جوں ہی وہ چاہتا تھا کہ شہر میں داخل ہو دربانوں نے اُسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے پاس لے جانے کا قصد کیا تاکہ بادشاہ اس کے حالات دریافت کرے کہ کون ہے۔ اس شہر میں کیوں آیا ہے اور کون سی دستکاری جانتا ہے۔ یہی بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ پردیسیوں سے ان کا حال اور دستکاری پوچھتا۔ شہزادہ اس شہر میں شام کے وقت پہنچا تھا اس وقت اُسے بادشاہ کے سامنے لے جانا ممکن نہ تھا، اس لیے دربان اسے قید خانے لے چلے لیکن دربانوں نے جو دیکھا کہ وہ حسین و جمیل ہے ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ وہ اُسے قید خانے میں بند کر دیں۔ انھوں نے اُسے باہر ہی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کھانا آیا تو اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ سب باتیں کرنے لگے انھوں نے شہزادے سے پوچھا تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا میں اکاسو کے ملک فارس کا رہنے والا ہوں۔ دربانوں نے جو اس کی باتیں سنیں تو ہنس پڑے اور کہنے لگے اے کسروی ہم نے بہت لوگوں کی باتیں سنی ہیں، ان کے حالات ہمارے کان تک پہنچے ہیں اور ہم نے خود ان کو دیکھا ہے لیکن نہ اس کسروی سے زیادہ جھوٹا جو یہاں قید میں ہے ہمارے سننے میں آیا ہے نہ اس سے زیادہ بدصورت ہمارے دیکھنے میں۔ شہزادے نے پوچھا کون سا جھوٹ اس سے سرزد ہوا ہے؟ انھوں نے کہا وہ اپنے آپ کو حکیم بتاتا ہے۔ ایک روز بادشاہ شکار پر جا رہا تھا اُس نے اسے راہ میں دیکھا اس کے ساتھ ایک عورت تھی جو حسن و جمال، خوب روئی و کمال قد و قامت میں بے نظیر تھی اور اس کے ساتھ ایک سیاہ آبنوس کا گھوڑا بھی تھا جس سے زیادہ

خوب صورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لڑکی تو اب محل میں ہو بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی ہو لیکن اس کا دل الٹ گیا ہو۔ اگر یہ شخص حکیم ہوتا جیسا کہ اس کا دعویٰ ہو تو وہ اسے اچھا کر دیتا۔ بادشاہ بہت چاہتا ہو کہ وہ اچھی ہو جائے اور وہ برابر اس کی بیماری کا علاج کر رہا ہو۔ گھوڑا شاہی عجائب خانے میں ہو اور وہ بدشکل آدمی ہمارے پاس قید خانے میں بند ہو جب رات ہوتی ہو وہ اپنی حالت پر غمگین ہو کر روتا پیٹتا ہو اور ہمیں سونے نہیں دیتا۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اُنھترویں رات

تین سو انھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ پہرے داروں نے ایرانی حکیم کا ذکر کیا تو شہزادے نے سوچا کسی نہ کسی تدبیر سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہیے۔ ادھر جب پہرے دار سونے لگے تو انھوں نے شہزادے کو قید خانے میں داخل کر کے دروازہ بند کر دیا اس نے حکیم کو فارسی میں اپنے اوپر روتے اور نوحہ کرتے سنا وہ وہ کہ رہا تھا حیف ہو مجھ پر کہ میں اپنے اور شاہ زادے کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہوا لڑکی کے ساتھ وہ حرکت کی کہ نہ اُسے آرام سے رہنے دیا اور نہ میری مراد پوری ہوئی۔ یہ میری سمجھ کی خرابی ہو میں ایسی چیز کا خواہش مند ہوا جس کا میں مستحق نہ تھا اور نہ جو مجھ جیسوں کے لیے مناسب تھی۔ جو کوئی نامناسب چیز کی خواہش کرتا ہو وہ میری ہی طرح مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہی۔ حکیم کی یہ باتیں سن کر شہزادے نے اس سے فارسی میں گفتگو کی اور کہا تو آخر کب تک روتا پیٹتا رہے گا۔ کیا تیرا خیال ہو کہ تجھ جیسی مصیبت کسی اور پر نہ پڑی ہو گی؟ جب حکیم نے اس کی

گفتگو سنی تو وہ اس سے مانوس ہو گیا اور اس کے آگے سارا دکھڑا رو دیا اور تمام تکلیفوں کا ذکر کیا۔

صبح نمودار ہوئی تو پہرے دار شہزادے کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا یہ شخص کل شام کو ایسے وقت پہنچا تھا کہ اُسے بادشاہ کے سامنے پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا تو کس ملک سے آیا ہے، تیرا نام کیا ہے، کون سی دستکاری جانتا ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ شہزادے نے کہا فارسی میں میرا نام ہرجا ہے میرا وطن فارس ہے اور میں عالم آدمی ہوں خصوصاً طب کا ماہر۔ میں بیماروں خاص کر پاگلوں کا علاج کرتا ہوں۔ ملکوں اور شہروں کا سفر میں اس لیے کرتا ہوں کہ میرے علم میں اضافہ ہو، اگر کوئی بیمار ملتا ہے تو میں اس کا علاج بھی کر دیتا ہوں۔ بس یہ ہے میری دستکاری۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا اے فاضل حکیم تو ٹھیک ایسے وقت آیا ہے کہ ہمیں تیری ضرورت تھی۔ پھر اس نے لڑکی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا اگر تو اس کا علاج کر کے اس کا جنون دور کر دے تو جو تو مانگے میں دوں گا۔ بادشاہ کی گفتگو سننے کے بعد شہزادہ بولا خدا بادشاہ کی عزت قائم رکھے! جو جو باتیں تو نے اس کے جنون کی دیکھی ہیں بیان کر اور یہ بتا کہ وہ کتنے دن سے جنون میں مبتلا ہے اور تو نے اسے اور گھوڑے اور حکیم کو کس طرح گرفتار کیا؟ بادشاہ نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ حکیم اس وقت قید خانے میں ہے۔ شہزادے نے کہا اے بلند اقبال بادشاہ جو گھوڑا اس لڑکی کے ساتھ تھا اُسے تو نے کیا کیا؟ وہ بولا اے جوان وہ میرے پاس ایک حجرے میں حفاظت سے ہے۔ شہزادے نے اپنے دل میں کہا کہ سب سے پہلے مجھے اس گھوڑے کو دیکھ کر جانچ پڑتال کرنی چاہیے اگر وہ سالم ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں، تو بس میری مراد پوری ہو گئی اور اگر اس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہی تو مجھے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر سوچنی مقدم ہے۔

اب اس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہوکر کہا اے بادشاہ پہلے مجھے وہ گھوڑا دکھا، ممکن ہے کہ مجھے اس میں کوئی ایسی چیز ہاتھ لگے جو لڑکی کے علاج میں کام دے۔ بادشاہ کھڑا ہوگیا اور شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اُسے گھوڑے کے پاس لے گیا شہزادے نے گھوڑے کے گرد چکر لگا کر اس کی جانچ پڑتال کی اور اس کی ہر چیز پر نظر ڈالی دیکھا کہ وہ درست حالت میں ہے۔ اس پر کوئی حادثہ نہیں گزرا شہزادہ مطمئن ہو کر کہنے لگا خدا تیرے عزت قائم رکھے! اب میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کے پاس جا کر اس کا حال دیکھوں مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ انشاءاللہ اس گھوڑے کی وجہ سے لڑکی کا علاج میرے ہاتھ سے ہوگا۔ یہ کہہ کر اس نے تنبیہہ کی کہ گھوڑے کو حفاظت سے رکھا جائے اور بادشاہ کے ساتھ اس مکان میں گیا جہاں لڑکی تھی۔

شہزادہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ پاگلوں کی طرح اول جلول بکتی اور وحشیوں کی سی حرکتیں کرتی ہے اُسے جنون تو نہ تھا لیکن وہ یہ باتیں اس وجہ سے کرتی تھی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ شہزادے نے اُسے اس حال میں پایا تو کہنے لگا اے فتنہ اڑانے کی کوئی وجہ نہیں۔ اس کے بعد وہ اس سے نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اسے بتا دیا کہ وہ کون ہے۔ جب لڑکی نے اسے پہچانا تو خوشی کے مارے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ بادشاہ نے سمجھا لڑکی ڈر گئی اور وہ بے چین ہوگیا۔ شہزادے نے اپنا منہ لڑکی کے کان کے پاس لا کر کہا اے فتنہ! اپنی اور میری جان پر رحم کر ذرا صبر سے کام لے اور دل مضبوط رکھ۔ اس وقت صبر اور استقلال کی ضرورت عقل سے کام لینے کا وقت ہے تاکہ کسی حیلے سے ہم اس ظالم بادشاہ سے نجات پائیں۔ میں بادشاہ سے کہتا ہوں تیری بیٹی پر جنوں کا بھوت سوار ہے میں ذمہ لیتا ہوں کہ اُسے اچھا کردوں گا بشرطیکہ تو اس کی بیڑیاں کھول دے بیڑیاں کھلتے ہی بھوت بھاگ جائے گا۔ پھر جب بادشاہ تیرے پاس آئے تو اس سے سمجھ کی

باتیں کیجیو تاکہ وہ یقین کر لے کہ تو میرے ہاتھ سے اچھی ہو گئی ہے۔ اس طرح ہمارا مطلب حل ہو جائے گا۔ لڑکی نے ہامی بھر لی اور شہزادے نے خوش خوش بادشاہ کے پاس جا کر کہا اے خوش اقبال بادشاہ تیری خوش قسمتی سے اس کا مرض اور علاج ختم ہو گیا۔ تیری خاطر میں نے اُسے اچھا کر دیا۔ اُٹھ اور اس کے پاس جا کر نرمی سے گفتگو کر، مہربانی سے پیش آ اور جس چیز سے وہ خوش ہو اس کا وعدہ کر یقین جان کر جو کچھ تو اس سے مانگے گا تجھے بھرپور ملے گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو سترویں رات

تین سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ شہزادے نے بادشاہ سے کہا کہ تو جو کچھ اس سے مانگے گا بھرپور ملے گا۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی اُسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی اس کے آگے زمین چومی اور اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ کی باچھیں کھل گئیں اس نے کنیزوں اور نوکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت میں کمربستہ ہوں اُسے حمام لے جائیں اس کے لیے زیور اور پوشاکیں تیار کریں۔ لونڈیاں باندیاں شہزادی کے پاس آئیں اور انھوں نے سلام کیا تو اس نے نہایت مہربانی اور شیریں کلامی سے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انھوں نے اُسے شاہانہ پوشاک پہنائی گلے میں ہیروں کا ہار ڈالا اور اُسے حمام لے گئیں۔ حمام سے نکلی تو چودھویں رات کے چاند کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس نے سلام کیا اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور شہزادے سے کہنے لگا کہ یہ سب تیری برکت ہے۔ خدا ہمیں تیرے دم سے اور زیادہ نفع پہنچائے!

اس نے کہا اے بادشاہ اس کے علاج اور تندرستی کی تکمیل اس پر منحصر ہے کہ تو تیرے سب مصاحب اور تیرا کل لشکر اس جگہ چلیں جہاں وہ تجھے ملی ہو اور وہ آبنوس کا گھوڑا بھی ساتھ ہو جس پر وہ آئی تھی وہاں میں اس بھوت کو جلا کر خاک کر ڈالنے کی تدبیر کروں گا تاکہ وہ دوبارہ نہ آسکے چنانچہ بادشاہ نے آبنوس کے گھوڑے اور ایرانی حکیم کو وہاں بھیج دیا جہاں وہ اُسے ملے تھے اور لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر سالے لاؤ لشکر کے ساتھ سوار ہوا۔ سب کے لیے ایک تماشا تھا کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ شاہ زادہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ سب لوگ اس سبزہ زار کے پاس پہنچے تو شہزادے نے جو اب حکیم بنا ہوا تھا کہا لڑکی اور گھوڑا بادشاہ اور لشکر سے کچھ فاصلے پر رکھے جائیں اور بادشاہ سے بولا اجازت ہو تو میں اپنے قاعدے کے موافق دھونی دوں، منتر پڑھوں اور بھوت کو گرفتار کر دوں تاکہ وہ لڑکی کی طرف کبھی رُخ نہ کرے۔ بادشاہ نے ان باتوں کی اجازت دے دی تو وہ کہنے لگا۔ اس کے بعد میں آبنوس کے گھوڑے پر سوار ہو کر لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھاؤں گا اور گھوڑا اچھلتا کودتا دوڑ کر تیرے پاس آجائے گا اور علاج کی تکمیل ہو جائے گی پھر تیری جو مرضی ہو کیجیو۔ اُس کی ان باتوں سے بادشاہ بالکل مطمئن تھا۔ دھونی دونی رمانے کے بعد شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھالیا اور اُسے اپنی کمر سے خوب کس کر باندھ دیا۔ بادشاہ اور تمام لشکر والے شہزادے کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس نے یکایک اڑان کے پیچ کو پھرایا اور گھوڑا انھیں لے کر ہوا میں اڑا بادشاہ اور لشکری دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ آدھے دن تک اس کی واپسی کی راہ دیکھتا رہا مگر جب وہ نہ آیا اور بادشاہ کو ناامیدی ہو گئی تو وہ بہت پچھتایا اور لڑکی کی جدائی پر غم زدہ ہوا اور اپنے شہر واپس چلا گیا۔

شہزادہ خوش خوش اپنے باپ کے شہر کی طرف روانہ ہو کر ہوا سے باتیں

کرتا ہوا اپنے محل پر جا اُترا اور لڑکی کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر کے اپنے ماں باپ سے ملا، انھیں سلام کیا اور لڑکی کے آنے کی خبر دی، سب خوش ہو گئے۔ اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

ادھر کا تو قصّہ یہ ہوا، اب ادھر روم کے بادشاہ کی سرگزشت سنیے۔ انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گیا تو واپس لوٹا اور غمگین اور غم زدہ ہو کر اپنے محل میں چھُپ کر بیٹھ گیا۔ وزیر آتے طرح طرح سے اس کی تشفّی کرتے اور کہتے کہ جو شخص لڑکی کو لے گیا جادوگر ہے۔ شکر ہے خدا کا جس نے تجھے اس کے جادو اور مکر سے چھٹکارا دیا۔ اسی طرح کی باتوں کو یہاں تک دہرایا کیے کہ بادشاہ کو لڑکی کی طرف سے تسلی ہو گئی۔ وہاں شاہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکھترویں رات

جب تین سو اکھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! شہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی پورے ایک مہینے تک یہ خوشی کے جلسے رہے۔ شہزادے کے باپ نے اس خیال سے کہ پھر کوئی نئی افتاد نہ پڑے آبنوس کے گھوڑے کو ایسا چکنا چور کر دیا کہ اس میں کوئی حرکت باقی نہ رہی۔ اس کے بعد شہزادے نے لڑکی کے باپ کو ایک خط لکھا اُسے بیٹی کی خیریت سے مطلع کیا اور یہ کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی ہے اور شہزادی اس کے پاس ہر طرح سے آرام میں ہے۔ یہ خط اس نے ایک قاصد کو دے کر عمدہ عمدہ ہدیے اور تحفے اس کے ہمراہ کر دیے۔ قاصد صنعا سے یمن پہنچا جو لڑکی کے باپ کا دارالسلطنت تھا خط اور ہدیے پیش کیے۔

بادشاہ نے خط پڑھا تو بہت خوش ہوا ہدیے قبول کیے قاصد کے ساتھ بڑے التفات
سے پیش آیا پھر اس نے بھی اپنے داماد کے لیے عمدہ عمدہ سوغاتیں تیار کیں۔ خوب لے دے
کر قاصد کو رخصت کیا۔ قاصد واپس آیا تو اس نے کہا اپنی بیٹی کی خبر معلوم کر کے باپ کو
بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادے کو بھی اطمینان ہو گیا اور وہ اپنے خسر کو برابر ہر سال خط لکھتا
اور ہدیے بھیجتا۔ کچھ عرصے بعد شہزادے کے باپ نے قضا کی اور وہ اس کی جگہ تخت نشین
ہوا۔ رعایا پروری اور عدل و انصاف کے ساتھ پورا پورا حق ادا کیا جس کا نتیجہ یہ نکلا
کہ ملک قالب تھا تو وہ اس کی جان۔ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور فرماں برداری
بجا لاتے۔ انھوں نے غرض کہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ مزوں
کو کرکرا، صحبتوں کو درہم برہم، محلوں کو ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی موت آ پہنچی۔
پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں حکومت اور قدرت ہے۔

وردفی الاکمام اور انس الوجود کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھا بڑی قوت اور بڑے دبدبے
والا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا ابراہیم نام۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی حسن و جمال میں
بے نظیر اور علوم و فنون اور دیگر کمالات میں لاجواب۔ وہ جتنی حسین تھی اتنی ہی عقل مند
اور سلیقہ شعار بھی لیکن ساتھ ہی اسے مے نوشی، حسن پرستی، لطیف اشعار اور عجیب
و غریب کہانیوں کے بھی چسکے تھے۔ اس کا نام وردفی الاکمام تھا۔ اس نام کی وجہ یہ
تھی کہ اس میں انتہائی لطافت اور کمال درجے کی خوب روئی دونوں چیزیں جمع
تھیں۔ اس کی سلیقہ مندی کی وجہ سے بادشاہ اس کو اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا۔
بادشاہ کا دستور تھا کہ ہر سال اپنی سلطنت کے امرا کو جمع کر کے چوگان بازی کرتا۔ اسی

موقع پر ایک دن جبکہ لوگ چوگان کھیلنے جمع ہوئے وزیر زادی بھی تماشا دیکھنے اپنے جھروکے میں آکر بیٹھی۔ سب لوگ ابھی کھیل میں مشغول ہی تھے کہ وزیر زادی نے دیکھا لشکر کے درمیان ایک جوان ہے جس سے زیادہ حسین اور آن بان والا ممکن نہیں، وجیہ، شکیل، خندہ رو، باہیں لمبی لمبی اور شانے چوڑے۔ وہ اُسے بار بار دیکھتی اور دل سیر نہ ہوتا۔ آخر کار اس نے اپنی ماما سے پوچھا کہ یہ خوب صورت جوان جو لشکر کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اس کا کیا نام ہے؟ ماما نے کہا اے میری بیٹی خوب صورت تو سب ہی ہیں، تیرا اشارہ ان میں سے کس کی طرف ہے؟ لڑکی نے جواب دیا ٹھیر جائیں ابھی تجھے بتاتی ہوں۔ یہ کہہ کر ایک سیب لیا اور جوان کی طرف پھینکا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ وزیر زادی جھروکے میں کھڑی ہوئی ہے جیسے اندھیرے میں چاند۔ ابھی اس نے اس کی طرف سے نظر ہٹائی بھی نہ تھی کہ وہ اس پر عاشق اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ جب کھیل ختم ہوا تو وزیر زادی نے اپنی ماما سے کہا اب بتا کہ اس جوان کا کیا نام ہے جسے میں نے تجھے دکھایا ہے۔ اس نے جواب دیا اس کا نام انس الوجود ہے۔ یہ سن کر وزیر زادی نے سر ہلایا اور اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اس کے دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی اس نے ایک خط لکھا اور ریشم کے کپڑے میں جس پر سونے کا کام تھا لپیٹ کر اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

ایک لونڈی نے اسے تکیے کے نیچے خط رکھتے دیکھ لیا تھا وہ اس کے پاس آئی اور اُسے ایسا باتوں میں لگایا کہ وہ سو گئی۔ اب اس نے چپکے سے وہ خط اس کے تکیے کے نیچے سے نکال کر پڑھا اُسے معلوم ہو گیا کہ وزیر زادی کو انس الوجود سے محبت ہو گئی ہے۔ خط پڑھ چکی تو اس نے پھر اسے اسی جگہ رکھ دیا۔ اس کی مالکہ ورد فی الاکمام کی آنکھ کھلی تو اس نے کہا اے میری آقا! چونکہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لیے میں تجھے نصیحت کرتی ہوں کہ محبت بری بلا ہے اس کا چھپانا لوہے کو گلانے کے برابر ہے۔ اس

سے درد اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تاہم محبت میں گرفتار ہونا کوئی عیب نہیں۔
وردفی الاکمام نے کہا اے میری لونڈی تو پھر محبت کا علاج کیا ہے؟ اس نے جواب
دیا "وصال"۔ وزیرزادی نے کہا وصال کس طرح نصیب ہو؟ وہ بولی اے میری آقا
خط وکتابت، شیریں گفتاری اور سلام وپیام کی زیادتی سے۔ یہی ذریعہ ہے محبوبوں کی
ملاقات کا اسی سے مشکل کام آسان ہوتے ہیں۔ اور اے میری مولی اگر تجھ پر کوئی ایسی مصیبت
پڑی ہو تو مجھ سے زیادہ اور کوئی اس بات کا اہل نہیں جو تیرا بھید چھپائے تیری مراد
پوری کرے اور تیرے خطوط پہنچائے۔ یہ باتیں سن کر وردفی الاکمام کی عقل مارے
خوشی کے جاتی رہی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا وہ اپنے انجام پر غور کرتے
اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ یہ راز ابھی تک راز ہے۔ بے سوچے سمجھے اس عورت سے
کہنا نہیں چاہیے۔ ماما نے کہا اے میری آقا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ ایک شخص
میرے پاس آکر کہہ رہا ہے کہ تیری آقا اور انس الوجود ایک دوسرے سے محبت کرتے
ہیں۔ انھیں ملانے میں سعی کوشش کر اور ان کے خطوط ایک دوسرے کو پہنچا، ان
کی حاجت روائی کر اور ان کی حالت اور بھید کسی پر ظاہر نہ کر۔ یہ تیرے حق میں بہت
سودمند ثابت ہوگا۔ یہ ہے میرا خواب جو میں نے تجھ سے بیان کیا، آیندہ تجھے
اختیار ہے۔ جب وہ اپنا خواب بیان کر چکی تو وردفی الاکمام نے اس سے کہا، او شہرزاد
کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بہترویں رات

جب تین سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
وردفی الاکمام نے لونڈی سے کہا اے لونڈی کیا تو بھید رکھ سکتی ہے؟ اس نے

جواب دیا مجھ سی شریف زادی اور بھید نہ رکھ سکے! وزیر زادی نے وہ خط نکال کر اُسے دے دیا اور کہا یہ خط انس الوجود کے پاس لے جا کر اس کا جواب لے آ لونڈی خط لے کر چلی دی اور انس الوجود کے پاس پہنچ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت ادب سے سلام کر کے اسے خط دے دیا۔ اس نے پڑھا مطلب سمجھا اور کاغذ کے دوسری طرف جواب لکھ کر اسے بند کیا چوما اور لونڈی کو دے کر کہا ای لونڈی اپنی آقا سے کہیو کہ مجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ لونڈی نے واپس آ کر جواب اپنی مالک کے حوالے کر دیا۔ لڑکی نے اسے بوسہ دیا سر پر رکھا پھر کھول کر پڑھا مطلب سمجھا اور اسی کے نیچے اس کا جواب لکھ دیا جب وہ لکھ چکی تو اُسے تہ کر کے ماما کے ہاتھ میں دیا اور وہ اُسے لے کر وزیر زادی وردفی الاکمام کے پاس سے چلی۔ راستے میں حاجب نے پوچھا کہاں جاتی ہی؟ اس نے جواب دیا حمام۔ لیکن حاجب کے ٹوکنے سے کچھ ایسی گھبرائی کہ دہلیز پار کرتے وقت وہ خط نکل پڑا۔

بڑھیا تو چھپا کے سے نکل گئی۔ خط گرنے کی اسے خبر تک نہ ہوئی۔ اب سنیے ایک نوکر نے اسے راہ میں پڑا دیکھ کر اٹھا لیا۔ اتنے میں وزیر زنان خانے سے نکل کر مردانے میں آیا وہ نوکر جسے خط ملا تھا اس کے پاس گیا۔ وزیر بیٹھا ہی تھا کہ نوکر نے خط پیش کر کے عرض کیا ای میرے مولیٰ مجھے یہ کاغذ گھر کی دہلیز پر پڑا ملا ہی اور میں اسے اٹھا لایا ہوں۔ وزیر نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ وہ تحریریں پڑھیں جو اس کے اندر لکھی ہوئی تھیں اور ان کا مطلب سمجھا۔ غور سے دیکھنے کے بعد اُسے معلوم ہوا وہ اس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہی وہ روتا ہوا لڑکی کی ماں کے پاس پہنچا اور اتنا رویا کہ اس کی ڈاڑھی بھیگ گئی۔ اس کی بیوی نے کہا ای میرے مولیٰ تو کیوں روتا ہی؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس میں اس کی بیٹی وردفی الاکمام اور انس الوجود کی خط و کتابت ہی کلیجے پر گھونسا سا لگا لیکن اس نے اپنے دل پر جبر کر کے آنسو

رو کے وزیر سے کہنے لگی اے میرے مولی رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں، ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے تیری عزت آبرو پر بٹا نہ لگے اور تیری بیٹی کا معاملہ بھی تشت از بام نہ ہو۔ وہ اسی طرح شوہر کو تسلی دیتی اور اس کی چوٹ کو سہلاتی رہی وزیر نے کہا بدنامی تو ایک طرف محبت سے مجھے اپنی بیٹی کے متعلق بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ تو جانتی نہیں کہ سلطان کو انس الوجود سے کیسا عشق ہے اور اس لیے دو باتوں سے میں بہت ڈرتا ہوں، اول تو خود اپنی وجہ سے کیونکہ وہ میری بیٹی ہے اور دوسرے سلطان کی طرف سے کیونکہ انس الوجود اس کا معشوق ہے۔ تعجب نہیں کہ بات کا بتنگڑ ابن جائے، اس میں تیری کیا رائے ہے؟، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تہتّرویں رات

تین سو تہتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب وزیر نے اپنی بیوی سے لڑکی کے متعلق اپنے اندیشے بیان کیے اور پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے تو اس نے جواب دیا اتنی دیر ٹھیر کہ میں استخارے کی نماز پڑھ لوں۔ یہ کہہ کر اس نے دو رکعت استخارے کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ بحر الکنوز کے بیچ میں جبل الثکلا نامی ایک پہاڑ ہے۔ (اس نام کی وجہ عنقریب بیان کی جائے گی) اس پہاڑ تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ بیٹی کو وہاں لے جا کر رکھ۔ اس اصلاح میں وزیر نے اپنی بیوی سے اتفاق کیا کہ اس پہاڑ پر ایک عالیشان مکان بنوائے اور بیٹی کو وہاں رکھنے کا بندوبست کرے، ایک ایک سال کا کھانا پینا اس کے پاس پہنچاتا رہے اور ایسے لوگوں کو وہاں رکھے جن سے اس کا

دل بہلے اور جو اس کی خدمت کریں چنانچہ وزیر نے بڑھیوں، معماروں اور مہندسوں کو بلوا کر اس پہاڑ کی طرف روانہ کر دیا انھوں نے ایسا محل تیار کر دیا جس کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گزری ہوگی۔ اس کے بعد اس نے ماہ کا کھانا پینا اور سواری مہیا کی اور رات کے وقت اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا کہ روانہ ہو۔ لڑکی تاڑ گئی کہ جدائی سر پر آ کھڑی ہوئی۔ وہ باہر نکلی اور سفر کی تیاریاں دیکھیں تو زار زار رونے لگی اور دروازے پر چند کلمے لکھ دیے تاکہ اُنس الوجود کو معلوم ہو جائے کہ عشق نے اس کے سر پر کیا مصیبت ڈھائی ہو۔ ان الفاظ کو پڑھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے، پتھر پگھلنے لگتے اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ آخر روتی دھوتی وہ سوار ہو گئی۔ قافلہ چل کھڑا ہوا اور جنگل بیابان، پہاڑیاں طے کرتا بحر الکنوز پہنچا۔ سمندر کے کنارے ڈیرے ڈال دیے۔ وزیر زادی کے لیے ایک عالی شان کشتی بنا کر اُسے اور اُس کے ساتھیوں کو سوار کیا۔ یہ حکم انھیں وزیر سے مل چکا تھا کہ جب وہ لوگ پہاڑ پر پہنچیں اور لڑکی کو محل میں داخل کر چکیں تو کشتی لے کر واپس آجائیں اور خشکی پر اتر کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ غرض کہ انھوں نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا کہ انھیں حکم ملا تھا اور ساری سرگزشت پر افسوس کرتے واپس آ گئے۔

یہ قصہ یہاں ختم ہوا۔ اب اُنس الوجود کا حال سنو۔ اس نے صبح کے وقت اُٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سوار ہو کر سلطان کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ راہ میں وہ دستور کے موافق وزیر کے دروازے پر سے گزرا کہ شاید وزیر کے مصاحبوں میں سے کوئی اُسے مل جائے۔ جوں ہی اس کی نظر دروازے پر پڑی اُس نے وہ اشعار جن کا ذکر اوپر آ چکا ہے وہاں لکھے دیکھے۔ دیکھتے ہی اُسے سکتہ سا ہو گیا، دماغ میں شعلے اور دل میں آگ بھڑکنے لگی۔ وہ اپنے گھر پلٹ پڑا اور کسی پہلو چین نہ آتا، طبیعت بے قابو ہوئی جاتی تھی۔ اسی پریشانی اور بے چینی میں رات ہو گئی، صبر کا دامن ہاتھ

سے چھوٹ گیا اور وہ کسی کو خبر کیے بغیر بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں دیوانہ وار گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ رنج وغم کی شدت میں اُسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں اسی طرح بے سروپا رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی دن نکلا دھوپ تیز ہوگئی پہاڑ تپنے لگے اور پیاس کے مارے بُرا حال ہوا تو کہیں اس کے قدم سُست پڑے۔ اب اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کے قریب ایک چشمہ بہہ رہا تھا وہ جا کر درخت کے نیچے چشمے کے کنارے بیٹھ گیا اور دم لے کر پانی پینے لگا تو کچھ مزہ نہ آیا، پیاس نہ بجھی۔ تلووں میں چھالے، گھٹنے سوجے ہوئے، چہرہ زرد، پتلا حال، نہ سنگ نہ ساتھی۔ اپنی بے بسی پر دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی، پھر یکایک اسے کچھ حوصلہ سا اُٹھا، فوراً اٹھ کر اس جگہ سے چل دیا۔ جنگل بیابان میں چلا جا رہا تھا کہ ایک شیر سامنے سے آتا دکھائی دیا جس کی گردن اس کی ایال سے ڈھکی ہوئی تھی جیسے گُنبد، مُنہ دروازے سے زیادہ چوڑا اور دانت ہاتھی کی طرح۔ انس الوجود کی جو نظر اس پر پڑی اُسے موت سامنے کھڑی معلوم ہوئی۔ وہ قبلے کی طرف منہ کر کے شہادت کا کلمہ پڑھنے لگا اور مرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ اگر کوئی شخص شیر کو پھسلانا چاہے تو وہ پھسلانے میں آجاتا ہے بشرطے کہ وہ میٹھے میٹھے الفاظ میں اس کی تعریف کرے۔ اس لیے اس نے کہنا شروع کیا اے بن کے شیر، اے میدان کے اسد، اے ضرغام، اے بہادر سورما، اے جانوروں کے بادشاہ، میں ایک مشتاق عاشق ہوں، عشق اور جدائی کے صدموں نے مجھے مردہ کر دیا ہے۔ جب دوست دور ہو جاتے ہیں تو انسان راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ میری باتیں کان لگا کر سُن اور میرے عشق ومحبت پہ رحم کھا۔ شیر کے کان میں یہ باتیں پڑیں تو وہ رُک گیا ایک جگہ بیٹھ کر اس کی طرف سر اٹھایا۔ اپنی دم اور پنجوں سے کھیلنے لگا۔ انس الوجود کی جان میں جان آگئی۔ اب شیر اٹھ کر اس کی طرف بڑھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ

کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چوہتّرویں رات

تین سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! شیر اُٹھ کر اُس کی طرف محبت سے بڑھا اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اُسے زبان سے چاٹنے لگا اور آگے بڑھ کر اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ انس الوجود نے اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا بہت دیر تک اسی طرح چلنے کے بعد ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ چوٹی سے اترا تو جنگل میں اُسے انسانی قدموں کے نشان دکھائی دیے اس نے پہچان لیا کہ یہ وردنی الاکمام کے ساتھیوں کے نقشِ پا ہیں وہ اُن نشانوں پر چلنے لگا۔ شیر نے دیکھا کہ وہ نشان نشان جا رہا ہے اور وہ سمجھ گیا کہ یہ ان لوگوں کے پاؤں کے نشان ہیں جو اس کی محبوبہ کو لے گئے ہیں تو شیر واپس چلا گیا۔ اب انس الوجود دن رات چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک موجزن اور متلاطم سمندر کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ نشان سمندر کے کنارے تک پہنچ کر ختم ہو گئے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ لوگ یہاں سے کشتی پر بیٹھ کر سمندر کے راستے سے گئے ہیں۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں، آنسو بہنے لگے اور وہ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ بہت دیر کے بعد جب اس کی حالت سنبھلی تو وہ اِدھر اُدھر دیکھنے لگا لیکن جنگل میں کوئی شخص اُسے نظر نہ آیا۔ سمندر میں موجیں اٹھ رہی تھیں ڈر کے مارے ایک اونچے پہاڑ پر جا چڑھا۔ وہاں اُسے کچھ آواز سی سنائی دی جو ایک غار میں سے آ رہی تھی، کان لگا کر سننے لگا۔ وہ آواز ایک عابد کی تھی جو دنیا کو چھوڑ کر عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے تین بار غار کے دروازے پر دستک دی

لیکن کسی نے جواب دیا نہ کوئی نکل کر باہر آیا انس الوجود اپنی بے کسی پر رونے لگا۔
اتنے میں غار کا دروازہ کھلا اور اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ تجھ پر میری رحمت ہو۔ انس الوجود دروازے کے اندر گیا، عابد کو سلام کیا، اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام انس الوجود ہے۔ عابد نے دریافت کیا یہاں تو کیوں آیا ہے؟ اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک دہرا دیا۔ انس الوجود کی دکھ بھری کہانی سن کر عابد کے آنسو نکلنے لگے۔ اس نے کہا مجھے اس غار میں رہتے بیس سال ہو گئے ہیں لیکن کل سے پہلے میں نے کسی کو یہاں نہیں دیکھا۔ میں اپنے شغل میں تھا کہ رونے پیٹنے کی آوازیں میرے کانوں میں آئیں۔ باہر نکلا تو مجھے سمندر کے کنارے بہت سے لوگ اور خیمے دکھائی دیے۔ میں نے دیکھا کہ انھوں نے ایک کشتی بنائی اور کچھ لوگ اس میں سوار ہو کر روانہ ہو گئے۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ کشتی میں واپس آئے اور اسے توڑ پھوڑ کر چلتے ہوئے۔ میرے خیال میں اے انس الوجود، تو انھی لوگوں کی کھوج میں ہے اور اب نہ تیرے غم کی انتہا ہے نہ تیری مجبوری کی۔ مگر ایسا عاشق کہیں نہیں دیکھا گیا جسے حسرتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ یہ کہہ کر عابد اٹھا اور اس نے انس الوجود کو گلے سے لگا لیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پچھترویں رات

تین سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عابد نے اُٹھ کر انس الوجود کو گلے سے لگایا دونوں رونے لگے اتنا روئے کہ ان کے رونے سے پہاڑ کانپ اٹھے اور دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا

تو انھوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ ہم دونوں فی سبیل اللہ ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ اس کے بعد انس الوجود نے عابد سے کہا میں آج رات کو نماز پڑھ کر خدا سے استخارہ کروں گا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ اور دونوں خاموش اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔

یہ تو انس الوجود کا قصہ ہوا، اب ورد فی الاکمام کا حال سنیے۔ جب لوگ اُسے پہاڑ پرلے گئے اور محل میں داخل کیا تو وہ اُس کی آراستگی کو دیکھ کر رونے لگی اور کہا واللہ اے محل تو بڑا خوب صورت ہے مگر تجھ میں کمی ہے تو محبوب کی۔ اس نے وہاں جزیرے میں بہت سے پرندے دیکھے اور ایک مصاحب سے کہا کہ جال لگا کر ان کو پکڑ اور محل کے اندر پنجروں میں بند کر۔ اس نے حکم کی تعمیل کی پھر وہ محل کے جھروکے میں جا بیٹھی اور اپنی ساری سرگزشت یاد کرنے لگی۔ اس کی محبت اور تمنائیں زور پکڑنے لگیں۔ رات کا اندھیرا چھا گیا اور اس کی حسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی تو اس کے آنسو بہنے لگے۔

یہ تو اِدھر اس حال میں تھی اُدھر انس الوجود کا ماجرا سنیے۔ عابد نے اس سے کہا کہ وادی میں جا کر میرے پاس کھجور کی شاخیں اور پتے لے آ، وہ جا کر لے آیا۔ عابد نے اُن شاخوں اور پتوں سے ایک ٹوکرا بنایا اور انس الوجود سے کہا کہ وادی کے بیچ میں ایک بیل ہے جس کی جڑیں پانی کے اندر ہوتی ہیں۔ وادی میں جا کر اس ٹوکرے کے اندر اس بیل کو بھر لیجیو اور انھیں مضبوط باندھ کر ٹوکرے کو سمندر میں ڈال دیجیو اور اس میں بیٹھ کر سمندر میں اتر جائیو تاکہ تیری مراد حاصل ہو۔ جو شخص اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالتا مقصد تک نہیں پہنچتا۔ انس الوجود عابد سے رخصت ہو کر وادی کی طرف چلا۔ عابد نے اسے دعا دی اور اس نے جا کر ویسا ہی کیا جیسا عابد نے کہا تھا۔ جب وہ ٹوکرے میں بیٹھ کر بیچ سمندر میں پہنچا تو ایک طوفان آیا اور ٹوکرا اُلٹ گیا۔ عابد کی نظروں سے اس کی صورت

اوجھل ہوگئی اور وہ سمندر کے تلاطم میں تیرنے لگا، ایک لہر اُسے اُبھارتی تو دوسری ڈبو دیتی۔ سمندر کے تمام عجائب اور خطرے اس کی نظر کے سامنے سے گزرتے یہاں تک کہ تین دن بعد تقدیر نے اُسے جبل الثکلا پر لا پھینکا۔ جب وہ خشکی پر پہنچا تو اس کی حالت ایسی تھی جیسی اس چڑیا کے بچے کی جسے چکر آرہے ہوں اور وہ مارے بھوک پیاس کے بے چین تھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ چشمے بہہ رہے ہیں اور شاخوں پر چڑیاں گا رہی ہیں۔ چھوٹے بڑے تمام درخت پھلوں سے لدے پڑے ہیں۔ اس نے کچھ پھل کھائے، چشموں کا پانی پیا اور اُٹھ کر آگے قدم بڑھائے۔ دُور سے اسے کوئی سفید سی چیز دکھائی دی اور وہ اس طرف روانہ ہوگیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک مضبوط اور عالی شان محل ہی۔ محل کے دروازے پر پہنچا تو اس میں قفل پڑا ہوا تھا، وہ وہیں بیٹھ گیا۔ تین دن کے بعد محل کا دروازہ کھلا اور ایک نوکر نکلا اس نے انس الوجود کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا تو کہاں سے آیا ہی اور تجھے کون یہاں لایا ہی؟ اس نے جواب دیا اصفہان کا رہنے والا ہوں، تجارت کا مال لے کر سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ میری کشتی ٹوٹ گئی اور موجوں نے مجھے لاکر اس جزیرے میں پھینک دیا۔ یہ سن کر خادم رونے لگا اور اس کے گلے ملا اور بولا ای عزیز دوست میرا وطن بھی اصفہان ہی وہاں میری ایک چچیری بہن ہی جس سے لڑکپن میں مجھے عشق تھا آٹھ پہر اس کے لیے بے قرار رہتا۔ اتفاقاً ایک قوم نے جو ہم سے زیادہ طاقت ور تھی ہم پر حملہ کیا اور منجملہ اور غنیمت کے مال کے مَیں بھی ان کے ہاتھ آیا۔ مَیں کم سن تو تھا ہی لوگوں نے میرے خُصیے کاٹ کر خصّی کر دیا اور بیچ ڈالا اب مَیں اس حالت میں ہوں جیسا کہ تو دیکھتا ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھتّرویں رات

تین سو چھتّرویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! خادم نے کہا کہ اب میں اس حالت میں ہوں جو ظاہر ہے۔ پھر وہ اُسے محل کے اندر لے گیا۔ اندر جا کر انس الوجود نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا حوض ہے اور اس کے گرداگرد درخت ہیں، درختوں کی شاخوں سے چاندی کے پنجرے لٹک رہے ہیں جن کی کھڑکیاں سونے کی ہیں اور ان کے اندر چڑیاں چہچہا رہی اور خدا کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جب وہ پہلے پنجرے کے پاس پہنچا تو اس میں ایک قمری تھی۔ قمری نے اُسے دیکھتے ہی اپنی آواز نکالی اور یا کریم! یا کریم! کہنے لگی۔ انس الوجود کو غش آگیا۔ ہوش آیا تو وہ آہیں بھرنے اور اشعار پڑھنے لگا اور اتنا رویا کہ ہوش قائم نہ رہے۔ ذرا سُدھ آئی تو آگے بڑھا دیکھا کہ دوسرے پنجرے میں ایک فاختہ ہے فاختہ کی اس پر نظر پڑی تو اس نے کوکو، حق سرہ کی صدا لگائی اور گانا شروع کیا کہ اے ہمیشگی والے، میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ انس الوجود کو وجد آگیا کبھی آہیں بھرتا کبھی اشعار پڑھتا۔ پھر یہاں سے وہ تیسرے پنجرے کے پاس پہنچا۔ اس میں ایک ہزار داستان بند تھا۔ اس کے چہچہے سن کر انس الوجود کی زبان پر اشعار جاری ہو گئے۔ اس سے فارغ ہو کر وہ چوتھے پنجرے کی طرف گیا جس میں ایک بلبل بند تھی وہ بھی انس الوجود کو دیکھ کر گانے اور نوحہ کرنے لگی جسے سن کر اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ حسرت آمیز اشعار پڑھتا آگے بڑھا۔ دس پانچ ہی قدم چلا ہو گا کہ اسے ایک ایسا خوب صورت پنجرا نظر آیا جس کا جواب اس محل میں نہ تھا۔ اس کے قریب آیا تو اس میں ایک جنگلی کبوتر نظر آیا جو ایک مشہور پرندہ ہے۔ وہ محبت کا مارا رو رہا تھا گردن میں ہیروں کی ایک نفیس

مالا پڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے پنجرے میں بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا۔ اس کی یہ کیفیت دیکھی تو انس الوجود کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ عشقیہ اشعار پڑھنے لگا۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو ستّھرویں رات

تین سو ستّھرویں رات آئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب انس الوجود اشعار پڑھ چکا تو جنگلی کبوتر کو ہوش آگیا اور وہ پھڑ پھڑانے اور نوحہ کرنے لگا۔ اب انس الوجود نے اپنے دوست اصفہانی سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا محل ہے، اس میں کون رہتا ہے اور اسے کس نے بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں بادشاہ کے وزیر نے اسے اپنی بیٹی کے لیے بنایا ہے اور اُسے اور اُس کی سہیلیوں کو یہاں لا کر رکھا ہے تاکہ وہ زمانے کے حادثوں سے بچی رہے۔ محل کو سال میں ایک بار ہم کھولتے ہیں وہ بھی اس وقت کہ وزیرزادی کے کھانے پینے کا سامان آتا ہے۔ انس الوجود نے اپنے دل میں کہا کہ مراد برآنے میں تو کسر نہیں لیکن بہت مدت لگے گی۔

اب انس الوجود کو امیدوں کے دروازے پر چھوڑ کر ورد فی الاکمام کی سرگزشت سنیے۔ اُسے کھانا پینا بھاتا تھا نہ بیٹھنا اور سونا۔ جب محبت کی بے چینی زیادہ ہوئی تو وہ اٹھ کر مکان کے چاروں طرف پھرنے لگی لیکن کہیں جی نہ لگا۔ ہر چیز اُداس نظر آئی اس کے آنسو بہنے لگے وہ چھت پر چڑھ گئی اور بعلبکی کپڑے اپنی کمر سے باندھ کر نیچے زمین پر اتر گئی۔ اس وقت وہ اپنے بہترین لباس میں

تھی اور اس کے گلے میں ہیرے کا ہار پڑا ہوا تھا۔ جنگل اور بیابان میں گزرتی ہوئی سمندر کے کنارے پہنچی وہاں اس نے ایک ماہی گیر کو دیکھا جسے کشتی میں بیٹھے بیٹھے اور مچھلیاں پکڑتے پکڑتے طوفان نے لاکر اس جزیرے میں پھینک دیا تھا۔ ماہی گیر کی نظر جو ورد الاکمام پر پڑی تو وہ ڈرا اور کشتی میں بیٹھ کر بھاگا۔ لڑکی نے اُسے آوازیں دیں اور بہت سے اشارے کیے۔ ماہی گیر رونے اور آہیں بھرنے لگا اسے اپنی جوانی کا وہ زمانہ یاد آگیا جب کہ وہ محبت میں گرفتار تھا اور عشق اُسے مارے ڈالتا تھا، اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کی کوئی حد نہ تھی، وہ کشتی کو کنارے پر لے آیا اور لڑکی سے کہا سوار ہو جا جہاں تو چاہے گی میں پہنچا دوں گا۔ وہ سوار ہو گئی اور ماہی گیر کشتی کو کھینے لگا۔ ابھی وہ خشکی سے زیادہ دور نہ پہنچا ہو گا کہ پیچھے سے آندھی آئی اور کشتی تیزی کے ساتھ چلی۔ ایسی کہ چند ہی منٹ میں خشکی دونوں کی نظروں سے غائب ہو گئی اور ماہی گیر کو یہ پتا نہ چلا کہ وہ کہاں ہے۔ تین دن تک چلنے کے بعد آندھی رُکی اور کشتی سمندر کے کنارے ایک شہر پر جا لگی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھتّرویں رات

تین سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کشتی کنارے پر آ لگی تو ماہی گیر نے اسے ساحل پر باندھنا چاہا۔ اس شہر کا ایک بڑا طاقت ور بادشاہ تھا اور اس کا نام درباس تھا۔ اتفاق سے اُس وقت وہ اور اس کا بیٹا محل کے جھروکے میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر سمندر

کی طرف پڑی تو انھیں یہ کشتی دکھائی دی۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک لڑکی ہے جیسے افق پر چودھویں رات کا چاند، اس کے کانوں میں قیمتی بلخش کی بالیاں اور گلے میں ہیرے جواہرات کا ہار۔ انھیں یقین ہوا کہ یہ بڑے لوگوں یا بادشاہوں کی بیٹیوں میں سے ہوگی۔ بادشاہ اپنے محل سے اتر کر پیچھے کے دروازے سے باہر آیا دیکھا کہ کشتی کنارے پر لگی کھڑی ہے۔ اتنے میں لڑکی سو گئی اور ماہی گیر کشتی باندھنے میں لگا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے جگایا وہ اُٹھ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے کہا تو کہاں سے آئی ہے کس کی بیٹی ہے اور یہاں تیرا کیسے آنا ہوا؟ ورد فی الاکمام نے جواب دیا میں بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کی بیٹی ہوں اور میرے یہاں آنے کا قصہ عجیب وغریب ہے۔ پھر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ ذرا پس و پیش نہ کیا اور رونے اور آہیں بھرنے لگی۔ اس کی باتیں سننے کے بعد بادشاہ سمجھا کہ وہ ضرور محبت کی ماری ہوئی ہے۔ اُسے اس پر ترس آگیا اور کہنے لگا کہ ڈر نہیں، غمگین نہ ہو، تیری مراد برآئے گی، میں تیری حاجت روائی اور مطلب برآری کر کے رہوں گا۔

لڑکی کو تسلی دے کر بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا۔ اُسے بہت سامال دیا اور کہا اسے بادشاہ شامخ کے پاس لے جا اور وہاں سے اس شخص کو لے کر آ جس کا نام انس الوجود ہے کہیو ہمارا بادشاہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے سردار انس الوجود کے ساتھ کر کے اس سے رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے، اس لیے ضرور اُسے میرے ساتھ روانہ کر تاکہ اس کی شادی سسرال میں منائی جائے زبانی ہدایتیں کر کے بادشاہ درباس نے بادشاہ شامخ کو اسی مضمون کا ایک خط بھی لکھا اور اسے وزیر کے حوالے کر کے تاکید کر دی کہ انس الوجود کو ضرور لائیو

اگر تو اُسے نہ لایا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا۔ وزیر بادشاہ کا خط اور تحفے تحائف لے کر بادشاہ شامخ کے پاس روانہ ہوگیا۔ وہاں پہنچ کر وزیر نے بادشاہ شامخ کو بادشاہ درباس کا سلام پہنچایا خط دیا اور تحفے تحائف پیش کیے۔ بادشاہ شامخ نے تحفے دیکھے خط پڑھا اور اس میں انس الوجود کا نام دیکھا تو دھاڑیں مار کر رونے لگا اور اُس وزیر سے کہا جو اُس کے پاس آیا تھا کہ انس الوجود ہی کہاں! وہ غائب ہو اور نہیں معلوم کہاں ہی۔ اگر تو اُسے میرے پاس لے آئے تو میں تجھے ان ہدیوں کا کئی گنا دوں گا جو تو لایا ہی۔ یہ کہتے کہتے بادشاہ کا دل بھر آیا۔ ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور اس کے آنسو جاری ہوگئے۔ بعدازاں وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور بولا انس الوجود ایک سال سے غائب ہی اور آج تک پتا نہیں چلا کہ کہاں گیا۔ وزیر نے کہا اے میرے مولی، میرے آقا کا حکم کہ اسے لے کر آئیو۔ لے کر نہ آیا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا بلکہ شہر کے اندر گھسنے نہ پائے گا لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہی کہ میں بے اس کے واپس جاؤں! اس پر بادشاہ شامخ نے اپنے وزیر ابراہیم سے کہا کہ اس کے ساتھ جا اور جگہ جگہ انس الوجود کو تلاش کر۔ چنانچہ دونوں وزیر اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انس الوجود کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اُناسیویں رات

تین سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ شامخ کا وزیر ابراہیم اپنے ملازموں اور بادشاہ درباس کے وزیر کو لے کر انس الوجود کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جہاں ان کا گزر کسی عرب یا غیر عرب قوم پر ہوتا وہ انس الوجود کے

متعلق سوال کرتے اور کہتے کہ اس نام اور اس صفت کا کوئی شخص تو تمہارے علاقے سے نہیں گزرا؟ وہ جواب دیتے کہ ہمیں اس کی خبر نہیں۔ شہروں اور قریوں میں پوچھتے پوچھتے میدانوں، پہاڑوں، جنگلوں اور بیابانوں میں تلاش کرتے کرتے آخر سمندر کے کنارے پر پہنچے اور ایک کشتی میں بیٹھ کر پانی کھنگولتے چلے جبل الثکلا کے پاس جا پہنچے۔ بادشاہ درباس کے وزیر نے بادشاہ شامخ کے وزیر سے پوچھا اس پہاڑ کو جبل الثکلا کیوں کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پرانے زمانے میں یہاں ایک پری کا اُتارا تھا وہ پری چین کے جنات میں سے تھی اور اُسے ایک انسان سے محبت ہو گئی تھی وہ آدم زاد بھی اس پری پر عاشق تھا لیکن پری اپنے خاندان والوں سے ڈرتی تھی۔ جب اس کا عشق حد سے گزر چلا تو اس نے ایک ایسی جگہ ڈھونڈنی چاہی جہاں اپنے معشوق کو اپنی ذات برادری والوں سے چھپا کر رکھے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اِس پہاڑ پر پہنچی، یہاں نہ انسان کا گزر ہی اور نہ جنات کا، نہ انسان ادھر آتا ہو نہ جن۔ مرضی کے موافق جگہ مل گئی تو وہ اپنے معشوق کو اُڑا لائی اور اُسے لاکر یہاں رکھا۔ جب موقعہ ملتا خاندان والوں سے چھپ کر یہاں آتی اور اپنے معشوق کے پاس رہتی۔ مدت تک یہی حالت رہی، ان کے ہاں اسی پہاڑ پر کئی اولادیں بھی ہو گئیں۔ جو کوئی مسافر تاجر ادھر سے گزرتا اسے اس طرح بچوں کے رونے کی آواز آتی کہ کوئی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں رو تی ہو۔ آنے جانے والے کہتے کیا اس جگہ کوئی ثکلا ہے یعنی ایسی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں؟ چنانچہ لوگ اسے جبل الثکلا کہنے لگے۔ یہ قصہ سن کر بادشاہ درباس کے وزیر کو بڑا تعجب ہوا۔

القصہ چلتے چلتے وہ محل کے پاس جا پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک خادم نکلا۔ بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کو

پہچان کر اس نے سلام کیا اس کے ہاتھ چومے اور اندر لے گیا۔ محل میں داخل ہو کر وزیر نے دیکھا کہ خادموں کے ساتھ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہی۔ یہ انس الوجود تھا۔ وزیر نے پوچھا یہ کہاں سے آیا ہی؟ انھوں نے جواب دیا کہ یہ ایک تاجر ہی۔ غریب طوفان میں اپنا سارا مال کھو بیٹھا فقط اپنی جان لے کر یہاں تک پہنچا اور اب مجذوب ہو گیا ہی۔ اُسے وہیں چھوڑ کر وزیر محل میں پہنچا لیکن اپنی بیٹی کا نشان تک نہ پایا کنیزوں سے جو وہاں تھیں پوچھا۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں کچھ نہیں معلوم کہ وہ کس طرح چلی گئی ہمارے آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہی۔ یہ سن کر وزیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے وہ رونے پیٹنے اور آہ وزاری کرنے لگا اور اس نے کہا کہ خدا کی تقدیر کے مقابلے میں کوئی تدبیر نہیں چلتی وہ جو قسمت میں لکھ دیتا ہی اس سے ہرگز مفر نہیں۔ اس کے بعد وہ چھت پر چڑھا اس نے دیکھا کہ بعلبکی کپڑے محل کی ایک کھڑکی سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کے سرے زمین پر لٹکے ہوئے اسے یقین ہو گیا کہ وہ یہیں سے اتر کر حیران و پریشان چل کھڑی ہوئی ہی۔ اتنے میں اس کی نظر ایک کوّے اور ایک اُلو پر پڑی۔ اس نے ان سے بدشگونی لی اور آہ و بکا کرنے لگا۔ روتا پیٹتا محل سے نیچے اترا اور خادموں کو حکم دیا کہ جا کر پہاڑ میں اپنی مالکہ کو ڈھونڈیں۔ انھوں نے ایسا ہی کیا لیکن کہیں اس کا سراغ نہ پایا۔

اسی اثنا میں جب انس الوجود کو یہ خبر لگی کہ ورد فی الاکمام وہاں سے چلی گئی ہی تو اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا، دیر تک اسی غشی کی حالت میں پڑا رہا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ وہ خدا میں جذب ہو گیا ہی اور اس کی ہیبت کے جمال میں غرق ہی۔ نوکر چاکر انس الوجود سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وزیر ابراہیم اپنی بیٹی کی تلاش میں لگ گیا تو درباس بادشاہ کے وزیر نے وطن جانے کی ٹھان لی کیونکہ اس سفر کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وزیر ابراہیم جب اس سے رخصت

ہونے لگا تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس فقیر کو اپنے ساتھ لیتا جاؤں، ممکن ہے
کہ اس کی برکت سے خدا بادشاہ کا دل میری طرف مائل کر دے کیونکہ وہ مجذوب ہے.
پھر میں اُسے اس کے گھر اصفہان بھیج دوں گا وہ شہر ہمارے ملک سے قریب ہے. وزیر
ابراہیم بولا کہ تیری مرضی. چنانچہ دونوں وزیر اپنی اپنی راہ لگے اور بادشاہ درباس
کا وزیر انس الوجود کو اپنے ساتھ لیتا گیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس
نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھّائیسویں رات

تین سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ
درباس کا وزیر انس الوجود کو اسی بے ہوشی کی حالت میں اپنے ساتھ لے کر روانہ
ہوا. تین دن تک وہ اسی بے ہوشی کی حالت میں خچر پر لدا چلتا رہا اسے یہ بھی
خبر نہ تھی کہ سفر میں ہوں یا کہاں. جب اُسے ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ میں کہاں
ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ تو بادشاہ درباس کے وزیر کے ساتھ ہے. اس کے بعد
انھوں نے جاکر وزیر کو خبر کی کہ فقیر کے ہوش وحواس درست ہو گئے ہیں۔ وزیر نے
اس کے لیے گلاب کا عرق اور شربت بھیجا نوکروں نے اسے شربت پلا کر پھر سوار
کر دیا اور چلتے چلتے وہ بادشاہ درباس کے شہر کے پاس پہنچ گئے. بادشاہ درباس
نے وزیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر انس الوجود تیرے ساتھ نہیں ہے تو ہرگز میرے
پاس نہ آئیو. بادشاہ کا یہ حکم سن کر اسے بڑا صدمہ ہوا. نہ تو وزیر کو یہ معلوم تھا کہ
ورد فی الاکمام بادشاہ کے پاس ہے اور نہ ورد فی الاکمام کو اس کی خبر تھی کہ بادشاہ
نے اُسے انس الوجود کی تلاش میں کیوں روانہ کیا ہے اور اس سے کس لیے ناتہ رشتہ

قائم کرنا چاہتا ہے۔ اور نہ انس الوجود کو یہ علم تھا کہ لوگ اُسے کہاں لیے جا رہے ہیں نہ یہ کہ وزیر اس کی تلاش میں بھیجا گیا ہے۔ اور وزیر بھی اس سے بے خبر تھا کہ انس الوجود یہی ہے۔ جب وزیر نے دیکھا کہ انس الوجود کی غشی جاتی رہی ہے تو اس سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک ضرورت سے بھیجا تھا اور وہ پوری نہیں ہوتی۔ میرے ناکام آنے کی خبر سن کر اب اس نے مجھے ایک خط لکھا ہے کہ اگر خالی ہاتھ آیا ہے تو میرے شہر میں قدم نہ رکھیو۔ انس الوجود نے پوچھا کہ بادشاہ نے تجھے کس کام کے لیے بھیجا تھا؟ وزیر نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ انس الوجود نے کہا کہ بے دھڑک بادشاہ کے پاس میرے ساتھ چل، میں انس الوجود کو لانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ وزیر خوش ہو گیا اور کہا کہ کیا تو واقعی سچ کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ وزیر سوار ہو گیا اور اُسے اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ جب یہ دونوں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ انس الوجود کہاں ہے؟ انس الوجود بولا اے بادشاہ مجھے معلوم ہے کہ انس الوجود کہاں ہے۔ بادشاہ نے اُسے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ بتا وہ کس جگہ ہے؟ اس نے کہا بہت نزدیک۔ اگر تو بتا دے کہ تو اس سے کیا چاہتا ہے تو میں اُسے ابھی لا کر پیش کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے لیے تنہائی کی ضرورت ہے۔

بعد ازاں اس نے حاضرین کو رخصت کر دیا اور انس الوجود سے خلوت میں سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ انس الوجود نے کہا میرے لیے نفیس پوشاک منگوا کر مجھے پہنائیں انس الوجود کو فوراً لے آؤں گا۔ بادشاہ نے اس کے لیے عمدہ پوشاک منگوائی اور اس نے پہن کر کہا میں ہی وہ شخص ہوں جس کا نام انس الوجود ہے جو حاسدوں کے لیے تکلیف دہ ہے اور جو دلوں پر نگاہوں کے تیر مارتا ہے۔ بادشاہ نے کہا واللہ تم دونوں سچے عاشق ہو اور حسن کے آسمان پر دو چمکدار تارے اور تمھارا قصہ عجیب و غریب ہے۔ پھر بادشاہ نے اس سے وردالاکمام کی ساری کہانی

کو سنائی۔ انس الوجود بولا جہاں پناہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس وقت یہیں میرے پاس ہے اور فوراً قاضی اور گواہوں کو بلا کر دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور انس الوجود کے ساتھ بہت انعام واکرام کے ساتھ پیش آیا۔

اس کے بعد بادشاہ درباس نے وزیر شامخ کے پاس قاصد بھیج کر اُسے سارے ماجرے کی خبر کی جو اُسے انس الوجود اور وردنی الاکمام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شامخ کو بڑی خوشی ہوئی اس نے بادشاہ درباس کو لکھا نکاح تیرے ہاں پڑھایا گیا ہے جشن اور ہم بستری میرے ہاں ہونی چاہیے اور انھیں بلوانے کے لیے اونٹ سوار اور پیادے بھیجے۔ بادشاہ شامخ کا یہ پیغام بادشاہ درباس کے پاس پہنچا تو اس نے ان دونوں کو بہت کچھ مال و دولت دے کر بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ رخصت کیا اور وہ اپنے وطن پہنچے۔ وطن میں ان کے آنے کی بہار دیکھنے کے قابل تھی۔ اس سے زیادہ شان دار جلوس نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ بادشاہ شامخ نے تمام ڈومنیوں کو بلوایا جو گاتی بجاتی تھیں اور ولیمے کی دعوتیں دیں۔ سات دن تک یہی حالت رہی ہر روز بادشاہ شامخ لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کرتا اور انعام دیتا۔ اس کے بعد انس الوجود اور وردنی الاکمام کے پاس تخلیے میں گیا اُسے گلے سے لگا لیا۔ جوشِ مسرت میں دونوں رونے لگے گھڑی گھڑی دونوں ہم آغوش ہوتے یہاں تک کہ دونوں غش کھا کر گر پڑے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکیاسیویں رات

تین سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! آپس میں

ملنے کی خوشی میں دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب انھیں ہوش آیا تو پھر گلے لپٹ
گئے اور خلوت میں ایک دوسرے سے ہم آغوش پڑے رہے اور برابر مے نوشی اور
شعر خوانی اور قصہ گوئی ہوتی رہی حتیٰ کہ دونوں محبت کے سمندر میں غرق ہو گئے۔
یہ حالت سات دن تک رہی خوشی مسرت اور لذت کی وجہ سے ان کو یہ نہ
معلوم ہوتا کہ کب دن ہوا اور کب رات آئی، ہفتے سے ہفتہ ہو گیا گویا وہ سات
دن ایک دن سے زیادہ نہ تھے۔ ساتویں دن کا پتا بھی انھیں نوبت نقاروں کے
بجنے سے چلا۔ ورد فی الاکمام کو بڑا تعجب ہوا۔ انس الوجود نے سو سے زیادہ اس
کے بوسے لیے اور دونوں نکل کر باہر آئے لوگوں کو خلعت اور انعام دیے، بخششیں
کیں، ہدیے عطا کیے۔ اس کے بعد ورد فی الاکمام نے حکم دیا کہ حمام خالی کرایا جائے
اور انس الوجود سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک، میں چاہتی ہوں کہ ہم
دونوں حمام میں تنہا جائیں کوئی تیسرا نہ ہو اور میں تجھے وہاں دیکھوں پھر
وہ مزے میں آکر اشعار گانے لگی اور مل کر حمام گئے خوب لطف اٹھایا اور
پھر اپنے محل میں واپس آ گئے۔ انھوں نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر
کی یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔
پاک ہے وہ ذات جو نہ زائل ہوتی ہے اور نہ بدلتی ہے اور جو ہر چیز کا ملجا ہے۔

ابو نواس اور ہارون الرشید کی کہانی

سنا ہے ایک روز جب ابو نواس اکیلا تھا تو اس نے ایک نہایت شان دار
مجلس آراستہ کی، طرح طرح کے کھانے جن سے ہونٹوں اور زبان کو مزہ ملے جمع کیے۔
دستر خوان چنا جا چکا تو وہ ایک ایسے معشوق کی تلاش میں نکلا جو اس مجلس کے

قابل ہو چلتا جاتا اور دل میں دعا مانگتا جاتا کہ ای میرے اللہ میرے آقا میرے مولیٰ، میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو اس مجلس کے مناسب ہو اور میرے ساتھ آج ہم پیالہ وہم نوالہ ہو۔ وہ اپنی دعا ختم نہ کرنے پایا تھا کہ اُسے تین خوب صورت لڑکے دکھائی دیے گویا وہ جنّت کے غلمان تھے مگر تینوں مختلف رنگ کے۔ ابونواس کی یہی عادت تھی کہ وہ خوب صورت لڑکوں سے ہنسی مذاق کرتا اور ان کے چکنے چپڑے رُخساروں کے بوسے لیتا۔ اس نے بڑھ کر ان کو سلام کیا انھوں نے بہترین طریقے سے سلام کا جواب دیا۔ سلام کا جواب دے کر وہ چلے تھے کہ ابونواس نے ان کو روک لیا اور اپنے ساتھ لے جانے کے لیے پھسلانے لگا۔ لڑکوں نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے ساتھ چلنے پر رضا مند ہو گئے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بیاسیویں رات

تین سو بیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکے ابونواس کی باتوں میں آ گئے اور اس کے ساتھ ہو لیے۔ اس کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ تمام چیزیں وہاں موجود ہیں بیٹھ کر کھانے پینے اور لطف اُڑانے لگے اور پیتے پیتے جب سرور بڑھا تو مزے میں آ کر انھوں نے ابونواس سے کہا تجھے ہم اس بات میں حَکم بناتے ہیں تو یہ فیصلہ کر کہ ہم میں سے کون حسن وجمال اور قد و قامت میں دوسروں سے بہتر ہے۔ ابونواس نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو بوسے لیے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے

دوسرے کو اشارے سے بلایا اور اس کے ہونٹ چوم کر اس کی تعریف کرنی شروع کی۔ پھر اسی طرح تیسرے کے دس بوسے لیے اور اس کی مدح سرائی کرنے لگا۔ شراب گردش میں تھی۔ لڑکے ایک ایک جام پیتے تو وہ دو جام اور شعر خوانی کرتا۔ جب ابونواس پر نشے نے غلبہ پایا اور اسے ہاتھ اور سر میں کوئی تمیز نہ رہی تو وہ لڑکوں کے ساتھ بوس و کنار کرنے لگا۔

اسی حالت میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھڑکھڑایا۔ اجازت ملنے کے بعد جب دستک دینے والا اندر آیا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ تو امیرالمومنین ہارون الرشید ہے۔ اسے دیکھ کر سب کے سب کھڑے ہو گئے خلیفہ کے آگے زمین چومنے لگے اور اس کے ڈر کے مارے ابونواس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ امیرالمومنین نے کہا اے ابونواس! وہ بولا لبیک اے امیرالمومنین خدا تجھے کامیابی دے! خلیفہ نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا اے امیرالمومنین، پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے کہا اے ابونواس میں نے خدا سے استخارہ کیا تھا میں تجھے معترضین کا قاضی بناتا ہوں۔ ابونواس نے کہا کیا تیری مرضی ہے کہ میں وہاں کا قاضی بنوں؟ خلیفہ نے جواب دیا ہاں۔ ابونواس بولا اے امیرالمومنین کیا میں نے تجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس پر امیرالمومنین کو تیش آگیا اور وہ انھیں چھوڑ کر چلتا ہوا مگر غصے میں بھرا ہوا۔ رات بھر وہ ابونواس سے ناراض رہا اور ابونواس کی رات نہایت خوشی اور شادمانی سے گزری۔ صبح ہوئی اور سورج نکل کر چمکنے لگا تو ابونواس نے مجلس برخاست کی۔ لڑکے رخصت ہو گئے پھر اس نے درباری لباس پہنا اور اپنے گھر سے نکل کر امیرالمومنین کے پاس روانہ ہو گیا۔ امیرالمومنین کا دستور تھا کہ جب دربار برخاست کرتا تو مجلس کے کمرے میں جا کر بیٹھتا شاعر، مصاحب، گویّے حاضر ہوتے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھتے۔ چنانچہ وہ حسب معمول دربار سے اٹھ کر مجلس میں آیا

اور اپنے مصاحبوں کو بلا کر اپنی اپنی جگہ بیٹھنے کی اجازت دی۔ جب ابو نواس آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا تو امیر المومنین نے جلاد مسرور کو آواز دے کر کہا کہ ابو نواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول رکھے اور اس کے مُنہ میں لگام دے کر اُسے کنیزوں کی محل سراؤں میں پھرائے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو تراسیویں رات

تین سو تراسیویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! امیر المومنین نے جلاد مسرور سے کہا کہ ابو نواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول ڈالے اور اس کے منہ میں لگام دے کر اسے کنیزوں کی محل سراؤں اور بیویوں کے محلوں وغیرہ میں تشہیر کرے تاکہ وہ اس کا مذاق اڑائیں، اس کے بعد اس کا سر کاٹ کرے آئے۔ مسرور خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اُسے محل سراؤں میں پھرانے لگا جن کی تعداد سال کے دنوں کے برابر تھی۔ ابو نواس بڑا مسخرہ تھا، جو کوئی اُسے دیکھتا انعام دیتا یہاں تک کہ جب وہ لوٹا تو اس کی جھولی بھری ہوئی تھی۔ یہ اسی حالت میں تھا کہ جعفر برمکی خلیفہ کے سامنے پہنچا، وہ خلیفہ کے کسی ضروری کام کے لیے باہر گیا ہوا تھا، ابو نواس کو اس حال میں دیکھ کر پوچھنے لگا اے ابو نواس! اس نے کہا اے میرے مولیٰ، لبیک۔ جعفر نے پوچھا تو نے کون سا جرم کیا ہے جو تیری یہ گت بنی ہے؟ ابو نواس نے کہا جرم تو کوئی نہیں کیا۔ مگر ہاں میں نے اپنے مولیٰ خلیفہ کو اپنے بہترین اشعار پیش کیے تھے اور اس نے اپنے بہترین کپڑے مجھے عطا کیے۔ امیر المومنین نے یہ سنا تو اُسے بے اختیار ہنسی آگئی غصہ جاتا رہا اُسے معاف کر دیا اور ایک توڑا دینار کا عطا کیا۔

عبداللہ بن مَعْمَر التیمی کی کہانی

بصرے کے کسی شخص نے ایک کنیز خریدی اور اُس کی تعلیم و تربیت نہایت اچھے طریقے سے کی۔ اسی اثنا میں کنیز کے ساتھ اسے محبت ہو گئی اور محبت اس درجہ بڑھی کہ اس نے اپنا سارا مال مزے اڑانے میں صرف کر دیا کچھ باقی نہ رکھا اور ناداری کی وجہ سے اُسے سخت تکلیف ہونے لگی۔ کنیز نے اس سے کہا ای میرے آقا مجھے بیچ ڈال کیونکہ تجھے روپے کی ضرورت ہی، تیری ناداری دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہی۔ اگر تو مجھے بیچ کر میرے دام کھرے کرے تو یہ اس سے بہتر ہی کہ میں تیرے پاس رہوں۔ اس شخص نے اپنی غربت کا خیال کر کے اس کی یہ تجویز منظور کر لی اسے لے کر بازار گیا اور دلّال نے اُسے بصرے کے والی کے سامنے پیش کیا جس کا نام عبداللہ بن معمر تیمی تھا۔ والی کو کنیز پسند آئی پانسو دینار میں خرید لیا اور قیمت اس کے آقا کو دے دی۔ جب وہ دام لے کر واپس جانے لگا تو کنیز رونے لگی اس کا آقا بھی اسے روتا دیکھ کر آہیں بھرنے لگا۔ عبداللہ بن معمر نے ان دونوں کو غمگین دیکھا تو وہ کہنے لگا واللہ میں تمھاری جدائی کا باعث نہیں ہونا چاہتا مجھے یقین ہو گیا ہی کہ تم ایک دوسرے کو چاہتے ہو، اس لیے ای شخص تو دام اور کنیز دونوں لے جا، خدا تجھے برکت دے! عاشق و معشوق کو ایک دوسرے سے جدا کرنا دونوں پر مصیبت لانا ہی۔ دونوں نے عبداللہ بن معمر کا ہاتھ چوما اور اپنے گھر کو چلے گئے۔ اور جب تک وہ مرے نہیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ پاک ہی وہ ذات جسے موت نہیں آتی۔

بنو عذرہ کے عشق کی کہانی

بنو عذرہ میں ایک خوب صورت شخص تھا جو کسی دن بھی عشق سے خالی نہ رہتا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک خوب صورت عورت پر جو اسی قبیلے کی تھی عاشق ہو گیا۔ مدت تک خطوط لکھتا رہا لیکن وہ عورت اس پر برابر ستم ڈھاتی رہی اور اس کے پاس تک نہ پھٹکی، آخر محبت کی ناکامی اور تمناؤں کے بر نہ آنے کے صدمے سے وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ چوبیس گھنٹے بچھونے پر پڑا رہتا نہ نیند آتی نہ چین آتا۔ رفتہ رفتہ لوگوں پر اس کی حالت کھل گئی اور اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چوراسیویں رات

جب تین سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس کے عشق کا چرچا ہوتا چلا اس کی بیماری بڑھتی گئی غم کا ٹھکانا نہ رہا اور وہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ دونوں خاندانوں کے لوگ لڑکی سے اصرار کرتے کہ وہ اس سے ملنے جاتے لیکن لڑکی برابر انکار کر دیتی یہاں تک کہ اب اس شخص کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ یہ خبر لڑکی کو ملی تو اُسے ترس آگیا اور اس سے ملنے کی ہامی بھر لی۔ لڑکی ملنے گئی اور اس نے اسے دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے عاشق کو روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگی اور کہا خدا کی قسم مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ عشق سے تیرا اتنا بُرا حال ہو گیا ہے اور تو مرنے کے قریب ہے۔ اگر مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں تیری خبر گیری کرتی اور تجھے اپنے وصال سے نہ ترساتی۔ لڑکی کی یہ باتیں سُن کر

اُس کا سینہ شق ہوگیا۔ اس نے ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ لڑکی اس کے اوپر گر پڑی کبھی اس کے بوسے لیتی کبھی روتی۔ آخر روتے روتے غش کھاکر اس کے پاس گر پڑی۔ ہوش آیا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا جب مَیں مروں تو مجھے بھی اسی کی قبر میں دفن کرنا۔ اس کے بعد پھر اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا روئی پیٹی کہ بے ہوش ہوگئی اور تین دن تک بے ہوش رہنے کے بعد مر گئی اور اسی کی قبر میں دفن ہوئی۔ محبت میں یہ بھی عجیب اتفاق کی بات ہے۔

بدرُالدّین کی کہانی

یمن کے وزیر صاحب دیوان بدرالدین کا ایک بھائی تھا انتہا درجے کا حسین۔ بدرالدین اس کی بڑی حفاظت کرتا۔ جب اُسے معلّم کی ضرورت ہوئی تو ایک ہیبت و وقار عفت والا اور دیانت دار بوڑھا شخص تلاش کیا۔ اسے اپنے پڑوس میں رہنے کی جگہ دی اور تعلیم دلوانی شروع کی۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا وہ ہر روز صاحب بدرالدین کے گھر جاتا اور اس کے بھائی کو پڑھاکر اپنے گھر لوٹ آتا۔ اتفاق کی بات بوڑھے کے دل میں اس لڑکے کی محبت نے گھر کر لیا اور عشق نے اتنا زور پکڑا کہ بالآخر اس نے لڑکے سے اپنا دکھڑا رو ہی دیا۔ لڑکے نے کہا مَیں کیا تدبیر کر سکتا ہوں بھائی کے پہرے میں ہوں دن رات میں کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ تجھے معلوم ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے مجھے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بوڑھا بولا میرا گھر تیرے گھر سے ملا ہوا ہے۔ تو یہ کر سکتا ہے کہ جب تیرا بھائی سو جائے تو اُٹھ کر پاخانے جائیو اور پھر لوگوں پر یہ ظاہر کر کے کہ تو سونے گیا ہے چھت کی دیوار پر آجائیو۔ دیوار کے پیچھے سے مَیں تجھے لے لوں گا۔ تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ کر

واپس چلا آئیو، تیرے بھائی کو خبر تک نہ ہوگی۔ لڑکے نے اقرار کرلیا۔ بوڑھے نے لڑکے کے قابل عمدہ عمدہ چیزیں تیار کیں اور رات آنے کا انتظار کرنے لگا۔ یہ تو بوڑھے کا قصہ ہوا، اب لڑکے کا حال سُنیے۔ وہ پاخانے میں جاکر وقت کا منتظر تھا کہ ایک پہر رات گزر گئی اور وزیر غافل ہوکر سوگیا۔ اب لڑکا اُٹھ کر آہستہ آہستہ دیوار کے پاس گیا دیکھا کہ بوڑھا کھڑا ہوا انتظار کر رہا ہے۔ بوڑھے نے اُسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بیٹھک میں لے گیا۔ وہ رات چاند کی چودھویں رات تھی دونوں بیٹھ کر مے نوشی کرنے لگے اور دَور چلنے لگا۔ چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا اور بوڑھا گا رہا تھا۔ دونوں ایسے مزے میں تھے جس سے عقل دنگ رہ جائے اور جس کی تعریف زبان سے نہ ہو سکے کہ اتنے میں صاحب بدرالدین کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا کہ بھائی غائب ہے۔ وہ مارے ڈر کے اٹھ بیٹھا اِدھر اُدھر نظر ڈالی تو دروازہ کھلا ہوا تھا وہ باہر آیا اور اسے کانا پھوسی کی آواز سُنائی دی، زینے پر ہوکر چھت پر چڑھا۔ اُسے برابر والے گھر میں روشنی دکھائی دی، جھانکا تو دیوار کے پیچھے دونوں بیٹھے ہوئے ہیں اور دَور چل رہا ہے۔ بوڑھے کو آہٹ معلوم ہوگئی اور وہ یہ شعر پڑھنے لگا: "وہ اپنے منہ کے احاب سے مجھے شراب پلاتا ہوا اپنے رخساروں سے مجھے سلام کرتا ہے اور رات بھر رخسار سے رُخسار ملائے بیٹھا رہتا ہے۔ لیکن چاند ہمارے اوپر پہرا دیتا ہے لہٰذا اُس سے کہہ دو کہ وہ چغل خوری نہ کرے"۔ صاحب بدرالدین کی شرافت کو دیکھو کہ جب اُس نے یہ اشعار سنے تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمھاری چغل خوری نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور دونوں نے خوب مزے اُڑائے۔

مکتب کے لڑکے لڑکی کی محبّت کی کہانی

ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے لڑکے کو لڑکی سے عشق ہوگیا؛ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پچاسویں رات

جب تین سو پچاسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! لڑکے کو لڑکی سے عشق ہوگیا۔ ایک روز جبکہ دوسرے لڑکے لڑکیاں کھیل کود میں مصروف تھیں۔ اس لڑکے نے لڑکی کی تختی لے کر اس پر یہ دو شعر لکھ دیے: "اس شخص کے بارے میں تیرا کیا خیال ہی جس کو اس بیماری نے سکھا کر کانٹا کر دیا ہو جو تیرے عشق کا نتیجہ ہی ؟ محبت اور غم کی وجہ سے وہ اپنا دکھڑا ہر ایک کے آگے روتا ہی کیونکہ وہ اپنے دل کی حالت چھپا نہیں سکتا" لڑکی نے تختی اُٹھائی تو اس نے یہ شعر لکھے ہوئے دیکھے۔ انھیں پڑھا ان کا مطلب سمجھا اور اُسے لڑکے پر ترس آگیا وہ رونے لگی اور ان اشعار کے نیچے یہ دو شعر لکھ دیے: "جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کا محبت سے بُرا حال ہو رہا ہی تو ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ ہم اس کی محبت کی آرزو پوری کر دیں گے خواہ ہم پر کچھ بھی گزرے"! اتفاق کی بات ان دونوں کی بے خبری میں معلّم وہاں پہنچا اور اس نے تختی اٹھا کر دیکھی اور اشعار پڑھ کر سمجھا کہ دونوں قابلِ رحم ہیں اس نے ان دونوں کے اشعار کے نیچے یہ دو شعر لکھ دیے: "اپنے عاشق کی دل داری کر اور اس کے انجام سے نہ ڈر کیونکہ تیرا

عاشق تیری محبت میں حیران و سرگرداں پھر رہا ہی۔ اب رہا معلم، اس سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں وہ بھی ایک زمانے تک عشق میں مبتلا رہا ہی" اتفاق سے اسی وقت لڑکی کا آقا مکتب میں آیا اس کی نظر تختی پر پڑی۔ اس نے تختی اٹھا کر وہ تمام اشعار جو لڑکی، لڑکے اور معلم نے لکھے تھے اس نے بھی اُن کے نیچے یہ دو اشعار لکھ دیے: "خدا تم دونوں کو کبھی جدا نہ کرے اور تمھارے حاسد حیران و پریشان رہیں! رہا معلم، اس سے زیادہ دریا دل میں نے کسی انسان کو نہیں دیکھا" پھر لڑکی کے آقا نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر اسی مجلس میں لڑکی کی شادی لڑکے سے کردی اور ان کی طرف سے ولیمے کی دعوت دی دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور دونوں خوش خوش ساتھ رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آپہنچی۔

مُتَلَمِّس شاعر اور اُس کی بیوی کی کہانی

جب مُتَلَمِّس شاعر نعمان بن منذر کے دربار سے بھاگا ہی تو بہت دنوں تک غائب رہا حتیٰ کہ لوگوں کو اس کے مرنے کا یقین ہو گیا۔ اس کی ایک بیوی تھی نہایت حسین اس کا نام اُمیمہ تھا۔ خاندان والوں نے اُسے مشورہ دیا کہ تو دوسری شادی کرلے اس نے انکار کردیا لیکن لوگ برابر اُس کے سر رہے اس لیے کہ ہر شخص اس سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا آخر اسے ایسا مجبور کیا کہ باوجود اپنے شوہر مُتَلَمِّس سے انتہائی محبت کے وہ طوعاً و کرہاً شادی کرنے پر رضامند ہو گئی اور اس کا نکاح اسی کے قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ ہو گیا۔ جس شخص سے نکاح کرنے پر لوگوں نے اسے مجبور کیا تھا اس کے ساتھ زفاف کی رات تھی کہ خدا کی شان اس کا شوہر

متلمس پہنچا۔ قبیلے میں اسے باجے گاجے کی آوازیں سنائی دیں اور جشن کے سامان نظر آئے۔ اس نے چند لڑکوں سے اس جشن کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا کہ متلمس کی بیوی اُمیمہ کی شادی فلاں شخص کے ساتھ ہوئی ہے۔ متلمس نے یہ سنا تو وہ کسی حیلے سے عورتوں کے ساتھ مل کر اندر چلا گیا اس نے دیکھا کہ دولھا آچکا ہے اور دونوں تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ امیمہ نے ٹھنڈا سانس لیا اور رو کر یہ شعر پڑھنے لگی: "حوادث کا اتنا ہجوم ہے کہ مجھے معلوم نہیں اے متلمس تو کس ملک میں ہے"۔ متلمس مشہور شاعروں میں سے تھا اس نے فوراً جواب دیا: "تجھ سے بہت قریب اے امیمہ، یقین کر کہ جب سوار سو جاتے تھے تو میری راتیں تیری تمنا میں گزرتی تھیں"۔ دولھا نے جو یہ سنا تو اسے یقین ہوا کہ متلمس آگیا اور دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو وہ یہ پڑھتا ہوا اور دونوں کے بیچ میں سے تیزی سے چلتا ہوا: "اب تک تو میری اچھی گزری مگر اب رات بُری گزرے گی اور تم دونوں کشادہ گھر اور محلس میں آرام کروگے"۔ یہ کہہ کر وہ چلتا بنا اور متلمس اپنی بیوی کے ساتھ اکیلا رہ گیا اور دونوں نے بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ موت نے انھیں الگ الگ کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

ہارونُ الرشید، زُبیدہ اور ابونواس کی کہانی

کہتے ہیں خلیفہ ہارون الرشید، زبیدہ کو بے حد چاہتا تھا، اس کی سیر و تفریح کے لیے اس نے ایک خاص محل سرا بنائی تھی جس کے اندر پانی کا ایک حوض تھا۔ حوض کے اردگرد گھنی جھاڑیاں تھیں، اس میں ہر طرف سے پانی آتا۔ جھاڑیاں اتنی گھنی تھیں کہ اگر کوئی اس حوض میں نہاتا تو ان کی شاخیں ٹٹیاں بن جاتیں

اور اُسے کوئی دیکھ نہ سکتا۔ ایک روز کا اتفاق سنیے شہزادی زبیدہ وہاں آئی اور حوض کے پاس پہنچی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھیاسیویں رات

جب تین سو چھیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! شہزادی زبیدہ حوض کے پاس آکر اس کی خوب صورتی کا تماشا دیکھنے لگی۔ اس کی رونق اور درختوں کا اس پر جھرمٹ بہت بھایا۔ اس دن گرمی زیادہ تھی وہ اپنے کپڑے اتار کر حوض میں اتر گئی اور پانی کے اندر جا بیٹھی۔ حوض اتنا گہرا نہ تھا کہ انسان اس میں کھڑا ہو کر پانی سے چھپ جائے اس لیے زبیدہ ایک چاندی کے لوٹے میں پانی بھر بھر کر اپنے بدن پر ڈالنے لگی۔ خلیفہ کو جو اس کی خبر لگی تو وہ اپنے محل سے نکل درختوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا دیکھا کہ وہ بالکل برہنہ ہے اور اس کے تمام پوشیدہ اعضا کھلے ہوئے ہیں۔ جب زبیدہ کو معلوم ہوا کہ امیرالمومنین درختوں میں چھپا کھڑا اسے برہنہ دیکھ رہا ہے تو شرم کے مارے اس نے اپنے دونوں ہاتھ اپنی مخصوص جگہ پر رکھ لیے مگر وہ مقام اتنا چوڑا چکلا اور موٹا تھا کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان میں سے بھی دکھائی دیتا رہا۔ خلیفہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا فوراً لوٹ گیا: "میری آنکھوں نے موت کی مدد کی اور میری محبت جوش مارنے لگی" آگے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے اس لیے اس نے ابونواس کو بلوایا۔ ابونواس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا ایک نظم کہہ جس کا پہلا شعر یہ ہو: "میری آنکھوں نے الخ" ابونواس نے فی البدیہہ یہ شعر کہے: "میری آنکھوں نے الخ ایک غزال صفت نے

مجھے بیری کے درخت کے نیچے گرفتار کر لیا۔ وہ ایک چاندی کے لوٹے سے اپنے اوپر پانی ڈالتی جاتی تھی۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو اس چیز کو چھپا لیا لیکن وہ دونوں ہاتھوں کے درمیان سے دکھائی دیتی تھی۔ کاش میں اس کے اوپر ایک دو گھڑی رہتا۔" یہ سُن کر امیرالمومنین مسکرایا اور اُسے انعام دیا اور مسرور سے کہا کہ اُسے جانے دے۔

ہارون الرشید اور کنیز اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیرالمومنین ہارون الرشید کا جی بہت گھبرایا وہ اُٹھ کر اپنے محل کے اردگرد ٹہلنے لگا اچانک اس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو نشے میں جھوم رہی تھی۔ خلیفہ اس کنیز کو بہت چاہتا اور اس سے محبت کرتا تھا اس لیے وہ اس سے ہنسی مذاق کرنے اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس ہاتھا پائی میں اُس کی چادر گر پڑی اور ازار کُھل گئی۔ یہ دیکھ کر خلیفہ وصل کا طالب ہوا۔ کنیز نے کہا کل رات تک مجھے معاف کرا ے امیرالمومنین، میں تیرے لیے تیار نہیں ہوں کیونکہ مجھے تیرے آنے کی خبر نہ تھی۔ خلیفہ اُسے چھوڑ کر چلا گیا۔ جب سویرا ہوا اور سورج کی روشنی پھیلنے لگی تو اس نے ایک غلام کے ہاتھ کنیز کو پیغام بھیجا کہ امیرالمومنین تیرے حجرے میں موجود ہے۔ کنیز نے اُس کے جواب میں کہلوا دیا کہ " کلام اللیل یمحوہ النہار" یعنی رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے۔ رشید نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایک ایک نظم کہو جس میں یہ مصرع آئے، " کلام اللیل الخ"۔ پہلے رقاشی آگے بڑھا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

" خدا کی قسم اگر تجھے بھی ایسی ہی محبت ہوتی جیسی کہ مجھے ہے تو صبر و قرار تجھ سے کوسوں دُور بھاگتے۔ تیری محبوبہ نے تجھے محبت میں گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے، نہ وہ آتی ہے اور نہ تجھے بلاتی ہے۔ جب وہ وعدہ کرتی ہے تو وعدہ خلافی کرتی ہے اور کہتی ہے

کہ رات کی بات کو الخ"۔ اس کے بعد ابومصعب نے آگے بڑھ کر کہا: " تیرا دل تو بے چین ہے، قرار آئے تو کیسے! صبر تو جاتا رہا ہے، نیند آئے تو کیونکر! کیا یہ تیرے لیے کافی نہیں کہ آنکھیں اشک آلود ہیں اور دل میں آگ بھڑک رہی ہے! اس پر اسے ہنسی آ گئی اور اس نے ناز سے کہا کہ رات کی بات الخ" پھر ابونواس نے یہ اشعار پڑھے: "عشق بڑھتا جاتا ہے اور وصل کی امید گھٹتی جاتی ہے۔ مَیں نے صاف صاف اپنی محبت جتائی لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ رات کے وقت وہ محل میں مخمور پھر رہی تھی نشے میں اس کی آن بان دوبالا ہو گئی تھی۔ ہاتھا پائی سے اس کی چادر کاندھے پر سے گر گئی اور اُس کی ازار کھُل گئی۔ میں نے کہا کہ اپنے عاشق سے وعدہ کر اور اُسے پورا کر۔ اس نے کہا کہ کل وصال ہوگا۔ جب مَیں دوسرے دن آیا اور اُسے وعدہ یاد دلایا تو وہ کہنے لگی کہ رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے"۔

خلیفہ نے حکم دیا کہ پہلے دونوں شاعروں کو ایک ایک توڑا عطا ہو اور ابونواس کی گردن اڑا دی جائے، اور اس سے کہا کہ تو رات کو محل میں موجود تھا۔ ابونواس نے کہا خدا کی قسم میں اپنے گھر میں سو رہا تھا، محض تیرا کلام دیکھ کر یہ مضامین میرے خیال میں آئے ہیں۔ خدا کا قول ہے کہ" شاعر کے پیچھے پیچھے شیطان لگے رہتے ہیں۔ تو نے خود دیکھا ہوگا کہ وادی وادی مارے مارے پھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں" اس پر خلیفہ نے اُسے معاف کر دیا، دو توڑے اشرفیوں کے دیے اور سب لوگ وہاں سے چلتے ہوئے۔

چکّی چلانے والے اور اُس کی بیوی کی کہانی

کسی شخص کے پاس ایک چکّی تھی اور ایک گدھا جو اسے چلاتا تھا۔ اس کی

ایک بدذات بیوی تھی شوہر بیوی کو چاہتا تھا مگر بیوی اس سے نفرت کرتی تھی اسے اپنے ایک پڑوسی سے محبت تھی اور پڑوسی کو اس سے نفرت، یہ شوہر کا کہنا نہ مانتی اور پڑوسی اس کا کہنا نہ مانتا۔ ایک رات شوہر نے خواب میں دیکھا کوئی اس سے کہ رہا ہے کہ گدھے کی چکی کے کھونٹے کے نیچے کھود تجھے وہاں خزانہ ملے گا۔ جب وہ سوکر اٹھا تو اس نے اپنی بیوی سے یہ خواب بیان کیا اور کہا کہ یہ راز کسی سے کہو نہیں۔ لیکن بیوی نے اپنے پڑوسی کو خبر کر دی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھاسیویں رات

جب تین سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! چکی والے کی بیوی نے اس کی خبر اپنے پڑوسی کو جسے وہ چاہتی تھی کر دی تاکہ وہ اس سے محبت کرنے لگے۔ پڑوسی نے اس سے رات کے وقت آنے کا وعدہ کر لیا رات ہوئی تو وہ آیا اور چکی کے نیچے کھود کر وہاں سے خزانہ نکالا۔ پھر وہ کہنے لگا اب کیا کریں؟ عورت نے جواب دیا اسے دو برابر برابر حصوں میں تقسیم کر۔ اس کے بعد تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے میں کسی بہانے سے اپنے شوہر سے جدا ہو جاؤں اور تو میرے ساتھ شادی کر لے۔ جب ہم دونوں مل جائیں گے تو کل خزانہ بھی یکجا ہو جائے گا اور ہمارے کام آئے گا۔ پڑوسی نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ شیطان تجھے بہکا دے اور تو میرے علاوہ کسی اور سے شادی کر لے کیونکہ سونے کا گھر میں ہونا ایسا ہی جیسا سورج کا دنیا میں ہونا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ سارا مال میرے پاس رہے تاکہ تجھے اس بات کا لالچ لگا رہے اور تو اپنے شوہر کو چھوڑ کر میرے پاس آجائے۔ عورت

بولی مجھے بھی وہی ڈر ہی جو تجھے ہو اس لیے میں اپنا حصّہ تجھے نہیں دوں گی، آخر میں نے ہی تو تجھے اس خزانے کا پتا دیا ہو۔ جب پڑوسی نے یہ باتیں سنیں تو شیطان نے اس سے کہا کہ عورت کو قتل کر دے اور اس نے اُسے قتل کر کے اسی جگہ ڈال دیا جہاں سے خزانہ ملا تھا اور صبح ہوتے ہوتے مال و دولت لے چمپت ہوا۔ اتنے میں چکّی والے کی آنکھ کھل گئی اس نے دیکھا بیوی نہیں ہو اس نے چکّی میں جاکر گدھے کو چکّی سے باندھا اور اُسے ہانکنے لگا۔ گدھا چل کر رُک گیا۔ چکّی والے نے اسے خوب مارا وہ جتنا مارتا اتنا ہی گدھا پیچھے ہٹتا جاتا کیونکہ وہ عورت کی لاش دیکھ کر بدکتا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ چکّی والے کو کیا خبر کہ گدھا کیوں نہیں چلتا۔ وہ گدھے کا ملگراپن نہ سمجھا۔ اب اس نے ایک چُھری لے کر اسے خوب گودا لیکن وہ ایک قدم آگے نہ سرکا۔ آخر اس نے تیش میں آکر گدھے کے پہلوؤں میں چُھریاں ماریں اور وہ مر کر گر پڑا۔ جب دن نکلا تو چکّی والے نے دیکھا کہ گدھا بھی مرا پڑا ہو اور اس کی بیوی بھی، اور ٹھیک اسی جگہ جہاں خزانہ تھا۔ اسے اور بھی زیادہ غصّہ آیا کہ خزانے کا خزانہ ہاتھ سے گیا۔ بیوی اور گدھا مرا سو الگ۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اپنی بیوی سے بھید کہہ دیا اور اس نے اسے پوشیدہ نہ رکھا۔

گدھے والے اور چور کی کہانی

ایک احمق اپنے گدھے کی رسّی پکڑے اسے اپنے پیچھے پیچھے لیے چلا جارہا تھا کہ دو چوروں کی نظر اس پر پڑی۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں ابھی اس گدھے کو اس شخص سے لیے آتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کس طرح؟ ساتھی بولا میرے پیچھے پیچھے آؤ اور تماشا دیکھو، وہ اس کے پیچھے پیچھے ہولیا۔ اب

یہ چور اس گدھے کی طرف بڑھا اور اس کی رسّی کھول کر اپنے ساتھی کے حوالے کیا اور خود اپنے گلے میں رسّی ڈال کر احمق کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ اس کا ساتھی گدھے کو لے کر غائب ہو چکا ہے تو وہ ٹھیر گیا اور احمق کے کھینچنے پر بھی آگے نہ بڑھا۔ احمق نے پیچھے مڑ کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ رسّی ایک انسان کی گردن میں پڑی ہوئی ہے اس نے پوچھا تو کیا بلا ہے؟ چور نے جواب دیا مَیں تیرا گدھا ہوں، میرا قصّہ عجیب وغریب ہے وہ یہ کہ میری ماں ایک پارسا بڑھیا ہے۔ ایک روز میں پیے ہوئے اس کے پاس آیا اس نے کہا بیٹا، اس گناہ سے خدا کے آگے توبہ کر۔ مَیں نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے مارا۔ اس نے بددعا دی اور خدا نے مجھے گدھا بنا کر تیرے حوالے کیا مَیں اتنی مدت تک تیرے پاس رہا۔ آج میری ماں کو میری یاد آئی اُسے میرے حال پر ترس آگیا اس نے میرے لیے دعا کی اور خدا نے پھر مجھے پہلے کی طرح انسان بنا دیا۔ احمق نے کہا لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ بھائی، خدا کے لیے میرا کیا دھرا معاف کر اور اس نے چور کے گلے سے رسی کھول دی اور غم اور غصّے میں بھرا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے پوچھا تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی اور گدھا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا تجھے گدھے کے متعلق کچھ خبر بھی ہے! سُن۔ یہ کہہ کر اس نے ساری سرگزشت دہرا دی۔ بیوی بولی ہائے افسوس، اتنی مدت تک ہم آدمی سے خدمت لیتے رہے! اس کے بعد اس نے خیرات کی، خدا سے مغفرت چاہی اور شوہر بہت دنوں تک گھر میں بے کار بیٹھا رہا۔ آخر کار عورت نے کہا تو کب تک گھر میں بے کار بیٹھا رہے گا؟ بازار جا کر دوسرا گدھا خرید لا اور روزی کما۔ یہ سن کر وہ بازار گیا اور ایک گدھے والے کے پاس ٹھیر گیا جو اپنا گدھا بیچ رہا تھا۔ گدھے کو دیکھ کر وہ اس کے پاس گیا اور اپنا منہ اس کے کان پر رکھ کر کہنے لگا کمبخت کہیں تو نے اپنی ماں کو تو نہیں مارا ہے اور اس وجہ سے گدھا ہو گیا ہے! خدا کی قسم مَیں تجھے ہرگز نہیں خریدوں گا، اور وہ

اُسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔

ہارون الرشید، زُبیدہ اور چمگادڑ کی کہانی

ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید دوپہر کے وقت سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا اور تخت اٹھایا جس پر وہ سویا تھا تو اس نے دیکھا کہ بچھونے پر تازی منی پڑی ہے۔ اسے بڑی پریشانی ہوئی، مزاج برگشتہ ہوگیا۔ اس نے شہزادی زبیدہ کو بلوایا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے پوچھا یہ بچھونے پر کیا چیز پڑی ہوئی ہے؟ زبیدہ نے اسے دیکھ کر کہا ای امیرالمومنین یہ منی ہے۔ خلیفہ بولا اس منی کی وجہ سچ سچ بتا ورنہ میں ابھی تیرے اوپر مصیبت ڈھا دوں گا۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین خدا کی قسم مجھے اس کا سبب معلوم نہیں تو جو بدگمانی میری طرف سے کرتا ہے اس سے میں بری ہوں۔ خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو بلوا کر اس سے سارا قصہ بیان کیا اور منی دکھائی۔ قاضی نے سر اوپر اٹھا کر چھت کی طرف دیکھا کہ اس میں ایک سوراخ ہے کہنے لگا ای امیرالمومنین، چمگادڑ کی منی بھی انسان کی منی جیسی ہوتی ہے، یہ چمگادڑ کی منی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بھالا منگوایا اور اپنے ہاتھ میں لے کر سوراخ کے اندر مارا اس میں سے چمگادڑ گری۔ یہ دیکھ کر ہارون الرشید کی بدگمانی جاتی رہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو نواسیویں رات

تین سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب

قاضی ابویوسف نے ہاتھ میں بھالا لے کر سوراخ میں مارا اور ایک چمگادڑ آ کر نیچے گری تو ہارون الرشید کی بدگمانی دور ہو گئی اور زبیدہ کی بے گناہی کا ثبوت مل گیا۔ زبیدہ کو اس سے زیادہ کیا خوشی ہوتی۔ خدا نے اس کو بری کر دیا اور اس خوشی میں اس نے ابویوسف کو بہت سا انعام دینے کا وعدہ کیا۔ زبیدہ کے پاس اتفاق سے اس وقت ایک غیر موسمی پھل تھا اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ باغ میں ایک دوسرا غیر موسمی پھل بھی ہے۔ اس نے ابویوسف سے کہا ای دین کے پیشوا، تو کس پھل کو زیادہ پسند کرے گا، موجودہ کو یا غائب کو؟ قاضی نے جواب دیا ہمارا مذہب غائب پر کوئی حکم نہیں لگاتا۔ وہ یہاں ہو تو اس پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ زبیدہ نے دونوں پھل اس کے سامنے پیش کیے۔ قاضی ابویوسف نے اِس میں سے بھی کھایا اور اُس میں سے بھی۔ زبیدہ نے پوچھا دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں ایک پھل کی تعریف کرنا چاہتا ہوں تو دوسرا آ کر اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ رشید اس کی باتیں سن کر ہنس پڑا اور اسے انعام دیا اور زبیدہ نے بھی وہ انعام پیش کیا جس کا اس نے وعدہ کیا تھا اور وہ خوش خوش ان کے پاس سے واپس گیا۔ اس پیشوا کی فضیلت دیکھیے اور یہ کہ اُس نے زبیدہ کی بے گناہی کس طرح ثابت کی۔

حاکم بامر اللہ اور باغ والے کی کہانی

ایک دن حاکم بامر اللہ اپنے جلوس کے ساتھ سوار جا رہا تھا اس کا گزر ایک باغ کی طرف ہوا اس نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے اردگرد غلام اور نوکر چاکر جمع تھے۔ خلیفہ نے اس سے پینے کے لیے پانی مانگا اس نے پانی پلایا اور کہنے لگا میں امید کرتا ہوں کہ امیر المومنین میرے پاس اس باغ میں اتر کر میری عزت افزائی کرے گا۔

خلیفہ نے منظور کیا اور اس کا لشکر باغ میں اتر پڑا۔ اب اس شخص نے سو فرش نکالے سو جا جمیں، سو تکیے، سو خوان پھلوں کے، سو پیالے جن میں حلوے تھے اور سو کٹورے جن میں شکر کا شربت تھا۔ یہ دیکھ کر حاکم بامر اللہ دنگ ہو گیا اور بولا ای شخص تیرا واقعہ عجیب و غریب ہی۔ کیا تجھے ہمارے آنے کی خبر تھی تو نے تو یہ تمام چیزیں تیار کر رکھی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں، خدا کی قسم ای امیر المومنین مجھے تم لوگوں کے آنے کا حال بالکل معلوم نہ تھا۔ میں تیری رعیت کے تاجروں میں سے ایک تاجر ہوں۔ میری سو کنیزیں ہیں جب امیر المومنین نے میرے ہاں اتر کر مجھے عزت بخشی تو میں نے ان میں سے ہر ایک کو کہلا بھیجا کہ میرے واسطے ناشتا باغ میں بھیج دیں سب نے اپنا کچھ فرش اور کھانا پینا جو ان کی ضرورت سے زائد تھا بھیج دیا کیونکہ ہر روز ان میں سے ہر ایک کنیز ایک تشت کھانا، ایک تشت ٹھنڈا شربت، ایک تشت میوہ، ایک پیالے میں حلوا اور ایک کٹورا شراب بھیجتی ہی۔ یہ ناشتہ میرے پاس ہر روز پہنچ جاتا ہی۔ تیری وجہ سے میں نے کوئی چیز زائد نہیں منگوائی۔
امیر المومنین حاکم بامر اللہ نے خدا کے آگے شکرانے کا سجدہ کیا اور کہنے لگا شکر ہی اس کا کہ اس نے ہماری رعایا میں لوگوں کو اتنی وسعت دی ہی کہ وہ بغیر تیاری کیے محض اس کھانے میں سے جو بچ رہتا ہی خلیفہ اور اس کے لشکر کی دعوت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جتنے درہم اس سال نئے بنائے گئے ہیں اور بیت المال میں ہیں سب اسے دے دیے جائیں۔ ان درہموں کی تعداد سینتیس لاکھ تھی اور خلیفہ اس وقت تک سوار نہ ہوا جب تک درہموں کو منگوا کر انھیں اس شخص کے حوالے نہ کر دیا، اور اس سے کہا انھیں خرچ کر کیونکہ تیری دریا دلی ان سے بڑھ کر ہی یہ کہہ کر وہ سوار ہوا اور چل دیا۔

نوشیرواں اور لڑکی کی کہانی

عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں ایک دن شکار کے لیے نکلا اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا دوڑا کر اپنے لشکر سے جدا ہوگیا۔ وہ ہرن کے پیچھے لگا ہی ہوا تھا کہ سامنے ایک گاؤں نظر آیا۔ بھاگ دوڑ میں اسے پیاس لگ آئی تھی اس لیے اس نے گاؤں کی طرف رُخ کیا اور جو گھر پہلے پڑا اسی پر دستک دی اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اور بادشاہ کو غور سے دیکھ کر مکان کے اندر چلی گئی۔ اندر جا کر لڑکی نے ایک گنے کا رس نکالا اور اس میں پانی ملا کر پیالے میں بھرا پھر اس پر کوئی خوشبودار چیز چھڑکی جس کی شکل مٹی کی سی تھی اور پیالہ لا کر نوشیرواں کے آگے پیش کیا۔ نوشیرواں نے پیالہ ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اس میں مٹی کی طرح کی کوئی چیز پڑی ہے وہ پھونک مارتا اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا۔ یہاں تک کہ سارا پیالہ خالی ہوگیا۔ اب اس نے لڑکی سے کہا ای لڑکی، پانی بہت اچھا اور بہت میٹھا تھا۔ کاش اس کے اندر گرد نہ ہوتی! لڑکی بولی ای مہمان، میں نے جان بوجھ کر یہ گرد اس میں ڈال دی ہے جو کوڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا میں نے دیکھا کہ تو بہت پیاسا ہے مجھے ڈر ہوا کہ اگر تو ایک سانس میں چڑھا گیا تو تجھے نقصان پہنچے گا۔ اگر اس میں گرد نہ ہوتی تو تو تیزی کے ساتھ ایک ہی گھونٹ میں پی جاتا اور اس طرح سے تجھے نقصان پہنچتا۔ نوشیرواں کو اس کی باتوں اور ذہانت پر بڑا تعجب ہوا وہ سمجھ گیا کہ جو کچھ اس نے کہا ذہانت اور عقل مندی اور دانش مندی کی بنا پر کہا۔ اب اس نے لڑکی سے پوچھا کہ یہ کتنوں کا رس تھا؟ اس نے جواب دیا ایک گنے کا۔ نوشیرواں کو حیرت ہوگئی اس نے لگان کا کھاتا نکلوا کر دیکھا کہ اس گاؤں سے کتنا وصول ہوتا ہے معلوم ہوا وصولی کم ہے۔ اس بات کو اس نے اپنے دل ہی میں رکھا ارادہ کیا کہ جب

دارالسلطنت میں پہنچوں گا تو اس گانو کا لگان بڑھا دوں گا کیونکہ جس گانو میں ایک گنے کا اتنا رس ہو اس کا لگان اتنا کم کیونکر ہو سکتا ہی! چنانچہ گانو سے واپس ہو کر پھر شکار میں مصروف ہو گیا۔ شام کے وقت لوٹا تو اس دروازے پر تنہا پہنچا اور پینے کے لیے پانی مانگا۔ وہی لڑکی باہر نکلی اس نے بادشاہ کو دیکھ کر پہچان لیا اور اندر جا کر رس نکالنے لگی۔ دیر زیادہ لگی تو نوشیرواں نے اس سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو نوّیں رات

جب تین سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! نوشیرواں نے لڑکی سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ ایک گنے سے تیری ضرورت کے لائق رس نہیں نکلا میں نے تین گنوں کا رس نکالا پھر بھی ان میں سے اتنا رس نہ نکلا جتنا کہ پہلے ایک گنے سے نکلا تھا۔ بادشاہ نوشیرواں نے کہا اس کی کیا وجہ؟ لڑکی بولی کہ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہی کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔ اس نے دریافت کیا یہ تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ لڑکی نے جواب دیا ہم نے عقل مندوں سے سنا ہی کہ جب بادشاہ کی نیت اپنی رعایا کے حق میں خراب ہو جاتی ہی تو ان میں سے برکت جاتی رہتی ہی اور نیکیاں کم ہو جاتی ہیں۔ نوشیرواں ہنس پڑا اور اس نے اپنے خیال سے وہ بات نکال دی جو اب تک اس گانو کے متعلق دل میں پوشیدہ تھی اور اس لڑکی سے فوراً بیاہ کر لیا کیونکہ اس کی انتہائی ذہانت، سمجھ داری اور خوش بیانی اسے بہت پسند آئی۔

سقے اور سنار کی بیوی کی کہانی

بخارا میں ایک سقا تھا جو تیس سال سے ایک سُنار کے ہاں پانی بھرا کرتا۔ اس سنار کی ایک بیوی جو نہایت حسین وجمیل، آن بان والی، دیانت دار، نیک اور پارسا تھی۔ ایک روز سقا دستور کے موافق آکر گھڑوں میں پانی بھرنے لگا۔ عورت صحن میں کھڑی تھی، سقا اس کے پاس آیا اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا، خوب دبایا اور پھر اُسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ جب اس کا شوہر گھر لوٹا تو عورت نے کہا آج تو نے بازار میں ایسا کیا کیا جس سے خدا ناراض ہوگیا۔ شوہر بولا میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی جس سے خدا ناراض ہو۔ عورت نے کہا نہیں تو نے ضرور کوئی ایسی بات کی ہے جو خدا کی ناراضی کا سبب ہوتی۔ اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا تو میں تیرے گھر میں نہ ٹھیروں گی اور اس کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا اور نہ میں تجھے دیکھوں گی۔ شوہر نے کہا اچھا جو کچھ میں نے کیا ہے تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں سُن: میں اپنی دکان میں دستور کے موافق بیٹھا ہی تھا کہ ایک عورت آئی اور یہ کہہ کر میرے لیے کنگن بنا دے چل دی۔ میں نے کنگن بنا کر رکھ چھوڑے۔ جب وہ پھر آئی تو میں نے کنگن نکالے اور اس نے اپنا ہاتھ نکالا۔ میں نے اسے کنگن پہنا دیے۔ اس کے گورے گورے ہاتھ اور پیاری پیاری کلائیاں دیکھ کر میں دنگ ہوگیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر میں نے خوب دبایا۔ بیوی نے کہا اللہ اکبر! یہ تو نے کیوں کیا؟ اس وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سقے نے جو ہمارے ہاں تیس سال سے آتا جاتا ہے اور جس نے آج تک کوئی خیانت نہیں کی آج میرا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ مرد نے کہا بیوی میں خدا سے مغفرت کا طالب ہوں اور جو کچھ کیا ہے اس سے توبہ کرتا ہوں، تو بھی میرے لیے خدا سے معافی مانگ۔ بیوی نے کہا خدا ہم سب کو معاف کرے بالخصوص تجھے اور آرام سے زندگی بسر کرنے! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اکیانویں رات

جب تین سو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! سنار کی بیوی نے کہا خدا ہم سب کو اور بالخصوص تجھے معاف کرے اور آرام سے زندگی بسر کرائے۔ دوسرے دن سقا آیا تو عورت کے قدموں پر گر پڑا اور زمین پر لوٹنے لگا بڑی معذرت کی اور کہنے لگا اے میری آقا، جو کچھ شیطان نے بہکا کر مجھ سے کرایا ہے معاف کر۔ عورت نے جواب دیا تو اطمینان رکھ، یہ جرم تو نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اس کا سبب میرے شوہر کا وہ فعل ہے جو اس نے دکان میں کیا تھا خدا نے اس کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا جب سنار کی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا "گناہ کے بدلے گناہ" اگر میں زیادہ کرتا تو سقا بھی زیادہ کرتا۔ اس کے بعد یہ جملہ لوگوں میں ضرب المثل ہو گیا۔ بیوی کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ ظاہر و باطن یکساں رکھے اور اگر شوہر کی استطاعت زیادہ نہ ہو تو بیوی کم پر قناعت کرے، عائشہ صدیقہؓ اور فاطمہ زہراؓ کے نقشِ قدم پر چلے (خدا ان دونوں سے راضی رہے!) تاکہ بزرگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

خسرو، شیریں اور ماہی گیر کی کہانی

عجم کے بادشاہ خسرو کو مچھلی بہت پسند تھی۔ ایک روز وہ اپنی بیوی شیریں کے ساتھ محل میں بیٹھا تھا کہ ایک ماہی گیر آیا جس کے پاس ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔ اس نے یہ مچھلی خسرو کی خدمت میں پیش کی۔ خسرو نے خوش ہو کر حکم دیا کہ اُسے چار ہزار درہم دے دیے جائیں۔ شیریں نے کہا تو نے بہت برا کیا۔ اس نے پوچھا کیونکر؟

شیریں نے کہا اگر اس کے بعد تو اپنے مصاحبوں میں سے کسی کو اتنا انعام دے گا تو وہ اسے حقیر سمجھے گا اور کہے گا کہ بادشاہ نے مجھے اتنا ہی دیا جتنا کہ ماہی گیر کو دیا تھا۔ اور اگر تو اس سے کم دے گا تو اسے رنج ہوگا کہ بادشاہ نے میری ذلت کی اور ماہی گیر سے بھی کم دیا۔ خسرو بولا تو سچ کہتی ہے لیکن بادشاہوں کے لیے یہ بھی بُری بات ہے کہ دے کر لے لے، جو ہوا سو ہوا۔ شیریں نے کہا میں تجھے ایک ترکیب بتاتی ہوں کہ تو اس سے اپنا دیا ہوا انعام واپس لے سکے۔ خسرو نے پوچھا وہ کیا؟ شیریں نے کہا اگر تو ایسا کرنا چاہتا ہے تو ماہی گیر کو بلا کر پوچھ کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اگر وہ کہے کہ نر ہے تو اس سے کہیو کہ ہم تو مادہ چاہتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ مادہ ہے تو کہیو کہ ہمیں نر کی ضرورت ہے۔ خسرو نے ایک شخص کو اس کے پیچھے بھیجا اور وہ اسے بلا لایا۔ یہ ماہی گیر بڑا ذہین اور ذکی تھا۔ بادشاہ خسرو نے پوچھا یہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟ ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا جہاں پناہ یہ مچھلی نہ نر ہے نہ مادہ بلکہ مخنث ہے۔ خسرو ہنس پڑا اور حکم دیا کہ اسے اور چار ہزار درہم عطا کیے جائیں۔ ماہی گیر خزانچی کے پاس گیا اور اس سے آٹھ ہزار درہم لے کر اپنی تھیلی میں رکھ لیے اور تھیلی کو کندھے پر رکھ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ اس میں سے ایک درہم نکل پڑا۔ ماہی گیر نے تھیلی کندھے سے اتار کر رکھ دی اور جھک کر اس درہم کو اٹھا لیا۔ خسرو اور شیریں دونوں دیکھ رہے تھے۔ شیریں نے کہا اے بادشاہ، تو نے اس شخص کی خست اور چھچھورپن کو دیکھا ایک درہم گر پڑا تو اسے یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ اسے پڑا رہنے دے اور بادشاہ کے نوکروں میں سے کوئی اسے اٹھا لے۔ بادشاہ نے شیریں کی یہ باتیں سنیں تو اسے ماہی گیر سے نفرت آنے لگی۔ اس نے کہا اے شیریں تو سچ کہتی ہے اور حکم دیا کہ ماہی گیر کو واپس بلایا جائے۔ ماہی گیر واپس آیا تو اس سے کہا اے کم ہمت، تجھ میں انسانیت بالکل نہیں۔ تو نے یہ کیوں کیا کہ سارا مال اپنے کندھے سے اتار کر ایک درہم کی خاطر جھکا

اور تیری کنجوسی نے یہ گوارا نہ کیا کہ تو درہم کو پڑا رہنے دیتا۔ ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! میں نے وہ درہم زمین سے اس لیے نہیں اٹھایا کہ میں اسے لینے کے لیے بے چین تھا بلکہ میں نے اسے اس وجہ سے اٹھایا کہ اس میں ایک طرف بادشاہ کی تصویر تھی اور دوسری طرف اس کا نام۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی شخص غلطی سے اس پر پاؤں نہ رکھ دے اور بادشاہ کے نام اور تصویر کی ذلت اور مجھ پر گناہ عائد نہ ہو جائے۔ بادشاہ کو اس کی بات بہت پسند آئی وہ اس جواب پر پھڑک گیا اور اسے چار ہزار درہم اور دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملک میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کوئی عورتوں کے مشورے پر نہ چلے، کیونکہ اگر کوئی ان کے مشورے پر چلے گا تو وہ اپنے ایک درہم کے علاوہ دو درہم اور کھوئے گا۔

یحییٰ برمکی اور فقیر کی کہانی

ایک روز یحییٰ برمکی خلیفہ کے محل سے نکل کر اپنے گھر چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ وزیر کو سامنے دیکھ کر وہ شخص کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے کہنے لگا اے یحییٰ، میں تیری سخاوت کا محتاج ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ یحییٰ نے حکم دیا کہ اس کے لیے گھر کا ایک حصہ خالی کر دیا جائے اور اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ اسے ہر روز ایک ہزار درہم دے آیا کرے اور اپنے خاص کھانے میں سے اس کے لیے کھانا بھیجا کرتا۔ وہ شخص پورے مہینے تک اسی طرح رہا، مہینا ختم ہونے کے بعد اس کے پاس تیس ہزار درہم ہو گئے۔ اب وہ شخص ڈرا کہ کہیں یحییٰ اس وجہ سے کہ میرے پاس بہت سے درہم ہو گئے ہیں انھیں چھین نہ لے اور چپکے سے چلتا ہوا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی

اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو بانویں رات

جب تین سو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! وہ شخص چپکے سے درہم لے کر چلتا ہوا۔ لوگوں نے یحییٰ کو یہ خبر دی تو وہ کہنے لگا واللہ اگر وہ اپنی زندگی بھر بھی میرے پاس ٹھیرتا تو میں نہ اس کا انعام روکتا نہ مہمانی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا۔ برمکیوں کی خوبیاں بے شمار ہیں اور ان کی تعریف بیان کرنے سے زبان قاصر ہے خاص کر یحییٰ میں تو ساری خوبیاں جمع تھیں۔

جعفر بن موسیٰ الہادی اور امین بن زبیدہ کی کہانی

جعفر بن موسیٰ الہادی کی ایک کنیز تھی جس کا نام بدرِ کبیر تھا اور جو خوب رو تھی اور تناسبِ اعضا میں بے نظیر تھی حُسن و جمال میں لاجواب۔ امین بن زبیدہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جعفر سے درخواست کی کہ وہ اُسے میرے ہاتھ بیچ دے۔ جعفر نے کہلا بھیجا کہ تجھے معلوم ہو مجھ جیسا شخص نہ کنیزوں کو بیچ سکتا ہے نہ ان کا مول تول کر سکتا ہے۔ اگر وہ میری گھر کی پلی ہوئی نہ ہوتی تو میں کنجوسی نہ کرتا اور تجھے نذر کر دیتا۔ اس کے بعد ایک روز امین بن زبیدہ گانا سننے کی غرض سے جعفر کے گھر گیا۔ جعفر نے وہ تمام عمدہ عمدہ چیزیں مہیا کیں جو دوستوں کے لیے مہیا کی جا سکتی ہیں اور اپنی کنیز بدرِ کبیر سے کہا کہ اس کے آگے گائے اور اُسے خوش کرے۔ کنیز نے باجوں کو ٹھیک ٹھاک کر کے بہترین راگ بجائے۔ امین بن زبیدہ شراب نوشی اور لطف انگیزی میں

مشغول ہو گیا اور ساقیوں کو حکم دیا کہ جعفر کو خوب پلائیں یہاں تک کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ جب وہ مدہوش ہو گیا تو امین کنیز کو لے کر اپنے گھر چلتا بنا مگر اس کے ساتھ دست درازی نہ کی۔ صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ جعفر کو بلایا جائے۔ جعفر آیا تو امین نے حکم دیا کہ اس کے سامنے شراب پیش کی جائے اور کنیز پردے کے پیچھے سے گائے۔ جعفر نے اس کی آواز سنی تو بہت طیش آیا تاہم اپنی شرافت اور بلند حوصلگی کی وجہ سے ناراضگی کا کوئی اظہار نہ کیا اور مصاحبت کے آداب میں کوئی کمی نہ کی۔ شراب کی مجلس ختم ہوئی تو امین بن زبیدہ نے اپنے ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جس کشتی میں جعفر آیا ہے اُسے درہموں، دیناروں، طرح طرح کے ہیروں، جواہرات، نفیس پوشاکوں اور عمدہ سامانوں سے بھر دیا جائے۔ مصاحب نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس نے حکم دیا تھا اور کشتی میں ایک ہزار تھیلیاں اور ایک ہزار توڑے رکھ دیے۔ ہر توڑے میں بیس بیس ہزار درہم تھے۔ ان کے علاوہ اس قدر نفیس نفیس چیزیں رکھیں کہ ملاح چلانے لگے کہ اس سے زیادہ چیزیں کشتی میں نہیں آ سکتیں۔ اب اس نے حکم دیا کہ یہ چیزیں جعفر کے گھر پہنچا دی جائیں۔ یہ ہیں ہمتیں بڑے آدمیوں کی، خدا ان پر رحم کرے!

سعید بن سالم باہلی اور برمکیوں کی کہانی

سعید بن سالم کا بیان ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بار میری حالت بہت ابتر ہو گئی اور مجھ پر بے حد قرضہ ہو گیا جس کی وجہ سے میں بہت پریشان رہنے لگا کیونکہ اس کا ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا اور مجھے کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہ آتی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ قرض خواہ میرے مکان کو گھیرے رہتے اور تقاضا کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی اور لینے والے میرا پیچھا نہ چھوڑتے اور میری

سراسیمگی بڑھتی جاتی. جب میں نے دیکھا کہ صورت خطرناک اور حالات بدلے ہوئے ہیں تو میں عبداللہ بن مالک الخزاعی کے پاس گیا کہ وہ مشورے سے میری مدد کرے اور کوئی اچھی تدبیر سوچ کر میرے لیے خوشی کا راستہ نکالے. عبداللہ بن مالک خزاعی نے کہا اگر کوئی تجھے اس مصیبت اور رنج ناداری اور غم سے چھٹکارا دے سکتا ہے تو وہ برمکی ہیں. میں نے جواب دیا ان کے تکبر کو کون برداشت کر سکتا ہے اور ان کے تجبر پر کون صبر کر سکتا ہے! وہ بولا اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کر. اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو ترانویں رات

جب تین سو ترانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عبداللہ بن مالک خزاعی نے سعید بن سالم سے کہا کہ اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کر. سعید کہتا ہے کہ میں یحییٰ بن خالد کے دونوں بیٹوں فضل اور جعفر کے پاس گیا اور ان کے سامنے اپنا دکھڑا رویا اپنی حالت بیان کی. انھوں نے کہا خدا تیری مدد کرے، اپنے احسان سے تجھے اوروں سے مستغنی کر دے، تجھے بہت مال و دولت دے اور دوسروں کا محتاج نہ رکھے! وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی کھلی ڈھکی سب باتوں سے واقف ہے. میں وہاں سے حیران پریشان اور دل شکستہ اٹھ کر عبداللہ بن مالک کے پاس واپس آیا اور جو کچھ دونوں بھائیوں نے کہا تھا اسے کہہ سنایا وہ بولا آج تو یہیں میرے پاس ٹھیر جا، دیکھیں خدا کیا کرتا ہے. ابھی میں وہاں پہر بھر کے قریب ہی بیٹھا ہوں گا کہ میرا غلام آیا اور

کہنے لگا اے میرے آقا ہمارے دروازے پر بہت سے خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں فضل بن یحییٰ اور جعفر بن یحییٰ کا کارندہ ہوں۔ عبداللہ بن مالک نے کہا خدا کرے یہ خوشی کا باعث ہو! اٹھ اور جا کر دیکھ کہ کیا ماجرا کیا ہے۔ میں وہاں سے دوڑتا ہوا اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ جب تو ہمارے پاس آیا تھا اور ہم نے تیری باتیں سنی تھیں تو اس کے بعد ہم خلیفہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تیری حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ تو مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس پر خلیفہ نے ہم کو حکم دیا کہ بیت المال سے دس لاکھ درہم لے کر تیرے پاس بھیج دیں۔ ہم نے عرض کیا ان سے تو وہ اپنے قرض خواہوں کے تقاضوں سے سبک دوشی حاصل کر سکتا ہے، اپنے اوپر کیا خرچ کرے گا؟ اس نے حکم دیا کہ تین لاکھ اور دے دیے جائیں۔ ان کے علاوہ ہم دونوں اپنے حلال مال میں سے دس دس لاکھ درہم بھیجتے ہیں یہ کل تینتیس لاکھ درہم ہوئے جن سے تو اپنی حالت سدھار سکتا ہے۔ دیکھی ان سخی لوگوں کی سخاوت، خدا ان پر رحم کرے!

مکّار عورت کی کہانی

ایک عورت نے ایک بار اپنے شوہر سے بڑی مکّاری کی وہ اس طرح کہ جمعے کے دن اس کا شوہر مچھلی لایا اور بیوی سے کہا اسے پکا کر جمعے کی نماز کے بعد تیار رکھیو۔ وہ تو اپنے کام پر چلا گیا اتنے میں اس عورت کا یار پہنچا اور کہنے لگا کہ ہمارے ہاں ایک شادی ہے چل کر اس میں شرکت کر۔ عورت مچھلی کو ایک چھلنی میں رکھ کر اس کے ساتھ چل دی اور دوسرے جمعے تک اپنے گھر

رہ گئی۔ شوہر نے گھر گھر اُسے ڈھونڈا اور لوگوں سے پوچھا لیکن کچھ پتا نہ چلا۔ دوسرے جمعے کو جب وہ گھر آئی تو اس نے مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اُسے دکھا دی۔ لوگ جمع ہوئے شوہر نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چرانویں رات

تین سو چرانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب عورت دوسرے جمعے کو اپنے شوہر کے پاس آئی تو اس نے وہ مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اُسے دکھا دی تو تو تو میں میں ہونے لگی، لوگ جمع ہو گئے شوہر نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا انھوں نے کہا تو جھوٹا ہے، یہ ممکن نہیں کہ مچھلی اتنی مدت تک زندہ رہے۔ یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اُسے قید خانے میں بند کر دیا اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔

بنی اسرائیل کی پارسا عورت کی کہانی

پرانے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک لڑکی تھی جس کی پارسائی، دیانت داری اور زہد و عبادت کے سب قائل تھے۔ روزانہ مسجد جانا اس کا معمول تھا۔ مسجد سے ملا ہوا ایک باغ تھا جب وہ مسجد جاتی تو باغ میں سے ہو کر گزرتی اور وہیں وضو کرتی۔ اس باغ میں دو بوڑھے پہرے دار رہتے تھے۔ ایک روز وہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اسے اپنی طرف مائل کرنے لگے لیکن اس نے

صاف انکار کردیا۔ انھوں نے کہا اگر تو ہمارا کہا نہ مانے گی تو ہم گواہی دیں گے کہ تو
نے زنا کیا ہے۔ لڑکی بولی خدا مجھے تمھارے شر سے پناہ میں رکھے گا۔ اب ان دونوں
نے باغ کا دروازہ کھول کر چلانا شروع کیا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑے اور
کہنے لگے کہ تم پر کیا گزری؟ انھوں نے کہا کہ ہم نے اس لڑکی کو ایک جوان سے زنا کرتے
دیکھا ہے افسوس وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ لوگ پہلے
تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ کر زانی کو بدنام کرتے، پھر اسے سنگ سار کرتے چنانچہ
تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ کر اس کی بھی فضیحت کی گئی۔ اس عرصے میں دونوں بڈھے
ہر روز لڑکی کے پاس آتے اور اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر کہتے شکر ہے خدا کا جس
نے اپنا عذاب تجھ پر اتارا۔ جب لوگ اُسے سنگ سار کرنے لے چلے تو حضرت دانیالؑ
بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا
معجزہ ہے، ان پر اور ہمارے نبی پر درود اور سلام ہو! جاتے جاتے آخر وہ ان تک
پہنچ گئے اور کہنے لگے اس کی سنگ ساری میں جلدی نہ کرو بلکہ مجھے فیصلہ کر لینے دو۔
لوگوں نے ان کے لیے ایک کرسی بچھا دی انھوں نے بیٹھ کر اوّل دونوں بوڑھوں کو
الگ الگ کیا۔ حضرت دانیالؑ پہلے شخص ہیں جنھوں نے گواہوں سے علیحدہ علیحدہ
گواہی لی ہے۔ بعد ازاں ایک بوڑھے سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جو
قصہ بنایا تھا سارا بیان کیا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ باغ میں کس جگہ یہ بات
ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا پورب کی طرف امرود کے درخت کے نیچے۔ اس کے
بعد آپ نے دوسرے کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے بھی یہی داستان
کہ سنائی۔ آپ نے پوچھا باغ میں کس جگہ؟ وہ بولا پچھم کی طرف سیب کے درخت
کے نیچے۔ اِدھر یہ ہو رہا تھا اور اُدھر لڑکی کھڑی ہوئی اپنا سر اور ہاتھ آسمان کی
طرف اٹھائے خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ اُسے نجات ملے۔ خدا نے بطور عذاب

کے ایک کڑک بھیجی جس نے دونوں بوڑھوں کو جلا کر راکھ کر دیا اور لڑکی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ یہ پہلا معجزہ تھا جو نبی اللہ حضرت دانیال علیہ السلام سے ظہور میں آیا۔

جعفر برمکی کے نسخے کی کہانی

ایک روز امیرالمومنین ہارون الرشید، ابو یعقوب الندیم، جعفر برمکی اور ابو نواس جنگل میں جا رہے تھے انھوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اپنے گدھے سے تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔ ہارون الرشید نے جعفر سے کہا اس بوڑھے سے پوچھ کہ کہاں سے آ رہا ہے؟ جعفر نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا بصرے سے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو پچانویں رات

جب تین سو پچانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس شخص نے کہا کہ میں بصرے سے آ رہا ہوں۔ جعفر بولا اور جا کہاں رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ بغداد۔ جعفر نے پوچھا وہاں کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی آنکھوں کا علاج۔ ہارون الرشید نے کہا اے جعفر، اس سے مذاق کر۔ جعفر نے کہا اگر اس سے مذاق کروں گا تو وہ کھری کھری سنائے گا۔ خلیفہ نے کہا میری جان کی قسم اس سے مذاق کر۔ جعفر نے بوڑھے سے کہا اگر میں تجھے ایسی دوا بتا دوں جس سے تجھے فائدہ ہو تو تو مجھے کیا دے گا؟ بوڑھے نے کہا خدا تجھے ایسا بدلہ دے گا

جو میرے بدلے سے بہتر ہوگا۔ جعفر نے کہا کان دھر کر سُن! میں تجھے وہ دوا بتاتا ہوں جو کسی اور کو نہیں بتائی۔ بوڑھے نے کہا وہ کیا؟ جعفر نے کہا کہ ڈیڑھ چھٹانک صبا کی رفتار اور ڈیڑھ چھٹانک سورج کی کرنیں اور ڈیڑھ چھٹانک چاندنی اور ڈیڑھ چھٹانک چراغ کی روشنی لے اور سب کو ملا کر تین مہینے تک ہوا میں رکھ۔ اس کے بعد انھیں تین مہینے تک ایسے ہاون دستے میں کوٹ جس میں گہرائی نہ ہو۔ جب تو کوٹ چکے تو انھیں ایک پیالے میں رکھ جس میں سوراخ ہو اور اس پیالے کو تین مہینے تک ہوا میں رکھ، پھر اس دوا کے تین درہم ہر روز سوتے وقت استعمال کر۔ خدا نے چاہا تو تجھے تین مہینے میں آرام ہو جائے گا۔ بوڑھے نے جعفر کی باتیں سنیں تو وہ اپنے گدھے پر پھیل کر لیٹ گیا اور پاد مار کر کہنے لگا لے اس نسخے کے عوض یہ پاد۔ اگر اس دوا سے خدا نے مجھے آرام دیا تو میں تجھے ایک کنیز دوں گا جو اس طرح خدمت کرے گی کہ خدا جلد تیری موت لے آئے گا۔ جب تو مر چکے گا اور خدا تیری روح جلدی سے دوزخ میں پہنچا دے گا تو وہ افسوس کی وجہ سے اپنی غلاظت سے تیرا مُنہ کالا کرے گی اور تجھ پر گریہ و زاری کرے گی اور منہ پیٹے گی اور رو کر کہے گی کہ اے سفید داڑھی والے، تیری ڈاڑھی کیسی سفید ہے! ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس شخص کو تین ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

قاتل اور ابوذرؓ کی ضمانت کی کہانی

شریف حسین بن ریان سے روایت ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر بن خطابؓ بیٹھے حکم احکام جاری کر رہے تھے۔ بڑے بڑے عقل مند مصاحب حاضر تھے کہ دو خوب صورت جوان ایک تیسرے نہایت حسین جوان کو جو صاف ستھرے کپڑے

پہنے ہوئے تھا پکڑے ہوئے لاتے۔ دونوں جوانوں نے اس کا گریبان پکڑ رکھا تھا
اور حضرت عمرؓ کے سامنے پیش کیا۔ امیر المومنین نے پہلے ان دونوں کی طرف دیکھا
پھر اس جوان کی طرف اور اُن دونوں سے کہا اسے چھوڑ دو اور قریب جاکر پوچھا
تمھارا اس پر کیا مطالبہ ہے؟ دونوں نے کہا اے امیر المومنین، ہم دونوں سگے بھائی ہیں
اور انصاف کے طالب۔ ہمارا ایک بوڑھا باپ تھا نہایت دانش مند اور قبیلوں
میں باعزت، برائیوں سے پاک، نیکیوں میں مشہور۔ بچپن میں اس نے ہماری تربیت
کی تھی اور جوانی میں ہم پر احسان کیے تھے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور
اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو چھیانوےویں رات

جب تین سو چھیانوےویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
جوانوں نے کہا اور جوانی میں اس نے ہم پر احسان کیے تھے اور اس میں ساری
خوبیاں جمع تھیں۔ ایک روز وہ اپنے باغ میں سیر کرنے اور پھل توڑنے گیا ہوا تھا
کہ اس جوان نے اسے بدمعاشی سے قتل کر دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اس کے گناہ کا بدلہ
دلوائے اور خدا کے حکم کے موافق فیصلہ کرے۔ عمرؓ نے جوان کی طرف تیوری بدل کر
دیکھا اور کہا تو نے ان دونوں جوانوں کی باتیں سُن لی ہیں، تیرے پاس کیا جواب ہے؟
یہ جوان مضبوط دل اور شیریں زبان تھا، دل کڑا کر کے اور بے دھڑک ہو کر مسکرایا
اور نہایت میٹھی زبان سے گفتگو کی اور امیر المومنین سے نہایت اچھے الفاظ میں
مخاطب ہو کر بولا اے امیر المومنین، ان کا دعوٰی میرے اوپر پورا پورا اترتا ہے، ان کی
گفتگو درست ہے اور انھوں نے ماجرا ٹھیک ٹھیک بیان کیا ہے، خدا نے یہی قسمت میں لکھا
تھا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے اپنا قصہ بیان کر دوں اور پھر جو تیرا حکم ہو ماننے

کو تیار ہوں۔ سن اے امیر المومنین امیر اشمار قبیلہ عربوں میں سے ہو جو آسمان کے نیچے سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں۔ میں ریگستان میں پلا بڑھا ہوں وہاں قحط پڑا تو میں اپنے خاندان اور مویشی اور بال بچوں کو لے کر اس شہر کے قریب رہا اور اس کی گلیوں میں سیر کرتا کرتا باغوں کے درمیان پہنچا۔ میرے ساتھ اصیل اونٹ تھے جو مجھے بہت عزیز تھے۔ ان میں ایک عمدہ نسل کا نر اونٹ بہت ہی خوب صورت تھا اور جس سے بہت سے بچے پیدا ہوئے تھے جب وہ ان میں چلتا تو ایسا معلوم ہوتا بادشاہ تاج پہنے چلا جا رہا ہے۔ اچھا تو بعض اونٹ بہک کر ان کے باپ کے باغ کے پاس پہنچ گئے اور اپنے منہ ایک درخت پر ڈال دیے جس کی شاخیں دیوار کے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر میں نے انہیں باغ سے دور کر دیا۔ اتنے میں باغ کے اندر سے ایک بوڑھا نکلا جس کی آواز سے مارے غصے کے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ اس کے دہنے ہاتھ میں ایک پتھر تھا، اس نے شیر کی طرح ڈکرا کر وہ پتھر اونٹ پر اس زور سے مارا کہ وہ مر گیا کیونکہ پتھر ٹھیک اس جگہ پڑا جہاں کی مار مہلک ہوتی ہے میں نے اونٹ کو اپنے پاس گرتے دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا دل پھٹ گیا اور اس میں غصے کے شعلے بھڑکنے لگے اور میں نے وہی پتھر اٹھا کر اسے مارا وہ مر گیا اس کی موت آگئی اور وہ اسی پتھر سے قتل ہوا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ جب پتھر اس کے لگا تو وہ بہت زور سے چلایا اور ایک دردناک چیخ ماری۔

یہ سن کر میں تیزی سے بھاگا مگر ان دونوں جوانوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا اور لا کر تیرے سامنے کھڑا کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا تو اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے اور بچنے کی وجہ بیان نہیں کرتا۔ لہٰذا تجھ پر قصاص لازم آتا ہے اور پناہ کا وقت نکل گیا۔ جوان نے کہا بسر و چشم جو ہمارے پیشوا کی مرضی، اسلام کی شریعت جو حکم دے اس پر میں راضی ہوں۔ لیکن میرا ایک چھوٹا بھائی ہے، اس کے واسطے

نے مرنے سے پہلے اس کے لیے بہت کچھ مال و دولت اور سونا چاندی چھوڑا مجھے اس کا وکیل بنایا اور مجھے خدا کی قسم دیکر کہا کہ یہ مال میں تیرے بھائی کا تیرے سپرد کرتا ہوں، اسے حتی الامکان حفاظت سے رکھیو۔ مَیں نے یہ مال و دولت لے کر دفن کر دیا اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں۔ اگر تو نے مجھے ابھی قتل کر دیا تو سارا مال ضائع جائے گا اور اس کا سبب تو ہوگا اور بچہ تجھ سے اس کا مطالبہ اس روز کرے گا جب کہ خدا اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے عدالت کی کرسی پر بیٹھے گا تو مجھے تین دن کی مہلت دے دے کہ مَیں لڑکے کا کوئی دوسرا متولی بنا کر آجاؤں اور اپنے جرم کی سزا پاؤں۔ مَیں اس کی تجھے ضمانت دے سکتا ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اپنا سر جھکا لیا تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا کہ کون اس شخص کی ضمانت لیتا ہے کہ وہ یہاں واپس آئے گا؟ جوان نے حاضرین کے چہروں کی طرف دیکھا اور سب کو چھوڑ کر ابوذرؓ کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

تین سو ستانویں رات

تین سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب جوان نے ابوذرؓ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا تو حضرت عمرؓ نے کہا ای ابوذرؓ! تو نے یہ باتیں سن لیں، کیا تو اس بات کی ضمانت لینے کے لیے تیار ہے کہ یہ جوان واپس آجائے گا؟ ابوذرؓ نے کہا ہاں ای امیر المومنین مَیں تین دن کے لیے اس کی ضمانت کرتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے اسے منظور کر لیا

اور جوان کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب تین دن گزر گئے مدت ختم ہو گئی یا ختم ہونے کے قریب تھی اور جوان نہ آیا صحابہؓ آپ کے اردگرد اس طرح جمع تھے جیسے کہ چاند کے گرد تارے۔ ابوذرؓ بھی موجود تھے اور دونوں مدعی بھی۔ مدعیوں نے کہا اے ابوذرؓ مجرم کہاں ہے؟ کہیں بھاگ کر بھی کوئی لوٹا ہے؟ جب تک تو اُسے لے نہ آئے گا اور ہم اس سے بدلہ نہ لے لیں گے ہم یہاں سے نہیں ٹل سکتے۔ ابوذرؓ نے کہا اس خدا کی قسم جو سب کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے اگر پورے تین دن گزرنے کے بعد وہ شخص نہ آیا تو میں اپنی ضمانت کا حق ادا کروں گا اور اپنی جان امام کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت عمرؓ نے کہا واللہ اگر جوان نہ حاضر ہوا تو اسلامی شریعت کی رُو سے میں ابوذرؓ سے بدلہ لوں گا۔ یہ سن کر حاضرین رونے پیٹنے اور زور سے چیخیں مارنے لگے اور بڑے صحابیوں نے دونوں جوانوں کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ خوں بہا لے کر ہمیں شکرگزار کرو۔ لیکن انھوں نے نہ مانا اور بدلہ لینے کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔

لوگ ابھی بے قرار ہی تھے اور ابوذرؓ پر افسوس کیا جا رہا تھا کہ جوان آ گیا اور خلیفہ کے سامنے کھڑے ہو کر انھیں نہایت ادب سے سلام کیا۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور کپڑے پسینے میں تربہ تر تھے وہ کہنے لگا کہ میں لڑکے کو ماموؤں کے سپرد کر آیا ہوں ان سے سارا ماجرا بیان کر دیا اور لڑکے کے مال کی انھیں اطلاع دے دی، اس کے بعد دوپہر کی گرمی میں بھاگتا ہوا اپنا شریفانہ وعدہ پورا کرنے پلٹ آیا۔ لوگوں کو اس کی سچائی اور وعدہ وفائی، جرأت اور موت کے مقابلے پر تعجب ہوا اور اس سے کہنے لگے شاباش تو کیسا شریف جوان ہے اور کتنا عہد و پیماں کا پکّا! جوان نے کہا تمھیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ میں نے اپنا وعدہ اس لیے پورا کیا کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ

لوگوں میں سے وفا اٹھ گئی ہے۔ ابوذرؓ نے کہا اے امیرالمومنین، میں نے اس جوان کی ضمانت کر لی تھی مگر خدا کی قسم مجھے نہ معلوم تھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے اور نہ میں نے اس دن سے پہلے کبھی اسے دیکھا تھا، لیکن جب اس نے اوروں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور مجھے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا اور میری ذمے داری لے گا تو مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ میں انکار کر دوں اور میری مروت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اس کی خواہش پوری نہ کروں بالخصوص جبکہ خواہش کے پورا کرنے میں کوئی عیب نہ ہو تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں میں سے شرافت اٹھ گئی ہے۔ یہ سُن کر دونوں جوانوں نے کہا اے امیرالمومنین، ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا اس نے نفرت کو محبّت سے بدل دیا ہے لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ نیکی دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ خلیفہ جوان کی سچائی اور وفا اور اس کے معاف ہو جانے پر بہت خوش ہوا اور دوسرے مصاحبوں کے مقابلے میں ابوذرؓ کی مروت کا ان پر بڑا اثر پڑا اور یہ بہت بھلا معلوم ہوا کہ دونوں جوان نیکی کرنے پر اعتماد رکھتے ہیں۔ آپ نے دونوں کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ دونوں جوانوں کو بیت المال سے ان کے باپ کا خوں بہا دیا جائے لیکن انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے محض خدا کے لیے اسے معاف کیا ہے اور جو اس نیت سے معاف کرے وہ نیکی کرنے کے بعد احسان نہیں جتا سکتا اور نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔

خلیفہ مامون اور اہرام کی کہانی

حب مامون بن ہارون الرشید مصر میں داخل ہوا تو اس نے اہرام کے

ڈھا دینے کا ارادہ کرلیا تھا تاکہ وہ ان کے اندر کا خزانہ لے لے لیکن وہ ان کو ڈھا نہ سکا حالانکہ اس نے بہت کوشش کی اور بہت مال خرچ کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو اٹھانویں رات

جب تین سو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! مامون نے اہرام کے ڈھانے میں بڑی کوشش کی اور اس پر بہت دولت صرف کی لیکن انھیں ڈھا نہ سکا۔ صرف ایک اہرام میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کھڑکی میں مامون کو اتنا مال ملا جتنا کہ اس نے اس کے کھولنے میں صرف کیا تھا، نہ زیادہ نہ کم۔ مامون کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے وہ مال لے کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اہرام تین ہیں اور ان کا شمار دنیا کے عجائبات میں سے ہے، اتنی مضبوط، مستحکم اور اونچی عمارت سطح زمین پر اور کوئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ معماروں نے پتھروں کے دونوں طرف سوراخ کرکے ان میں لوہے کی سلاخیں ڈال دی ہیں جو کھڑی ہیں اور دوسرے پتھر میں سوراخ کرکے انھیں سلاخوں میں پرو دیا ہے اور رانگ کو پگھلا کر سلاخوں کے اوپر ڈال دیا ہے۔ ان کی ترکیب بالکل ریاضی کے مطابق ہے۔ جب وہ بن چکے تو ان کی اونچائی سو ہاتھ تھی، یہ ان ہاتھوں سے جو آج کل استعمال کیے جاتے ہیں

یہ اہرام مربع ہیں اور اوپر کی طرف کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر طرف سے تین سو ہاتھ۔ بزرگوں کا قول ہے کہ پچھم والے ہرم کے اندر تیس خزانوں کی کوٹھریاں ہیں جو رنگ برنگے چقماق کے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور جن میں قیمتی قیمتی ہیرے طرح طرح کے مال دولت، عجیب و غریب تصویریں، اوزار اور نفیس ہتھیار ہیں جو اس حکمت کے ساتھ تیلوں سے چپڑے ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان پر زنگ نہیں لگ سکتا۔ ان میں سے شیشے کے برتن ہیں جو پچک جاتے ہیں مگر ٹوٹتے نہیں اور مرکب دوائیں اور عمدہ عمدہ عرق۔ دوسرے ہرم میں چقماق کی تختیوں پر کاہنوں کے قصے ہیں۔ ہر کاہن کے لیے ایک تختی مخصوص ہے اور اس پر اس کاہن کی عجیب و غریب صنعتوں اور کاری گریوں کا ذکر ہے۔ دیواروں پر بتوں کی طرح آدمیوں کی تصویریں ہیں جو اپنے ہاتھوں سے تمام کام کرتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ہر ہرم کا ایک خزانچی ہے جو پہرے داری کا کام کرتا ہے اور یہ پہرے دار انھیں زمانے کے حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اہرام کے عجائبات میں سے ایسے جانور ہیں جو سمجھ بوجھ کر کام کرتے ہیں۔

چور کی کہانی جس نے چوری سے توبہ کی تھی

ایک چور تھا جس نے چوری سے توبہ کر لی تھی اور پوری طرح کر لی تھی۔ اس نے کپڑے کی دکان کھولی اور خرید و فروخت کرنے لگا۔ ایک مدت تک یہ کام کرتا رہا۔ ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ دکان بند کر کے گھر گیا ہوا تھا کہ ایک شاطر چور دکان دار کے کپڑے پہن اور اس کی آستین میں سے کنجیاں نکال بازار پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ اس نے بازار کے چوکی دار سے کہا اس موم بتی

کو جلا دے۔ چوکی دار نے اس کے ہاتھ سے موم بتی لے لی اور اسے جلانے کے لیے چلا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

تین سو نناویں رات

جب تین سو نناویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! چوکی دار اس سے موم بتی لے کر جلانے کو چلا۔ اتنے میں چور نے دکان کھول کر دوسری موم بتی جلالی جو اس کے پاس تھی۔ چوکی دار لوٹ کر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہے اور حساب کا بہی کھاتا اس کے ہاتھ میں ہے اُسے دیکھتا جاتا اور انگلیوں پر کچھ گنتا جاتا ہے۔ اس حالت میں وہ صبح تک رہا اور پھر چوکی دار سے کہا کہ ایک اونٹ والے کو مع اس کے اونٹ کے لے آ تاکہ وہ میرا سامان لے چلے۔ چوکی دار ایک اونٹ اور اونٹ والے کو لے آیا چور نے اسے چار گٹھے کپڑوں کے نکال کر دیے اور اونٹ والے نے انھیں اونٹ پر لا دلیا۔ پھر اس نے دکان کو بند کر کے چوکی دار کو دو درہم دیے اور اونٹ والے کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ چوکی دار اسی خیال میں رہا کہ وہ دکان کا مالک ہے۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو دکان والا آیا اور چوکی دار اسے اُن دو درہموں کی وجہ سے دعائیں دینے لگا۔ دکان والے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہ آئیں اسی حیرت میں اس نے دکان کھولی تو دیکھا کہ ایک موم بتی پگھلی پڑی ہے اور بہی کھاتے تتر بتر ہیں۔ اس نے دکان کا جائزہ لیا تو کپڑوں کے چار گٹھے غائب۔ چوکی دار سے اس کا سبب پوچھنے لگا۔ اس نے رات کا ماجرا اور جو بات چیت اونٹ والے سے ہوئی تھی کہہ دی۔ دکان دار

نے کہا اس اونٹ والے کو بلا لا جو صبح کے وقت کپڑے لاد کرلے گیا ہے۔ چوکی دار جاکر اُسے لے آیا۔ دکان دار نے پوچھا کہ صبح کے وقت تو کپڑے لاد کر کہاں لے گیا تھا؟ اس نے کہا کہ فلاں گھاٹ پر فلاں شخص کی کشتی میں۔ دکان دار بولا کہ چل میرے ساتھ اس جگہ۔ اونٹ والا اس کے ساتھ چل دیا اور پہنچ کر کہا کہ یہ ہے وہ کشتی اور یہ کشتیبان۔ اس نے کشتیبان سے پوچھا کہ تو تاجر اور کپڑوں کو لے کر کہاں گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ اور وہاں پہنچ کر وہ ایک اونٹ والے کو بلا لایا اس نے کپڑے اپنے اونٹ پر لاد لیے اور چل کھڑا ہوا کہاں گیا یہ مجھے نہیں معلوم۔ دکان والے نے کہا اس اونٹ والے کو بلا لا جو تیرے پاس سے کپڑے لے گیا تھا وہ اسے بلا لایا۔ دکان دار نے اس سے پوچھا کہ تو کشتی میں سے کپڑے لے کر تاجر کے ساتھ کہاں گیا تھا؟ اس نے جواب دیا فلاں جگہ۔ اس نے کہا کہ میرے ساتھ وہاں چل اور بتا۔ اونٹ والا اسے لے کر ایک جگہ گیا جو دریا کے کنارے سے بہت دور تھی اور اسے وہ سرائے دکھائی جہاں اس نے کپڑے کے گٹھے اتارے تھے اور تاجر کی کوٹھری دکھائی۔ دکان دار نے آگے بڑھ کر کوٹھری کھولی دیکھا کہ چاروں گٹھے ویسے کے ویسے موجود ہیں، ابھی تک کھولے بھی نہیں گئے اس نے انھیں اٹھا کر اونٹ والے کے حوالے کیا۔ چور نے اپنے پہننے کے کپڑے بھی انھی گٹھوں پر رکھ دیے تھے۔ کپڑوں کے مالک نے وہ بھی اٹھا کر اونٹ والے کو دے دیے۔ اونٹ والے نے ان سب کو اونٹ پر لاد لیا۔ اس کے بعد مالک کوٹھری بند کر کے اونٹ والے کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں چور نے اُسے دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا یہاں تک کہ اس نے کپڑوں کو کشتی پر لادا۔ اب چور نے کہا اے میرے بھائی، میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں، تجھے اپنے کپڑے مل گئے اور ان میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوا۔ لہٰذا میرے پہننے کے کپڑے

مجھے دے دے۔ اس پر تاجر ہنس پڑا اس نے چور کے کپڑے واپس کر دیے اس سے بالکل مزاحمت نہ کی اور دونوں اپنی اپنی راہ چلتے ہوئے۔

ہارون الرشید، مسرور اور ابن القاربی کی کہانی

ایک رات امیر المومنین ہارون الرشید کا دل بہت گھبرایا اس نے اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ البرمکی سے کہا آج رات میں سخت پریشان خاطر ہوں میرا جی گھبرا رہا ہی سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے۔ اس کا خادم مسرور جو سامنے کھڑا تھا ہنس پڑا۔ خلیفہ نے کہا تو کس بات پر ہنستا ہی؟ ہنسنے کی وجہ میری تحقیر ہی یا تیرا جنون؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم ای امیر المومنین نہیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسوویں رات

جب چارسوویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! مسرور نے کہا ای امیر المومنین، خدا کی قسم نہیں۔ سید المرسلین کی تجھ سے جو قرابت ہی اس کی قسم کہ مَیں جان بوجھ کر نہیں ہنسا بلکہ کل جب مَیں محل سے نکل کر ٹہلتا ٹہلتا دجلے کے کنارے پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں لوگ جمع ہیں۔ مَیں وہاں ٹھیر گیا دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو ہنسا رہا ہی جس کا نام ابن القاربی ہی۔ اس وقت اس کی باتیں مجھے یاد آگئیں اور مَیں مجبوراً ہنس پڑا، ای امیر المومنین

ئیں اس کی تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا اُسے فوراً میرے پاس بلا لا۔ مسرور گیا ابن آلقاربی کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ امیرالمومنین نے تجھے بلایا ہی وہ بولا خلیفہ کا حکم سر آنکھوں پر۔ مسرور نے کہا مگر اس شرط پر کہ جب تو اس کے پاس پہنچے اور وہ تجھے انعام دے تو چوتھائی تیرا اور باقی میرا۔ ابن آلقاربی نے کہا یوں نہیں بلکہ آدھا تیرا اور آدھا میرا۔ مسرور نے کہا نہیں۔ ابن آلقاربی بولا اچھا ایک تہائی میرا اور دو تہائی تیرا۔ بہت ششں و پنج کے بعد مسرور نے اسے مان لیا۔

اب ابن آلقاربی امیرالمومنین کے پاس گیا اور خلافت کی شان کے مطابق سلام کر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیرالمومنین نے کہا اگر تو نے مجھے نہ ہنسایا تو ئیں اس تھیلے سے تین بار تجھے ماروں گا۔ ابن آلقاربی نے اپنے دل میں کہا نہ معلوم اس تھیلے کی ضربیں کیسی ہوں گی! کوڑے کی مار کا تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ تھیلا خالی ہی۔ اب اس نے ایسی باتیں کرنی شروع کیں جن پر ناراض سے ناراض شخص بھی ہنس پڑے اور بڑا مسخرہ پن کیا لیکن ہنسنا تو درکنار امیرالمومنین مسکرایا تک نہیں۔ ابن آلقاربی کو بڑا تعجب ہوا اور وہ ناامید ہو کر ڈرنے لگا۔ امیرالمومنین نے کہا اب تو سزا کا مستحق ہو گیا اور تھیلا لے کر ایک بار اسے مارا۔ اس تھیلے کے اندر چار پتھر دو دو رطل وزن کے تھے۔ چونکہ مار اس کی گردن پر پڑی اس لیے وہ چیخیں مارنے لگا اور اُسے وہ شرط یاد آ گئی جو اس نے مسرور سے کی تھی کہنے لگا ای امیرالمومنین، ذرا رُک جا پہلے میری دو باتیں سن لے۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ بھی کہہ ڈال۔ اس نے کہا مسرور نے میرے ساتھ ایک شرط کی ہی اور وہ یہ ہی کہ جو کچھ انعام مجھے امیرالمومنین سے ملے اس میں سے ایک حصہ میرا اور دو اس کے، اور یہ بھی بہت ششں و پنج کے بعد اس نے منظور کیا ہی۔ اب تیرا انعام یہی مار ہی اس لیے یہ ایک ضرب

میرا حصّہ ہو اور باقی دو اس کا۔ میں تو اپنا حصّہ لے چکا، اب اس کا باقی ہے، وہ اسے دے دے۔ یہ سن کر امیرالمومنین ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور مسرور کو بلا کر اس پر تھیلا مارا۔ اس نے چیخ مار کر کہا اے امیرالمومنین، میرے لیے ایک تہائی کافی ہے۔ دو تہائی اسی کو دے۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو پہلی رات

چار سو پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! مسرور نے کہا اے امیرالمومنین میرے لیے ایک تہائی کافی ہے۔ دو تہائی اُسی کو دے۔ خلیفہ دونوں کی باتوں پر ہنسنے لگا اور دونوں کو ایک ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور دونوں خلیفہ کا انعام لے کر خوش خوش چل دیے۔

ہارُون الرشید اور اُس کے عبادت گزار بیٹے کی کہانی

ہارونؔ الرشید کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تو سولہ سال کی تھی لیکن وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور زاہدوں اور عابدوں کے رویّے پر چلتا تھا۔ وہ مقبروں میں جاتا اور کہتا کہ تم دنیا کے مالک تھے مگر کیا اس سے تمھاری نجات ہو سکتی ہے! اب تم قبروں میں ہو، کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے کیا کہا اور تم سے کیا کہا گیا۔ یہ کہہ کر وہ ڈرتا اور روتا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ ہارونؔ الرشید اپنے جلوس کے ساتھ نکلا

وزرا، امرا اور حکام اس کے ارد گرد تھے۔ یہ جلوس اُن مقبروں کے پاس سے گزرا جہاں خلیفہ کا لڑکا جا کر بیٹھتا تھا لوگوں نے امیر المومنین کے بیٹے کو جو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک اونی عبا پہنے اور سر پر اونی چادر ڈالے ہوئے ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امیر المومنین کے اس بیٹے نے اُسے بادشاہوں میں بدنام کر رکھا ہے اگر خلیفہ اُسے ڈانٹے ڈپٹے تو یہ ضرور اس حالت کو چھوڑ دے۔ امیر المومنین نے انھیں یہ کہتے سنا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا، تو نے اپنی اس حالت کی وجہ سے مجھے بدنام کر دیا ہے۔ اس کا بیٹا اس کی طرف دیکھنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا نظر اٹھا کر ایک چڑیا کی طرف دیکھا جو محل کے کنگرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس چڑیا سے کہنے لگا اے چڑیا، میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے کہ آ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جا۔ یہ سن کر چڑیا اتری اور آ کر اس لڑکے کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے کہا کہ واپس چلی جا اور وہ اڑ کر اپنی جگہ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اُتر کر امیر المومنین کے ہاتھ پر بیٹھ جا لیکن وہ نہ اُتری۔ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا تو نے دنیا کی وجہ سے مجھے اولیاء اللہ میں بدنام کر رکھا ہے۔ اب میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تجھے چھوڑ کر چل دوں اور آخرت سے پہلے تجھ سے نہ ملوں۔ یہ کہہ کر وہ بصرے چلا گیا اور معماروں کے ساتھ کام کرنے لگا کسی دن ایک درہم اور ایک دانق سے زیادہ نہ کماتا، دانق میں اپنا گزارا کرتا اور درہم خیرات کر دیتا۔

ابو عامر بصری کا بیان ہے کہ میرے گھر کی ایک دیوار گر پڑی تھی اس لیے میں اس جگہ گیا جہاں مزدوروں کا اڈا تھا تاکہ کسی کو لا کر اپنی دیوار کی مرمت کراؤں۔ میری نظر ایک جوان پر پڑی جو بہت حسین اور خوب رو تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا اے میرے عزیز، کیا تو مزدوری کرنا چاہتا ہے؟

اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا کہ چل کر میری دیوار بنا دے۔ اس نے کہا کہ چند شرطوں کے ساتھ جو میں پہلے سے کر لینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا عزیزم، وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ مزدوری ایک درہم اور ایک وانق لوں گا اور جب موذن اذان دے تو مجھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو جانے دیجیو۔ میں نے کہا منظور۔ اب میں اسے لے کر گھر گیا اور اس نے اتنا اچھا کام کیا کہ اور کو میں نے اتنا اچھا کام کرتے نہ دیکھا تھا۔ جب میں نے کہا کہ چاشت کھا لے تو اس نے انکار کر دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ روزے سے ہے۔ جب اس نے اذان سنی تو مجھ سے کہنے لگا کہ تجھے شرط معلوم ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ اب اس نے اپنی پیٹی کھول دی۔ وضو کیا اور اس خوبی سے کیا کہ میں نے اس سے بہتر وضو کرتے کسی کو نہیں دیکھا پھر جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے کام پر لوٹ آیا۔ عصر کی اذان ہوئی تو وہ پھر وضو کر کے نماز پڑھنے گیا اور نماز پڑھ کر کام پر لوٹ آیا۔ میں نے کہا عزیزم، مزدوری کا وقت ختم ہو گیا کیونکہ مزدوروں کا کام عصر تک ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ میں تو شام تک مزدوری کرتا ہوں اور وہ برابر شام تک کام کرتا رہا۔ میں نے اسے دو درہم دیے۔ انھیں دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ کیا؟ میں نے کہا کہ یہ تیری اجرت کا ایک حصہ ہے کیونکہ تو نے میری خدمت بڑی کوشش وجاں فشانی سے کی ہے۔ اس نے دونوں درہم میری طرف پھینک دیے اور کہنے لگا کہ جو کچھ میرے اور تیرے درمیان طے ہو گیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں لینا چاہتا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا اور مجبور ہو کر اسے ایک درہم اور ایک وانق دیا اور وہ لے کر چل دیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو میں صبح کے وقت پھر اسی اڈے پر گیا لیکن اسے نہ پایا۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہفتے کے سوا اور کسی دن نہیں

آتا۔ لہٰذا دوسرے ہفتے کو میں وہاں پہنچا اور اسے دیکھ کر میں نے کہا بسم اللہ مزدوری کے لیے چل۔ اس نے کہا انھی شرطوں کے ساتھ جو تجھے معلوم ہیں۔ میں نے کہا ہاں اور اُسے لے کر اپنے گھر گیا۔ میں اس کی نظر سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اُسے دیوار میں لگا کر اینٹیں ایک دوسرے سے جوڑ دیں۔ میں نے کہا اولیا اللہ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اس نے دن بھر کام کیا اور پہلے دن سے زیادہ کیا۔ شام ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری اسے دی اور وہ اُسے لے کر چلا گیا۔ تیسرا سنیچر آیا تو میں پھر اُسی اڈے پر گیا لیکن اُسے نہ پایا۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے اور فلاں عورت کی جھونپڑی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ عورت بڑھیا تھی اور پارسائی میں مشہور، اس کی جھونپڑی سرکنڈوں کی اور جنگل میں تھی۔ میں اس جھونپڑی پر پہنچا اور اندر جا کر دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے اس کے نیچے کوئی چیز نہیں اور تکیے کی جگہ ایک اینٹ ہے اس کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا۔ میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی کم سنی، غربت اور خدا پرستی پر رونے لگا۔ اس سے پوچھا کہ تجھے کوئی ضرورت ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا؟ وہ بولا کل چاشت کے وقت میرے پاس آئیو، میں مر چکا ہوں گا، مجھے غسل دیجیو اور میری قبر کھودیو مگر کسی کو خبر نہ کیجیو اور اسی لباس میں جو میں پہنے ہوئے ہوں مجھے دفن کیجیو۔ میرے کپڑے پھاڑیو اور جیب کی تلاشی لیجیو اور جو کچھ اس میں نکلے اسے اپنے پاس حفاظت سے رکھیو۔ جب میرے جنازے کی نماز پڑھ چکے اور مجھے دفن کر دے تو بغداد جا کر انتظار کیجیو کہ خلیفہ ہارون الرشید باہر نکلے پھر اُسے وہ چیز دے دیجیو جو تو نے میری جیب سے نکالی ہو اور اس سے میرا سلام کہیو۔ یہ کہہ کر اس نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور عمدہ لفظوں میں اپنے

پروردگار کی ثنا کی اور استغفار میں مشغول ہوگیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو دوسری رات

جب چارسو دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اس کے بعد جوان استغفار میں مشغول ہوگیا اور سید الابرار پر درود اور سلام بھیجنے لگا۔ ابوعامر بصری کا بیان ہے کہ جب جوان وصیت کرچکا تو میں وہاں سے روانہ ہوکر گھر چلا گیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مرچکا ہے، خدا اس پر رحمت کرے! میں نے اُسے غسل دیا اور جب اُس کی جیب کے ٹانکے توڑے تو اس میں مجھے ایک یاقوت ملا جس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا واللہ اس جوان نے دنیا سے انتہائی درجے کی کنارہ کشی اختیار کی تھی۔ میں اُسے دفن کرچکا تو بغداد روانہ ہوگیا اور خلیفہ کے محل کے پاس پہنچ کر رشید کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ باہر نکلا تو میں ایک گلی میں اس کے سامنے گیا اور وہ یاقوت اُسے دے دیا۔ اُسے دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا اس کے نوکر چاکروں نے مجھے پکڑ لیا۔ اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے نوکروں سے کہا اسے چھوڑ کر نہایت مہربانی سے محل میں پہنچا دو۔ انھوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ محل میں داخل ہوا تو اس نے مجھے بلایا اور محل سرا میں لے جاکر مجھ سے پوچھا کہ اس یاقوت کے مالک کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا وہ مرگیا پھر میں نے اس کا قصہ بیان کیا تو وہ رو رو کر کہنے لگا بیٹا فائدے میں رہا اور باپ ٹوٹے میں۔ بعدازاں اس نے پکار کر کہا

ای فلاں عورت! ایک عورت باہر آئی مگر مجھے دیکھ کر پھر اندر جانے لگی۔ خلیفہ نے کہا آ اور اس شخص سے پردہ نہ کر۔ اس نے آ کر سلام کیا۔ خلیفہ نے وہ یاقوت اس کی طرف پھینک دیا۔ عورت کی نظر یاقوت پر پڑی، چیخیں مار کر رونے لگی اور غش کھا کر گر پڑی۔ حالت سنبھلی تو اس نے کہا اے امیرالمومنین، خدا نے میرے بیٹے کا کیا حشر کیا؟ رشید نے مجھ سے کہا کہ لڑکے کا ماجرا اس سے بیان کر اس لیے کہ خود خلیفہ کو اس سے بڑی عبرت حاصل ہوئی تھی۔ میں نے ماں سے اس کا ماجرا بیان کیا اور وہ رو کر کمزور آواز سے کہنے لگی اے میری آنکھ کی ٹھنڈک، میں تیرے دیدار کو کتنی تڑپ رہی ہوں! کاش جب کوئی تجھے پانی دینے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پانی دیتی اور جب کوئی تجھے پیار کرنے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پیار کرتی! یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگی۔

میں نے کہا اے امیرالمومنین، کیا وہ تیرا بیٹا تھا؟ اس نے کہا ہاں، اور وہ میرے خلیفہ ہونے سے پہلے پیدا ہوا تھا، وہ علما سے ملتا اور پارساؤں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ جب میں خلیفہ ہوا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ جانے سے پہلے میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اس لڑکے نے خدا سے لو لگا لی ہے، ممکن ہے کہ اس پر سختیاں پڑیں اور اسے تکلیفوں کا سامنا ہو، لہٰذا اُسے یہ یاقوت دے دے تاکہ ضرورت کے وقت وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ ماں نے وہ یاقوت اُسے دیا اور قسم دی کہ وہ اسے لے لے۔ اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور اُسے لے لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری دنیا داری کی چیزوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے چل دیا اور ہم سے غائب رہا یہاں تک کہ نہایت پاکی کی حالت میں وہ خدا سے جا ملا۔ اب خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ چل کر مجھے اس کی قبر دکھا۔ میں اسے لے کر لڑکے کی قبر پر گیا اور وہاں اتنا رویا پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو اس

نے خدا سے مغفرت کی دعا کی اور کہنے لگا کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،
اور اس کی بھلائی کی دعا مانگی۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کے لیے کہا۔
مَیں نے جواب دیا اے امیرالمومنین، مَیں نے تیرے بیٹے سے بہت بڑا سبق حاصل
کیا ہے۔

مکتب کے مُلّا اور اُس کی نادیدہ محبوبہ کی کہانی

ایک عالم فاضل کا بیان ہے کہ ایک بار مَیں ایک مکتب کے پاس سے
گزرا دیکھا کہ وہاں ایک مُلّا بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اس کا حلیہ نہایت پاکیزہ اور
کپڑے نہایت نفیس تھے۔ مَیں اس کے پاس گیا تو وہ کھڑا ہو گیا اور مجھے اپنے
برابر بٹھایا۔ مَیں نے اس کا امتحان قرأت، نحو، شعر اور لغت میں لیا اور اسے سب
میں کامل پایا۔ مَیں نے کہا خدا تیرے ارادے کو مستحکم رکھے! تو ہر چیز کی تعلیم میں
ماہر ہے۔ مَیں مدّت تک اس کے پاس آتا جاتا رہا اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی خوبی
اُس میں پاتا۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ بچوں کا مُلّا اور یہ
خوبیاں! تمام عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کا مُلّا کم عقل ہوتا ہے۔ اب
مَیں اس سے رخصت ہوا مگر اکثر اس کی ملاقات کو آتا۔ ایک دن جب مَیں
اس سے ملنے آیا تو دیکھا کہ مکتب بند ہے۔ پڑوسیوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا
کہ اس کے ہاں کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے بھی
اس کی تعزیت کے لیے جانا چاہیے۔ اس کے دروازے پر جا کر مَیں نے دستک
دی۔ ایک لونڈی نے نکل کر کہا کیا چاہتا ہے؟ مَیں نے کہا تیرے آقا سے ملنا
چاہتا ہوں۔ وہ بولی میرا آقا اکیلا بیٹھا سوگ کر رہا ہے۔ مَیں نے کہا اس سے جا کر

کہہ کہ تیرا فلاں دوست تعزیت کرنا چاہتا ہی۔ لونڈی نے جاکر خبر کی تو اس نے کہا کہ جا اور اُسے اندر بلا لا۔ اس نے آکر کہا کہ اندر چل۔ مَیں نے اندر جاکر دیکھا کہ وہ سر باندھے تنہا بیٹھا ہی۔ مَیں نے کہا خدا تجھے بڑا اجر دے! ہر ایک کو اسی راستے پر چلنا ہی لہٰذا صبر سے کام لے۔ اس کے بعد میں نے پوچھا کہ تیرا کون فوت ہوگیا ہی؟ اس نے کہا وہ شخص جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا تھا۔ مَیں نے کہا تیرا باپ؟ اس نے کہا نہیں۔ مَیں نے پوچھا تیری ماں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ مَیں نے کہا تیرا بھائی؟ اس نے کہا نہیں۔ مَیں نے پوچھا کوئی تیرا رشتے دار؟ اس نے کہا نہیں۔ مَیں نے کہا کہ پھر آخر مرنے والے سے تیرا کیا تعلق تھا؟ اس نے کہا کہ وہ میری محبوبہ تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اس کی کم عقلی کا پہلا ثبوت ہی۔ اب میں نے کہا کہ تجھے اس سے زیادہ حسین اور مل سکتا ہی۔ اس نے جواب دیا مَیں نے اُسے کبھی دیکھا ہی نہیں جو یہ کہہ سکوں کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ حسین ہی۔ مَیں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری حماقت ہی۔ پھر مَیں نے اس سے پوچھا کہ بے دیکھے تو اس پر کس طرح عاشق ہوا؟ اس نے کہا سُن میں ایک دن کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک راہ گیر یہ شعر گاتا ہوا وہاں سے گزرا: "ای اُمّ عمرو، میرا دل جہاں کہیں بھی تو نے جاکر چھپایا ہو، مجھے واپس دے دے، خدا تجھے اس کا اجر دے گا!" اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو تیسری رات

چار سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! مُلّا نے کہا

کہ جب میں نے راہ گیر کو یہ شعر گاتے سنا تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر ام عمرو کا جواب دنیا میں ہوتا تو تمام شاعر اس کی تعریف نہ کرتے اور میں اس کی محبت میں گرفتار ہوگیا۔ دو دن کے بعد وہی شخص یہ شعر گاتا ہوا گزرا، "گدھا ام عمرو کو سوار کر کے چلتا ہوا اور نہ وہ لوٹی اور نہ گدھا"۔ مجھے یقین ہوا کہ وہ مرگئی اور تین دن سے میں اس کا سوگ کر رہا ہوں۔ اب تو اس کی کم عقلی کا مجھے پورا پورا ثبوت مل گیا اور میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

مکتب کے مُلّا کی حماقت کی کہانی

یہ کہانی بھی مکتب کے ایک مُلّا کی کم عقلی کا قصہ ہی کہتے ہیں کسی مکتب کا ایک ملا تھا، ایک روز اس کے پاس ایک سمجھ دار آدمی آیا اور قریب بیٹھ کر اس کا امتحان لینے لگا دیکھا کہ وہ بڑا فقیہہ، نحوی، لغوی، شاعر، ادیب، عقل مند اور فہمیدہ ہے۔ وہ متعجب ہوکر اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو لوگ بچّوں کو مکتب میں پڑھاتے ہیں ان کی تو عقل ٹھکانے نہیں ہوتی۔ جب وہ شخص ملا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگا تو ملا نے کہا آج رات تو میرا مہمان ہے۔ اس شخص نے ملا کی دعوت قبول کرلی اور اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ ملا نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کھانا پیش کیا۔ کھا پی کر دونوں بیٹھے اور تہائی رات تک باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے مہمان کے لیے بچھونا بچھوایا اور خود اندر چلا گیا۔ مہمان لیٹ کر سونے والا ہی تھا کہ اندر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ مہمان نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے کہا کہ شیخ پر بڑا سخت حادثہ گزرا ہے اور وہ جاں کنی کی حالت میں ہے۔ مہمان نے کہا مجھے اندر لے چلو، لوگ

اُسے اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ بے ہوش پڑا ہے اور خون بہ رہا ہے۔اس نے شیخ کے منہ پر پانی چھڑکا۔جب اُسے ہوش آیا تو مہمان نے پوچھا تجھے کیا ہوا؟ میرے پاس سے اٹھتے وقت تک تو خاصا بھلا چنگا اور خوش تھا۔اتنی دیر میں تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے جواب دیا اے میرے بھائی، جب میں تیرے پاس سے گیا تو بیٹھ کر خدا کی صنعتوں پر غور کرنے لگا اور اپنے دل میں کہا کہ جو چیزیں خدا نے آدمی کے لیے پیدا کی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے مثلاً خدا نے ہاتھ پکڑنے کے لیے بنائے ہیں، پاؤں چلنے کے لیے، آنکھیں دیکھنے کے لیے، کان سننے کے لیے اور اسی طرح سے اور بھی، مگر خُصیوں میں کوئی فائدہ نہیں، اس لیے مَیں نے ایک استرا لے کر انھیں کاٹ ڈالا۔بس اُسی سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔یہ سن کر مہمان اس کے پاس سے چلا گیا اور کہنے لگا کہ یہ کسی نے سچ کہا ہے کہ جو ملا بچوں کو پڑھاتا ہے اس کی عقل ناقص ہوتی ہے خواہ وہ تمام علوم میں کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو۔

اَن پڑھ مُلّا کی کہانی

ایک پردیسی نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا محض دھوکا دے کر لوگوں کی روٹیاں کھاتا۔ایک بار اسے یہ خیال آیا کہ ایک مکتب کھول کر لڑکوں کو پڑھانا چاہیے چنانچہ اس نے تختیاں اور لکھے ہوئے کاغذ لا کر ایک گھر میں لٹکائے اور ایک بڑی سی پگڑی باندھ کر مکتب کے دروازے پر بیٹھ گیا۔لوگ اس کے پاس سے گزرتے اس کی پگڑی، تختیاں اور کاغذ دیکھ کر خیال کرتے کہ یہ بڑا عالم ہوگا۔وہ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لاتے۔یہ ایک سے کہتا اور دوسرے

سے کہتا پڑھ، اس طرح لڑکے ایک دوسرے کو لکھاتے پڑھاتے۔ ایک دن یہ اپنی عادت کے موافق مکتب کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا دور سے دیکھا کہ ایک عورت ہاتھ میں خط لیے چلی آرہی ہی اپنے دل میں کہنے لگا عورت ضرور میرے پاس خط پڑھوانے آرہی ہی اور مجھے پڑھنا آتا نہیں اب کیا کروں۔ اتر کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ عورت نے اسے آپکڑا اور کہنے لگی کہاں جاتا ہی؟ اس نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ عورت بولی ظہر کی نماز میں تو ابھی دیر ہی، پہلے میرا یہ خط پڑھ دے۔ مجبوراً اس نے خط لے لیا اور اسے الٹا پکڑ کر دیکھنے لگا، کبھی پگڑی ہلاتا کبھی بھویں مٹکاتا اور ناراضگی کا اظہار کرتا۔

عورت کا شوہر سفر پر تھا اس نے اپنی بیوی کو یہ خط لکھا تھا۔ جب اس نے ملا کی یہ حالت دیکھی تو اپنے دل میں کہنے لگی ہو نہ ہو میرا شوہر مرگیا ہی اور ملا ایسی بری خبر کہتے ہچکچا رہا ہی۔ عورت نے کہا ای میرے آقا اگر وہ مرگیا ہی تو مجھ سے صاف صاف کہہ دے۔ ملا سر ہلا کر چپ ہوگیا۔ عورت نے پوچھا کیا میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں؟ اس نے جواب دیا کہ پھاڑ ڈال۔ عورت نے کہا کیا میں اپنا منہ پیٹوں؟ اس نے کہا کہ پیٹ۔ اب وہ اس کے ہاتھ سے خط لے کر اپنے گھر گئی اور سارا گھر رونے پیٹنے لگا۔ ایک پڑوسی نے رونا پیٹنا سنا تو پوچھا کہ اس عورت کا کیا حال ہی؟ لوگوں نے کہا خط آیا ہی کہ اس کا شوہر مرگیا۔ اس شخص نے کہا یہ جھوٹی بات ہی کیونکہ اس کے شوہر نے میرے پاس کل ایک خط بھیجا ہی کہ میں خیر و عافیت سے ہوں اور دس دن کے بعد اپنی بیوی کے پاس آؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ شخص فوراً اس عورت کے پاس گیا اور پوچھا کہ تیرے پاس جو خط آیا ہی کہاں ہی؟ عورت وہ خط لے آئی اس شخص نے اسے لے کر پڑھا دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا: "حمد و ثنا کے بعد معلوم ہو کہ میں تندرست اور بخیر و عافیت ہوں دس دن

کے بعد تمھارے پاس پہنچ جاؤں گا اور تمھارے لیے ایک چادر اور ایک پٹکا بھیجتا ہوں۔ عورت یہ خط لے کر دوبارہ مُلّا کے پاس گئی اور کہنے لگی تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ میرا پڑوسی تو کہتا ہے کہ میرا شوہر صحیح و سلامت ہے اور اس نے میرے لیے چادر اور پٹکا بھیجا ہے۔ مُلّا بولا تو سچ کہتی ہے مگر میں اس وقت غصّے میں تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چوتھی رات

جب چار سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عورت نے مُلّا سے کہا تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ وہ بولا میں اس وقت غصّے میں تھا اور پریشانی کی عالت میں، میں نے دیکھا کہ پٹکا چادر میں لپٹا ہوا ہے اس لیے میں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا ہے اور اسے کفن پہنایا گیا ہے۔ عورت دانت پیستی اور یہ کہتی کہ تو معذور ہے خط لے کر چلی آئی۔

بادشاہ اور پارسا عورت کی کہانی

ایک بادشاہ بھیس بدل کر اپنی رعایا کا حال دریافت کرنے نکلا اور ایک بڑے گانو کے پاس پہنچ کر تنہا اُس میں داخل ہوا۔ اُسے پیاس لگ آئی تھی وہ گانو کے ایک دروازے پر جا کر ٹھیر گیا اور پانی مانگا۔ مکان میں سے ایک خوب صورت عورت پانی کا کوزہ لے کر نکلی اور بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے

پانی پیا اور عورت کو دیکھ کر لٹّو ہو گیا اُسے پھسلانے لگا۔ عورت بڑی پارسا تھی، وہ بادشاہ کو لے کر مکان کے اندر گئی، بٹھایا اور ایک کتاب دے کر کہا جب تک میں بن سنور کر تیرے پاس آؤں تو اسے پڑھ۔ بادشاہ بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگا دیکھا کہ اس میں زنا کی سخت ممانعت اور زانی کے لیے اُس سخت عذاب کا ذکر ہی جو خدا نے اس کے لیے رکھا ہی۔ پڑھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اس نے خدا کے آگے توبہ کی اور عورت کو بُلا کر کتاب اس کے حوالے کی اور چلتا ہؤا۔ عورت کا شوہر اس وقت باہر گیا ہؤا تھا، جب وہ لوٹا تو بیوی نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اُسے بڑا تعجب ہؤا اور اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو بادشاہ کی غرض اس سے وابستہ ہی، وہ اس کے بعد بیوی سے ہم بستر نہ ہؤا۔ بہت دن ہو گئے تو عورت نے اپنے رشتے داروں سے اپنے شوہر کی بے اعتنائی بیان کی۔ وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا خدا بادشاہ کی عزّت قائم رکھے! اس شخص نے ہم سے کھیتی کرنے کی خاطر ایک کھیت لگان پر لیا تھا، مدّت تک اس میں کھیتی کی لیکن اب کھیتی کرنا چھوڑ دیا، نہ تو خود کھیتی کرتا ہی نہ چھوڑتا ہی کہ ہم اُسے کسی دوسرے کو لگان پر دے دیں۔ کھیت کو نقصان پہنچ رہا ہی اور ہمیں ڈر ہی کہ بے کار رہنے سے کہیں کھیت میں خرابی نہ پیدا ہو جائے کیوں کہ اگر کھیتی بند کر دی جائے تو کھیت خراب ہو جاتا ہی۔ بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا کونسی چیز تجھے اپنا کھیت جوتنے بونے سے روکتی ہی؟ اُس نے جواب دیا خُدا بادشاہ کی عزّت قائم رکھے! مجھے خبر ملی ہی کہ کھیت میں ایک شیر آیا ہؤا ہی، مجھے اس سے ڈر لگتا ہی اور اس کے پاس جانے کی ہمّت نہیں پڑتی، میں جانتا ہوں کہ میں اس کا کچھ نہیں کر سکتا اور وہ چاہے تو میری مٹّی خراب کر دے۔ بادشاہ سارا قصّہ سمجھ گیا اور اس سے کہنے لگا اے شخص، تیرے کھیت میں کوئی شیر نہیں آیا ہی اور

اس میں اچھی پیداوار ہوسکتی ہے جا اس میں کھیتی کر، خدا تجھے برکت دے اشیر اس پر ہرگز حملہ نہ کرے گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے انھیں انعام دینے کا حکم دیا اور رخصت کیا۔

رُخ کے بچّے کی کہانی

ایک مغربی نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا تھا اور بے شمار جنگل اور سمندر طے کیے تھے۔ قسمت سے وہ ایک بار کسی ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں رُخ کا جوڑا رہتا تھا اور وہاں بہت دن تک ٹھیر کر اپنے وطن کو لوٹا تو اپنے ساتھ رُخ کے اس بچّے کے پر کی کلی لایا جو ابھی انڈے سے بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ اس کلی کے اندر ایک مشک پانی سما سکتا کیونکہ کہتے ہیں کہ جب رُخ کا بچہ انڈے میں سے نکلتا ہے تو اس کے بازو کی نباتی ایک ہزار ہاتھ ہوتی ہے۔ لوگ اس کلی کو دیکھ کر اچنبھا کرتے تھے۔ اس شخص کا نام عبدالرحمٰن مغربی تھا لیکن چینی کے نام سے اس کی شہرت تھی کیونکہ وہ چین میں مدت تک رہا تھا اسے عجیب و غریب قصے یاد تھے منجملہ بہت سی کہانیوں کے ایک یہ ہے کہ اس نے ایک بار بحر چین کا سفر کیا۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو پانچویں رات

جب چارسو پانچویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ

عبد الرحمٰن مغربی چینی عجیب وغریب قصّے بیان کرتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اس نے ایک بار لوگوں کے ساتھ بحرِ چین کا سفر کیا انھیں دوُر سے ایک جزیرہ نظر آیا وہاں پہنچ کر کشتی نے لنگر ڈالا انھوں نے دیکھا کہ وہ جزیرہ بہت بڑا اور وسیع ہے۔ کشتی والے پانی اور لکڑیاں لینے کی غرض سے اس جزیرے میں اتر گئے۔ کلھاڑیاں، رسّیاں اور مشکیں اپنے ساتھ لے لیں۔ یہ شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جزیرے میں انھیں ایک سفید چمکتا ہوا گنبد دکھائی دیا جس کی بلندی سو ہاتھ ہوگی۔ اسے دیکھ کر وہ اُدھر روانہ ہوئے جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا وہ رُخ کا انڈا ہے اس پر کلھاڑیاں، پتھر اور لکڑیاں مارنے لگے یہاں تک کہ وہ ٹوٹ گیا دیکھا کہ اس کے اندر رُخ کا بچہ ہے جو مثل ایک مضبوط پہاڑ کے تھا۔ انھوں نے چاہا کہ اس کے بازو سے ایک پر توڑ لیں لیکن انھیں اس وقت تک کامیابی نہ ہوئی جب تک کہ سب نے مل کر زور نہ لگایا حالانکہ ابھی تک بچّے کے پر پورے نہ نکلے تھے۔ پھر بچّے کا گوشت جتنا لے جا سکتے تھے لے گئے اور ایک بالوں کو تیز ہڈی سے کاٹ کر کشتی کے لنگر اٹھا دیے۔ رات بھر چلتے رہے۔ ہوا موافق تھی اور کشتی چلی جارہی تھی صبح ہونے لگی تو بادل کی طرح رُخ آپہنچا، اس کے دونوں پنجوں میں پہاڑ کے برابر دو پتھر تھے کشتی سے کہیں بڑے بڑے۔ جب رُخ ہوا میں ٹھیک کشتی کے اوپر پہنچا تو اس نے پتھر کو کشتی اور کشتی والوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ کشتی تیزی کے ساتھ چلی جاتی تھی پتھر اس کے پیچھے سمندر میں گرا اور اس زور سے گرا کہ لوگ ڈر گئے۔ ان کی قسمت میں سلامتی لکھی تھی خدا نے انھیں ہلاکت سے بچا لیا۔ اب انھوں نے وہ گوشت پکا کر کھایا۔ ان میں بعض سفید داڑھی والے بھی تھے۔ جب دن اچھی طرح نکل آیا تو انھوں نے دیکھا کہ ان کی داڑھیاں کالی ہوگئی ہیں

اور باقی لوگوں میں جن جن نے وہ گوشت کھایا تھا کبھی بوڑھے نہ ہوئے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ بوڑھوں کے جوان ہونے اور جوانوں کے بوڑھے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس ڈوئی سے دیگچی چلائی گئی تھی وہ نشاب کے درخت کی تھی۔ بعضوں کا قول یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ رخ کے بچّے کا گوشت تھا، یہ عجیب و غریب بات ہے۔

عدی بن زید اور نعمان بن منذر کی بیٹی کے عشق کی کہانی

عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہند تھا۔ عید الفصح کے دن جو عیسائیوں کا تہوار ہے وہ بیعنا نامی دیر میں چڑھاوا چڑھانے گئی۔ اس وقت اس کی عمر گیارہ سال کی تھی اس کا حسن اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے زیادہ تھا۔ اسی روز عدی بن زید بھی کسریٰ کے پاس سے ہدیہ لے کر نعمان بن منذر کے پاس حیرہ آیا تھا۔ وہ بھی چڑھاوا لے کر بیعنا کے دیر میں پہنچا اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ عدی کا قد چھریرا، عادتیں دل کش، آنکھیں خوب صورت تھیں اور چہرہ چکنا چپڑا۔ ہند بنت نعمان کے ہمراہ ایک لڑکی تھی جس کا نام ماریہ تھا۔ ماریہ کو عدی سے محبت تھی لیکن اس کی رسائی اس تک نہ ہوتی۔ لڑکی نے عدی کو دیر میں دیکھا تو وہ ہند سے کہنے لگی اس جوان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ، تو نے اس سے زیادہ خوب صورت نہ دیکھا ہوگا۔ ہند نے پوچھا وہ کون ہے؟ لڑکی نے جواب دیا عدی بن زید۔ ہند بنت نعمان نے کہا میں اُسے قریب سے جا کر دیکھوں تو ڈر ہے کہیں وہ مجھے پہچان نہ لے۔ ماریہ بولی وہ پہچان کیسے لے گا، اس نے کبھی تجھے دیکھا تو نہیں۔

اب وہ اس کے پاس گئی دیکھا کہ وہ اپنے ساتھ والے جوانوں سے ہنسی مذاق کر رہا ہے حُسن، شیریں کلامی، فصاحت اور لباس کی خوبی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اُسے دیکھتے ہی وہ لٹو ہو گئی، حواس جاتے رہے، رنگ فق ہو گیا۔ ماریہ نے دیکھا کہ ہند کا میلان عدی کی طرف ہے تو اس سے کہا عدی سے بات چیت کر، اس نے اس سے گفتگو کی اور چل دی۔ جب عدی نے اسے دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس کے بھی ہوش گم ہو گئے، دل دھڑکنے لگا، مُنہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں یہاں تک کہ اس کے ساتھی اسے پہچان نہ سکے۔ آخر اس نے ایک ساتھی سے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا ہے اور ہند کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ واپس آ کر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ نعمان کی بیٹی ہند ہے۔ دَیر سے نکلا تو عشق نے اس کی عقل کھو دی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جاتے۔ گھر پہنچ کر اس نے بڑے رنج و غم میں رات گزاری۔ لمحہ بھر کو آنکھ نہ جھپکی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو کے بعد چھٹی رات

جب چار سو کے بعد چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عدی رات بھر جاگتا رہا صبح ہوئی تو ماریہ اس کے پاس آئی۔ عدی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس سے پہلے وہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرتا تھا۔ اس نے ماریہ سے پوچھا کہ تیرا آنا کس طرح ہوا؟ ماریہ نے جواب دیا مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ عدی بولا بیان کر، خدا کی قسم جو کچھ تو مجھ سے مانگے گی

میں دوں گا۔ ماریہ نے کہا مجھے تجھ سے عشق ہے اور میں تیرے ساتھ تنہائی چاہتی ہوں۔ عدی نے منظور کر لیا اس شرط پر کہ وہ کسی تدبیر سے ہند کو اس سے ملا دے۔ پھر وہ ماریہ کو حیرے کی ایک گلی کے اندر ایک شراب خانے میں لے گیا اور اس سے ملاقات کی۔ ماریہ وہاں سے نکل کر ہند کے پاس گئی اور کہا تو عدی کو دیکھنا چاہتی ہے؟ ہند نے کہا میں توکل سے اس کے لیے بے قرار ہوں۔ کسی کروٹ مجھے چین نہیں آتا، مگر میں اسے کیونکر دیکھ سکتی ہوں؟ ماریہ نے کہا میں اسے فلاں جگہ لے آؤں گی تو محل پر سے اسے دیکھ لیجیو۔ ہند نے کہا جیسی تیری مرضی اور دونوں نے اس جگہ کا فیصلہ کر لیا۔ جب عدی وہاں آیا تو ہند نے اسے اوپر سے دیکھا بے تاب ہو گئی قریب تھا کہ نیچے گر پڑے۔ اس نے ماریہ سے کہا اگر تو اسے آج رات میرے پاس نہ لائی تو میں مر جاؤں گی۔ یہ کہتے کہتے اسے غش آ گیا لونڈیاں باندیاں اسے اٹھا کر محل میں لے گئیں۔ ماریہ نے نعمان کے پاس جا کر سارا ماجرا بے کم و کاست بیان کر دیا اور کہا تیری بیٹی عدی کی محبت میں گرفتار ہے، اگر تو نے اس کی شادی عدی سے نہ کی تو بدنامی کا ڈر ہے وہ اس کی محبت میں جان دے دے گی اور عربوں میں تیری ناک کٹ جائے گی۔ اس رسوائی کا علاج یہی ہے کہ دونوں کی شادی ہو جائے۔ نعمان اپنا سر جھکا کر بیٹی کے بارے میں سوچنے لگا بڑی دیر کے بعد کہنے لگا تو ہی بتا کہ دونوں کی شادی کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے میں تو ابتدا کرنا نہیں چاہتا۔ ماریہ بولی عدی کا عشق اس سے بھی بڑھ کر ہے، وہ اسے بے حد چاہتا ہے۔ دیکھ میں کوئی تدبیر ایسی نکالتی ہوں جس سے وہ یہ نہ سمجھے کہ تو اس کے حال سے آگاہ ہے اور اے بادشاہ تیری بدنامی بھی نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ عدی کے پاس گئی اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ بادشاہ کی دعوت کر اور جب وہ شراب

پی کر مست ہو جائے تو اس کے آگے شادی کی تجویز پیش کر، اس وقت وہ تیری تجویز رد نہ کرے گا۔ عدی نے کہا مجھے ڈر ہے کہ وہ ناراض نہ ہو جائے اور ہمارے درمیان دشمنی پڑ جائے۔ ماریہ بولی میں اس سے ساری باتیں طے کرنے کے بعد تیرے پاس آئی ہوں۔ پھر اس نے نعمان کے پاس جا کر کہا تو عدی سے کہہ کہ وہ اپنے مکان پر تیری دعوت کرے۔ نعمان رضامند ہو گیا اور تیسرے دن اس نے عدی سے کہا میں اور میرے مصاحب تیرے ہاں ناشتا کرنا چاہتے ہیں۔ عدی نے منظور کر لیا اور نعمان دعوت کھانے گیا۔ ناشتے کے بعد شراب کا دور چلا۔ شراب اپنا کام کر چکی تو عدی نے اٹھ کر شادی کی تجویز پیش کی۔ نعمان نے انکار نہ کیا اور اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دی اور تین دن کے بعد رخصتی ہو گئی۔ تین سال تک دونوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو ساتویں رات

چارسو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! عدی اور ہند بنت نعمان نے تین برس تک نہایت عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اس کے بعد نعمان کسی بات پر عدی سے ناراض ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ ہند بہت غم زدہ رہنے لگی۔ نعمان نے حیرہ کے باہر اس کے لیے ایک دیر بنوایا وہاں بیٹھ کر اس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مرتے دم تک عدی کی یاد کرتی اور روتی پیٹتی رہی۔ اس کا دیر جو حیرہ کے باہر ہے اب تک مشہور ہے

دعبل خزاعی اور لڑکی کی کہانی

دعبل خزاعی کا بیان ہے میں کرخ کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لڑکی وہاں سے گزری۔ ایسی حسین اور موزوں قدوقامت والی کبھی میری نظر سے نہ گزری تھی، وہ ایسی مٹک مٹک کر چلتی کہ لوگ اس کی چال دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے تھے۔ جوں ہی میری نظر اس پر پڑی میں عاشق ہو گیا میرے سینے کے اندر ہل چل مچ گئی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ میں اس کے پاس گیا اور یہ شعر پڑھا: "میری آنکھوں کے آنسو جاری ہیں اور پلکوں کی نیند بند ہو گئی ہے" اس نے منہ پھیر کر میری طرف دیکھا اور فوراً اس شعر سے جواب دیا: "جسے بیمار آنکھیں بلائیں اس کے لیے تو یہ کچھ بھی نہیں"۔ اس کی حاضر جوابی اور شیریں بیانی پر میں دنگ رہ گیا اور ایک دوسرا شعر پڑھا کہ: "کیا میری آقا دل سے میری طرف متوجہ ہو گی کیونکہ میرے آنسو بند نہیں ہوتے؟"! وہ کب بند ہونے والی تھی بے تکلف جواب میں یہ شعر پڑھنے لگی: "اگر تو میری محبت کا خواہش مند ہو تو محبت تو دونوں طرف سے ہونا چاہیے"! مجھ کو آج تک نہ ایسی میٹھی میٹھی باتیں سننے کا اتفاق ہوا تھا نہ ایسی پیاری صورت دیکھی تھی۔ میں نے امتحاناً قافیہ بدل کر یہ شعر پڑھا: "دیکھ زمانہ ہمیں وصال سے خوش کرنے والا ہے اور عاشق و معشوق کو ملانے والا ہے" یہ سن کر وہ اس انداز سے مسکرائی کہ میں نے نہ اس جیسا خوب صورت منہ کبھی دیکھا تھا نہ اس جیسے پیارے دانت۔ پھر اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا: "زمانے اور اس کے فیصلے کی کیا حقیقت، میرے لیے تو ہی زمانہ ہے لہٰذا مجھے اپنے وصال سے

دل شاد کر۔"

میں فوراً اس کے ہاتھ چومنے لگا اور کہا مجھے یقین نہیں آتا ہو کہ زمانے نے مجھے ایسا اچھا موقع دیا۔ چل میرے پیچھے پیچھے آ مگر اسے حکم یا زبردستی نہ سمجھ بلکہ میرے اوپر اپنی عنایت خیال کر۔ یہ کہہ کر میں چل کھڑا ہوا اور وہ میرے پیچھے پیچھے ہولی۔ اس وقت میرے پاس کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو ایسی محبوبہ کے لائق ہوتی اس لیے میں اپنے دوست مسلم بن الولید کے پاس پہنچا۔ اس کا مکان نہایت خوب صورت تھا۔ میں نے دروازہ کھڑکھڑایا وہ نکلا میں نے سلام کیا اور کہا ایسے ہی وقت دوست کام آتے ہیں وہ بولا اندر آؤ۔ جب ہم اندر گئے تو میں نے دیکھا اس کے ہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اس نے مجھے ایک رومال دیا اور کہا کہ بازار جاکر اسے بیچ ڈال اور کھانے وغیرہ جس چیز کی ضرورت ہو خرید لا۔ میں دوڑتا ہوا بازار گیا رومال کو بیچ کر کھانے پینے کی وہ چیزیں خریدیں جس کی مجھے ضرورت تھی اور واپس پھرا۔ آکر کیا دیکھتا ہوں کہ مسلم اس لڑکی کے ساتھ تہ خانے میں اکیلا بیٹھا ہو۔ اس نے میری آہٹ سنی تو جھٹ میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے ابوعلی، جو بھلائی تو نے میرے ساتھ کی ہو خدا تجھے اس کی جزا دے، ثواب عطا کرے اور قیامت کے دن تیری نیکیوں میں ایک نیکی اور بڑھا دے! یہ کہہ کر اس نے مجھ سے کھانے پینے کی چیزیں لے لیں اور میری ناک کے سامنے دروازہ بند کر لیا۔ اس کی ان باتوں پر مجھے بہت غصہ آیا میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں، اور وہ دروازے کے پیچھے کھڑا مارے خوشی کے وجد کر رہا تھا۔ میں اس کی بدسلوکی اور بے مروّتی پر برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگا پہلے تو وہ چپ سنتا رہا کچھ نہ بولا جب میں برا بھلا کہہ چکا تو مسکرایا اور کہنے لگا اے پاگل، تو میرے گھر آیا میرا رومال

بیچا اور میرے دام خرچ کیے، پھر ای کٹنے، تو کس بات پر ناراض ہی؟ یہ کہتا ہوا وہ پھر میرے پاس سے لڑکی کے پاس چلا گیا۔ ئیں نے اس سے کہا تیرا کہنا سچ ہی واقعی ئیں پاگل ہوں اور کٹنا بھی۔ اس کے بعد غم زدہ ہو کر چلا آیا جس کا اثر آج تک میرے دل پر ہی۔ اس دن سے نہ وہ ملی اور نہ کہیں اس کا پتا چلا۔

اِسحٰق موصلی اور مُغنّیہ کنیز کی کہانی

اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہی کہ ایک بار خلیفہ کے محل میں رہتے رہتے اور خدمت کرتے کرتے میں اتنا تھک گیا کہ دوسرے روز صبح ہی وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور ارادہ کر لیا کہ آج شہر میں جا کر سیر کروں گا اور اپنے غلاموں سے کہتا گیا کہ اگر خلیفہ کا پیادہ یا کوئی اور شخص آئے تو کہہ دینا کہ وہ صبح کسی ضروری کام کے لیے گیا ہی اور ہمیں معلوم نہیں کہ کہاں گیا ہی۔ ئیں بازاروں گلیوں میں سیر کرنے اور پھرنے لگا۔ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو ئیں ایک سڑک پر ٹھیر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو آٹھویں رات

چار سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہی کہ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو ئیں ایک سڑک پر ٹھیر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہی تا کہ دھوپ سے پناہ ملے۔

جس مکان کے پاس میں ٹھیرا تھا اس کا سائبان وسیع تھا اور سڑک کی طرف نکلا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر ٹھیرا ہوں گا کہ ایک حبشی غلام ایک گدھا ہانکتا ہوا آیا جس پر ایک لڑکی سوار تھی گدھے کی پیٹھ پر اس کے نیچے ایک ہیرے ٹکا ہوا رومال پڑا تھا۔ اس کی پوشاک ایسی تھی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ اس کا قد و قامت میں عجب دل کشی، آنکھیں بڑی بڑی اور انداز ایسا نرالا کہ آدمی دیکھا کرے۔ میں نے ایک راہ چلنے والے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک گانے والی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اس کی محبّت میں گرفتار ہو گیا اور مجھ پر ایسی بدحواسی چھائی کہ میں اپنی سواری پر سے گرتے گرتے بچا۔ آتے آتے وہ اسی مکان میں داخل ہوئی جس کے دروازے پر میں کھڑا تھا۔ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کس تدبیر سے اس تک رسائی ہو۔ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ دو خوب صورت جوان آئے اور انھوں نے اندر جانے کی اجازت مانگی مکان والے نے ان کو اجازت دی اور وہ سواریوں سے اترے تو میں بھی اتر پڑا اور ان کے ساتھ ساتھ اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا خیال ہوا کہ میں بھی مکان والے کا بلایا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کھانا آیا اور ہم سب نے کھایا، پھر اس مکان والے نے شراب لا کر ہمارے آگے رکھ دی اتنے میں وہی لڑکی عود لیے ہوئے نکلی، وہ گاتی جاتی تھی اور ہم شراب پیتے جاتے تھے۔ اتفاق سے مجھے استنجے کی ضرورت ہوئی میں اٹھ کر باہر گیا تو مکان کے مالک نے ان دونوں شخصوں سے میرے متعلق دریافت کیا انھوں نے جواب دیا ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں۔ اس نے کہا خیر طفیلی ہو گا لیکن آدمی خوب معلوم ہوتا ہے اس لیے اس کی آؤ بھگت کرنی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد میں آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا لڑکی نہایت خوش الحانی سے گانے لگی اور گانے کا پورا پورا حق ادا کیا۔ لوگوں نے بہت

پسند کیا اور شراب کا دور چلنے لگا۔ پھر اس نے نئے نئے انداز سے مختلف راگ گاتے۔ ان راگوں میں ایک میرا بنا ہوا راگ بھی تھا اور وہ اس نے سب راگوں سے بہتر گایا۔ اس کے بعد اور بہت سے نئے پرانے راگ گائے اور ان میں بھی ایک میرا راگ تھا لیکن اس کے گانے میں کچھ غلطیاں تھیں اس راگ کو دوبارہ گانے کے لیے میں نے کہا غرض یہ تھی کہ اس کی اصلاح کر دوں کہ ان دونوں شخصوں میں سے ایک میرے سر ہو گیا اور کہنے لگا تجھ سے زیادہ بے شرم طفیلی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا تیرے لیے طفیلی ہونا کافی نہ تھا کہ تو نے بے حیائی پر بھی کمر باندھ لی ! یہ مثل تیرے اوپر پوری اترتی ہے کہ طفیلی اور بے حیا ! میں نے مارے شرم کے اپنا سر نیچا کر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دوست نے بہت چاہا کہ اس سے میرا پیچھا چھڑائے لیکن وہ باز نہ آیا۔ خدا خدا کر کے نماز کا وقت ہو گیا اور لوگ نماز پڑھنے اٹھے میں اور ذرا دیر تک بیٹھا رہا اور عود لے کر اس کے تار خوب اچھی طرح ملائے۔ ساز کو درست کر چکا تو جا کر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو وہ شخص پھر مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ خوب ڈانٹا ڈپٹا، میں نے سانس تک نہ لیا۔ اتنے میں لڑکی نے عود اٹھا کر جو اس کے تاروں پر ہاتھ پھیرا تو دنگ ہو گئی اور کہنے لگی کہ میرے ساز کو کس نے ہاتھ لگایا ہے ؟ وہ بولے کہ ہم میں سے تو کسی نے چھوا نہیں۔ اس نے کہا واللہ کسی ایسے شخص نے ہاتھ لگایا ہے جو اس فن کا ماہر اور استاد ہے۔ تار اس طرح ملائے ہیں جیسے کہ کوئی بڑا استاد ملاتا ہے۔ میں نے کہا میں نے ملائے ہیں۔ وہ بولی خدا کی قسم تو ہی اسے لے کر بجا۔ میں نے ایک ایسا عجیب و غریب اور مشکل راگ بجایا جس سے زندہ مردے اور مردے زندہ ہو جائیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

چار سو نویں رات

چار سو نویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب اسحٰق بن ابراہیم موصلی اپنا راگ ختم کر چکا تو سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے سامنے آ بیٹھے اور کہنے لگے ای ہمارے آقا، خدا کے لیے ہمیں ایک راگ اور سُنا۔ مَیں نے دوسرا راگ بجایا اُن پر ایک قسم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی زمین پر گر پڑتے۔ راگ تمام ہوا تو عود رکھ کر مَیں خاموش ہو گیا۔ انھوں نے کہا خدا کے لیے ہمارے اوپر یہ ظلم نہ ڈھا ایک راگ اور سنا دے، خدا تجھے اس سے زیادہ نعمتیں عطا کرے۔ مَیں بولا ای لوگو، مَیں تمھیں ایک راگ نہیں دو تین چار جتنے کہو گے سنا دوں گا۔ لیکن پہلے مَیں تمھیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ مَیں کون ہوں۔ مَیں اسحٰق بن ابراہیم موصلی ہوں۔ واللہ یہ راگ مَیں خلیفہ کو سناتا ہوں جب وہ مجھے طلب کرتا ہی اور تم نے مجھے آج گندی سے گندی باتیں سنائی ہیں۔ خدا کی قسم جب تک تم اس بدزبان کو یہاں سے نکال نہ دوگے نہ مَیں یہاں بیٹھوں گا اور نہ کوئی بات کروں گا۔ یہ سن کر اُن دونوں شخصوں میں سے جو معقول تھا دوسرے سے کہنے لگا اسی بات سے تو مَیں تجھے ڈراتا تھا اور تیرے متعلق ڈرتا تھا پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اب مَیں نے عود لے کر وہی راگ گائے جو کنیز نے گائے تھے اور جو میرے بنائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد مَیں نے مکان کے مالک سے چپکے سے کہا کہ کنیز نے میرے دل پر قبضہ کر لیا ہی اور مَیں اس کے لیے بے چین ہوں۔ اس نے

جواب دیا وہ تیری ہی مگر ایک شرط کے ساتھ۔ میں نے پوچھا وہ کیا شرط ہی ؟
اس نے کہا اگر تو ایک مہینے میرے ہاں ٹھیر جائے تو کنیز، اس کے لباس اور زیور
سب تیرے ہیں۔ میں نے کہا میں اس کے لیے تیار ہوں۔ قصہ مختصر ایک مہینے
تک میں اس کے ہاں ٹھیرا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی کہ میں کہاں
ہوں، خلیفہ جا بہ جا مجھے تلاش کراتا اور میرا پتا نہ چلتا۔ جب مہینا پورا ہو گیا
تو اس نے کنیز اور اس کی تمام قیمتی چیزیں میرے حوالے کر دیں اس کے
علاوہ ایک اور لونڈی مجھے عطا کی۔ میں ان سب کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور
کنیز کے ملنے کی مجھے اتنی خوشی ہوئی گویا ساری دنیا مل گئی۔ اب میں فوراً
سوار ہو کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سامنے پہنچا تو اس نے کہا کم بخت
اسحٰق تو کہاں تھا ؟ میں نے اسے ساری داستان سنائی تو وہ بولا اس شخص
کو ابھی میرے پاس لا۔ میں نے اس کے گھر کا پتا بتایا خلیفہ نے اُسے طلب
کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس سے سارا قصہ پوچھا اس نے بیان
کیا۔ خلیفہ نے کہا تو بامروت شخص ہی مناسب ہی کہ تیری اس خوبی کی وجہ
سے تیری مدد کی جائے۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک لاکھ درہم دیے
جائیں اور مجھ سے کہا اے اسحٰق کنیز کو حاضر کر۔ میں نے حاضر کیا اور اس نے گا کر
خلیفہ کو بہت خوش کیا مجھے بھی بہت مسرت ہوئی۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ ہر
جمعرات کو یہاں آ کر پردے کے پیچھے سے گایا کرے، اور اسے پچاس ہزار
درہم عطا کیے۔ کنیز نے بھی فائدہ اٹھایا اور میں بھی مزے میں رہا۔

تین جنازوں کی کہانی

عتبی کا بیان ہی کہ ایک روز میں پڑھے لکھے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اِدھر اُدھر کے قصّے ہو رہے تھے کہ یک بیک عاشقوں کی کہانیاں ہونے لگیں اور ہر ایک نے کوئی نہ کوئی افسانہ سنایا یہاں تک کہ جتنی باتیں یاد تھیں ختم ہوگئیں۔ اس مجمعے میں ایک بڑھا بھی تھا، جب سب لوگ اپنی اپنی داستانیں سنا چکے تو وہ بولا میں بھی تمھیں ایک قصّہ سناتا ہوں ایسا تم نے کبھی نہ سنا ہوگا۔ ہم نے کہا سنا۔ اس نے کہا سنو میری ایک بیٹی تھی وہ ایک جوان کی محبّت میں مبتلا ہوگئی۔ جوان ایک مغنّیہ کنیز پر عاشق تھا اور کنیز میری بیٹی کو بہت چاہتی تھی لیکن ان باتوں کے ہمیں کچھ پتے نہ تھے۔ ایک دن میرا جانا ایک مجلس میں ہوا جہاں وہ جوان بھی تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسودسویں رات

چارسودسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! بوڑھے نے کہا ایک دن میں ایک مجلس میں گیا جہاں وہ جوان اور مغنّیہ دونوں موجود تھے۔ جب کنیز نے گانا سنایا تو جوان نے کہا واللہ ای میری آقا، کیا خوب! تیری اجازت ہی کہ میں جان دے دوں؟ کنیز بولی ہاں پردے کے پیچھے بشرطیکہ تو عاشق ہی۔ جوان نے ایک تکیے پر سر رکھ کر اپنی آنکھیں بند

کرلیں۔ اتنے میں شراب کا دَور اس تک پہنچا تو ہم نے اُسے ہلایا مگر وہ مرچکا تھا۔
اب ہم سب اس کے آس پاس جمع ہوگئے اور ہمارا مزہ کرکرا ہوگیا۔ ہم بہت غمگین
ہوتے اور فوراً مجلس برخاست کردی۔ مَیں گھر پہنچا تو لوگوں کو تعجب ہؤا کیونکہ
مَیں وقت سے پہلے آگیا تھا۔ مَیں نے ان سے جوان کا قصہ بیان کیا تاکہ انھیں
تعجب ہو۔ میری بیٹی نے مجھے یہ کہتے سنا تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر دوسرے
کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد مَیں بھی اس کمرے میں گیا دیکھا کہ وہ بھی
اسی طرح تکیے پر سر رکھے پڑی ہے جیسا کہ جوان کے متعلق بیان کیا جاچکا ہے مَیں
نے اسے جنبش دی تو وہ بھی مردہ تھی۔ ہم اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوتے
اور دوسری صبح کو اس کا جنازہ نکلا اسی وقت جوان کا بھی جنازہ نکلا۔ ہم
قبرستان کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک تیسرا جنازہ ملا۔ پوچھنے پر
معلوم ہؤا کہ وہ اس کنیز کا جنازہ ہے۔ اسے میری بیٹی کے مرنے کی خبر ملی تو
اس نے بھی وہی کیا جو میری بیٹی نے کیا تھا اور مرگئی۔ ہم نے تینوں کو ایک
ساتھ دفن کیا۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب قصہ عاشقوں کا سننے میں نہیں آیا۔

عاشق معشوق کے ایک ساتھ جان دے دینے کی کہانی

قاسم بن عدی سے بنو تمیم کے ایک شخص نے روایت کی کہ مَیں اپنی ایک
گم شدہ اونٹنی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بنو طے کے ایک تالاب پر پہنچا دیکھا کہ
دو فریق پاس کھڑے ہیں دونوں کی زبان ایک سی ہے۔ غور کرنے سے معلوم
ہؤا کہ ایک فریق کے ساتھ ایک جوان ہے جو بیماری سے کمزور ہو کر سوکھی کھال
کی طرح ہوگیا ہے اور عشقیہ اشعار پڑھ رہا ہے۔ جب دوسرے فریق کی ایک

لڑکی نے اس کے اشعار سنے تو وہ نکل کر اس کی طرف چلی۔ اس کے ساتھیوں نے پیچھے دوڑ کر روکنا چاہا اور وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگی۔ جوان نے جو یہ دیکھا تو وہ بھی اس کی طرف دوڑا مگر اس کے گروہ والوں نے لپک کر اُسے پکڑ لیا۔ اِدھر وہ جوان اپنے آپ کو ان سے چھڑانے لگا اور اُدھر وہ لڑکی یہاں تک کہ دونوں اپنے آپ کو چھڑا کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ دونوں فریقوں کے سامنے گلے لپٹ گئے اور مر کر گر پڑے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو گیارھویں رات

چار سو گیارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! لڑکا اور لڑکی دونوں مر کر گر گئے۔ اب خیموں میں سے ایک بوڑھا نکلا اور اُن دونوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھا، زور زور رونے لگا اور بولا خدا تم دونوں پر رحم کرے! خدا کی قسم تم زندگی میں ایک ساتھ نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تم دونوں کو ملا دوں گا پھر اس نے کہا کہ ان دونوں کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ دونوں کو غسل دے کر ایک کفن میں لپیٹا۔ ان کے لیے ایک ہی قبر کھودی گئی اور لوگوں نے دونوں جنازوں کی ایک ساتھ نماز پڑھ کر انھیں ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ دونوں فریقوں میں کوئی مرد و عورت ایسا نہ تھا جو ان پر روتا اور منہ نہ پیٹتا ہو۔ میں نے دونوں کے متعلق بوڑھے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے اور وہ میرا بھتیجا ہے۔ ان کی محبّت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ تو نے خود دیکھ لیا۔ میں نے کہا خدا تجھے نیکی دے! تو نے ان کی شادی آپس میں

کیوں نہ کر دی؟ وہ بولا کہ مجھے بدنامی اور فضیحت کا ڈر تھا لیکن وہی ہو کر رہا۔ یہ بھی عاشقوں کی عجیب و غریب کہانی ہے۔

مجنون عاشق کی کہانی

ابوالعباس مُبَرّد بیان کرتا ہے کہ ایک بار میں چند ہمراہیوں کو لے کر ڈاک کے ساتھ کسی کام کے لیے جا رہا تھا ہمارا گزر دیر ہرقل کی طرف سے ہوا اور ہم اس کے سایے میں ستانے کے لیے ٹھیر گئے۔ ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر کہا کہ دیر میں چند مجنون ہیں، ان میں سے ایک شخص بڑی حکمت کی باتیں کرتا ہے، اگر تم اسے دیکھو تو اس کی باتوں پر تمھیں بڑا تعجب ہو گا۔ ہم سب اٹھ کر دیر میں گئے دیکھا کہ ایک شخص سر کھولے ایک کمرے میں بوریے پر بیٹھا ہوا ہے اور دیوار کی طرف اس کی نظر ہے۔ ہم نے اسے سلام کیا اس نے بغیر ہماری طرف دیکھے سلام کا جواب دیا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کوئی شعر پڑھ جب وہ شعر سنتا ہے تو باتیں کرتا ہے۔ میں نے شعر پڑھے تو اس نے بھی اشعار سے جواب دیا اور پوچھنے لگا کہ میں نے اچھے شعر پڑھے ہیں یا برے؟ ہم نے کہا تو نے بُرے شعر نہیں پڑھے ہیں بلکہ اچھے اور عمدہ۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ ایک پتھر کی طرف بڑھایا جو اس کے قریب پڑا ہوا تھا اور اسے اٹھا لیا۔ یہ خیال کر کے کہ وہ پتھر ہماری طرف مارے گا ہم اس کے پاس سے بھاگے لیکن وہ اس پتھر کو اپنے سینے پر زور زور سے مارنے لگا اور کہا ڈرو نہیں، میرے پاس آؤ۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے مجھ سے کہا تجھے احباب کا حال معلوم ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں، وہ فوت ہو چکے ہیں، خدا ان پر رحم کرے! یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا

اور وہ جھٹ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا تجھے ان کی موت کا علم کیونکر ہوا؟ میں نے کہا اگر وہ زندہ ہوتے تو تجھے اس طرح نہ چھوڑتے۔ وہ بولا واللہ تو سچ کہتا ہے، ان کے بعد اب میں بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ کانپنے لگا اور منہ کے بل گر پڑا۔ ہم نے آگے بڑھ کر اسے ہلایا تو وہ مر چکا تھا، خدا اس پر رحم کرے! ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور ہم نے بڑا افسوس کیا اور اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو بارھویں رات

چارسو بارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! مُبرّد کا بیان ہے کہ وہ شخص مر کر گر گیا تو ہمیں بڑا افسوس ہوا اور ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا۔ جب میں بغداد واپس آیا اور متوکل کے پاس گیا تو اس نے دیکھا میرے چہرے پر آنسوؤں کے آثار ہیں پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے قصہ سنایا تو اسے بھی بہت افسوس ہوا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے اس پر افسوس نہیں ہوا تو میں تجھے سزا دیتا، اور وہ دن بھر غمگین رہا۔

چالیس راہبوں کے مسلمان ہونے کی کہانی

ابوبکر بن محمد انباری کا بیان ہے کہ ایک بار میں انبار سے سفر کر کے عموریہ چلا جو روم کے ملک میں ہے۔ چلتے چلتے ہم دیر الانوار میں اترے جو عموریہ کے

قریب ایک قصبہ ہے۔ دیر کے راہبوں کا رئیس اور اس کا مالک جس کا نام عبد المسیح تھا
آکر ہمیں دیر کے اندر لے گیا۔ وہاں چالیس راہب تھے، انھوں نے میری بڑی
آؤ بھگت کی اور اس رات نہایت عمدہ کھانا کھلایا۔ ان جیسی ریاضت اور عبادت
کرتے میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ صبح ہوتے میں وہاں سے آگے روانہ ہوا اور عموریہ
میں اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر انبار واپس آیا۔ دوسرے سال جب میں حج
کرنے مکے گیا۔ طواف کر رہا تھا کہ میری نظر عبد المسیح راہب پر پڑی دیکھا وہ اپنے
پانچ راہبوں کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ اچھی طرح پہچان گیا تو میں نے اس کے
پاس جا کر پوچھا کیا تو عبد المسیح راہب ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں، اب
میں عبداللہ راغب ہوں۔ یہ سن کر میں اس کے سفید بال چومنے اور رونے
لگا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حرم کے ایک طرف لے گیا اور کہا اپنے اسلام لانے
کا سبب بتا۔ وہ بولا یہ بھی عجیب و غریب واقعہ ہے سن۔ ایک بار مسلمان زاہدوں
کی ایک جماعت اس قصبے کی طرف سے گزری جہاں ہمارا دیر تھا انھوں نے
ایک جوان کو کھانا خریدنے کے لیے بھیجا۔ بازار میں اس کی نظر ایک عیسائی عورت
پر پڑی جو روٹیاں بیچتی تھی اور جس کا ناک نقشہ نہایت خوب صورت تھا۔
اسے دیکھتے ہی وہ جوان غش کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ ہوش آیا تو اس نے
اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور کہا تمھارا جہاں جی چاہے
جاؤ، میں تمھارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ انھوں نے اسے لعنت ملامت کی اور
بہت سمجھایا بجھایا لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ لاچار قافلہ آگے بڑھ گیا اور جوان
قصبے میں اس عورت کی دکان کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ عورت نے پوچھا
تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں تجھ پر عاشق ہوں۔ عورت یہ سنتی ہوئی
منہ پھیر کر چل دی جوان وہیں بیٹھا رہا۔ وہ نہ کھانا کھاتا نہ پانی پیتا بلکہ اس کے

منہ کو تکتا رہتا۔ جب تین دن گزر گئے اور جوان اس کے پاس سے نہ ٹلا تو اس نے جاکر اپنے گھر والوں کو خبر دی انھوں نے لڑکوں کو اس کے پیچھے لگا دیا اور لڑکوں نے اُسے اتنے پتھر مارے کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں، سر زخمی ہوگیا، مگر وہ پھر بھی نہ ہٹا۔ اب قصبے والوں نے اس کے قتل کی ٹھان لی ان میں سے ایک شخص نے مجھے آکر خبر دی۔ مَیں اس کے پاس گیا دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہؤا ہے۔ مَیں نے اس کے چہرے سے خون پونچھا اور دَیر میں لے جاکر اس کی دوادارو کی۔ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہؤا تو دَیر سے نکلا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسوتیرھویں رات

چارسوتیرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! راہب عبداللہ نے کہا کہ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہؤا تو دَیر سے نکل کر لڑکی کی دکان کے دروازے پر جا بیٹھا اور اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آکر کہنے لگی خدا کی قسم مجھے تجھ پر رحم آتا ہے، اگر تو میرا دین قبول کرلے تو مَیں تجھ سے نکاح کرلوں گی۔ اس نے جواب دیا خدا نہ کرے کہ مَیں توحید کے دین کو چھوڑ کر شرک کے دین میں داخل ہوں! لڑکی نے کہا اچھا میرے گھر چل اور اپنی مراد پوری کر کے چلتا بن۔ جوان نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ مَیں ایک لمحے کی شہوت کے لیے بارہ برس کی عبادت ضائع کردوں۔ لڑکی بولی تو پھر دُور ہو۔ جوان نے جواب دیا میرا دل نہیں مانتا۔ وہ منہ پھیر کر چلتی ہوئی لڑکے سمجھ گئے اور اُسے پتھر مارنے شروع کر دیے۔

جوان منہ کے بل گر پڑا اور کہنے لگا میرا سرپرست اللہ ہی جس نے قرآن نازل کیا اور جو تمام نیک بندوں کا سرپرست ہی۔ میں نے دیر سے نکل کر لڑکوں کو بھگایا اس کا سر زمین سے اٹھایا اور اسے یہ کہتے سنا خداوندا! مجھے اس سے جنت میں ملا۔ میں اسے اٹھا کر دیر کو روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اس کا دم نکل گیا۔ اب میں اُسے گانو کے باہر لے گیا اور قبر کھود کر دفن کیا۔ آدھی رات ہوئی تو وہ عورت اپنے بچھونے میں لیٹے لیٹے چیخیں مارنے لگی۔ سارے گانو والے جمع ہو گئے سبب پوچھا۔ اس نے کہا سوتے سوتے میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسلمان میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے چلا۔ میں اس کے ساتھ جنت کے دروازے پر پہنچی تو دربان نے مجھے اندر جانے سے روکا اور کہا جنت کافروں پر حرام ہی۔ یہ سن کر میں اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی۔ اس کے ساتھ اندر گئی اور اس میں ایسے ایسے محل اور درخت دیکھے جن کی تعریف میں تمھارے آگے نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے ایک ہیرے کے محل میں لے گیا اور کہا یہ محل میرے اور تیرے لیے ہی میں اس کے اندر تیرے بغیر نہیں جاؤں گا، پانچ دن کے بعد تو انشاء اللہ میرے ساتھ محل میں ہو گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس محل کے دروازے پر تھا اور اس میں سے دو سیب توڑ کر مجھے دیے اور کہنے لگا ایک کو تو خود کھا لے اور دوسرے کو رکھ لے جب تو اس راہب کو دیکھیو تو اُسے دے دیجیو چنانچہ ایک سیب میں نے کھا لیا اس سے بہتر میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہوگا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو چودھویں رات

چارسو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! عورت نے کہا کہ اس سے اچھا میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہوگا۔ اس کے بعد وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لایا اور میرے گھر تک پہنچا گیا۔ میں جاگی تو سیب کا مزہ میرے منہ میں باقی تھا اور دوسرا میرے پاس۔ میں نے وہ سیب نکالا تو اندھیری رات میں وہ ایسا چمکتا تھا جیسے روشن تارا۔ جب وہ سیب کو لے کر لوگوں کے ساتھ میرے پاس آئی تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور سیب مجھے دے دیا۔ میں نے دنیا کے پھلوں میں اس جیسا کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے چھری لے کر اس کے اتنے ٹکڑے کیے جتنے کہ میرے ساتھی تھے۔ اس کا ذائقہ اور خوشبو اللہ اکبر! لوگ آپس میں کہنے لگے ہو نہ ہو شیطان اس ذریعے سے عورت کو بہکانا چاہتا ہے۔ اور اس کے گھر والے اسے لے کر چل دیے مگر اس نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ پانچویں دن وہ بچھونے سے اٹھی گھر سے نکل کر اس مسلمان کی قبر پر پہنچی اور اس پر گر پڑی، اس کی روح پرواز کر گئی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ سویرا ہوا تو دو مسلمان بوڑھے اونی کپڑے پہنے گانو میں آئے۔ ان کے ساتھ اسی ہیئت کی دو عورتیں تھیں۔ انھوں نے کہا ای گانو والو! تمھارے ہاں خدا کے برگزیدہ لوگوں میں سے ایک عورت ہے اور بجائے تمھارے ہم اس کے متولی ہیں۔ گانو والوں نے اسے ڈھونڈا تو وہ قبر پر مردہ ملی۔ لوگوں نے کہا یہ ہماری ہے ہمارے دین پر مری ہے اور ہم اس کے والی وارث ہیں۔ بوڑھوں نے کہا نہیں بلکہ وہ مسلمان مری ہے اور ہم اس کے والی ہیں، اب فریقین میں سخت جھگڑا ہونے

فساد بڑھ چلا تو ایک بوڑھے نے کہا اس کے مسلمان ہونے کی یہ دلیل ہی کہ چالیس راہب مل کر اسے قبر پر سے اٹھائیں، اگر انھوں نے اٹھالیا تو وہ عیسائی ہی اور اگر نہ اٹھا سکے تو ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر اُسے کھینچے گا، اگر وہ اُس کے ساتھ آگئی تو مسلمان ہی۔ اس بات کو گانو والوں نے مان لیا اور چالیس راہب مل کر اس کے پاس آئے کہ اسے اٹھالے جائیں لیکن نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد ہم نے لڑکی کی کمر میں رسّی باندھ کر کھینچا اور رسّی ٹوٹ گئی اور اسے جنبش تک نہ ہوئی، پھر تمام گانو والوں نے مل کر یہی کیا وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ جب ہم ساری ترکیبیں کر کے تھک گئے تو ہم نے ایک بوڑھے سے کہا اب تو آگے بڑھ کر اسے اُٹھا۔ بوڑھا آگے بڑھا اور اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلیٰ ملّة رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور اُسے اپنی گود میں اٹھالیا۔ وہ دونوں اُسے لے کر ایک غار میں گئے جو پاس ہی تھا، وہاں اتارا۔ دونوں عورتوں نے آکر اُسے غسل دیا، کفن پہنایا، پھر دونوں بوڑھوں نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی اور مسلمان کی قبر کے پہلو میں دفن کر کے چلے گئے۔ یہ تمام باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئیں اس کے بعد جب ہم تنہا ہوئے تو آپس میں کہنے لگے سچائی ہی اس قابل ہی کہ اس کی پیروی کی جائے۔ سچائی کا اب ہم نے آنکھ سے مشاہدہ کر لیا ہی اور اسلام کی سچائی کی دلیل اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزری ہی چنانچہ میں اور سارے دیر کے راہب مسلمان ہو گئے اور علیٰ ہٰذا القیاس تمام گانو والے۔ پھر ہم نے عراق سے ایک فقیہہ بلوایا تاکہ وہ ہمیں اسلام کے ارکان اور دین کے احکام سکھائے۔ وہاں سے ایک پارسا فقیہہ آیا اور اس نے ہمیں نماز اور اسلام کے احکام سکھائے۔ اب ہم پر خدا کی بڑی مہربانی ہی ہم اس کی تعریف کرتے اور اس کے شکر گزار ہیں۔

ابو عیسیٰ بن الرشید کے عشق اور علی بن ہشام کی دریا دلی کی کہانی

عمرو بن مسعدہ روایت کرتا ہے کہ ابو عیسیٰ جسے ہارون الرشید کا بیٹا اور مامون کا بھائی کہتے ہیں علی بن ہشام کی کنیز قرۃ العین پر عاشق تھا اور وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی، ابو عیسیٰ اپنی محبت پوشیدہ رکھتا کسی کے آگے اپنا درد بیان نہ کرتا اس لیے کسی کو اس کا بھید معلوم نہ تھا۔ یہ وجہ تھی اُس کے غرور اور انسانیت کی۔ اس نے طرح طرح کی تدبیریں کیں کہ کنیز کو اس کے مالک سے خرید لے لیکن ناکام رہا۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گیا، محبت زور پکڑتی چلی گئی اور کوئی تدبیر بن نہ آئی تو وہ حج کے دن مامون کے پاس پہنچا سب لوگ اٹھ گئے تو اس نے کہا اے امیر المومنین، کاش تو آج اپنا دل بہلائے اور لوگوں کے پاس ان کی بے خبری میں پہنچ جائے کہ تجھے معلوم ہو کہ ان میں سے کون سخی ہے اور کس درجے اور ہمت کا آدمی ہے۔ ان باتوں سے ابو عیسیٰ کا محض یہ مقصد تھا کہ وہ قرۃ العین کے ساتھ اس کے مالک کے مکان میں ہم صحبت ہو۔ مامون نے جواب دیا تیرا کہنا ٹھیک ہے اور حکم دیا کہ اس کی طیّار نامی کشتی تیار کی جائے۔ کشتی تیار کر کے لائی گئی اور وہ اپنے مصاحبوں کو لے کر سوار ہو گیا۔ پہلا محل جو سامنے آیا حمید الطویل طوسی کا تھا وہ سب بغیر خبر کیے اس کے محل میں داخل ہو گئے دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو پندرھویں رات

جب چار سو پندرھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

مامون اور اس کے مصاحبوں نے دیکھا کہ حمید طوسی بوریے پر بیٹھا ہوا ہے گویّے عود اور نفیریاں لیے اس کے سامنے گا بجا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مامون کے آگے کھانا پیش کیا گیا جس میں چوپاؤں کا گوشت تھا مگر پرندوں کا بالکل نہ تھا اس لیے مامون نے اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ ابو عیسیٰ نے کہا اے امیر المومنین، ہم اس جگہ بے خبر کیے آگئے ہیں اور مکان والے کو تیرے آنے کا بالکل علم نہ تھا لہٰذا ایسی جگہ چل جہاں تیری شان کے لائق مجلس تیار کی گئی ہو۔ خلیفہ اپنے مصاحبوں اور اپنے بھائی ابو عیسیٰ کو لے کر اُٹھ کھڑا ہوا اور سب کے سب علی بن ہشام کے گھر پہنچے۔ جب اُسے ان کے آنے کی خبر ملی تو اس نے بہت عمدہ طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور ان کو لیے ہوئے محل کے اندر گیا ایک کمرہ کھولا جس سے زیادہ خوب صورت کسی کی نظر سے نہ گزرا ہوگا۔ اس کی زمین، ستون اور دیواریں طرح طرح کے مرمر کی تھیں۔ ان پر رومی میناکاری تھی اور سندھی قالینیں بچھی ہوئی جن پر بصری فرش تھا، فرش کی لمبائی چوڑائی کمرے کے برابر تھی۔ مامون بیٹھ کر تھوڑی دیر تک کمرے اور چھت اور دیواروں کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہمارے لیے کھانا لا، میزبان نے فوراً تقریباً سو قسم کے پرندوں کا گوشت پیش کیا، علاوہ بریں دوسرے گوشت، ثرید، قورمے اور ٹھنڈائیاں۔ کھانے سے فارغ ہو کر مامون نے کہا اے علی، اب کچھ پلا، اس نے سونے چاندی اور بلور کے برتنوں میں سہ آتشہ نبیذ پیش کی جس میں پھل اور خوشبودار جڑی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں اور جس کے ساقی چاند سے خوب صورت لڑکے تھے۔ ان کا لباس اسکندری تھا جس پر سونے کا کام تھا ان کے سینوں پر بلور کی صراحیاں تھیں جن میں مشک آمیز گلاب کا عرق۔

یہ تمام چیزیں دیکھ کر مامون دنگ رہ گیا اور آواز دی ای ابوالحسن ! وہ دوڑ کر فرش کے پاس پہنچا اور اُسے بوسہ دے کر خلیفہ کے آگے کھڑا ہو گیا عرض کیا امیرالمومنین، میں حاضر ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ سرور لانے والے گیت سنوا۔ اس نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ گانے والی کنیزوں کو حاضر کر۔ ملازم بسر و چشم کہہ کر چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس خادموں کو لے کر لوٹا جن کے ہاتھوں میں دس سونے کی کرسیاں تھیں۔ کرسیاں بچھا دی گئیں۔ پھر دس کنیزیں آئیں جو چاند کی طرح خوب صورت اور باغوں کی طرح شگفتہ تھیں۔ ان کی پوشاکیں سیاہ اطلس کی اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے۔ وہ آکر کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ایک کنیز کی طرف دیکھا جو اسے بہت پیاری معلوم ہوئی اور اس سے پوچھا ای کنیز، تیرا کیا نام ہی؟ اس نے کہا ای امیرالمومنین، سجاح۔ خلیفہ نے کہا ای سجاح، کچھ سنا۔ اس نے کئی راگ گا کر سنائے۔ مامون نے کہا ای کنیز، کیا خوب گایا! یہ اشعار کس کے ہیں ؟ اس نے جواب دیا عمرو بن معدیکرب کے اور موسیقی معبد کی۔ اس کے بعد مامون اور ابوعیسیٰ اور علی بن ہشام پھر پینے لگے وہ کنیزیں رخصت ہو گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں۔ ان کے لباس یمنی تھے جو سونے کے کلابتون سے بُنے ہوئے تھے۔ وہ بھی کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ اب مامون کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو ریگستانی نیل گائے کی طرح تھی اس سے نام پوچھا اس نے کہا ای امیرالمومنین، میرا نام ظبیہ ہی۔ خلیفہ نے کہا ای ظبیہ، اب تو کچھ گا کر ہمیں سنا۔ اس نے گا کر سنایا۔ وہ گا چکی تو مامون نے کہا ماشاءاللہ تو نے کیا خوب گایا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی

اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو سولھویں رات

جب چار سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! مامون کہنے لگا ماشاءاللہ تو نے کیا خوب گایا! یہ شعر کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا جریر کے اور موسیقی ابن سریج کی۔ پھر مامون اور اس کے ساتھی پینے میں مشغول ہو گئے اور کنیزیں رخصت ہو گئیں اور ان کے بعد دس اور کنیزیں آئیں جو یاقوت کی طرح تھیں۔ ان کا لباس سرخ اطلس کا تھا سنہری کام سے مزین، موتی اور جواہرات ٹنکے ہوئے اور ان کے سر کھلے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ان میں سے ایک کنیز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو سورج کی طرح خوب صورت تھی اس سے کہا اے کنیز، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فاتن، اے امیرالمومنین۔ خلیفہ نے کہا اے فاتن، تو کچھ گا کر ہمیں سنا اور اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا سبحان اللہ، اے فاتن! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ عدی بن زید کے اور انداز پرانا ہے۔ اب پھر مامون اور ابوعیسیٰ اور علی بن ہشام شراب نوشی کرنے لگے، کنیزیں چلی گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں جو موتیوں کی طرح پیاری تھیں۔ ان کے لباس پر سرخ سونے کے بیل بوٹے تھے اور کمروں سے پیٹیاں بندھی ہوئی تھیں جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون کی نظر ان میں بھی

ایک کنیز پر پڑی جو بید کی چھڑی کی طرح تھی۔ اس سے پوچھا اے کنیز تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اے امیرالمومنین، میرا نام رشا ہے۔ خلیفہ نے کہا اے رشا، ہمیں کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ مامون نے کہا اے کنیز، کیا خوب! اور سنا۔ کنیز نے اٹھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور پھر گانے لگی۔ اس پر مامون کو وجد آگیا۔ جب کنیز نے اُسے وجد میں دیکھا تو وہ اسی راگ کو بار بار گانے لگی۔ اس کے بعد مامون نے کہا طیار لاؤ۔ اس کا ارادہ تھا کہ سوار ہو کر رخصت ہو جائے۔ لیکن علی بن ہشام نے اٹھ کر کہا اے امیرالمومنین، میرے پاس اور ایک کنیز ہے جو میں نے دس ہزار دینار کو مول لی ہے۔ وہ میرے دل پر بالکل حاوی ہے، میں چاہتا ہوں کہ اسے امیرالمومنین کے سامنے پیش کروں اور اگر وہ تجھے پسند آئے اور تو اسے منظور کرے تو تیری نذر ہے ورنہ اس کا گانا ہی سن لے۔ خلیفہ نے کہا اچھا اُسے بلا۔ چنانچہ ایک کنیز نکلی جو بید کی چھڑی کی طرح تھی۔ اس کی آنکھیں فتنہ تھیں اور بھویں کمان۔ اس کے سر پر سرخ سونے کا ایک تاج تھا جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے اور اس کے نیچے ایک فیتے پر یہ شعر لکھا ہوا تھا: "یا تو وہ خود پری ہے یا اس کے قبضے میں کوئی جن ہے جس نے اُسے ایسی کمان سے لوگوں کے دلوں پر تیر چلانا سکھایا ہے جس کا چلّہ نہیں۔" یہ کنیز غزال کی طرح اٹھلاتی ہوئی آئی جس سے عبادت گزاروں کی توبہ ٹوٹ جائے اور آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو سترھویں رات

جب چار سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! کنیز آکر کرسی پر بیٹھ گئی۔ مامون نے اُسے دیکھا تو حیرت میں آگیا اور ابو عیسی کے دل میں ایک تیر سا لگا اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کی حالت دگرگوں ہوگئی۔ مامون نے کہا ای ابو عیسی، یہ تیرا کیا حال ہوا۔ اس نے کہا ای امیرالمومنین، مجھے کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہی۔ خلیفہ نے پوچھا کیا تو اس لڑکی کو پہلے سے جانتا ہی؟ اس نے کہا ای امیرالمومنین، ہاں، چاند کہیں چھپ سکتا ہی! مامون نے کنیز سے پوچھا تیرا نام کیا ہی؟ اس نے کہا ای امیرالمومنین، میرا نام قرۃ العین ہی۔ خلیفہ بولا ای قرۃ العین، کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا شاباش! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ دعبل خزاعی کے اور راگ چھوٹے زرزدور کا ہی۔ ابو عیسی نے اس کی طرف دیکھا اور آنسوؤں سے اس کا گلا گھٹنے لگا یہاں تک کہ تمام مجلس والے حیران ہوگئے۔ کنیز نے مامون کی طرف مخاطب ہوکر عرض کیا ای امیرالمومنین، اگر اجازت ہو تو کچھ اور سناؤں۔ مامون نے کہا جو تیرا جی چاہے گا۔ جب وہ گا چکی تو ابو عیسی نے کہا ای امیرالمومنین، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اٹھارھویں رات

چار سو اٹھارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ!

جب قرۃ العین گا چکی تو ابوعیسی نے کہا ای امیر المومنین اوکھلی میں دیا سر تو موسلوں کا کیا ڈر۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ سناؤں۔ خلیفہ نے کہا ہاں جو تیرا جی چاہے سنا۔ ابوعیسی نے آنسو ضبط کر کے گانا شروع کیا۔ اس کے بعد قرۃ العین نے عود ے کر ایسے راگ بجائے کہ لوگوں کو وجد آگیا۔ قرۃ العین گا بجا چکی تو ابوعیسی رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ علی بن ہشام کو سارا ماجرا معلوم ہو گیا تو اس نے اٹھ کر ابوعیسی کے قدم چومے اور کہنے لگا ای میرے آقا، خدا نے تیری دعا قبول کر لی، تیری مناجات سن لی اور تجھے اجازت دے دی کہ تو اسے مع اس کی تمام قیمتی چیزوں کے لے جائے بشرطیکہ امیر المومنین اسے لینا نہ چاہتا ہو۔ مامون نے کہا اگر مجھے اس کی خواہش بھی ہوتی تو میں اپنی ذات پر ابوعیسی کو ترجیح دیتا اور مقصد برآری میں اس کی مدد کرتا۔ یہ کہہ کر مامون اٹھ کھڑا ہوا۔ طیار میں سوار ہو گیا اور ابوعیسی کو پیچھے چھوڑ دیا تاکہ وہ قرۃ العین کو لے کر آئے۔ چنانچہ ابوعیسی کنیز کو لے کر خوش خوش اپنے گھر سدھارا۔ یہ تھی دریا دلی علی بن ہشام کی۔

امین اور اُس کے چچا ابراہیم کی کہانی

ایک روز مامون کا بھائی امین اپنے چچا ابراہیم بن مہدی کے گھر گیا۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین کنیز عود بجا رہی ہے۔ امین کا دل اس پر آگیا۔ ابراہیم کو اس کا علم ہوا تو اس نے کنیز کو مع اس کے نفیس پوشاکوں اور قیمتی جواہرات کے امین کے پاس بھیج دیا۔ امین کو گمان ہوا کہ اس کا چچا ابراہیم کنیز کے ساتھ ہم بستر ہو چکا ہے اور اسے اپنے تصرف میں لانا پسند نہ کیا چنانچہ

وہ ہدیے تو قبول کر لیے جو اس کے ساتھ آئے تھے اور کنیز کو واپس کر دیا۔ ابراہیم کو بعض خادموں سے اس بات کا پتا چل گیا اس نے ایک کارچوبی قمیص پر یہ دو شعر لکھے: "خدا کی قسم مجھے اس کے دامن کے نیچے کی بالکل خبر نہیں اور سوا بات چیت اور دیکھنے کے میں نے اس کے ساتھ کوئی دست درازی نہیں کی"۔ قمیص کنیز کو پہنائی اور اس کے ہاتھ میں عود دے کر دوبارہ امین کے پاس بھیجا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوئی تو زمین کو بوسہ دیا اور عود کے تار ملا کر گانے بجانے لگی۔ گا بجا چکی تو امین کی نظر اس کی قمیص پر پڑی اس پہ جو لکھا تھا پڑھا اور وہ اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اُنیسویں رات

چار سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب امین نے کنیز کی قمیص کے دامن پر وہ شعر لکھے ہوئے دیکھے تو اس سے ضبط نہ ہو سکا اس نے قریب جا کر اس کے بوسے لیے۔ ایک محل سرا اس کے لیے مخصوص کر دی اپنے چچا ابراہیم کا بہت شکرگزار ہوا اور رَے کی ولایت اُسے عطا کر دی۔

متوکّل علی اللہ اور فتح بن خاقان کی کہانی

ایک بار متوکّل بیماری کی حالت میں دوا کا استعمال کر رہا تھا لوگ اس

کے پاس طرح طرح کے تحفے اور ہدیے بھیجتے تھے۔ اسی سلسلے میں فتح بن خاقان نے اس کے لیے ایک باکرہ کنیز بھیجی جس کا سینہ ابھرا ہوا اور جو بے حد حسین تھی۔ اس کے ہمراہ کچھ بلور کے کوزے بھی بھیجے جن میں سرخ شراب تھی اور ایک سُرخ جام جس پر سیاہی سے لکھا ہوا تھا: جب امام صحیح وسالم ہو جائے تو اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں کہ اس جام سے شراب پیے اور اس مُہر کو توڑے جو اُسے نذر کی جاتی ہے کیونکہ دوا کے بعد اس نسے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ جس وقت کنیز مع ان تمام چیزوں کے خلیفہ کے پاس پہنچی ہے تو یوحنا طبیب اس کے پاس موجود تھا۔ جام پر لکھے ہوئے اشعار پڑھ کر ہنسنے لگا اور بولا اے امیرالمومنین، خدا کی قسم طب کے فن میں فتح مجھ سے زیادہ ماہر ہے۔ خلیفہ کو اس نسخے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے طبیب کی رائے مان کر اس دوا کا ویسا ہی استعمال کیا جیسا کہ اشعار میں بیان کیا گیا تھا اور خدا نے اسے کامل شفا دی۔

ایک واعظہ عورت کی کہانی

ایک فاضل کا بیان ہے کہ میں نے ایک بغدادی واعظہ عورت سیدۃ المشائخ نامی سے زیادہ ذہین، حاضر جواب، عالم، طبّاع اور خلیق نہیں دیکھا۔ وہ ۵۶۱ھ میں حماۃ آئی ہوئی تھی، کرسی پر بیٹھ کر لوگوں میں نہایت عمدہ وعظ کہتی بہت سے فقیہہ، عالم اور ادیب اس کے گھر جا کر فقہی مسائل پر بحث مباحثہ کرتے۔ ایک بار میں اور میرا ایک عالم دوست اس کے ہاں گئے۔ ہم وہاں جا کر بیٹھے تو اس نے ایک سینی پھلوں کی ہمارے سامنے رکھی اور خود جا کر پردے کے پیچھے بیٹھ گئی۔ کھا چکے تو فقہی مسئلوں پر بحث چھڑ گئی اور میں اس سے ایک مسئلے پر

الجھ گیا جس میں ائمہ کے درمیان اختلاف تھا۔ اس نے جواب دینا شروع کیا اور
میں کان لگا کر سننے لگا۔ اس کا بھائی جس کے حسن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہماری
خدمت کے لیے کھڑا تھا۔ میرے دوست کی توجہ بحث ومباحثے سے ہٹ کر
اس لڑکے کی طرف لگ گئی۔ وہ ٹکٹکی باندھے ہوئے بغور اُسے دیکھ رہا تھا عورت
نے بھی پردے کے پیچھے سے یہ سارا ماجرا دیکھ لیا جب وہ اپنی بحث ختم کر چکی
تو اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی میرے خیال میں تو مردوں کو عورتوں پر
ترجیح دیتا ہے۔ اس نے کہا ہاں۔ عورت نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا
اس لیے کہ خدا نے مرد کو عورت پر ترجیح دی ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی
دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو بیسویں رات

جب چارسو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
شیخ نے کہا اس لیے کہ خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔ میں فاضل سے
محبت کرتا ہوں نہ کہ مفضول سے۔ عورت بولی کیا تو مجھ سے اس مسئلے پر
مباحثہ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ عورت نے پوچھا تیرے
پاس اس بات کی کیا دلیل ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے۔ اس نے جواب
دیا دو طرح کی دلیلیں: منقول اور معقول۔ منقول قرآن اور سنت کی بنا پر،
خدا فرماتا ہے کہ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعْضَھُمْ عَلٰی بَعْضٍ۔
اس کے علاوہ خدا کا ارشاد کہ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں
سہی۔ میراث کے بارے میں حکم ہے کہ اگر بھائی اور بہنیں ہوں تو ایک بھائی

کا حصّہ دو بہنوں کے برابر۔ ان تمام موقعوں پر خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے اور کہا کہ عورت مرد سے آدھی ہے لہٰذا مرد عورت سے افضل ہے۔ اب سنّت کو لیجیے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے عورت کی دیت مرد سے آدھی قرار دی ہے اور معقول دلیل یہ ہے کہ مرد فاعل ہے اور عورت مفعول عورت نے کہا اے میرے آقا خوب کہا! لیکن تو نے اپنی زبان سے اپنے خلاف ثبوت پیش کر دیا اور ایسے دلائل دیے جو تیرے موافق نہیں بلکہ مخالف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت دی، اس میں میرے اور تیرے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ مگر مرد ہونے میں بچّہ، لڑکا، جوان، ادھیڑ اور بوڑھا سب برابر ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ اب چونکہ فضیلت محض مرد ہونے کی وجہ سے ہے اس لیے تیری طبیعت بوڑھے کی طرف بھی ویسی ہی مائل ہونی چاہیے جیسی کہ لڑکے کی طرف کیونکہ مرد ہونے کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جو اختلاف میرے اور تیرے درمیان ہے وہ معاشرت اور مزہ اٹھانے کے لحاظ سے ہے اور اس بارے میں تو نے کوئی دلیل پیش نہ کی جس سے لڑکے کی فضیلت عورت پر ثابت ہو۔ اس نے جواب دیا اے میری آقا، کیا تجھے معلوم نہیں کہ قد و قامت کا اعتدال، رخساروں کا گلابی ہونا، مسکراہٹ کی ملاحت اور شیریں کلامی لڑکے کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے لڑکے اس اعتبار سے عورتوں سے بہتر ہیں۔ اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی حدیث ہے کہ لڑکوں کو دیر تک نہ دیکھا کرو کیونکہ ان کی نظر میں حوروں کی سی بات پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لڑکے کی فضیلت لڑکی پر سب لوگ جانتے ہیں۔ شعرا نے اس کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے اور جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہے تو اُسے لڑکے

سے مشابہت دیتا ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی ختم کر دی، جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اکیسویں رات

چار سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! شیخ نے کہا جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہو تو اُسے لڑکے سے تشبیہہ دیتا ہی۔ لہٰذا اگر لڑکا افضل نہ ہوتا تو لڑکی کی تشبیہہ اس سے نہ دی جاتی۔ اور سُن، خدا تیرا بھلا کرے، لڑکا آسانی سے قابو میں آجاتا ہی اور اس سے جلد مطلب برآری ہوتی ہی، اس کی صحبت اور ناز و انداز بھلے معلوم ہوتے ہیں وہ زیادہ انکار نہیں کرتا بالخصوص جبکہ اس کے رخساروں پر خط آنے لگتا، مونچھوں کا سبزہ آغاز ہوتا ہی، جوانی کی سُرخی اس کے گالوں پر پھرنے لگتی ہی اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو جاتا ہی۔ یہ ہیں خوبیاں لڑکوں کی جو عورتوں کو نہیں دی گئیں ہیں۔ اور یہ اس برتری کا کافی ثبوت ہی جو لڑکوں کو لڑکیوں پر حاصل ہی۔ واعظہ نے کہا خدا تجھے معاف کرے! تو مباحثہ کرنے پر تُلا ہوا ہی تو نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور اپنے دعوے کی دلیلیں بھی پیش کی ہیں۔ لیکن سچائی ظاہر ہونے سے نہیں رہتی اب تو اس سے نہ بھاگیو، اگر دلیلوں کو اجمال سے بیان کرنے پر تو قناعت نہ کرے گا تو میں تفصیل کے ساتھ بیان کر دوں گی۔ خدا کے لیے تو ہی بتا کہ لڑکے کا لڑکی سے کیا مقابلہ، کہاں کوڑا کرکٹ اور کہاں سورج! لڑکی شیریں کلام اور خوب صورت و قد و قامت والی ہی، وہ گویا ریحان کی شاخ ہی، اس کے دانت بابونے کی طرح

ہیں، سنبل بنگ کی مانند، رخسار شقائق النعمان جیسے اور چہرہ سیب کی شکل، ہونٹ شراب کا جام، سینہ انار اور شانے شاخوں کی طرح، اس کا قد سڈول ہی، جسم بٹا ہوا اور تیزی تیز تلوار جیسی، ماتھا کشادہ، بھویں ملی ہوئی اور آنکھیں کالی کالی، اگر وہ بات کرتی ہو تو اس کے منھ سے موتی جھڑتے ہیں، دل اس کی طرف کھنچ جاتے ہیں اور اگر وہ مسکراتی ہو تو ایسا معلوم ہوتا ہو کہ اس کے ہونٹوں کے بیچ میں سے چاند چمک رہا ہو وہ گھورتی ہو تو اس کی آنکھوں سے تلواریں کھنچنے لگتی ہیں۔ اس پر خوبیوں کا خاتمہ ہو، مسافر اور مقیم سب اسی پر مرتے ہیں، اس کے سُرخ ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو بائیسویں رات

جب چارسو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! واعظہ نے کہا اس کے لال لال ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے۔ پھر وہ کہنے لگی اس کا سینہ شاہ راہ کی طرح ہو اور اس پر دونوں پستان جیسے ہاتھی دانت کی ڈبیاں، پیٹ تانے پھولوں کی طرح چکنا چپڑا، اس کی شکنیں ایک دوسرے پر پڑی ہوئیں، ملی ہوئی رانیں جیسے موتی کے دو ستون، کولھے بلور کے سمندر یا نور کے پہاڑوں کی طرح مٹکتے ہوئے، دو ہلکے ہلکے پاؤں اور سونے کی ڈھلی ہوئی ڈلیوں جیسی ہتھیلیاں۔ دیکھ اے مسکین، انسان اور جنات میں کتنا تفاوت ہو! تجھے معلوم نہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ اور شرفا عورتوں کی خوشامد کرتے اور ان کا لطف اٹھاتے ہیں۔ عورتوں کا مقولہ ہو کہ مردوں کی گردنوں کے مالک ہم ہیں اور ہم عقل

سلب کر لیتے ہیں۔ عورتوں ہی نے سیکڑوں امیروں کو غریب بنا دیا اور شریفوں کو رذیل کر دیا اور آقاؤں کو نوکر بنا دیا۔ پڑھے لکھوں کو انھوں نے اپنے پھندے میں پھانس لیا، پارساؤں کو رسوا کر دیا، امیروں کو در در بھیک منگوائی اور سعید کو شقی کر دکھایا۔ باوجود ان تمام باتوں کے کوئی عقل مند نہیں جو اُن سے روز بروز زیادہ محبت نہ کرتا ہو، ان کا سکّہ نہ مانتا ہو ان کے آگے سر نہ جھکاتا ہو۔ کتنے بندے ایسے ہوں گے جنھوں نے عورتوں کے لیے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور ماں باپ سے منہ موڑ لیا۔ کیا وجہ؟ ان کی محبت جو دلوں پر چھا جاتی ہے۔ اے مسکین، تجھے معلوم نہیں کہ ان کے لیے محل بنائے جاتے ہیں۔ ان کے آگے پردہ گرایا جاتا ہے، ان کے لیے کنیزیں مول لی جاتی ہیں اور انھی کے لیے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ انھی کے لیے خالص مشک اور زیور اور عنبر خرید کیا جاتا ہے۔ انھی کے لیے فوجیں جمع کی جاتی ہیں، مجلسیں منعقد کی جاتی ہیں، املاق اکٹھے ہوتے ہیں اور گردنیں ماری جاتی ہیں۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ دنیا سے مراد عورتیں ہیں سچ کہا ہے۔ اب رہیں وہ حدیثیں جو تو نے بیان کی ہیں، وہ تیرے خلاف ثبوت دیتی ہیں نہ کہ تیرے موافق۔ رسول اللہؐ کے قول میں کہ لڑکوں کی طرف دیر تک نہ دیکھو الخ لڑکوں کو حوروں سے تشبیہہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز سے کسی کی تشبیہہ دی جائے۔ وہ چیز اس سے بہتر ہوتی ہے، اگر عورتیں افضل اور بہتر نہ ہوتیں تو ان کے ساتھ دوسروں کو تشبیہہ نہ دی جاتی۔ تیرا یہ کہنا کہ لڑکی کی تشبیہہ لڑکے سے دی جاتی ہے درست نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لڑکے کی تشبیہہ لڑکی سے دی جاتی ہے، کہا جاتا ہے کہ فلاں لڑکا ایسا ہے جیسے لڑکی۔ کمین، فاسق و فاجر جن کی خدا نے مذمت کی ہے لڑکی کو لڑکے سے تشبیہہ دیتے ہیں ایسے لعینوں

گناہ گاروں، نفس اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کا کیا اعتبار، وہ حق سے دُور جا پڑے ہیں۔ اور جو تو نے رخسار کے خط کی خوبی اور موچھوں کا سبزہ آغاز ہونا بیان کیا ہے کہ اس سے لڑکا زیادہ حسین و جمیل ہو جاتا ہے غلط ہے اور سچائی سے دُور۔ اس سے تو خوب صورتی بدصورتی سے بدل جاتی ہے۔ بعد ازاں واعظہ نے اس شخص سے کہا کہ سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْم، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسوتیئیسویں رات

جب چارسوتیئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! واعظہ نے اس شخص سے کہا سُبْحَانَ اللہِ الْعَظِیْم یہ تجھے معلوم نہیں کہ انتہائی درجے کی لذت عورت میں ہے اور بغیر ان کے دیرپا لطف کسی اور چیز میں نہیں آتا اسی وجہ سے خدا نے انبیا اور اولیا کے لیے جنت میں حوروں کا وعدہ کیا ہے اور نیک کاموں کے بدلے انھیں دیا ہے۔ اگر خدا جانتا کہ ان کے علاوہ اور کسی میں لطف اٹھایا جا سکتا ہے تو وہ ان کے لیے اس کا وعدہ کرتا۔ رسول اللہؐ فرماتے ہیں دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی ہے، عورتوں کی، خوشبو کی اور نماز کی جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ لڑکوں کے سپرد تو جنت میں نبیوں اور ولیوں کی خدمت ہے کیونکہ وہ نعمتوں اور مزوں کا گھر ہے جو بغیر لڑکوں کی خدمت کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ لیکن خدمت کے علاوہ ان سے کوئی کام لینا زہر ہے اور وبال۔

پھر وہ کہنے لگی اے لوگو، تم نے مجھے حیا اور شرافت کے دائرے سے

نکال کر ایسی لغو اور فحش باتوں میں پھنسا دیا جو علما کی شان سے گری ہوئی ہیں، لیکن مثل ہی کہ شریفوں کے سینے رازوں کی قبریں ہوتی ہیں، اول تو مجلس کی باتیں بطورِ امانت کے سمجھنی چاہییں، دوسرے اعمال کا دار و مدار نیت پر ہی۔ میں خدا سے اپنے اور تمھارے اور باقی تمام مسلمانوں کے لیے مغفرت کی دعا کرتی ہوں، وہ بڑا غفور اور رحیم ہی۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہوگئی اس کے بعد ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا اور ہم وہاں سے روانہ ہوگئے۔ اس کے مناظرے سے جو ہمیں فائدہ پہنچا اس سے ہم خوش تھے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس ہوا۔

ابو سوید اور بڑھیا کی کہانی

ابو سوید کا بیان ہی کہ ایک دن میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کچھ پھل خریدنے ایک باغ میں گیا۔ دیکھا کہ باغ کے اندر ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ہی جس کا چہرہ نہایت خوب صورت ہی مگر سر کے بال سفید ہیں اور وہ ہاتھی دانت کی کنگھی سے کنگھی کر رہی ہی۔ ہم جا کر اس کے پاس کھڑے ہوگئے۔ اس نے خیال بھی نہ کیا کہ کون آیا نہ اپنا سر ڈھانکا۔ میں نے کہا کہ اے بڑھیا، اگر تو اپنے بال کالے رنگ لیتی تو جوان لڑکی سے زیادہ خوب صورت ہوتی۔ ایسا تو کیوں نہیں کرتی؟ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چوبیسویں رات

جب چار سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

ابو سوید کہتا ہی کہ جب مَیں نے بڑھیا سے یہ کہا تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر یہ اشعار پڑھے: "جب تک زمانہ رنگ لگاتا رہا مَیں بھی رنگ لگاتی رہی لیکن زمانے کا رنگ برقرار رہا اور میرا رنگ اتر گیا۔" مَیں نے کہا کہ ای بڑھیا، کیا خوب کہا!

علی بن محمد کے کنیز خریدنے کی کہانی

علی بن محمد بن عبداللہ بن طاہر نے ایک کنیز خریدنے کے لیے بلوائی۔ یہ کنیز فاضلہ، ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ علی نے پوچھا تیرا نام کیا ہی؟ اس نے جواب دیا خدا امیر کو عزت بخشے! میرا نام مونس ہی۔ علی کو اس کا نام پہلے سے معلوم تھا، تھوڑی دیر کے لیے علی نے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر یہ شعر پڑھا: "اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہی جو تیری محبت کی بیماری میں اس قدر گرفتار ہی کہ ششدر ہو گیا ہی؟" کنیز نے کہا خدا امیر کی عزت قائم رکھے! اور یہ شعر پڑھا: "جب ہم دیکھتے ہیں کوئی عاشق عشق کے مرض میں مبتلا ہی تو ہم اس کی دل دہی کرتے ہیں۔" یہ سن کر وہ خوش ہو گیا اسے ستر ہزار درہم میں خرید لیا اور اس سے عبیداللہ ابن محمد پیدا ہوا جس کے بڑے کارنامے ہیں۔

علی مصری اور بغداد کے سلطان کی کہانی

قاہرہ میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار مال و دولت، نقدی، جواہرات، معدنیات اور املاک تھی۔ اس کا نام حسن جوہری بغدادی تھا۔

خدا نے اسے ایک بیٹا بھی دیا تھا جس کا چہرہ خوب صورت، قد سڈول، رخسار گلابی تھے اور نہایت حسین و جمیل تھا۔ اس نے اس کا نام علی مصری رکھا تھا، اسے قرآن، علوم فصاحت اور ادب کی اتنی تعلیم دی تھی کہ وہ ان میں ماہر ہو گیا تھا اور باپ کی نگرانی میں تجارت کرتا تھا۔ جب باپ بیمار پڑا، اس کا حال خراب ہونے لگا اور اُسے موت کا یقین آگیا تو اس نے بیٹے کو بلایا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو پچیسویں رات

چار سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب بغدادی جوہری تاجر بیمار پڑا اور اُسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے علی مصری کو بلوایا اور اس سے کہنے لگا بیٹا دنیا فانی ہے اور آخرت باقی، سب کو ایک نہ ایک روز مرنا ہے۔ بیٹا، اب میری موت قریب ہے، میں چاہتا ہوں کہ تجھے وصیت کروں۔ اگر تو نے اس پر عمل کیا تو خدا سے ملنے تک تو نیک بخت اور امن و امان سے رہے گا، اگر تو نے اس پر عمل نہ کیا تو تجھے بڑی مشکلوں کا سامنا ہوگا اور تو میری نصیحت نہ ماننے پر پشیمان ہوگا۔ بیٹے نے کہا، ابا جان یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تیری نصیحت نہ سنوں اور نہ مانوں کیونکہ تیری فرماں برداری میرے اوپر فرض ہے اور تیری نصیحت پر عمل کرنا واجب۔

باپ نے کہا کہ بیٹا، میں نے تیرے لیے اتنے املاک، محل اور مال و دولت مہیا کی ہے جس کا حد حساب نہیں حتیٰ کہ اگر تو ہر روز پانسو دینار بھی خرچ کرے

تو کچھ کمی نہ ہوگی۔ لیکن بیٹا خدا سے ڈرتا رہیو اور مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو نہ چھوڑیو۔ ان کے اوامر اور نواہی پر عمل درآمد کیجیو، ہمیشہ نیکی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیو، نیکوں، پارساؤں اور عالموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رکھیو۔ فقیروں اور مسکینوں کی خبر گیری کیجیو، بخل اور کنجوسی سے بچیو، شریر اور مشکوک لوگوں کے پاس نہ پھٹکیو، نوکروں چاکروں اور اہل و عیال کے ساتھ نرمی سے پیش آئیو اور ایسا ہی سلوک اپنی بیوی سے رکھیو کیونکہ وہ بڑی خاندان کی لڑکی، اور تجھ سے حاملہ ہے۔ یقین ہے کہ خدا تجھے اس سے نیک اولاد دے گا۔ وہ اسی قسم کی وصیت کرتا، روتا جاتا اور کہتا تھا کہ بیٹا، میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے ہر تکلیف سے بچائے اور آرام سے رکھے۔ یہ سن کر بیٹا زار زار رونے لگا اور کہا ابا جان، مجھے ان باتوں سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو تو مرنے والے کی سی باتیں کرتا ہے۔ اس نے کہا بیٹا، درست ہے، میں اپنے حال سے بخوبی واقف ہوں اس لیے میری وصیت کو نہ بھولیو۔ یہ کہہ کر وہ شہادت کا کلمہ اور قرآن کی آیتیں پڑھنے لگا اور جب مرنے کا وقت آپہنچا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا، قریب آ۔ جب وہ قریب آیا تو باپ نے اسے بوسے دیے اُس کے آنسو جاری ہوگئے اور روح بدن سے پرواز کر گئی۔ خدا اس پر رحمت کرے!

بیٹا نہایت غم زدہ ہوا، گھر میں رونا پیٹنا مچ گیا اور باپ کے دوست آپہنچے اب اس نے باپ کی تجہیز و تکفین شروع کی، بہت مال لٹایا اور نماز پڑھنے کے لیے جنازہ باہر لے گئے۔ نماز پڑھ کر جنازے کو قبرستان لے گئے اور اُسے دفن کر کے قبر پر قرآن خوانی کی اور گھر لوٹ آئے بیٹے سے تعزیت کرنے کے بعد لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔ بیٹے نے فاتحہ اور ختم کی رسم ادا کی۔

یہ رسمیں چالیس دن تک ہوتی رہیں۔ اس اثنا میں وہ مسجد میں جانے اور ہر جمعے کو باپ کی قبر کی زیارت کرنے کے سوا گھر سے باہر نہ نکلتا۔ اس کے بعد وہ ایک زمانے تک نماز اور قرآن خوانی اور عبادت میں لگا رہا یہاں تک کہ ایک روز اس کے تاجر دوست اس کے پاس پہنچے اور اسے سلام کر کے کہنے لگے کہ اس سوگ میں تو کب تک پڑا رہے گا اور اپنا کاروبار، تجارت اور دوستوں سے ملنا جلنا کہاں تک بند رکھے گا؟ ایسا کرنے سے تجھے بہت تکلیف پہنچے گی اور تیری تندرستی بہت خراب ہو جائے گی۔ جب یہ سوداگر زادے اس کے پاس آئے تو ملعون ابلیس ان سے کانا پھوسی کرتا جاتا کہ وہ اسے بازار جانے کی ترغیب دیں اور دنیا کا سبز باغ دکھائیں۔ دوسری طرف وہی ابلیس اس سے بھی کہتا تھا کہ ان کا کہنا مان لے اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ جا۔
اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چھبیسویں رات

چار سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب تاجر زادے حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آئے تو انھوں نے اسے بازار جانے کا شوق دلایا، وہ خدا کے ارادے کے مطابق تیار ہو گیا اور ان کے ساتھ گھر سے نکلا۔ انھوں نے کہا کہ اپنے خچر پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ فلاں باغ میں چل تاکہ ہم سب مل کر وہاں سیر کریں اور تیرا غم غلط ہو۔ وہ خچر پر سوار ہو کر اور ایک غلام کو ساتھ لے کر یاروں کے جمگھٹ میں اس

باغ کی طرف روانہ ہوگیا جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔ باغ میں پہنچے تو ان میں سے ایک ناشتا تیار کرکے باغ میں لے آیا سب نے مل کر کھایا اور ہنسی مذاق ہونے لگا، شام تک بیٹھے باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ سب سوار ہوکر وہاں سے پلٹے اور اپنے اپنے گھر جاکر سو رہے۔ دوسری صبح ہوئی تو وہ پھر اس کے پاس جا پہنچے اور کہنے لگے کہ چل۔ اس نے کہا کہاں؟ انھوں نے جواب دیا فلاں باغ میں وہ کل والے باغ سے بھی زیادہ خوب صورت اور صاف ستھرا ہی۔ علی مصری سوار ہوکر ان کے ساتھ اس باغ میں پہنچ گیا۔ باغ میں پہنچ کر پھر ان میں سے ایک ناشتہ لایا۔ اب کے ناشتے کے ساتھ شراب بھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے شراب پیش کرکے کہا کہ اس سے غم غلط ہوتا ہی خوشی حاصل ہوتی ہی اور اس کی اتنی تعریف کی کہ علی مصری کو ماننا پڑا اور ان کے ساتھ شراب پینے لگا اور شام تک پینے پلانے کا شغل رہا۔ اس کے بعد اور سب تو اپنے اپنے گھر چلتے بنے مگر علی مصری سے نہ اٹھا گیا اس کو اتنے چکر آرہے تھے کہ بہ مشکل وہ اپنے خچر پر سوار ہوسکا۔ لشتم پشتم گھر پہنچا تو بیوی نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا آج تیرا رنگ بدلا ہوا کیوں ہی؟ اس نے جواب دیا ہم سب تفریح کر رہے تھے کہ ایک دوست شراب لے آیا، سب کے ساتھ میں نے بھی پی، اسی سے مجھے یہ چکر آرہے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا، کیا تو اپنے باپ کی وصیت بھول گیا اور انھی مشکوک لوگوں کی صحبت اختیار کرلی جن سے اس نے منع کیا تھا؟ علی مصری کہنے لگا کہ وہ سوداگر زادے ہیں ایسے ویسے مشکوک آدمی نہیں، نہایت شریف بڑے خوش مزاج۔

الغرض وہ اسی طرح ہر روز ان کے ساتھ جاتا آج کہیں تو کل کہیں

اور سب مل کر خوب کھاتے پیتے یہاں تک کہ ایک روز انھوں نے اس سے کہا اب ہماری باریاں ختم ہو گئیں اور تیری باری ہے۔ علی مصری بولا سر آنکھوں پر۔ اگلے دن اس نے ان سے کئی گنا کھانے پینے کا سامان مہیا کیا اور باورچیوں، فراشوں اور قہوہ بنانے والوں کو ساتھ لے کر وہاں گیا جہاں باغ اور میدان تھے اور پورے ایک مہینے تک کھانے پینے، گانا سننے اور مزے اڑانے میں مشغول رہا۔ جب مہینا ختم ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو کچھ وہ لایا تھا سب ختم ہو چکا۔ ملعون شیطان نے اس کے کان میں کہا کہ جتنا تو خرچ کر چکا ہے اگر تو اتنا ہر روز بھی خرچ کرے تو بھی تیری دولت کم نہیں ہوگی اور اس نے بے دھڑک خرچ کرنا شروع کر دیا۔ تین سال تک برابر خرچ کرتا رہا۔ اس کی بیوی نصیحت کرتی اور باپ کی وصیت یاد دلاتی لیکن وہ اس کی بات نہ سنتا حتیٰ کہ جس قدر نقد تھا سب خرچ ہو گیا اور اب وہ جواہرات بیچ بیچ کر صرف کرنے لگا، آخر جواہرات بھی ختم ہو گئے۔ اس کے بعد مکانات اور جاگیروں کا نمبر آیا، ان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔ پھر باغات اور زمینیں بیچ ڈالیں۔ رفتہ رفتہ جب کُل املاک بک گئی، اس کے مکان کے سوا کچھ باقی نہ رہا جس میں وہ رہتا تھا تو وہ اس کا مرمر اور اینٹیں نکال نکال کر بیچنے لگا۔ گھر کو کھنڈر کرنے کے بعد پھر خرچ کی ضرورت ہوئی تو اس کھنڈر کے بھی کوڑے کر ڈالے۔ چند روز نہ گزرے تھے کہ وہ شخص آیا جس نے اس کا گھر خریدا تھا اور کہنے لگا اب تو کہیں اور جا کر رہ، مجھے اپنے گھر کی ضرورت ہے۔ علی مصری کے ہاں اسی اثنا میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو بچے پیدا ہو چکے تھے لیکن بیوی اور ان بچوں کے سوا اس کے پاس اور کیا تھا جس کے لیے محل یا کسی بڑی حویلی کی ضرورت ہوتی۔ نہ لونڈیاں باندیاں

تھیں نہ مال واسباب، اس لیے اُس نے ایک حاطے میں ایک کوٹھری کرایے پر لے لی۔ عیش وعشرت کی زندگی گزارنے اور نوکروں چاکروں اور مال ودولت کی افراط کے بعد اس کوٹھری میں اٹھ آیا۔ حالت یہ ایسا دن اس کی تھی کہ ایک وقت کا کھانا پینا بھی اس کے پاس نہ تھا۔ بیوی نے کہا میں تجھے اسی دن سے ڈراتی اور تجھے باپ کی وصیت یاد دلاتی تھی لیکن تو نے ذرا نہ سُنا، لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْم۔ اب چھوٹے چھوٹے بچے کہاں سے کھائیں؟ اُٹھ اپنے دوستوں کے پاس جا جو سوداگرزادے ہیں، ممکن ہے کہ وہ تجھے کچھ دیں جس سے آج کا کھانا پینا چلے۔ وہ اٹھا اور ایک ایک دوست کے پاس گیا جس کے پاس پہنچتا وہی چھپ جاتا، جو ملتا بھی تو کھری کھری سناتا اور کچھ نہ دیتا۔ آخر دھکّے کھا کر الٹا آگیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ انھوں نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ بیوی پڑوسیوں کے پاس گئی کہ اُن ہی سے کچھ مانگے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسوستائیسویں رات

چارسوستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب علی مصری کی بیوی پڑوس میں گئی کہ ان سے اس روز کے کھانے کے لیے کچھ مانگ کر لائے تو وہ ایک عورت کے پاس پہنچی جسے وہ پہلے سے جانتی تھی۔ اس عورت نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور روتے ہوئے پوچھا تم لوگوں پر کیا مصیبت گزری؟ علی کی بیوی نے اسے اپنے شوہر

کا سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگی مرحبا اہلاً وسہلاً، جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے بلا معاوضے کے لے۔ اس نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے۔ عورت نے اُسے اتنا سامان دیا جو دونوں میاں بیوی اور ان کے بچوں کو پورے ایک مہینے کے لیے کافی تھا اور وہ اسے لے کر اپنے گھر آئی۔ اس کے شوہر نے یہ سامان دیکھا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ یہ چیزیں تجھے کہاں سے ملیں؟ بیوی بولی کہ فلاں عورت نے دی ہیں۔ میں نے اس سے اپنی حالت بیان کی تو اس نے ہر طرح سے میری خدمت کی اور کہا کہ جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کر۔ اس کے شوہر نے کہا اب چونکہ تیرے پاس یہ تمام چیزیں آگئی ہیں مجھے اجازت دے کہ کسی اور جگہ چلا جاؤں، ممکن ہے خدا ہماری روزی کھول دے۔ اس کے بعد اس نے بچوں کو بوسہ دیا اور چل کھڑا ہوا۔ کوئی منزلِ مقصود سامنے نہ تھی مگر چلا جاتا تھا۔ چلتے چلتے بولاق پہنچ گیا، دیکھا کہ ایک جہاز دمیاط جانے کے لیے تیار کھڑا ہے اتنے میں اس پر ایک شخص کی نظر پڑی جو اس کے باپ کا دوست تھا، اس نے سلام علیک کر کے پوچھا کہاں جاتا ہے؟ علی نے جواب دیا دمیاط جانے کا قصد ہے، وہاں اپنے دوستوں سے مل کر ان کی خیریت دریافت کروں گا اور لوٹ آؤں گا۔ وہ شخص اسے اپنے گھر لے گیا، خاطر تواضع کی اس کے لیے راہ کا کھانا پینا تیار کرایا اور چند دینار دے کر اسے اس جہاز میں بٹھا دیا جو دمیاط جا رہا تھا۔

جہاز دمیاط پہنچا تو لوگ اترنے لگے، علی بھی جہاز سے اُترا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ دو قدم چلتا اور ٹھٹک جاتا۔ ایک سوداگر نے اس کی بدحالی تاڑ لی اور ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ علی ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد اپنے دل میں کہنے لگا آخر کب تک میں گھروں

میں بیٹھا رہوں گا، اور سوداگر کے گھر سے چلنے کی ٹھان لی۔ معلوم ہوا کہ ایک جہاز دمشق جا رہا ہی، اس میں سفر کا ارادہ کیا۔ میزبان نے اس کے لیے توشہ تیار کرایا اور جہاز میں سوار کرا دیا۔ چلتے چلتے دمشق جا پہنچا۔ وہاں وہ گلی کوچوں میں پھر ہی رہا تھا کہ ایک بھلے مانس سے مڈبھیڑ ہوگئی وہ اُسے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں کچھ دن بسر کرنے کے بعد ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک قافلہ بغداد جا رہا ہی اور اس نے ان کے ساتھ بغداد جانے کا قصد کیا۔ اپنے میزبان سوداگر کے پاس آیا اور اس سے مشورہ کر کے قافلے کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ خدا نے ایک شخص کے دل میں اس کی طرف سے رحم ڈال دیا اور اُس نے اسے اپنے ساتھ لے کر اسے کھانے پینے کو دیا یہاں تک کہ بغداد تک ایک دن کی مسافت رہ گئی۔ اب اُن پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے چھاپا مارا اور سارا مال لوٹ لیا۔ قافلے والے بہت تھوڑے زندہ بچے، وہ بھی اپنی اپنی جانیں لے کر بھاگے اور چھپ گئے۔

علی مصری سیدھا بغداد کی طرف روانہ ہوا اور سورج غروب ہوتے وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ دربان دروازے بند کر رہے ہیں۔ اُن سے کہنے لگا مجھے اندر آجانے دو۔ انھوں نے اُسے اندر لے لیا اور پوچھا تو کہاں سے آیا ہی اور کہاں جائے گا؟ اس نے جواب دیا میں قاہرہ سے آرہا ہوں۔ میرے ساتھ سوداگری کا مال، خچر، غلام اور نوکر چاکر تھے۔ میں ان سے پہلے روانہ ہوگیا تھا کہ میں اپنا مال اتارنے کے لیے کوئی جگہ ڈھونڈوں۔ میں اپنے خچر پر سوار آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے مجھے آگھیرا، میرا خچر اور تمام سامان لوٹ لیا۔ خود میں مرتے مرتے بچا۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا خوش آمدی! آج کی رات ہمارے پاس ٹھیر جا۔ صبح کے وقت ہم تیرے

لیے کوئی مناسب جگہ تلاش کر دیں گے۔ علی نے اپنی جیب ٹٹولی تو اُسے ایک دینار ملا جو ان دیناروں میں سے بچ رہا تھا جو اُسے بولاق والے سوداگر نے دیے تھے۔ یہ دینار اس نے ایک دربان کو دے کر کہا کہ اسے تڑا کر کھانا لے آ۔ دربان اس دینار کو لے کر بازار گیا اور اسے تڑا کر روٹی اور سالن لایا، سب نے کھایا اور وہ سو گیا۔ صبح ہوئی تو ایک دربان اسے لے کر بغداد کے ایک تاجر کے پاس گیا اور اس کا ماجرا بیان کیا۔ تاجر سچ سمجھا اور اُسے یقین آ گیا کہ وہ تاجر ہوگا اور سوداگری کا مال لے کر آیا ہوگا، اس لیے وہ اُسے اپنی دکان میں لے گیا اور بڑی خاطر مدارات سے پیش آیا۔ آدمی کو گھر بھیج کر اس کے لیے اپنے کپڑوں میں سے ایک عمدہ پوشاک منگوائی اور اُسے حمام لے گیا۔

تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کا بیان ہے کہ میں اس کے ساتھ حمام گیا، وہاں سے نکلا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا، ناشتہ پیش کیا، ہم نے کھایا اور خوب لطف اٹھایا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک غلام سے کہا اے مسعود اپنے آقا کو لے جا کر وہ دونوں گھر دکھا جو فلاں جگہ ہیں ان میں سے جو اسے پسند ہو اس کی کنجی اسے دے کر واپس آ جا۔ غلام مجھے لے کر ایک گلی میں پہنچا جہاں تین نئے مکان برابر برابر تھے، تینوں میں قفل پڑے ہوئے۔ اس نے پہلا مکان کھولا میں نے اسے اندر سے دیکھا وہاں سے نکل کر دوسرے مکان کی طرف چلے۔ اسے بھی اس نے کھولا اور میں نے اسے بھی اندر سے دیکھا۔ غلام نے پوچھا دونوں میں سے کس مکان کی کنجی میں تجھے دوں؟ میں نے کہا یہ بڑا مکان کس کا ہے؟ اس نے کہا یہ بھی ہمارا ہی ہے۔ میں نے کہا اسے بھی کھول، میں اسے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ غلام بولا اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے جواب دیا

اس میں بھوت رہتے ہیں اور جو کوئی اس میں جاکر رہتا ہی صبح کو مردہ پایا جاتا ہی اور ہم لاش دروازے سے نہیں نکالتے بلکہ دونوں مکانوں میں سے ایک کی چھت پر چڑھ کر ادھر سے لے جاتے ہیں۔ اسی لیے میرے آقا نے اُسے چھوڑ رکھا ہی اور کسی کو رہنے کے لیے نہیں دیتا۔ مَیں نے کہا کھول تو سہی مَیں بھی اسے دیکھوں اور اپنے دل میں سوچا یہی تو میرا مقصد ہی کہ رات بھر اس میں رہوں صبح کو مرا ہوًا پایا جاؤں اور سارے جھنجھٹ سے چھٹکارا ملے۔ بالآخر اس نے وہ مکان کھولا مَیں نے اندر جاکر دیکھا کہ وہ بڑا بے نظیر مکان ہی۔ غلام سے کہا کہ مَیں اسی مکان کو لینا چاہتا ہوں، اس کی چابی مجھے دے دے۔ غلام بولا جب تک مَیں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھے چابی نہیں دے سکتا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اٹھائیسویں رات

جب چارسو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! غلام بولا جب تک مَیں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھے چابی نہیں دے سکتا۔ غلام نے اپنے آقا کے پاس جاکر کہا کہ مصری تاجر اس بڑے مکان کے سوا اور کسی میں نہیں رہنا چاہتا۔ یہ سن کر تاجر خود علی مصری کے پاس آیا اور کہنے لگا ای میرے آقا، تو اس گھر میں رہنے کی جرأت نہ کر۔ علی مصری نے جواب دیا اگر مَیں رہوں گا تو اسی مکان میں، مَیں ایسی وہمی باتوں کی پروا نہیں کرتا۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے لکھ کر دے دے کہ اگر تجھے کوئی

نقصان پہنچے تو ہم ذمے دار نہیں۔ علی نے کہا یہ مانا۔ اب اس نے قاضی کے محکمے سے ایک گواہ بلوایا تحریر لکھوا کر اپنے پاس رکھ لی اور اُسے کنجی دے دی۔ علی مصری کنجی لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ تاجر نے ایک غلام کے ہاتھ فرش بھجوایا اور غلام اُسے دروازے کے پیچھے چوکی پر بچھا کر لوٹ آیا۔ اس کے بعد علی مصری نے اندر جا کر دیکھا کہ مکان کے صحن میں ایک کنواں ہے اور اس پر ڈول رکھا ہوا ہے۔ اس نے ڈول کنوئیں کے اندر ڈالا پانی بھر کر وضو کیا، نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہی غلام آقا کے گھر سے شام کا کھانا لے کر آیا، ایک موم بتی، شمع دان، تشت، لوٹا اور صراحی لایا اور سب چیزوں کو رکھ کر فوراً چل دیا۔ علی نے موم بتی جلائی، شام کا کھانا کھایا، خوش ہوا، عشا کی نماز پڑھی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بچھونا لے کر اوپر چلیں اور وہیں سوئیں، یہاں نیچے سونے سے تو اوپر سونا بہتر ہو گا۔ چنانچہ وہ اُٹھ کھڑا ہوا، بچھونا اٹھا کر اوپر پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بڑا کمرہ ہے جس کی چھت پر سنہرا کام ہے فرش اور دیواریں رنگ برنگ کے مرمر کی ہیں۔ اس نے وہاں بستر بچھا دیا اور بیٹھ کر قرآن پڑھنے لگا۔

بیٹھا ہی تھا کہ کسی شخص نے آواز دی اے علی، اے ابن حسن، کیا میں سونا برساؤں؟ علی نے جواب دیا سونا ہے کہاں کہ تو برسائے گا؟ ابھی وہ یہ فقرہ ختم کرنے بھی نہ پایا تھا کہ مینہ کی طرح سونا برسنے لگا اور اتنا برسا کہ کمرہ بھر گیا۔ جب سونا برسا چکا تو اس آواز دینے والے نے کہا اب مجھے آزاد کر دے تاکہ میں اپنی راہ لوں کیونکہ میں اپنی خدمت ادا کر چکا اور تیری امانت تجھے پہنچا دی۔ علی مصری نے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس سونے کی وجہ بتا۔ اس نے کہا یہ سونا مدت سے تیرے لیے جمع تھا

اور جو کوئی اس مکان میں آتا ہم اس سے کہتے ای علی، ای ابن حسن، کیا ہم سونا برسائیں؟ وہ ہماری باتیں سن کر چیخیں مارتا ہم اتر کر اس کی گردن مروڑ دیتے اور چلے جاتے۔ آج جبکہ تو آیا اور ہم نے تیرا اور تیرے باپ کا نام لے کر پکارا اور کہا کہ کیا ہم سونا برسائیں؟ اور تو نے جواب دیا سونا کہاں ہے؟ تو ہم سمجھ گئے کہ تو ہی اس کا مالک ہے ہم نے سونا برسا دیا۔ اس کے علاوہ یمن کے ملک میں ایک خزانہ تیرے لیے اور باقی ہے بہتر ہے کہ میں جا کر اسے بھی تیرے پاس یہیں لے آؤں اور پھر تجھ سے درخواست کروں کہ مجھے آزاد کر کے جانے دے۔ علی نے جواب دیا واللہ میں تجھے اس وقت سے پہلے آزاد نہیں کروں گا جب تک کہ تو یمن کا خزانہ نہ لے آئے۔ جن نے کہا جب میں اسے لے آؤں تو کیا تو مجھے اور اس خزانے کے موکل کو آزاد کر دے گا؟ علی بولا ہاں۔ جن نے کہا اچھا قسم کھا اور اس نے قسم کھا لی۔ جن جانے ہی والا تھا کہ علی مصری نے کہا میری تجھ سے ایک اور حاجت ہے۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ علی نے جواب دیا کہ قاہرہ میں فلاں جگہ میرے بیوی بچے ہیں، انھیں جا کر بغیر تکلیف دیے میرے پاس لے آ۔ جن نے کہا انشاء اللہ میں انھیں اس خزانے کے ساتھ جو یمن سے لاؤں گا اُڑن کھٹولے پر بٹھا کر جلوس اور نوکروں چاکروں کے ساتھ لیتا آؤں گا۔ جن نے اس سے تین دن کی مہلت لی اور سارا مال و متاع اس کے پاس چھوڑ کر چل دیا۔ جن کے جانے کے بعد علی کمرے میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ سونے کو چھپا کر رکھے۔ اُسے کمرے کے صدر کی طرف ایک مرمر کی اینٹ دکھائی دی جس میں ایک نلی لگی ہوئی تھی، نلی کو کھینچنے سے اینٹ ہٹ گئی اور وہاں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہ بہت بڑا گودام ہے اور اس کے چاروں

طرف کپڑے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ تھیلیوں کو لے کر ان میں سونا بھرتا اور گودام میں رکھتا جاتا۔ اس طرح سے اس نے سارا سونا لے کر گودام میں رکھ دیا اور قفل لگا کر نلی کو کھینچا اینٹ اپنی جگہ پر آگئی۔ پھر وہ نیچے اتر کر آیا اور اسی چوکی پر بیٹھ گیا جو دروازے سے لگی ہوئی تھی۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مکان والے کا غلام تھا۔ اسے دیکھتے ہی غلام تیزی کے ساتھ اپنے آقا کی طرف بھاگا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو انتیسویں رات

جب چارسو انتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! غلام نے تیزی کے ساتھ اپنے مالک کے پاس جاکر خوش خبری دی کہ جو تاجر سائے والے گھر میں رہا تھا خیریت سے ہے اور دروازے کے پاس چوکی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا مالک خوش خوش اٹھا اور ناشتہ لے کر اس گھر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اس نے آکر علی کو صحیح سالم دیکھا تو اس کے گلے لپٹ گیا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ علی نے جواب دیا اچھا کیا، میں چھت پر اسی کمرے میں سویا تھا جس میں مرمر جڑا ہوا ہے۔ مکان کے مالک نے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی آیا تھا یا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟ علی نے کہا نہیں، میں قرآن پڑھا کیا جب صبح کو سو کر اٹھا تو وضو کر کے نماز پڑھی اور نیچے آکر اس چوکی پر بیٹھ گیا۔ تاجر نے کہا شکر ہے خدا کا کہ

تو صبح سلامت رہا۔ اب وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گیا اور علی کے پاس غلام، کنیزیں اور فرش بھیجے۔ انھوں نے مکان میں اوپر سے لے کر نیچے تک جھاڑو دی اور نہایت نفیس فرش بچھایا۔ تین گورے، تین کالے غلام اور چار کنیزیں اس کی خدمت کے لیے وہیں رہ گئے باقی اپنے آقا کے پاس چلے گئے۔

دوسرے تاجروں کے کان تک یہ قصہ پہنچا تو انھوں نے اس کے پاس طرح طرح کے تحفے بھیجے حتیٰ کہ کھانے اور پینے کی چیزیں بھی، اُسے اپنے ساتھ بازار لے گئے اور پوچھا کہ تیرا مال کب آئے گا؟ اس نے جواب دیا کہ تین دن کے بعد۔ جب تین دن گزر چکے تو اس کے پاس پہلے خزانے کا خادم آیا جس نے سونا برسایا تھا اور کہنے لگا کہ چل کر اس خزانے کو دیکھ جو میں تیرے لیے یمن سے لایا ہوں اور اپنے بیوی بچّوں سے بھی مل۔ اُن کے ساتھ سارا خزانہ سوداگری کے سامان کی صورت میں ہے۔ خچر، گھوڑے، اونٹ، نوکر چاکر اور غلام جتنے تو دیکھے گا سب جنّات میں سے ہیں۔ جس وقت یہ جن خادم قاہرہ گیا تو اس نے دیکھا کہ علی کے بیوی اور بچے اس اثنا میں بھوکے اور ننگے ہو گئے ہیں وہ انھیں اڑن کھٹولے پر بٹھا کر قاہرہ سے باہر لایا اور یمن کے خزانے میں سے انھیں عمدہ کپڑے پہنائے۔ غرض کہ جن نے ان تمام چیزوں کے آنے کی خبر علی کو سنائی تو اس نے سوداگروں کے پاس جا کر کہا آؤ شہر کے باہر چل کر اس قافلے سے ملیں جو ہمارا تجارتی مال لایا ہے اور اپنی بیویوں سے کہو کہ وہ بھی تشریف لا کر میری بیوی سے ملیں۔ وہ تیار ہو گئے اور اپنی اپنی بیویوں کو بلوا کر سب شہر کے باہر ایک باغ میں جا بیٹھے۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک غبار اٹھا لوگ دیکھنے لگے کہ یہ غبار کیسا ہے۔ غبار ہٹا تو آدمی، ساربان

اور فراش نظر آئے۔ لوگ گاتے بجاتے چلے آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر سارے بازار کا سردار تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا اے میرے آقا، ہم کل ہی پہنچنے والے تھے مگر اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ ہمیں ڈاکوؤں کا ڈر تھا ہم وہیں ٹھیر گئے حتیٰ کہ خدا نے ہم سے انھیں دور کر دیا۔ اس لیے ہمیں چار دن لگ گئے۔ اب تاجر نے اپنے خچروں پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے اور بیویاں علی مصری کی بیوی کے ساتھ اس وقت تک رکی رہیں جب تک کہ ان کا جلوس سوار ہوا، پھر یہ جلوس بھی بڑے جلوس کے ساتھ آ کر مل گیا۔ خچروں پر اتنے صندوق لدے دیکھ کر تاجروں کو تعجب ہوتا تھا، اور تاجروں کی بیویاں تاجر علی کی بیوی اور بچوں کے لباس دیکھ کر حیران تھیں اور کہتی تھیں کہ ایسا لباس تو نہ بغداد کے سلطان کے پاس ہوگا اور نہ کسی اور بادشاہ یا امیر اور تاجر کے پاس۔ لوگ برابر برابر اسی طرح چلتے رہے، مرد تاجر علی مصری کے ساتھ اور عورتیں اس کی بیوی کے ساتھ یہاں تک کہ وہ اس کے گھر پہنچ گئے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو تیسویں رات

جب چار سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! یہاں تک کہ وہ گھر پہنچ گئے اور اتر کر خچروں کو مع سامان کے صحن میں لے گئے سامان اتار کر کوٹھریوں میں رکھا اور بیبیاں اس کی بیوی کے ساتھ اوپر کمرے میں گئیں دیکھا کہ وہ دلھن کی طرح سجا ہوا ہے، اس کا فرش نہایت نفیس ہے۔ وہ سب وہاں بیٹھ گئیں اور ظہر تک میٹھی مزے اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد بہتر سے بہتر کھانے اور حلوے ان کے سامنے پیش کیے گئے، انھوں نے کھائے اور عمدہ عمدہ شربت پیے، پھر گلاب کے عرق اور عطروں سے معطر ہو کر

علی مصری اور بغداد کے سلطان کی کہانی

سب مرد و عورت اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے۔ گھر پہنچ کر تاجروں نے اپنی حیثیت کے موافق ہدیے بھیجے اور بیبیوں نے اس کی بیوی کے لیے تحفے تحائف روانہ کیے، اِس طرح ان کے پاس اس قدر کنیزیں، کالے اور گورے غلام، غلہ اور لشکر وغیرہ جمع ہو گیا کہ حساب سے باہر تھا۔

لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد بغدادی تاجر مکان کا مالک تھا وہیں جما بیٹھا رہا اور علی سے کہا غلاموں اور نوکروں کو حکم دے کہ وہ خچروں اور دوسرے جانوروں کو ایک گھر میں لے جائیں تاکہ وہ وہاں آرام کریں۔ اس نے جواب دیا وہ آج ہی رات فلاں جگہ جانے والے ہیں اور ان سے کہا کہ شہر کے باہر جا کر رات کا انتظار کرو اور روانہ ہو جاؤ۔ انھیں یقین نہ آتا تھا کہ انھیں واقعی اجازت مل گئی ہے اور وہ اس کی مرضی سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر پہنچ کر ہوا میں اُڑ گئے اور اپنی جگہ پر پہنچ گئے۔ تاجر علی اپنے میزبان کے ساتھ بیٹھ کر تہائی رات تک باتیں کرتا رہا، پھر مجلس برخاست ہوئی، میزبان اپنے گھر چلا گیا اور تاجر علی نے اپنے بیوی بچوں کے پاس جا کر انھیں سلام کیا اور پوچھا کہ میرے پیچھے اتنی مدت تک تم پر کیا گزری؟ بیوی نے اپنی فاقہ کشی، برہنگی اور مصیبت بیان کی جو انھوں نے جھیلی تھی۔ علی نے کہا شکر ہے خدا کا کہ تم سب صحیح و سلامت ہو، اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم لوگ آئے کس طرح؟ بیوی نے کہا اے میرے آقا، کل رات میں بچوں کے ساتھ سو رہی تھی یکایک کسی نے مجھے اور بچوں کو زمین سے اٹھا لیا اور ہم ہوا میں اڑنے لگے لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اُڑتے اُڑتے ہم زمین پر ایک ایسی جگہ پر اترے جو عربوں کے محلّے کی سی تھی۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور دو

بڑے خچروں پر پالکی بندھی ہوئی ہے، اور گرد بہت سے خادم، غلام اور پیادے ہیں۔ میں نے پوچھا تم کون لوگ ہو، یہ سامان کیسا ہے اور ہم کس جگہ ہیں؟ انھوں نے جواب دیا ہم تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے خادم ہیں، اس نے ہمیں اس لیے بھیجا ہے کہ تمھیں لے کر اس کے پاس بغداد پہنچا دیں۔ میں نے کہا یہاں سے بغداد دُور ہے یا نزدیک؟ انھوں نے جواب دیا نزدیک ہے اور صرف رات بھر کی راہ ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ہمیں پالکی میں بٹھا دیا اور ابھی سویرا نہ ہونے پایا تھا کہ ہم تمھارے پاس پہنچ گئے اور ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔

اب اس نے پوچھا کہ تم کو یہ پوشاکیں کہاں سے ملیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ قافلہ سالار نے ان صندوقوں میں سے ایک صندوق کھولا جو خچروں پر تھے اور پوشاکیں نکال کر ایک مجھے پہنا دی اور ایک ایک بچوں کو۔ پھر اس صندوق میں قفل ڈال کر جس میں سے پوشاکیں نکالی تھیں اس کی کنجی میرے حوالے کر دی اور کہا اسے حفاظت سے رکھیو اور اپنے شوہر کو دے دیجیو۔ دیکھ یہ کنجی میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی نکال کر اسے دے دی۔ علی نے کہا تو اس صندوق کو پہچانتی ہے؟ کہا ہاں پہچانتی ہوں۔ بیوی کو لے کر کوٹھری میں گیا اور صندوق دکھائے۔ بیوی نے ایک صندوق دیکھ کر کہا کہ یہ ہے وہ صندوق جس میں سے پوشاکیں نکالی تھیں۔ علی نے کنجی نکال کر قفل کھولا، دیکھا کہ اس میں بے شمار پوشاکیں ہیں اور تمام صندوقوں کی کنجیاں بھی۔ کنجیاں نکال کر اس نے ایک ایک صندوق کھولنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں کہ ان میں ایسے ایسے جواہرات اور قیمتی معدنیات ہیں جن کی نظیر کسی بادشاہ تک کے پاس نہ ہوگی۔ دیکھ بھال کر اس نے انھیں پھر مقفل کر دیا اور کنجیاں اپنے پاس رکھ لیں اور کہا

کہ یہ سب خدا کی مہربانی ہے بعد ازاں بیوی کو لے کر اوپر کمرے میں اس مرمر کی اینٹ کے پاس گیا جس میں نلی لگی ہوئی تھی۔ اسے اوپر کی طرف کھینچ کر کوٹھری کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر بیوی کو وہ سونا دکھایا جو اس نے وہاں رکھا تھا۔ بیوی نے پوچھا یہ سب تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے جواب دیا یہ میرے پروردگار کا فضل ہے جب قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہوا تھا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اکتیسویں رات

چارسو اکتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! علی مصری نے کہا جب میں قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہو کر چلا تو چلتے چلتے بولاق پہنچا، دیکھا ایک جہاز دمیاط جانے کے لیے تیار کھڑا ہے۔ میں سوار ہو کر دمیاط پہنچا وہاں ایک تاجر سے ملاقات ہوئی جو میرے باپ کو جانتا تھا، وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا، میری آؤ بھگت کی اور مجھ سے پوچھا کہاں جا رہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں دمشق جانا چاہتا ہوں کیونکہ وہاں میرے دوست ہیں۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ بیوی نے کہا اے میرے آقا، یہ ساری چیزیں تیرے باپ کی دعا کا ثمر ہیں جو اس نے مرنے سے پہلے کی تھی کہ میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ اگر وہ تجھے تکلیف میں گرفتار کرے تو جلد اس سے چھٹکارا دے دے۔ شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے نجات دی اور جو کچھ تیرا مال ضائع ہوا تھا اس

سے زیادہ تجھے عطا کیا۔ ای میرے آقا، خدا کے لیے پھر مشکوک لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھیو اور ظاہر اور باطن میں خدا سے ڈرتے رہیو۔ اسی طرح وہ دیر تک نصیحت کرتی رہی۔ شوہر نے کہا میں تیری نصیحت مانتا ہوں اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں برے ساتھیوں سے دور رکھے اور اپنی فرماں برداری اور نبیؐ کی سنت کی پیروی کی توفیق دے۔ اس کے بعد وہ اور اس کی بیوی اور بچے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

اس نے تاجروں کے بازار میں ایک دکان لی اور وہاں کچھ جواہرات اور قیمتی معدنیات لے کر بیٹھا، اپنے بچوں اور غلاموں کو اپنے ساتھ بٹھایا اور بغداد میں سب سے بڑا تاجر ہو گیا۔ جب بغداد کے بادشاہ نے اس کا حال سنا تو اپنا ایک ایلچی بھیج کر اسے بلوایا۔ ایلچی نے اس کے پاس آکر کہا بادشاہ تجھے بلاتا ہی، وہاں چل۔ اس نے بادشاہ کے لیے ہدیہ تیار کیا۔ سرخ سونے کی چار سینیاں لے کر ان میں ایسے ایسے جواہرات بھرے جن کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس نہ ہوگی۔ ان سینیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس روانہ ہوا جب اس کے سامنے حاضر ہوا تو زمین کو بوسہ دیا اور اسے دعا دی کہ خدا تیری عزت اور نعمتیں قائم رکھے! اور نہایت عمدہ طریقے سے گفتگو کی۔ بادشاہ نے کہا ای تاجر، تو نے ہمارے ملک کو عزت بخشی۔ اس نے کہا جہاں پناہ، غلام تیرے لیے ایک ہدیہ لایا ہی اور امید کرتا ہی کہ تو مہربانی فرما کر اسے قبول کرے گا۔ یہ کہہ کر اس نے چاروں سینیاں پیش کیں۔ بادشاہ نے انھیں کھول کر غور سے دیکھا کہ ان میں ایسے ایسے جواہرات ہیں جو اس کے پاس بھی نہیں اور جن کی قیمت خزانے کے خزانے ہیں پھر کہنے لگا ای تاجر، تیرا ہدیہ قبول ہی اور انشاءاللہ ہم تجھے اسی طرح کا بدلہ دیں گے۔ تاجر

نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور چلا گیا۔

علی رخصت ہوا تو بادشاہ نے اُمرا کو بلاکر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ بہتیروں نے۔ بادشاہ نے کہا ان میں سے کسی نے ایسا ہدیہ بھیجا ہے؟ سب نے یک زبان ہوکر کہا نہیں، ان میں سے کسی کے پاس بھی اس طرح کی چیزیں نہیں۔ بادشاہ بولا میں نے اپنی بیٹی کی شادی اس تاجر سے کرنے کے بارے میں خدا سے استخارہ کیا ہے، تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے جواب دیا جیسی تیری مرضی۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ چاروں سینیوں کو لے کر محل سرا میں جائیں اور خود ملکہ سے مل کر سینیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ ملکہ نے انھیں کھولا، دیکھا کہ ان میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جن کی مثل اس کے پاس ایک بھی نہیں وہ کہنے لگی یہ کس بادشاہ کے پاس سے آیا ہے؟ غالباً ان بادشاہوں میں سے کسی نے بھیجا ہے جو ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ ایک مصری تاجر نے جو ہمارے شہر میں آیا ہے جب میں نے اس کے متعلق سنا تو میں نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا تاکہ میں اس سے مل کر دریافت کروں کہ اس کے پاس ایسے بھی ہیرے جواہرات ہیں جو میں اپنی بیٹی کے جہیز کے لیے خرید کرسکوں۔ وہ حکم بجالایا اور ہمارے لیے یہ چار سینیاں لایا اور ہدیے کے طور پر پیش کیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بڑا خوش رو جوان ہے، شان دار، عقل مند اور حسین۔ ممکن ہے کہ وہ بادشاہوں کی اولاد میں سے ہو۔ اس کی صورت سیرت مجھے بہت پسند آئی۔ اس نے میرے دل میں اپنی جگہ کرلی اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کردوں۔ اس کے لاتے ہوتے

ہدیے مَیں نے اُمرا کو دکھا کر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہی؟ انھوں نے کہا کہ بہتیروں نے۔ مَیں نے پوچھا کہ ان میں سے کسی نے ایسی چیزیں میرے لیے بھیجی ہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں جہاں پناہ، ایسی چیزیں ان کے پاس ہیں کہاں! مَیں نے کہا کہ مَیں نے خدا سے استخارہ کیا ہی کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں، تمھاری کیا رائے ہی؟ انھوں نے کہا کہ جو تیری مرضی۔ اب تیری کیا رائے ہی؟" اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت مل تھی۔

چارسو تیئیسویں رات

جب چارسو تیئیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بغداد کے بادشاہ نے ملکہ سے پوچھا کہ تیری کیا رائے ہی؟ اس نے جواب دیا جہاں پناہ، پہلا حکم خدا کا ہی اور دوسرا تیرا، اللہ کو جو منظور ہی وہی ہوگا۔ بادشاہ نے کہا انشاءاللہ مَیں بیٹی کی شادی اس کے سوا اور کسی سے نہیں کروں گا۔ رات گزر چکی اور صبح ہوئی تو بادشاہ نے اپنے دربار میں جا کر علی مصری اور بغداد کے کل تاجروں کو بلایا۔ سب حاضر ہو گئے تو اس نے ان سے کہا بیٹھو۔ وہ بیٹھ چکے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سرکاری قاضی کو بلایا جائے۔ قاضی حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا میری بیٹی کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے ساتھ مرتب کر۔ علی مصری نے کہا اے میرے مولیٰ سلطان، معاف کر، یہ ٹھیک نہیں ہی کہ ایک تاجر بادشاہ کا داماد بنے۔ بادشاہ بولا

یہ عزت میں تجھے دیتا ہوں اور تجھے وزیر بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر فوراً علی مصری کو وزارت کا خلعت پہنایا۔ وزارت کی کرسی پر بیٹھ کر اس نے عرض کیا جہاں پناہ، تو نے مجھ پر یہ عنایت کی اور مجھے عزت بخشی، لیکن ذرا میری بات سن لے۔ بادشاہ نے کہا کہ اور کہ، ڈر نہیں۔ اس نے کہا چونکہ تیرا حکم صادر ہو چکا ہے کہ تیری بیٹی کی شادی ہو جائے اس لیے مناسب ہے کہ اس کی شادی میرے بیٹے سے کر دی جائے۔ بادشاہ نے کہا کیا تیرا کوئی بیٹا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ بادشاہ نے کہا اسے فوراً بلوا۔ علی مصری نے اپنا ایک غلام بھیج کر بیٹے کو بلوایا۔ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا تو زمین چوم کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ شاہ زادی سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہے، قد سڈول اور چہرہ حسن کی تصویر۔ پوچھا کہ بیٹا، تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا سلطان، میرا نام حسن ہے۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال کی تھی۔

بادشاہ نے قاضی سے کہا کہ میری بیٹی حسن الوجود کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے بیٹے حسن کے ساتھ لکھ دے۔ قاضی نے نکاح نامہ لکھ دیا اور تمام باتیں بخیر و خوبی انجام پائیں۔ سارے درباری چلے گئے اور تمام تاجر وزیر علی مصری کے جلو میں روانہ ہوئے۔ اسی وزارت کے لباس میں وہ گھر پہنچا اور تاجر اسے مبارک باد دے کر چلے گئے۔ جب وزیر علی مصری اپنی بیوی کے پاس آیا اور بیوی نے اسے وزارت کا خلعت پہنے ہوئے دیکھا تو اس نے پوچھا یہ کیا؟ علی نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے حسن سے کر دی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور علی مصری نے رات نہایت شادمانی سے گزاری۔

صبح ہوئی تو وہ دربار گیا، بادشاہ اس کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آیا، اُسے اپنے پہلو میں بٹھایا اور کہا ای وزیر ہمارا ارادہ ہو کہ ہم جشن کریں۔ وزیر نے کہا ای میرے مولیٰ سلطان، جو تجھے اچھا معلوم ہو وہی اچھا ہو۔ بادشاہ نے جشن منانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے شہر کو سجایا اور تیس دن تک برابر خوشیاں مناتے رہے۔ ان تیسوں دن تک وزیر علی کا بیٹا حسن شہزادی کے حسن و جمال کے مزے لوٹتا رہا۔ ملکہ نے اپنے داماد کو دیکھا تو وہ اسے بہت چاہنے لگی، اسی طرح وہ اپنی سمدھن سے بھی بہت خوش تھی۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیرزادے حسن کے لیے ایک محل تیار ہو۔ حکم کی دیر تھی جلد سے جلد محل بن گیا اور وزیرزادہ اس میں رہنے لگا۔ اس کی ماں کچھ دن اس کے ساتھ رہتی اور پھر اپنے گھر چلی جاتی۔ ملکہ نے اپنے شوہر سے کہا جہاں پناہ، حسن کی ماں سے نہ یہ ہو سکتا ہو کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہے اور وزیر کو چھوڑ دے اور نہ یہ کہ وہ وزیر کے ساتھ رہے اور اپنے بیٹے سے کنارہ کش ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا تو سچ کہتی ہو اور حکم دیا کہ ایک تیسرا محل بنایا جائے جو وزیرزادے حسن کے محل کے پہلو میں ہو، یہ تیسرا محل بھی چند روز میں تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کا سامان اس محل میں منتقل کر دیا جائے۔ اب وزیر اس میں رہنے لگا، تینوں محل ایک دوسرے کے پاس پاس تھے۔ جب بادشاہ چاہتا کہ وزیر سے باتیں کرے تو وہ رات کو وہاں چلا جاتا یا اُسے اپنے پاس بلا لیتا اور یہی حالت حسن اور اس کے ماں باپ کی تھی۔ ایک مدت تک انھوں نے باہم عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو تینتیسویں رات

جب چار سو تینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ اور وزیر اور وزیر زادہ ایک مدت تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ بادشاہ بیمار پڑا، بیماری روز بہ روز بڑھتی گئی۔ اس نے اپنی سلطنت کے اُمرا کو بلایا اور ان سے کہا میری بیماری سخت ہے، ممکن ہے کہ یہ موت کا پیام ہو۔ میں نے تمھیں ایک مشورے کے لیے بلایا ہے، امید ہے کہ تم مجھے نیک مشورہ دوگے۔ انھوں نے کہا اے بادشاہ! وہ کون سی بات ہے جس میں تو ہم سے مشورہ لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیمار ہوں، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے بعد ملک دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے، اس لیے میری خواہش ہے کہ تم ایک شخص پر متفق ہو جاؤ تاکہ میں جیتے جی اس کی بیعت لے لوں اور تم آرام سے رہو۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم تیرے داماد حسن بن علی کو چاہتے ہیں، ہم اس کی عقل، اس کے کمال اور سمجھ کا امتحان کر چکے ہیں، وہ ہر بڑے اور چھوٹے کے درجے سے بخوبی واقف ہے۔ بادشاہ نے کہا تم سب اس پر متفق ہو؟ انھوں نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا ایسا تو نہیں کہ تم میرے لحاظ سے میرے سامنے ایسی باتیں کرتے ہو اور میری پیٹھ پیچھے دوسری باتیں۔ سب نے کہا خدا کی قسم ہماری باتیں ظاہر اور باطن میں ایک سی ہیں اور کسی قسم کا فرق نہیں، ہم دل سے اسے چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ واقعہ ہے تو کل قاضی، تمام حاجبوں، نوابوں اور امرا کو میرے پاس بلا لاؤ کہ ہم اس کام کو بخیر و خوبی انجام

دے دیں۔ تمام علما اور بڑے بڑے اُمرا کو فوراً خبر کر دی گئی۔ صبح ہوئی تو سب لوگ دربار پہنچے اور بادشاہ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت منگوائی بادشاہ نے اجازت دے دی، انھوں نے اندر جاکر سلام کیا اور کہنے لگے ہم سب تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ بادشاہ اُن سب سے مخاطب ہوکر بولا اے بغداد کے امرا، تم میرے بعد جسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہو، اُسے انتخاب کرو کہ مرنے سے پہلے مَیں تمھارے سامنے اس کی بیعت لے لوں۔ وہ بولے ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ تیرا داماد حسن بن علی وزیر زادہ بادشاہ بنے۔

بادشاہ نے کہا اگر یہی بات ہے تو تم سب اُسے بلاکر میرے پاس لاؤ۔ سب کے سب اٹھ کر محل سرا میں داخل ہوئے اور حسن سے کہا بادشاہ کے پاس چل۔ اس نے پوچھا کس لیے؟ انھوں نے جواب دیا ایک ایسی بات کے لیے جس میں ہمارے اور تیرے لیے بھلائی ہے۔ حسن ان کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا تو بادشاہ نے کہا بیٹا، بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن، تمام امرا تجھ سے خوش ہیں اور تجھے میرے بعد اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں اس لیے مَیں چاہتا ہوں کہ مَیں جیتے جی تیرے لیے بیعت لے لوں اور اس قضیے کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ سن کر حسن کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگا اے میرے مولیٰ سلطان، امرا میں مجھ سے زیادہ عمر والے اور عالی مرتبہ ہیں، مجھے اس سے معاف رکھو۔ امرا نے یک زبان ہوکر کہا ہم سوا تیرے کسی کو اپنا بادشاہ بنانا نہیں چاہتے۔ حسن نے کہا میرا باپ مجھ سے بڑا ہے اور مَیں اور میرا باپ ایک چیز ہیں یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ مجھے اس پر ترجیح دی جائے۔ باپ نے اس سے کہا جس بات سے میرے دوست خوش ہیں اسی سے مَیں بھی

خوش ہوں، وہ سب تجھ سے راضی ہیں اور تجھے بادشاہ بنانے پر متفق ہیں لہٰذا بادشاہ کے حکم اور اپنے دوستوں کی مرضی کی مخالفت نہ کر۔ حسن نے بادشاہ اور اپنے باپ کی شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم نے منظور کیا؟ انھوں نے کہا کہ منظور کیا پھر تمام لوگوں نے سات بار فاتحہ پڑھی اور بادشاہ نے کہا اے قاضی، تو شرعی طور پر قلم بند کر لے کہ ان امرا نے میرے داماد حسن کا بادشاہ ہونا منظور کر لیا ہے اور یہ کہ وہ ان کا بادشاہ بنایا گیا ہے۔ قاضی نے باقاعدہ تحریر کی اور جب سب نے اس کی بیعت کر لی تو قاضی نے اس پر اپنے دستخط کر دیے۔ اب خود بادشاہ نے اس سے بیعت کی اور اسے حکومت کی کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ سب کھڑے ہو گئے اور وزیر کے بیٹے بادشاہ حسن کے ہاتھ چومے، اس کی فرماں برداری کا اظہار کیا۔ اس دن اُس نے نہایت شان و شوکت سے بادشاہی کی، امرا کو عمدہ عمدہ خلعت بخشے اور دربار برخاست کر کے اپنے خُسر کے پاس گیا، اس کے ہاتھ چومے۔ بادشاہ نے کہا اے حسن، رعیت کے معاملے میں خدا کا خوف دل میں رکھیو، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چونتیسویں رات

جب چار سو چونتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! بادشاہ نے کہا بیٹا، رعیت کے معاملے میں خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس نے کہا ابا جان، تیری دعا سے خدا مجھے اس کی توفیق دے گا۔ اس کے بعد وہ

محل سرا میں داخل ہوا اس کی بیوی، ساس اور دونوں کے نوکروں چاکروں نے اس کے ہاتھ چومے، اُسے اس درجے پر پہنچنے کی مبارک باد دی اور کہا کہ خدا آج کا دن مبارک کرے! پھر وہ اپنے محل سے نکل کر اپنے باپ کے محل میں گیا، وہاں لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوتے کہ خدا نے اُسے بادشاہت دی اور اس پر بڑی بخشش کی۔ باپ نے اُسے نصیحت کی کہ خدا سے ڈریو اور رعیت پر مہربان رہیو۔ غرض کہ وہ جہاں جاتا خوشیاں منائی جاتیں۔
رات انتہائی مسرتوں میں گزری۔ صبح ہوئی تو وہ نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر دربار میں آیا، تمام لشکر اور منصب دار حاضر ہوتے، اس نے احکام جاری کیے، نیکی کی طرف ترغیب دلائی، برائی سے منع کیا، عہدے دیے، معزولیاں کیں اور شام تک حکومت کے کاموں میں مشغول رہا۔ اس کے بعد بخیر و خوبی دربار برخاست ہوا اور ہر شخص نے اپنی اپنی راہ لی۔
وہ دربار سے اٹھ کر محل میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا خسر سخت بیمار ہے وہ سرہانے کھڑا تھا کہ اس نے کہا گھبرا مت۔ بادشاہ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا اے حسن! اس نے جواب دیا اے میرے آقا، حاضر ہوں۔ بادشاہ نے کہا اب میری موت آگئی ہے۔ میں تیری بیوی اور ساس کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ خدا سے ڈریو، ماں باپ کے ساتھ نیکی کیجیو اور اسے نہ بھولیو کہ خدا نے عدل اور نیکی کا حکم دیا ہے۔ بادشاہ حسن نے کہا بسر و چشم۔
اس کے تین دن کے بعد پرانا بادشاہ فوت ہو گیا، خدا اس پر رحمت کرے! اس کی تجہیز و تکفین کی گئی اور چالیس دن تک برابر قرآن خوانی ہوتی رہی۔ وزیر کا بیٹا بادشاہ حسن بادشاہت میں مستقل ہو گیا، رعایا بہت خوش رہی، اس کے دن بڑی راحت میں گزرے۔ اس کا باپ میمنے کا بڑا وزیر رہا اور

میسر کے لیے اس نے ایک اور وزیر مقرر کیا، کاروبار اچھی طرح سے چلنے لگا اور اس نے بغداد میں ایک عرصے تک حکومت کی. شہزادی سے اس کے تین بیٹے پیدا ہوئے جنھوں نے اس کے بعد حکومت کی اور نہایت عیش و عشرت سے اپنے وقت گزارے یہاں تک کہ لذتوں کو ملیامیٹ اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آپہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ قائم رہتی ہے اور جس کے ہاتھ میں بنانا بگاڑنا ہے۔

حاجی اور بُڑھیا کی کہانی

ایک حاجی جو حُجاج کے قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا کسی منزل پر اتنی دیر تک سوتا رہا کہ جب جاگا تو سب حاجی چل دیے تھے۔ اب وہ اٹھ کر اکیلا روانہ ہوا اور غلط راستے پر پڑ گیا۔ قدم بڑھاتے ہوئے چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک خیمہ پڑا ہوا ہے، دروازے پر ایک بڑھیا بیٹھی ہے اور اس کے پاس ایک کتّا پڑا سو رہا ہے۔ حاجی نے خیمے کے قریب پہنچ کر بڑھیا کو سلام کیا اور کھانا مانگا۔ بڑھیا نے کہا اس وادی میں جا کر جتنی تجھے ضرورت ہو سانپ شکار کر لا، میں انھیں تل کر تجھے کھلا دوں گی۔ حاجی نے کہا مجھ میں سانپوں کے مارنے کی ہمت نہیں اور نہ کبھی میں نے سانپ کھلائے ہیں۔ بڑھیا بولی ڈرنے کی کیا بات ہے، میں خود تیرے ساتھ چل کر سانپ ماروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیا اس کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور کتّا ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ بڑھیا نے ضرورت کے موافق سانپ مارے اور انھیں تلنے لگی۔ حاجی نے دیکھا کہ

بے کھائے مفر نہیں، بھوک اور کمزوری سے بے حال تھا، چنانچہ اس نے سانپوں کا گوشت کھایا۔ پھر اُسے پیاس لگی اور بڑھیا سے پانی مانگا۔ بڑھیا نے کہا وہ کیا تیرے سامنے کنواں ہی اُٹھ اور پانی پی لے۔ وہ کنوئیں پر گیا، چکھا تو پانی کھاری، مگر پیاس اتنی شدت کی تھی کہ باوجود کھاری ہونے کے اس نے پانی پیا، پی کر بڑھیا کے پاس آیا اور کہنے لگا ای بڑھیا، مجھے تجھ پر تعجب آتا ہی کہ تو نے اس جگہ آکر قیام کیا ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو پینتیسویں رات

جب چارسو پینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! حاجی نے بڑھیا سے کہا مجھے تعجب ہی کہ تو اس جگہ آکر ٹھیری ہی اور اس قسم کا تیرا کھانا پینا ہی۔ بڑھیا بولی اور تمھارا ملک کیسا ہی؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے مکان ہیں، عجیب و غریب لذیذ پھل، کثرت سے میٹھا پانی، عمدہ عمدہ کھانے، چربی دار گوشت، بے شمار بھیڑ بکریاں اور طرح طرح کی نفیس چیزیں جن کی نظیر سوائے جنّت کے جس کا ذکر خدا نے اپنے نیک بندوں کے لیے کیا ہی کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ بڑھیا کہنے لگی میں نے مانا، لیکن یہ بتا کہ تمھارے اوپر کوئی بادشاہ بھی ہی جو تم پر حکمرانی کرتا ہی اور ظلم و جور سے پیش آتا ہی اور تم اس کے محکوم ہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص جرم کرتا ہی تو وہ تمھارا مال چھین لیتا ہی، جب وہ چاہتا ہی تمھیں گھر سے نکال کر باہر کرتا ہی اور بیخ و بنیاد سے

تباہ کر دیتا ہی۔ اس شخص نے کہا ایسا تو ضرور ہوتا ہی۔ بڑھیا نے کہا کہ پھر تو اس ظلم وستم کے ساتھ یہ اچھے اچھے کھانے، عیش و عشرت اور لذیذ نعمتیں مہلک زہر ہیں اور ہماری غذا امن وامان کے ساتھ فائدہ مند تریاق۔ کیا تو نے یہ نہیں سنا کہ اسلام کے بعد سب سے بڑی نعمت تندرستی اور امن ہی اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہی جب بادشاہ جو زمین پر خدا کا نائب ہی عادل ہو اور اچھی سیاست سے کام لے۔ پرانے سلاطین چاہتے تھے کہ ان کی ہیبت بس اتنی ہو کہ رعیت اُسے دیکھ کر ڈرے۔ آج کل کے بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی سیاست زبردست ہو اور ان کا خوف مکمل۔ اس کا سبب یہ ہی کہ اب پہلے سے آدمی نہ رہے اور ہمارے زمانے میں بُری عادتیں اور بُرائیاں پھیل گئی ہیں کیونکہ رذالت اور سخت دلی کا دَور دورہ ہی، بُغض اور کینہ عام ہی۔ جب بادشاہ جو خدا کا سایہ ہی رعایا کے حق میں کمزور ہو یا اس میں سیاست اور ہیبت نہ ہو تو ملک ضرور تباہ ہو جائے گا۔ بزرگوں کا قول ہی کہ بادشاہ کا ظلم وستم سو سال تک رہتا ہی اور رعایا کا ایک دوسرے پر فقط ایک سال۔ جس وقت رعایا میں جور وستم کی زیادتی ہو جاتی ہی تو خدا ان پر ایک زبردست اور ظالم بادشاہ مامور کرتا ہی۔ تاریخ میں ہی کہ کسی شخص نے حجاج بن یوسف کے پاس ایک کہانی بھیجی جس میں یہ لکھا ہؤا تھا کہ خدا سے ڈر اور خدا کے بندوں پر اتنا ظلم نہ کر۔ یہ کہانی پڑھ کر وہ منبر پر چڑھا۔ وہ فصیح تو تھا ہی اس نے کہنا شروع کیا اے لوگو! خدا نے تمھارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم پر مامور کیا ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چھتیسویں رات

جب چار سو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! حجاج نے کہا کہ خدا نے تمھارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم پر مامور کیا ہی۔ اگر میں مر بھی جاؤں تو تم اپنے بُرے اعمال کے سبب جوز سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ خدا نے میری طرح بہت سے لوگ پیدا کیے ہیں، اگر میں نہ ہؤا تو مجھ سے زیادہ جوز و ستم کرنے والا ظالم اور طاقت ور دوسرا آجائے گا۔ جوز سے لوگ ڈرتے ہیں اور عدل ہر چیز کی اصلاح کر دیتا ہی، ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اصلاح کرے!

تاجر ابو الحسن اور کنیز تودّد کی کہانی

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جو بڑا با عزت، مال دار اور صاحب املاک تھا اس کی بہت بڑی تجارت تھی۔ دنیا کی تمام چیزیں اس کے پاس موجود تھیں لیکن اولاد کی طرف سے نامراد تھا۔ نہ لڑکی نہ لڑکا ۔ اس کی عمر زیادہ ہوگئی، ہڈیاں کمزور پڑگئیں، کمر جھک گئی، نقاہت اور غم نے زور پکڑا تو اُسے یہ ڈر ہؤا کہ اگر کوئی اولاد نہ ہوئی جو میری وارث بنے اور جس سے میری یاد قائم رہے تو میرا سارا مال اور جایداد ضائع ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ خدا کے آگے گڑگڑانے لگا؛ دن میں روزہ رکھتا، راتوں کو نمازیں پڑھتا، نذریں نیازیں مانتا، نیک بندوں کی زیارت کرتا اور خدا کے سامنے بڑی تضرع وزاری کرتا۔ آخر خدا نے اس کی التجا سن لی اور دعا قبول

کرلی اور اس کی تضرع وزاری پر رحم کھایا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اپنی بیویوں میں سے ایک سے ہم بستر ہوا اور اُسے فوراً اسی رات حمل رہ گیا جب حمل کی مدت پوری ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکا تھا اور ایسا حسین جیسے چاند کا ٹکڑا۔ خدا کی شکر گزاری میں اس نے نذریں پوری کیں، خیراتیں کیں، غریبوں، یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں اور پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام ابوالحسن رکھا۔ دُودھ پلائیوں نے اسے دُودھ پلایا، کھلائیوں نے کھلایا، غلاموں اور نوکروں چاکروں نے کندھوں پر بٹھایا یہاں تک کہ وہ پل بڑھ کر جوان ہوا۔ قرآن اور اسلام کے فرائض، دین کے احکام، خوشخطی، شعر، حساب، تیراندازی سیکھی اور اپنے زمانے میں یکتا اور فرد ہوگیا۔ اس کا چہرہ ملیح تھا، زبان فصیح، قد سڈول، چال آن بان والی، رخسار سرخ، ماتھا چمک دار اور خط سبز۔ ایک مدت تک وہ اسی طرح اپنے باپ کے ساتھ خوش و خرم رہا باپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی رہیں یہاں تک کہ وہ بالغ ہوگیا۔ ایک دن باپ نے اُسے اپنے پاس بلا کر کہا بیٹا! اب میری زندگی ختم ہوگئی ہے، موت کے دن قریب آگئے ہیں، خدا کے دیدار کے سوا اور کوئی حسرت باقی نہیں رہی۔ میں تیرے لیے اتنا کچھ چھوڑے جاتا ہوں جو کئی پشتوں تک تیرے لیے کافی ہوگا یعنی مال و دولت، جاگیریں، املاک اور باغ۔ مگر بیٹا، اس ترکے میں خدا سے ڈرتا رہیو اور اسی کی پیروی کیجیو جو تیری بھلائی چاہے۔ اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا اور مرگیا۔ بیٹے نے اس کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طریقے سے کی اور اُسے دفن کر کے گھر آیا۔ دن رات سوگ میں بیٹھا رہتا۔ دوست آشناؤں نے آآ کر کہنا شروع کیا کہ جس نے تجھ جیسا بیٹا چھوڑا اسے مردہ نہ سمجھنا چاہیے۔

پھر جو مرگیا وہ مرگیا اس سے زیادہ سوگ تو محض پردہ نشین لڑکیوں اور عورتوں کے لیے ہے۔ وہ اس قدر اس کے پیچھے پڑے رہے کہ بالآخر وہ حمام گیا اور انھوں نے مل جل کر اس کا غم غلط کیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسوسینتیسویں رات

چارسوسینتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب خواجہ کے بیٹے ابوالحسن کو اس کے دوست حمام لے گئے اور اس کا غم غلط کیا تو اس نے باپ کی نصیحت بھلا دی۔ مال کی زیادتی کے سبب بے فکر ہو گیا۔ یہ سمجھا کہ زمانہ اس کے لیے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گا اور دولت میں زوال نہیں آسکتا۔ بے کھٹکے اس نے کھانا پینا، مزے اڑانا، بخششیں کرنا اور سونا چاندی لٹانا شروع کر دیا، دن رات مرغیاں کھاتا، بوتلیں کھولتا، صراحیوں کے قہقہے اور رنڈیوں کے چہچہے سنتا۔ یہی اس کا شغل تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ گھر خالی ہو کر اس میں چوہے قلا بازیاں کھانے لگے۔ جو کچھ پاس تھا ختم ہو گیا، محض ایک کنیز باقی رہ گئی جو اسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ یہ کنیز حسن و جمال، تازگی و شگفتگی اور قد و قامت میں لاجواب اور فنون و آداب میں یکتا تھی۔ زمانے میں اس کا جوڑ نہ تھا، دل ربائی میں لاجواب، علم و عمل میں تمام حسینوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ قد میانہ، بھویں ملی ہوتیں جیسے شعبان کا چاند، آنکھیں غزال کی طرح، ناک جیسے تلوار کی دھار، رخسار شقائق النعمان، منہ گویا حضرت سلیمانؑ کی انگوٹھی، دانت موتیوں کی لڑی،

ناف ایسی کہ اس میں آدھ سیر تیل آجائے، کمر عاشق کے بدن سے زیادہ پتلی، کولھے ریت کے تودوں سے زیادہ بھاری۔ عورت کیا چودھویں کا چاند تھا یا چوکڑیاں بھرتا غزال عمر نو دس سال کی، چاند اور سورج دونوں اس کے آگے مات تھے۔ رنگ صاف، خوش بو سے مہکتی ہوئی، یہ معلوم ہوتا تھا کہ نور سے پیدا کی گئی اور بلور سے بنائی گئی ہے، رُخسار گلابی، بدن سانچے میں ڈھلا ہوا جو اسے دیکھتا ہکا بکا ہو کر رہ جاتا اور اس کی مسکراہٹ پر سو جان سے مرنے لگتا، وہ دیکھنے والوں پر اپنی نظروں کے تیر چلاتی۔ ساتھ ہی وہ بڑی فصیح اور منتظم تھی۔ جب ابوالحسن کی ساری دولت ختم اور حالت ناگفتہ بہ ہوگئی اور اس کنیز کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہا اور تین دن تک نہ اس نے کھایا نہ پیا تو کنیز نے اس سے کہا اے میرے آقا، مجھے امیرالمومنین ہارون الرشید کے پاس لے چل، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اڑتیسویں رات

جب چار سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے اپنے آقا سے کہا اے میرے آقا مجھے ہارون الرشید کے پاس لے چل جو بنی عباس کا پانچواں خلیفہ ہے اور اس سے دس ہزار دینار میری قیمت مانگ۔ اگر وہ کہے کہ میں ان داموں میں مہنگی ہوں تو اس سے کہیو کہ امیرالمومنین میری کنیز کی قیمت تو اس سے کہیں زیادہ ہے، اگر تو اس کا امتحان کرے گا تو اس کی قدر و قیمت تجھ پر کھل جائے گی۔ ایسی بے نظیر کنیز تیرے سوا کسی اور کے قابل نہیں۔ پھر اس نے مکرر کہا کہ اے میرے آقا، جو قیمت میں نے

کہی ہو خبردار اس سے کم میں نہ بیچیو کیونکہ میرے مقابلے میں یہ بھی کم ہی۔
ابوالحسن کو کنیز کی قدر و قیمت کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ اسے مطلق خبر نہ تھی کہ یہ کنیز ایسی ہی جس کا دنیا میں جواب نہیں۔ قصہ مختصر وہ اسے ہارون الرشید کے پاس لے گیا اور پیش کر کے وہ باتیں عرض کیں جو کنیز نے اس سے کہی تھیں۔ خلیفہ نے کنیز سے پوچھا تیرا نام کیا ہی؟ اس نے کہا میرا نام تودّد ہی۔ خلیفہ نے کہا اے تودّد، تو کن کن علوم سے بخوبی واقف ہی؟ اس نے عرض کیا اے میرے آقا، میں نحو، شعر، فقہ، تفسیر اور لغت سے واقف ہوں، اور موسیقی، علم الفرائض، ریاضی، مساحت اور تاریخ میں مجھے کافی دستگاہ ہی، قرآن پر بھی مجھے آگاہی حاصل ہی، میں نے ساتوں قرائتیں پڑھی ہیں، سورتوں، آیتوں، حزبوں، نصفوں، رُبعوں، ثُمنوں، عُشروں اور سجدوں کا شمار معلوم ہی حتیٰ کہ حرفوں کا بھی، اور یہ بھی جانتی ہوں کہ کون سی صورتیں مدنی کون سی مکی ہیں اور ان کے نزول کا کیا سبب ہی، حدیث پر بھی مجھے درایۃً اور روایۃً عبور ہی اور اس پر بھی کہ کون سی مسند اور کون سی مرسل ہیں۔ ریاضی، ہندسے، فلسفے، حکمت، منطق اور معانی و بیان میں بھی میں کامل ہوں۔ علاوہ ان کے اور بہت سے علوم مجھے ازبر ہیں، شعر و شاعری سے مجھے خاص تعلق ہی میں ساز بجاتی ہوں، اس کے نغموں کے مقاموں، تاروں کے حرکات و سکنات کے موقعوں سے مجھے بخوبی واقفیت ہی۔ اگر میں گاؤں اور ناچوں تو فتنہ برپا کر دوں، اگر میں بناؤ سنگار کروں تو قتلِ عام ہو جائے۔ خلاصہ یہ کہ میں تمام علوم و فنون میں اس درجے تک کمال رکھتی ہوں جو ان کے ماہرین کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اس کی باتیں سنیں تو حیرت میں آگیا کہ اس کم سنی میں اسے اتنا کچھ آتا ہے اور اس کی شیریں کلامی دیکھ کر وہ اس کے آقا ابوالحسن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا میں ایک شخص کو بلاتا ہوں جو اس کنیز سے ان تمام چیزوں میں مناظرہ کرے گا جن کا دعویٰ اس نے کیا ہے۔ اگر وہ صحیح جواب دے تو تیری منہ مانگی قیمت تجھے دے دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر وہ جواب نہ دے سکی تو پھر تو ہی اس کا آقا رہے گا۔

ابوالحسن رضامند ہو گیا۔ امیرالمومنین نے بصرے کے عامل کو خط لکھا کہ ابراہیم بن سیّار النظام کو میرے پاس بھیج دے۔ یہ شخص حجت اور بلاغت، شعر اور منطق میں بے نظیر تھا۔ جب وہ آیا تو خلیفہ نے اس سے کہا کہ قاریوں، عالموں، طبیبوں، منجموں، حکیموں، مہندسوں اور فلسفیوں کو حاضر کر۔ ابراہیم سب سے بڑھ کر عالم تھا۔ تھوڑی ہی مدت میں سب کے سب دارالخلافت میں آگئے کسی کو اس طلبی کا سبب معلوم نہ تھا۔ امیرالمومنین نے ان سب کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو اس نے حکم دیا کہ کنیز تودد کو بلایا جائے جب وہ آئی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی تارا چمک رہا ہے۔ اس کے لیے سونے کی کرسی بچھائی گئی وہ سلام کر کے بیٹھ گئی اور نہایت شیریں کلامی سے کہا اے امیرالمومنین، جتنے عالم، قاری، طبیب، منجم، حکیم، مہندس اور فلسفی یہاں موجود ہیں انھیں حکم دے کہ مجھ سے مناظرہ کریں۔

امیرالمومنین نے ان لوگوں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اس کنیز سے دین کے متعلق مناظرہ کرو اور جن چیزوں میں اس کا دعویٰ ہے اس کی دلیلیں کاٹو۔ انھوں نے کہا اے امیرالمومنین، خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ اس

کے بعد کنیز نے سر نیچا کر کے کہا تم میں سے کون فقیہہ، عالم، قاری اور محدث ہی؟ ایک نے جواب دیا کہ جیسے شخص کو تو چاہتی ہی میں ہوں۔ کنیز نے کہا کہ پوچھو جو تو پوچھنا چاہتا ہی۔ وہ بولا کیا تو نے خدا کی پاک کتاب پڑھی ہی، تجھے ناسخ و منسوخ کا علم ہی اور اس کی آیتوں اور حرفوں پر غور کیا ہی؟ کنیز نے جواب دیا ہاں۔ اس نے کہا پہلے میں فرضوں اور سُنتوں کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ بتا ای کنیز، کہ یہ کیا ہیں اور تیرا رب کون ہی، نبی کون، امام کون، قبلہ کیا، بھائی کون، طریقہ کیا اور کیا راستہ؟ کنیز نے کہا میرا رب اللہ ہی، میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم، میرا امام قرآن، میرا قبلہ کعبہ، میرے بھائی مسلمان، میرا طریقہ بھلائی اور میرا راستہ سُنت۔ خلیفہ کو اس کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ کم سنی اور یہ فصاحت! اب اس شخص نے کہا ای کنیز، بتا کہ تو نے خدا کو کیونکر پہچانا؟ اس نے جواب دیا عقل سے۔ اس شخص نے کہا کہ عقل کیا چیز ہی؟ کنیز نے جواب دیا کہ عقل دو طرح کی ہی، ایک فطری اور دوسری اکتسابی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اُنتالیسویں رات

جب چارسو اُنتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے کہا کہ عقل دو طرح کی ہی، ایک فطری اور دوسری اکتسابی۔ فطری وہ ہی جو خدا نے پیدا کی ہی اور جس سے جس بندے کو وہ چاہتا ہی ہدایت کرتا ہی اور اکتسابی وہ ہی جو انسان اپنی تعلیم و تربیت سے حاصل کرتا ہی۔ اس

شخص نے کہا شاباش! اب اس نے پوچھا کہ عقل کہاں ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا خدا اُسے دل میں ڈالتا ہے اور اس کی شعاعیں دماغ میں جاکر جاگزیں ہوتی ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب اس نے پوچھا کہ تو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا؟ کنیز نے جواب دیا قرآن کو پڑھنے سے اور نشانیوں سے، دلیلوں سے، حجتوں سے اور معجزوں سے۔ اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کہ فرض اور سنت کیا کیا ہیں؟ کنیز نے جواب دیا کہ فرض تو پانچ ہیں، اوّل اس بات کا اقرار کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، دوسرے نماز، تیسرے زکات دینا، چوتھے رمضان میں روزے رکھنا اور پانچویں خدا کے پاک گھر کا حج کرنا اُن لوگوں کے لیے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ رہیں قائم رہنے والی سنتیں، ان کی تعداد چار ہے: رات اور دن، سورج اور چاند، یہی بنیاد ہیں عمر اور امیدوں کی۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کے شعائر کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا نماز اور زکات، روزہ اور حج، جہاد اور حرام سے بچنا۔ اس شخص نے کہا شاباش! اب بتا کہ تو کس چیز کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑی ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا اس نیت کے ساتھ کہ میں بندہ ہوں اور خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتی ہوں۔ اس نے کہا کہ اب بتا کہ نماز پڑھنے سے پہلے خدا نے کیا کیا چیزیں فرض کی ہیں؟ کنیز نے کہا طہارت، شرم گاہ کا ڈھانکنا، ناپاک کپڑوں کا نہ پہننا، پاک جگہ پر کھڑا ہونا، قبلے کی طرف مُنہ کرنا، قیام، نیت اور تکبیر۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جب تو گھر سے نماز کے لیے جاتی ہے تو کیا نیت کرتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ عبادت کی نیت۔ اس نے پوچھا اور مسجد میں کس نیت سے داخل ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ خدمت کی نیت سے۔ اس نے کہا کہ قبلہ رُو

کیوں ہوتی ہی؟ کنیز نے کہا تین فرضوں اور ایک سنت کی وجہ سے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی ابتدا کیا ہی اور تحلیل و تحریم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا ابتدا طہارت ہی، تحریم، تکبیر اور تحلیل سلام پھیرنا۔ اس نے کہا کہ نماز کے ترک کرنے والے پر کیا واجب آتا ہی؟ کنیز نے کہا کہ حدیث میں آیا ہی کہ جس نے جان بوجھ کر بغیر کسی عذر کے نماز ترک کی اس کے لیے اسلام میں کوئی حصہ نہیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو چالیسویں رات

چارسو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے حدیث بیان کی تو اس فقیہہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز ہی کیا؟ کنیز نے کہا نماز بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک لڑی ہی، اور اس میں دس خوبیاں ہیں: قلب کی روشنی، چہرے کی رونق، خدا کی خوشنودی، شیطان کی ناراضگی، بلا کا دوٗر ہونا، دشمنوں کے شر سے بچا رہنا، رحمت کا زیادہ ہونا، عذاب سے محفوظ رہنا، بندے کا اپنے مولیٰ سے تقرب، بُری اور فحش باتوں سے دوٗری. نماز ہر ایک پر فرض کی گئی ہی اور وہ دین کی پشت و پناہ ہی۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی کنجی کیا ہی؟ کنیز نے کہا وضو۔ اس نے کہا وضو کی کنجی؟ کنیز نے کہا خدا کا نام لینا۔ اس نے پوچھا اور خدا کے نام لینے کی کنجی؟ کنیز نے کہا یقین۔ اس نے پوچھا اور یقین کی کنجی؟ کنیز نے کہا توکل۔ اس نے

پوچھا اور توکل کی کنجی ؟ کنیز نے کہا امید۔ اس نے پوچھا امید کی کنجی ؟ کنیز نے کہا طاعت۔ اس نے پوچھا اور طاعت کی کنجی ؟ کنیز نے کہا خدا کی وحدانیت کا اعتراف اور اس کی ربوبیت کا اقرار۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا وضو میں کتنے فرض ہیں ؟ کنیز نے کہا امام شافعی محمد بن ادریس رضی اللہ عنہ کے مذہب کی رُو سے چھ ہیں: مُنہ دھونے کے وقت نیت کرنا، منہ دھونا، دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا، سر کے ایک حصّے کا مسح کرنا، دونوں پاؤں کا ٹخنوں سمیت دھونا، اور ترتیب۔ اور سنتیں دس ہیں: بسم اللہ پڑھنا اور برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کا دھونا، کلّی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا، سارے سر کا مسح کرنا، نئے پانی سے کانوں کے اندر اور باہر مسح کرنا، گھنی داڑھی میں خلال کرنا، ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا، دہنی طرف کو بائیں پر مقدم کرنا اور ہر عضو کا تین تین بار دھونا اور پے در پے وضو کرنا۔ جب وضو ختم کر چکے تو یہ پڑھے: اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنِيْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔ حدیث میں آیا ہے کہ جو کوئی وضو کے بعد یہ دعا پڑھے اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں، جس دروازے سے اس کا جی چاہے داخل ہو۔ اس نے کہا شاباش!

اس شخص نے کہا کہ جب انسان وضو کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس فرشتے اور شیاطین کس طرح آتے ہیں ؟ کنیز نے کہا کہ جب انسان وضو کی تیاری کرتا ہے تو دہنی طرف سے فرشتے اور بائیں طرف سے شیاطین اس کے پاس آتے ہیں۔

اگر اس نے وضو سے پہلے خدا کا ذکر کیا تو شیاطین اس کے پاس سے بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے اس کے اوپر ایک نور کا خیمہ لگاتے ہیں جس میں چار طنابیں ہوتی ہیں اور ہر طناب کے ساتھ ایک فرشتہ جو اس وقت تک خدا کی تسبیح بیان کرتا اور بندے کے لیے مغفرت کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ چُپ رہے یا ذکر کرتا رہے۔ اور اگر اس نے وضو سے پہلے خدا کا ذکر نہ کیا اور وضو کرتے وقت چُپ نہ رہا تو اس پر شیاطین قبضہ کر لیتے ہیں، فرشتے لوٹ جاتے ہیں اور شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے یہاں تک کہ اُسے شک پیدا ہو جاتا ہے اور وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ اچھا وضو شیطان کو بھگاتا اور بادشاہ کے ظلم سے بچاتا ہے، اور یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بے وضو ہو اور اس پر کوئی بلا نازل ہو تو اُسے چاہیے کہ محض اپنے آپ کو ملامت کرے۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ نیند سے اُٹھ کر کیا کرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار انھیں دھونا چاہیے۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب غسل کے فرائض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ غسل کے فرائض یہ ہیں: نیّت اور سارے جسم پر بال اور کھال سمیت پانی پہنچانا۔ اور سنتیں: پہلے وضو کرنا، بدن ملنا اور بالوں میں خلال کرنا اور پاؤں دھونے میں تاخیر کرنا، ایک قول کے مطابق غسل کے بعد تک۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اکتالیسویں رات

جب چار سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!

فقیہہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ تیمم کس وقت کیا جاتا ہو اور اس میں کیا فرض ہو اور کیا سُنّت؟ کنیز نے کہا تیمم کے سبب سات ہیں: پانی کا ناپید ہونا، خوف، پانی کی ضرورت، اس کا سفر کے سامان میں گم ہو جانا، مرض، پٹی، زخم۔ اس کے فرائض چار ہیں: نیّت اور مٹی منہ پر ہاتھ سے ملنا اور دونوں ہاتھوں پر۔ اس کی سنتیں: بسم اللہ پڑھنا اور دہنی طرف کو بائیں پر مقدم کرنا۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی شرائط اور اس کے ارکان اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ شرائط پانچ ہیں: اعضا کی پاکی، شرم گاہ کا ڈھانکنا، وقت کا ہونا خواہ یقین یا گمان کے ساتھ، قبلہ رُخ ہونا اور پاک جگہ پر کھڑا ہونا۔ ارکان نماز کے یہ ہیں: نیّت، تکبیر، قوّت کے ساتھ کھڑا ہونا، فاتحہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور امام شافعی کے مذہب کی رُو سے ایک آیت پڑھنا، اطمینان کے ساتھ رکوع کرنا، اطمینان کے ساتھ کھڑا ہونا، اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا، اطمینان کے ساتھ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا، آخری تشہد کے لیے بیٹھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا، پہلا سلام اور ایک قول کے موافق نماز کے ختم کرنے کی نیّت۔ نماز کی سنتیں یہ ہیں: اذان، اقامت، دونوں ہاتھ اٹھانا نیّت کرتے وقت، افتتاحی دعا، اعوذ باللہ پڑھنا، آمین کہنا، فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا، ایک حالت سے دوسری پر جاتے وقت اللہ اکبر کہنا، سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کہنا، بعض چیزیں زور سے پڑھنا اور بعض آہستگی سے، پہلا تشہد اور اس کے لیے بیٹھنا، دوسرے تشہد اور تسلیم کے وقت رسول اللہ پر درود بھیجنا اور ان کی اولاد پر درود بھیجنا۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ زکات کن کن چیزوں میں واجب آتی ہو؟ کنیز نے کہا کہ سونے

چاندی، اونٹوں، بھیڑوں، بکریوں، گائے بیلوں، گیہوں، جو، باجرے اور آٹے پھلیوں، چنوں، چاولوں، کشمشوں اور چھواروں میں۔ فقیہہ نے کہا شاباش!

اب فقیہہ نے پوچھا کہ کتنے سونے پر زکات واجب ہوتی ہی؟ کنیز نے کہا کہ بیس مثقال سے کم پر زکات نہیں۔ جب بیس پورے ہو جائیں تو اس پر آدھا مثقال اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہہ نے کہا کہ کس قدر چاندی پر زکات واجب ہوتی ہی؟ کنیز نے کہا کہ دو سو درہم سے کم پر زکات نہیں، اگر دو سو پورے ہو جائیں تو پانچ درہم اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ اونٹوں میں کیا واجب ہی؟ کنیز نے کہا پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک گابھن اونٹنی۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ کتنی بھیڑوں پر زکات واجب آتی ہی؟ کنیز نے کہا پوری چالیس پر ایک بھیڑ۔ اس نے کہا شاباش! اب روزے اور اس کے فرائض کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا روزے میں فرض یہ ہیں: نیّت اور کھانے پینے، جماع اور عمداً قے کرنے سے بچنا۔ روزہ ہر بالغ عاقل پر واجب ہی جو حیض و نفاس سے پاک ہو اور روزہ اس وقت فرض ہوتا ہی جب چاند دکھائی دے یا ایسا شخص گواہی دے جس کی سچائی پر اعتماد ہو، واجب، رات کے وقت نیت کرنا ہی۔ سُنّت: افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا اور سوا اچھی باتوں کے زبان پر نہ لانا، خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کنیز نے کہا کہ تیل اور سرمہ لگانا، راہ کی گرد اور تھوک نگلنا۔ احتلام سے منی کا خارج ہونا اور غیر عورت کی طرف دیکھنا، فصد کھولنا اور سینگی لگوانا، ان تمام باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فقیہہ نے

کہا شاباش! اب عیدین کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا دو رکعتیں بغیر اذان اور اقامت کے لیکن نماز جماعت سے ہونا چاہیے۔ پہلی رکعت میں علاوہ احرامی تکبیر کے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں علاوہ قیام کی تکبیر کے پانچ تکبیریں، یہ ہے امام شافعیؒ کا مذہب، پھر تشہد، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو بیالیسویں رات

چارسو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے فقیہہ سے عیدین کی نماز کے متعلق بیان کیا تو اس نے کہا شاباش! اب سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ دو دو رکعتیں بغیر اذان اور اقامت کے، ہر رکعت میں دو قیام، دو رکوع دو سجدے دو جلسے دو تشہد اور دو سلام۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب بارش طلب کرنے کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا دو رکعتیں بغیر اذان اور اقامت کے، مگر تشہد پڑھا جائے اور سلام پھیرا جائے اور جس طرح عیدین کے خطبے میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اس میں خدا سے استغفار کیا جاتا ہے اور چادر الٹ کر اوڑھی جاتی ہے اس طرح سے کہ نیچے کا حصہ اوپر، اوپر کا نیچے اور دعا مانگی اور تضرع و زاری کی جاتی ہے۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب وتر کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں۔ اس نے کہا شاباش!

اور چاشت کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از کم دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ۔ وہ بولا شاباش! اچھا اعتکاف کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا وہ سنّت ہے۔ پوچھا اُس کی شرط کیا ہے؟ کنیز نے کہا نیّت اور یہ کہ معتکف بغیر ضرورت کے مسجد سے نہ نکلے، نہ عورتوں سے ہم بستر ہو، روزے رکھے اور بات چیت کرنا بند کر دے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ حج کب واجب ہوتا ہے؟ کنیز نے کہا بالغ اور عاقل مسلمان پر بشرطیکہ اسے استطاعت ہو اور وہ عمر میں ایک بار مرنے سے پہلے فرض ہے۔ اس نے پوچھا کہ حج کے فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام اور عرفے میں ٹھیرنا، طواف اور دوڑنا، سر منڈوانا اور بال کتروانا۔ اس نے پوچھا کہ عُمرے کے فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام، طواف اور دوڑنا۔ پوچھا کہ احرام میں کیا کیا چیزیں فرض ہیں؟ کنیز نے کہا سلے ہوئے کپڑے نہ پہننا، نہ عطر لگانا، نہ سر منڈوانا، نہ ناخن کاٹنا، نہ شکار کرنا، نہ مجامعت کرنا۔ اس نے پوچھا حج میں سنتیں کیا کیا ہیں؟ کنیز نے کہا لبیک کہنا، قدوم کا طواف، وداع، مزدلفہ اور منیٰ میں رات گزارنا اور کنکریاں پھینکنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جہاد کیا ہے اور اس کے ارکان کیا ہیں؟ کنیز نے کہا ارکان یہ ہیں: کفار کا ہم پر حملہ کرنا، امام کا موجود ہونا، تیاری اور لڑائی کے وقت ثابت قدمی۔ جہاد میں سنت ہے لوگوں کو لڑائی پر آمادہ کرنا کیونکہ خدا فرماتا ہے: اے نبیؐ، مومنوں کو جنگ پر آمادہ کر۔ اس نے کہا شاباش! اب بیع کے فرض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ فرض یہ ہیں: ایجاب اور قبول، اور یہ کہ بیچنے والا جو چیز بیچے وہ اس کی ملکیت ہو، وہ اس سے فائدہ اُٹھاتا ہو اور وہ تسلیم کی جا سکے بیاج نہ لینا۔ اور سنتیں یہ ہیں: اقالہ اور

اختیار قبل اس کے کہ دونوں جدا ہوں ۔ وہ بولا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جو ایک دوسرے کے عوض میں نہیں دی جا سکتیں۔ کنیز نے کہا اس کے متعلق مجھے ایک حدیث یاد ہے جو نافع نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے منع کیا کہ چھوارے کھجوروں کے بدلے نہ بیچے جائیں، نہ تر انجیر خشک انجیر کے بدلے، نہ سوکھا گوشت تازے گوشت کے بدلے، نہ مکھن چربی کے بدلے، غرض کہ تمام ایسی کھانے کی چیزیں جو ایک ہی قسم کی ہوں۔

فقیہہ نے اس کی باتیں سنیں تو سمجھ گیا کہ وہ بڑی ذکی فطین ہے اور فقہ، حدیث اور تفسیر وغیرہ کی عالم ہے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب مجھے کوئی چال چلنی چاہیے تاکہ میں اسے امیرالمومنین کی مجلس میں نیچا دکھاؤں۔ یہ سوچ کر اس نے کہا ای کنیز، لغت میں وضو کے کیا معنے ہیں؟ کنیز نے کہا لغت میں وضو کے معنے ہیں صفائی اور گندگی کے دور ہونے کے۔ فقیہہ نے کہا لغت میں صلات کے کیا معنے ہیں؟ کنیز نے کہا نیکی کی دعا کرنا۔ اس نے پوچھا اور غسل کے معنے؟ کنیز نے کہا پاک کرنا۔ اس نے پوچھا صوم کے معنے؟ کنیز نے کہا روکنا۔ اس نے پوچھا اور زکات کے؟ کنیز نے کہا زیادتی۔ اس نے پوچھا حج؟ کنیز نے کہا جانا۔ اس نے پوچھا جہاد؟ کنیز نے کہا دفع کرنا۔ اب فقیہہ کی ساری لن ترانیاں ختم ہو گئیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو تینتالیسویں رات

چارسو تینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ!

جب فقیہہ کی ساری دلیلیں ختم ہو گئیں تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے امیر المؤمنین، میں تجھے اس بات کا گواہ بناتا ہوں کہ کنیز فقہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ کنیز بولی میں تجھ سے ایک بات پوچھتی ہوں اور اگر تو اس کا جواب دے سکتا ہے تو جلد دے۔ اس نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا دین کے ستون کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ دس: پہلا شہادت اور وہ ملت ہے، دوسرا نماز اور وہ فطرت ہے، تیسرا زکات اور وہ طہارت ہے، چوتھا روزہ اور وہ حفاظت ہے، پانچواں حج اور وہ شریعت ہے، چھٹا جہاد اور وہ کفایت ہے، ساتواں اور آٹھواں نیکی کی ترغیب دینا اور بدی سے منع کرنا اور یہ غیرت ہے، نواں جماعت اور وہ الفت ہے، دسواں علم حاصل کرنا اور وہ عمدہ طریقہ ہے۔ کنیز نے کہا شاباش! اب ایک مسئلہ اور باقی ہے، اسلام کے اصول کیا ہیں؟ اس نے کہا چار: عقد کی صحت، ارادے کی سچائی، حدود کی حفاظت اور وعدہ وفائی۔ کنیز نے کہا ایک مسئلہ اور باقی ہے، اگر تو نے جواب دے دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ اس نے کہا کہہ اے کنیز۔ کنیز نے پوچھا کہ اسلام کے فروع کیا ہیں؟ فقیہہ تھوڑی دیر تک چپ رہا اور کچھ جواب نہ دیا۔ کنیز نے کہا اپنی عبا اتار ڈال، میں انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔ امیر المؤمنین نے کہا تو تفصیل کے ساتھ بیان کر، میں اس کے کپڑے اتار کر تجھے دے دوں گا۔ کنیز نے کہا وہ باتیں ہیں: قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا، رسول اللہؐ کی اقتدا، تکلیف نہ پہنچانا، حلال کھانا، حرام سے پرہیز کرنا، ظلم کو ظالموں کی طرف رد کرنا، توبہ، دین کا علم، دوست کی محبت، وحی کی پیروی، پیغمبروں کی تصدیق، بدعت کا ڈر، سفر کی تیاری، یقین کی قوت، باوجود قدرت کے عفو کرنا، باوجود ضعف کے قدرت رکھنا، مصیبت کے وقت صبر، خدا کی معرفت، اس چیز کی معرفت

جو رسول اللہ ادا کر گئے ہیں، ملعون ابلیس کی مخالفت، نفس کا مجاہدہ اور اس کی مخالفت، خدا کے لیے خلوص۔

جب امیر المومنین نے اسے یہ کہتے سنا تو حکم دیا کہ فقیہہ اپنے کپڑے اور چادر اتار ڈالے۔ فقیہہ نے انھیں اتار ڈالا اور امیر المومنین کے سامنے سے شرمندہ ہو کر چلا گیا۔ اب ایک دوسرے شخص نے اٹھ کر کہا اے کنیز، مجھ سے بھی چند مسئلے سن لے۔ کنیز نے کہا کہو۔ اس نے پوچھا کہ بہترین تسلیم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا قضا و قدر، جنس اور اجل جو معلوم ہیں۔ اس نے کہا شاباش! کھانے کے فرض اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا فرض یہ ہیں: اس بات کا اعتراف کہ خدا اسے رزق دیتا اور کھلاتا پلاتا ہے اور ان چیزوں پر اس کا شکر گزار ہونا۔ اس نے کہا شکر کیا ہے؟ کنیز نے کہا بندہ ان تمام چیزوں کو جو خدا نے اسے دی ہیں ان پر خرچ کرے جنھیں خدا نے ان کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا کھانے کی سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا بسم اللہ کہنا، دونوں ہاتھ دھونا، بائیں چوتڑ پر بیٹھنا، تین انگلیوں سے کھانا اور اس چیز میں سے کھانا جو قریب ہو۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کھانے کے آداب کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ چھوٹے چھوٹے لقمے لینا اور اپنے پاس بیٹھنے والے کی طرف کم دیکھنا۔ اس نے کہا شاباش! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو چالیسویں رات

حبب چار سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ،

فقیہہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ قلب کے عقائد اور ان کے اضداد کیا ہیں؟ کنیز نے جواب دیا عقائد تین ہیں اور اضداد بھی تین: پہلے ایمان کا اعتقاد اور اُس کی ضد کفر سے بچنا، دوسرے سنت کا اعتقاد اور اس کی ضد بدعت سے بچنا، تیسرے طاعت کا اعتقاد اور اس کی ضد معصیت سے بچنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وضو کے شرائط کیا ہیں؟ کنیز نے کہا اسلام اور تمیز، پانی کا پاک ہونا اور حسّی و شرعی مانع کا نہ ہونا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کیا ہی؟ کنیز نے کہا ایمان کی نو قسمیں ہیں: معبود پر ایمان رکھنا، عبودیت پر ایمان رکھنا، خصوصیت پر ایمان رکھنا، قبضتین پر ایمان رکھنا، قضا و قدر پر ایمان رکھنا، ناسخ پر ایمان رکھنا، منسوخ پر ایمان رکھنا، خدا اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا، قضا و قدر کی بھلائی اور بُرائی اور مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان رکھنا۔ اس نے کہا شاباش! اب وہ تین چیزیں بتا جن سے تین چیزیں زائل ہو جاتی ہیں۔ کنیز نے کہا۔ سفیانؒ ثوری سے روایت ہی کہ تین چیزیں تین چیزوں کو زائل کر دیتی ہیں: پارساؤں کی تحقیر آخرت کو زائل کر دیتی ہی، بادشاہوں کی تحقیر جان کو اور خیرات کی تحقیر مال کو۔ اس نے کہا شاباش! اب آسمانوں کی کنجیوں کے متعلق بتا اور یہ کہ اس کے کَے دروازے ہیں۔ کنیز نے کہا خدا نے فرمایا ہی کہ آسمانوں کو کھولا گیا یہاں تک کہ اس کے کئی دروازے ہو گئے" اور رسول اللہؐ فرماتے ہیں کہ آسمان کے دروازوں کی تعداد سوا اس کے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہر انسان کے لیے آسمان میں دو دروازے ہیں، ایک وہ جس سے اس کا رزق اترتا ہی اور دوسرا وہ جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں۔ رزق کا دروازہ اس وقت تک بند

نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی زندگی ختم نہ ہو جائے اور اعمال کا دروازہ اُس وقت تک بند نہیں ہوتا کہ اس کی روح اوپر نہ چڑھ جائے ۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایک چیز کیا ہے اور آدھی کیا اور ہیچ کیا ؟ کنیز نے کہا ایک چیز مومن ہے، آدھی چیز منافق اور ہیچ کافر۔ اس نے کہا شاباش ! اب قلوب کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سلیم قلب اور سقیم قلب ، تائب قلب، خبردار کرنے والا قلب اور روشن قلب، سلیم قلب دوست کا دل ہے، سقیم کافر کا، تائب متقیوں اور خدا سے ڈرنے والوں کا، خبردار کرنے والا ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل، اور روشن قلب ان کی پیروی کرنے والوں کا۔ علما کے دل تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو دنیا سے وابستہ ہو، دوسرا آخرت سے اور تیسرا خدا سے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں: معلق دل جو کافر کا ہے، معدوم جو منافق کا ہے اور ثابت جو مومن کا ہے۔ یہ بھی ایک مقولہ ہے کہ دل کی یہ تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو نور اور ایمان سے بھرا ہوا ہو، دوسرا وہ جو ہجر کے خوف سے زخمی ہو، تیسرا وہ جو ناکامی سے ڈرتا ہو۔ اس نے کہا شاباش ! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو پینتالیسویں رات

جب چارسو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! فقیہہ نے کہا شاباش! کنیز نے کہا امیرالمومنین ، اس نے اتنے سوال کیے کہ تھک گیا، اب میں اس سے دو باتیں پوچھتی ہوں، اگر اس نے جواب

دے دیا تو خیر ورنہ میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔ فقیہہ نے کہا جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ کنیز نے کہا ایمان کے بارے میں تو کیا کہتا ہی؟ اس نے کہا ایمان اس کا نام ہی کہ زبان سے اقرار ہو، دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل، رسول اللہ کا قول ہی کہ مومن کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں یہ پانچ باتیں پورے طور سے نہ ہوں: خدا پر بھروسا، اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دینا، اس کے حکموں کو ماننا، اس کی تقدیر پر راضی رہنا اور یہ کہ اس کے سارے کام خدا کے لیے ہوں، جو شخص خدا کے لیے محبت کرتا ہی، اسی کے لیے بخشش کرتا ہی اور اسی کے لیے اپنے آپ کو روکتا ہی تو اس کا ایمان بھرپور ہی۔ کنیز نے کہا بتا فرض کا فرض کیا ہی، وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو، وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو اور وہ فرض جس میں تمام فرض ڈوب جائیں؟ اور وہ سنت کیا ہی جو فرض کے اندر داخل ہو اور وہ سنت جس سے فرض پورا ہو۔ فقیہہ چُپ ہو گیا، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ امیرالمومنین نے کنیز سے کہا کہ تو خود بیان کر اور فقیہہ سے کہا کپڑے اتار کر اُسے دے دے۔ کنیز نے کہا ای فقیہہ، فرض کا فرض خدا کی معرفت ہی، وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو اس بات کی گواہی ہی کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ، وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو وضو ہی، وہ سنت جو فرض کے اندر داخل ہو انگلیوں اور گھنی داڑھی میں خلال کرنا ہی، وہ سنت جس سے فرض پورا ہو ختنہ ہی۔ اب فقیہہ کی ناقابلیت ثابت ہو گئی اور وہ کھڑا ہو کر کہنے لگا ای امیرالمومنین، خدا گواہ ہی کہ یہ کنیز فقہ وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور کھسیانا ہو کر چل دیا۔

اب قرآن داں کے ساتھ جو پیش آیا وہ سُنیے۔ کنیز ان عالموں کی طرف متوجہ ہوئی جو باقی رہ گئے تھے اور کہنے لگی تم میں سے بڑا قرآن داں کون ہی جو ساتوں قرأتوں سے واقفیت رکھتا ہو اور نحو اور لغت کا عالم ہو؟ یہ سن کر ایک قرآن داں اٹھا اور اُس کے سامنے آکر بیٹھ گیا اور بولا کیا تو نے قرآن پڑھا ہی، اس کی آیتوں، ناسخ و منسوخ، محکم و متشابہہ، مکّی اور مدنی کا علم تجھے ہی اور اس کی تفسیر، روایات اور قرأت کے اصول تو جانتی ہی؟ کنیز نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پوچھا قرآن میں کتنی سورتیں ہیں، کتنے عشور، کتنی آیتیں، کتنے حروف، کتنے سجدے، کتنے نبیوں کا ذکر ہی اور کتنی مدنی اور کتنی مکّی سورتیں ہیں اور کتنی چڑیوں کا ذکر ہی؟ کنیز نے کہا ای میرے آقا، قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں، منجملہ ان کے ستر مکّی اور چوالیس مدنی۔ عشور کی تعداد چھ سو اکیس ہی، آیتیں چھ ہزار دو سو چھتّیس ہیں، الفاظ اُناسی ہزار چار سو انتالیس، حروف تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو ستّر، ہر حرف کے بدلے پڑھنے والے کو دس بھلائیاں ملتی ہیں۔ سجدوں کی تعداد چودہ ہی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو چھیالیسویں رات

جب چارسو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا ای نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے قرآن داں کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ جن نبیوں کا ذکر قرآن میں آیا ہی وہ پچیس ہیں: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ،

یوسف، الیسع، یونس، لوط، صالح، ہود، شعیب، داؤد، سلیمان، ذوالکفل، ادریس، الیاس، یحییٰ، زکریا، ایوب، موسیٰ، ہارون، عیسیٰ، محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین۔ چڑیاں نو ہیں جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ اس نے پوچھا کہ اُن کے نام کیا ہیں؟ کنیز نے کہا مچھر، شہد کی مکھی، مکھی، چیونٹی، ہُدہُد، کوا، ٹڈی، ابابیل اور حضرت عیسیٰؑ کی چڑیا یعنی چمگادڑ۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا قرآن میں کون سی سورت سب سے افضل ہے؟ کنیز نے کہا کہ سورۃ البقرۃ۔ اس نے پوچھا کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ کنیز نے کہا آیت الکرسی، اس میں پچاس لفظ ہیں اور ہر لفظ میں پچاس برکتیں۔ اس نے کہا کس آیت میں نو آیات ہیں؟ کنیز نے کہا اس آیت میں: اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ الخ۔ اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کون سی آیت عدل کے متعلق ہے؟ کنیز نے کہا کہ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ اس نے پوچھا طمع کے متعلق؟ کنیز نے کہا اَیَطْمَعُ كُلُّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ اَنْ یُّدْخَلَ جَنَّةَ نَعِیْمٍ۔ اس نے پوچھا رجا کے متعلق؟ کنیز نے کہا قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الخ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ تو قرآن کس قرأت سے پڑھتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ جنت والوں کی قرأت سے جو نافع کی قرأت ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے جس میں نبیوں نے جھوٹ بولا ہے؟ کنیز نے کہا کہ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِیْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ، یہ لوگ یوسفؑ کے بھائی ہیں۔ اس نے کہا کس آیت میں کافروں نے سچ بولا ہے؟ کنیز نے کہا وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَیْءٍ الخ اس میں دونوں نے سچ کہا ہے۔ اس نے کہا کون سی آیت خدا نے اپنی ذات

کے لیے اتاری ہے؟ کنیز نے کہا کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ
اس نے کہا کس آیت میں فرشتوں کا قول ہے؟ کنیز نے وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ
وَنُقَدِّسُ لَكَ۔ اس نے کہا اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ کے متعلق
اور جو کچھ اس کے بارے میں آیا ہے بیان کر۔ کنیز نے کہا خدا کا واجب حکم ہے کہ
تعوذ قرآن پڑھنے کے ساتھ پڑھی جاتے۔ اس پر خدا کا قول دلالت کرتا ہے
کہ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ۔ اس نے
کہا استعاذہ کس کس طرح کیا جاتا ہے اور ان میں کیا اختلاف ہے؟ کنیز نے کہا
بعض لوگ اس طرح سے استعاذہ کرتے ہیں کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ
مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ، اور بعض اس طرح سے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْقَوِيِّ۔
لیکن بہترین وہ ہے جو خود قرآن میں آیا ہے اور جس کے متعلق حدیثیں ہیں،
رسول اللہؐ جب قرآن پڑھتے تو کہتے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ
نافعؓ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ رات کے وقت
نماز پڑھتے تو کہتے کہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا وَسُبْحَانَ
اللّٰهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا۔ اس کے بعد کہتے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ
الرَّجِيْمِ وَمِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَنَزَغَاتِهِمْ۔ ابن عباسؓ سے روایت
ہے کہ پہلے پہل جب جبریلؑ رسول اللہؐ کے پاس آئے تو انھیں استعاذہ
سکھایا اور کہا اے محمدؐ، کہہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ السَّمِيْعِ الْعَلِيْمِ، پھر کہہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ
الرَّحِيْمِ، اس کے بعد اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ
مِنْ عَلَقٍ۔ جب قرآن داں نے اس کا جواب سنا تو دنگ رہ گیا کہ اس میں
اتنی فصاحت اور علم اور فضل ہے۔ پھر اس نے کہا اے کنیز بتا آیا بسم اللہ الرحمٰن
قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے؟ کنیز نے کہا ہاں، سورۃ النمل میں

ایک آیت ہو اور اسی طرح دو سورتوں کے بیچ میں ایک آیت ہو۔ اس کے متعلق علما میں بہت کچھ اختلاف ہو۔ اس نے کہا شاباش! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسوسینتالیسویں رات

جب چارسوسینتالیسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! فقیہہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ سورۃ البرأۃ کے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں لکھی جاتی؟ کنیز نے کہا جب یہ سورت اتری ہو اس کا منشا یہ تھا کہ جو عہد و پیمان نبیؐ اور مشرکین کے درمیان ہو توڑ ڈالا جاتے تو آپ نے علی کرم اللہ وجہہ کو اُسے لے کر حج کے زمانے میں بھیجا، انھوں نے انھیں پڑھ کر سنایا مگر اس کے ساتھ بسم اللہ نہ پڑھی۔ اس نے کہا بسم اللہ کی فضیلت اور برکت بیان کر۔ کنیز نے کہا رسولؐ اللہ سے روایت ہو آپ نے فرمایا کہ جس چیز پر بھی بسم اللہ پڑھی جائے گی اس میں برکت ہوگی، اور یہ بھی آپ ہی کا قول ہو کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ جس بیمار پر بھی بسم اللہ پڑھی جائے گی اس کی بیماری دُور ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہو کہ جب خدا نے عرش پیدا کیا تو وہ بہت ہل ڈُل رہا تھا، پھر اس بعد اس نے بسم اللہ الرحمٰن لکھا اور وہ ساکن ہو گیا۔ جب رسولؐ اللہ پر بسم اللہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں سے میں محفوظ ہو گیا: زمین میں دھنسنے، مسخ ہونے اور غرق ہونے سے۔ اس کی فضیلتیں بڑی ہیں اور برکتیں بہت،

تشریح بہت لمبی چوڑی ہے۔ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن پیش کیا جائے گا اور محاسبہ کرنے سے معلوم ہوگا کہ اس کی ایک بھی نیکی نہیں اور اُسے دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ خدا وندا، تونے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ خدا کہے گا کہ کس طرح؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار، تونے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے دوزخ کا عذاب دے۔ خدا کہے گا میں نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے، میری رحمت کی بنا پر میرے بندے کو جنّت میں لے جاؤ کیونکہ میں تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔ فقیہہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ بسم اللہ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کنیز نے کہا جس وقت کہ خدا نے قرآن اتارنا شروع کیا تو لوگ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھا کرتے تھے۔ جب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ الخ تو لوگوں نے بسم اللہ الرحمٰن لکھنا شروع کیا۔ پھر جب یہ آیت اتری کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ تو اس وقت سے لوگ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھنے لگے۔

فقیہہ نے یہ باتیں سُن کر سر نیچا کر لیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ عجیب وغریب بات ہے، بسم اللہ کی ابتدا اس نے کس خوبی سے بیان کی! اگر میں نے کوئی تدبیر نہ نکالی تو میں اس پر غالب نہیں آسکتا۔ اب اس نے کہا اے کنیز خدا نے سارا قرآن ایک بار اتارا یا ٹکڑے ٹکڑے کرکے؟ کنیز نے کہا جبریلؑ نے خدا کی طرف سے آخری نبی محمدؐ پر یہ قرآن امر ونہی، وعدہ ووعید اور اخبار وامثال کی شکل میں بیس سال کے اندر ضرورت کے موافق ٹکڑے ٹکڑے کرکے اتارا۔ اس نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ پہلی سورت کون سی ہے جو رسول اللہؐ پر اتری؟ کنیز نے کہا کہ ابن عباسؓ کے قول کے موافق

سورۃ العلق اور جابر بن عبداللہ کے موافق سورۃ المدثر۔ اس کے بعد باقی سورتیں اور آیتیں اترتی رہیں۔ اس نے کہا کہ آخری آیت کون سی اتری ہے؟ کنیز نے کہا ربا کی آیت اور دوسری روایت کے مطابق اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اڑتالیسویں رات

جب چارسو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے کہا کہ اِذَا جَاءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ۔ اس نے کہا شاباش۔ اب بتا کہ کتنے صحابیوں نے رسول اللہؐ کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا؟ کنیز نے کہا چار نے: اُبَی بن کعب، زید بن ثابت، ابو عبیدہ عامر بن الجراح اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم اجمعین۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وہ قاری کون کون سے ہیں جن سے قرأت لی گئی ہے؟ کنیز نے کہا وہ چار ہیں: عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم بن عبداللہ اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے کہ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِيْ وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ؟ کنیز نے کہا تو میری حقیقت اور تمام رازوں سے واقف ہے اور میں تیری کوئی چیز نہیں جانتا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ۔ اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ؟ کنیز نے کہا شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کا

ایک گروہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم اپنے تناسل کے آلوں کو کاٹ ڈالیں گے اور بال کے کپڑے پہنیں گے۔ اس پر یہ آیت اتری ہے۔ قتادہؓ کا بیان ہے کہ یہ آیت چند صحابیوں کے متعلق اتری ہے اور وہ یہ ہیں: علی ابن ابی طالب، عثمان بن مصعب وغیرہ جو کہتے تھے کہ ہم اپنے آپ کو خصی کر ڈالیں گے اور بالوں کے کپڑے پہن کر راہب بن جائیں گے۔ اس نے کہا اس آیت کے متعلق تو کیا کہتی ہے کہ وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرَاھِیْمَ خَلِیْلًا؟ کنیز نے کہا خلیل کے معنے ہیں محتاج اور فقیر کے اور ایک اور قول کے موافق دوست کے جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کا ہو لیا ہو اور اس کے ساتھ یکسوئی حاصل ہو گئی ہو۔

جب اس قرآن داں نے دیکھا کہ وہ بادل کی طرح بولتی چالتی ہے اور جواب دینے میں ذرا بھی نہیں رکتی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا اے امیرالمومنین، خدا گواہ ہے یہ کنیز قراءت وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے اب کنیز نے کہا کہ میں تجھ سے فقط ایک مسئلہ پوچھتی ہوں، اگر تو نے جواب دے دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ امیرالمومنین نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا وہ کون سی آیت ہے جس میں تیئیس کاف ہیں اور کس آیت میں سولہ میم ہیں اور کس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں اور کس حزب میں جلالت نہیں؟ قرآن داں اس کا جواب دینے سے عاجز ہو گیا۔ کنیز نے کہا اپنے کپڑے اتار، اس نے کپڑے اتار دیے اور کنیز نے کہا اے امیرالمومنین، جس آیت میں سولہ میم ہیں وہ سورۂ ہود میں ہے کہ قِیْلَ یَا نُوْحُ اھْبِطْ بِسَلَامٍ مِّنَّا وَبَرَکَاتٍ عَلَیْکَ الخ۔ جس آیت میں تیئیس کاف ہیں وہ سورۃ البقرہ میں ہے اور وہ آیۃ الدین ہے اور جس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں وہ سورۃ الاعراف میں ہے کہ وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَہٗ سَبْعِیْنَ رَجُلًا الخ۔ جس حزب میں جلالت

نہیں وہ یہ ہیں: اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ اور اَلرَّحْمٰن اور اَلْوَاقِعَة.
یہ سن کر قرآن داں شرمندہ ہوا اور چل دیا، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی
اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اُنچاسویں رات

چار سو اُنچاسویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب
کنیز قرآن داں پر غالب آگئی اور وہ اپنے کپڑے اُتار کر چلتا ہوا تو اُستاد طبیب
اس کی طرف بڑھا اور کہنے لگا کہ دین کا علم ختم ہو چکا، اب بدن کے علم
کے متعلق تیار ہو جا اور بتا کہ انسان کیا ہے، کس طرح پیدا ہوا ہے، اس کے
بدن میں کتنی رگیں ہیں، کتنی ہڈیاں، کتنی ریڑھیں اور پہلی رگ کہاں ہے
اور آدم کو آدم کیوں کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ آدم کو گندمی رنگ ہونے
کی وجہ سے آدم کہتے ہیں اور یہ بھی ایک قول ہے کہ چونکہ زمین کی ادیم
یعنی پیڑی سے پیدا کیا گیا، سینہ کعبے کی مٹی سے، سر مشرق کی، دونوں
پاؤں مغرب کی مٹی سے اور اس کے سر میں سات دروازے بنائے گئے:
دو آنکھیں، دو کان دو نتھنے ایک منہ، اور دو مخرج بنائے گئے: قُبل اور دُبر۔
آنکھیں نظر کی حس کے لیے، کان سننے کی حس کے لیے، نتھنے سونگھنے کی حس
کے لیے، منہ چکھنے کی حس کے لیے، زبان انسان کے ضمیر کا حال بتاتی ہے۔ انسان
چار عناصر سے مرکب کیا گیا ہے: پانی، مٹی، آگ اور ہوا۔ صفرا آگ کی طبیعت
ہے اور وہ گرم خشک ہے، سودا مٹی کی طبیعت ہے اور وہ سرد خشک ہے، بلغم پانی
کی طبیعت ہے اور وہ سرد تر ہے، خون ہوا کی طبیعت ہے اور وہ گرم تر ہے۔ انسان

کے اندر تین سو ساٹھ رگیں بنائی گئی ہیں، دو سو چالیس ہڈیاں اور تین روحیں حیوانی، نفسانی اور طبیعی، ان کے احکام الگ الگ ہیں۔ اور خدا نے انسان کا ایک قلب بنایا ہے، ایک تلی، ایک پھیپھڑا، چھ آنتیں، ایک جگر، دو گردے، ایک دماغ، ہڈیاں، کھال اور پانچ حواس؛ سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ، سینے کی بائیں جانب قلب رکھا ہے اور قلب کے سامنے معدہ اور پھیپھڑے کو قلب کا پنکھا بنایا ہے، جگر کو دہنی طرف بنایا ہے جو قلب کے مقابل ہے۔ علاوہ اس کے اور بہت سے پردے اور آنتیں بنائی ہیں اور سینے کے اوپر پسلیاں بنائی ہیں۔ اس نے کہا کہ شاباش! بتا کہ انسان کے سر میں کتنے خانے ہیں؟ کنیز نے کہا تین اور پانچ قوتوں پر مشتمل ہیں جن کا نام باطنی حواس ہے اور وہ یہ ہیں: مشترک حس، خیال، متصرفہ، واہمہ اور حافظہ۔ اس نے کہا شاباش! اب ہڈیوں کے ہیکل کے متعلق بتا۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو پچاسویں رات

جب چار سو پچاسویں رات ہوتی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! طبیب نے کہا اچھا ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق بتا۔ کنیز بولی اس میں دو سو چالیس ہڈیاں ہیں جو تین حصّوں میں تقسیم کی گئی ہیں: سر، تن اور اطراف۔ سر میں دو چیزیں ہیں: کھوپڑی اور چہرہ۔ کھوپڑی آٹھ ہڈیوں سے مرکب ہے، کان کی چار چھوٹی ہڈیاں بھی انھی میں گنی جاتی ہیں۔ چہرے میں ایک اوپر کا جبڑا ہے اور ایک نیچے کا۔ اوپر کے جبڑے

میں گیارہ ہڈیاں ہیں اور نیچے کے جبڑے میں محض ایک۔ اس میں دانت شامل ہیں جن کی تعداد بتّیس ہے اور اسی طرح لامی ہڈی۔ تنے میں ریڑھ کی ہڈیوں کا سلسلہ ہے اور سینہ اور حوض۔ ریڑھ کے زنجیرے میں چوبیس ہڈیاں ہیں جن کو فقار کہتے ہیں، سینے میں صدر اور پسلیاں شامل ہیں، پسلیوں کی تعداد چوبیس ہے، ہر طرف بارہ بارہ۔ حوض مرکب ہے کولھے کی دو ہڈیوں، چوتڑوں اور ڈھڈی یعنی دم کی ہڈیوں سے۔ اطراف کے دو حصے ہیں: دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ اوپر کے دونوں اطراف منقسم ہیں اولاً جس میں شانے اور ہنسلی کی ہڈی شامل ہے، دوم بانہہ میں اور وہ ایک ہی ہڈی ہے، سوم کلائی میں جس میں دو ہڈیاں ہیں کعبرہ اور زند، چہارم ہتھیلی میں جو مشتمل ہے رسغ اور کنگھی اور انگلیوں پر۔ رسغ میں آٹھ ہڈیاں جن کی دو صفیں ہیں اور ہر صف میں چار ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں ہیں انگلیوں کی تعداد بھی پانچ ہے جن میں تین تین ہڈیاں ہیں سوائے انگوٹھے کے جس میں دو ہیں۔

نیچے کے دونوں طرفوں کی تقسیم یہ ہے: پہلے ران اور وہ فقط ایک ہڈی ہے، دوسرے پنڈلی جس میں تین ہڈیاں ہیں: قصبہ اور شظیہ اور رضفہ تیسرے تلووں جس میں ہتھیلی کی طرح رسغ، کنگھی اور انگلیاں ہیں۔ رسغ میں سات ہڈیاں جن کی دو صفیں ہیں، پہلی صف میں دو اور دوسری میں پانچ ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں ہیں، انگلیوں کی تعداد پانچ ہے جن میں تین تین سلامی ہڈیاں ہیں سوا انگوٹھے کے جس میں محض دو ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ رگوں کی جڑ کیا ہے؟ کنیز نے کہا رگوں کی جڑ وہ نس ہے جو دل سے بدن میں خون پہنچاتی ہے۔ یہیں سے رگیں

نکلتی ہیں اور وہ بے شمار ہیں، ان کی تعداد سوا خالق کے کسی اور کو معلوم نہیں۔ بعضوں کا قول ہو کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہو جیساکہ پہلے کہا جاچکا ہو خدا نے زبان کو ترجمان بنایا ہی، آنکھوں کو چراغ، نتھنوں کو نالیاں اور ہاتھوں کو بازو۔ جگر رحم کا مقام ہی، تلی ہنسنے کا، گردے مکر کی جگہ پھیپھڑا پنکھا ہو، معدہ خزانہ اور قلب پر سارے بدن کا دارومدار ہی، جب قلب ٹھیک ہو تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہی، جب وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہی۔ طبیب نے کہا ظاہری اور باطنی اعضا میں بیماریوں کی کیا علامتیں ہیں ؟ کنیز نے کہا اگر طبیب دانا ہی تو بدن کے حال پر غور کرے گا اور دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر سختی اور گرمی، خشکی اور سردی کا پتا لگائے گا۔ اندرونی بیماریوں کا بھی پتا دلیلوں سے چلتا ہی۔ مثلاً آنکھوں کی زردی یرقان اور پیٹھ کے ترچھے ہونے کی علامت ہی اور یہ دلالت کرتی ہی ذات الجنب پر۔ اس نے کہا شاباش! اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کردی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اکیانویں رات

چارسو اکیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے طبیب سے ظاہری علامتیں بیان کیں تو اس نے کہا شاباش! پھر بولا اچھا اب بتا کہ باطنی علامتیں کیا ہیں ؟ کنیز نے کہا چھ قانون ہیں جن کی بنا پر باطنی علامتوں سے بیماریاں دریافت ہوسکتی ہیں: پہلے افعال، دوسرے وہ چیز جو بدن سے خارج ہو، تیسرے درد، چوتھے

کمزوری، پانچویں ورم، چھٹے اعراض. اس نے پوچھا کہ کن اسباب سے سر میں تکلیف پہنچتی ہے؟ کنیز نے کہا کھانے پر کھانا کھانے سے قبل اس کے کہ پہلا کھانا ہضم ہو چکا ہو اور سیری پر سیری سے۔ اسی سے قومیں کی قومیں تباہ ہو گئی ہیں۔ جو شخص بقا کا طالب ہو اُسے چاہیے کہ ناشتہ صبح کو جلد کرے اور شام کا کھانا دیر سے نہ کھائے، عورتوں سے کم مجامعت کرے، فصد اور سینگی کا بہت استعمال نہ کرے اور اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرے، تہائی کھانے کے لیے، تہائی پینے کے لیے اور تہائی سانس لینے کے لیے جب وہ چلے تو آہستہ، یہ زیادہ مفید ہے اور بدن کے لیے صحت مند اور خدا کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ "زمین پر جوش و خروش کے ساتھ نہ چل" اس نے کہا شاباش! اب بتا صفرا کی علامت کیا ہے اور اس میں کس چیز سے ڈرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا صفرا کی پہچان رنگ کا پیلا پڑنا اور مُنہ کی کڑواہٹ، خشکی، شہوت کی کمزوری اور نبض کی تیزی ہے۔ صفرا والے کو بخار، سرسام، پھوڑے، یرقان، ورم، آنت کے زخم اور پیاس کی زیادتی سے ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ صفرا کی علامتیں ہیں۔ اس نے کہا شاباش!

پھر اس نے پوچھا سودا کی علامتیں کیا کیا ہیں اور سودا والے کو کس کس چیز سے اندیشہ ہے؟ کنیز نے کہا اس سے جھوٹی شہوت پیدا ہوتی ہے، وسوسہ اور رنج و غم۔ ایسی حالت میں اُسے چاہیے کہ قے کرے ورنہ اُسے مالیخولیا، جذام، سرطان، تلی کا درد اور آنتوں کا زخم ہو جائے گا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کس غذا سے بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں؟ کنیز نے کہا اگر بھوک کے وقت کھایا جائے اور پیٹ بھر کر نہ کھایا جائے۔ رسول اللہؐ کا قول ہے کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے، کم خوراکی دواؤں کی سردار اور بدہضمی تمام

بیماریوں کی جڑ۔ اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو بانویں رات

چارسو بانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے کہا کہ بدہضمی تمام بیماریوں کی جڑ ہے تو طبیب نے پوچھا حمام کے متعلق تو کیا کہتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا سیری کی حالت میں حمام نہ جانا چاہیے۔ رسول اللہؐ کا قول ہے کہ بہترین جگہ حمام ہے، بدن کو صاف کرتا ہے اور دوزخ کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے پوچھا کون سا کھانا بہتر ہے؟ کنیز نے کہا جسے عورت نے پکایا ہو اور جس میں مرچ مسالا اور چربی کم ہو اور جسے خوشی سے کھایا جائے۔ اس نے کہا کون سا سالن بہترین ہے؟ کنیز نے کہا گوشت کیونکہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ بہترین سالن گوشت ہے کیونکہ وہ دنیا اور آخرت کی لذت ہے۔ اس نے پوچھا کون سا گوشت بہترین ہے؟ کنیز نے کہا بھیڑ کا مگر سوکھے ہوئے گوشت سے پرہیز کرنا چاہیے اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے کہا پھلوں کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا شروع فصل میں کھانا چاہیے اور جب اس کا زمانہ ختم ہو جائے تو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس نے کہا پانی پینے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ کنیز نے کہا سارا پانی ایک گھونٹ میں نہ پینا چاہیے اور تیزی سے نہ پینا چاہیے اس سے سر کا درد اور طرح طرح کی تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ حمام سے نکل کر پانی پینا چاہیے نہ جماع کے بعد اور نہ کھانے کے فوراً بعد مگر جوان کے لیے پندرہ منٹ

کے بعد اور بڑے کے لیے چالیس منٹ کے بعد اور نہ نیند سے جاگ کر۔
اس نے کہا شاباش! اب شراب پینے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا کیا یہ کافی نہیں ہے کہ خدا نے قرآن میں اس سے منع کیا ہے کہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اور دوسرے یہ کہ یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ قُلْ فِیْهِمَا اِثْمٌ کَبِیْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَا اَکْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا۔

فائدے شراب میں یہ ہیں کہ وہ گردے کی پتھریوں کو توڑتی ہے آنتوں کو مضبوط کرتی، غم کو دُور کرتی ہے، کرم دھاکو جنبش دیتی، تندرستی قائم رکھتی، ہضم میں مدد دیتی، جوڑوں میں سے بیماریاں دُور کرتی، فاسد خلطوں سے جسم کو پاک کرتی، خوشی پیدا کرتی۔ اندرونی حرارت کو قوت دیتی، مثانے کو مضبوط کرتی، جگر کو طاقت دیتی، سُدوں کو کھولتی، چہرے کو سُرخ کرتی۔ سر اور دماغ سے فضلے دُور کرتی اور بڑھاپا دیر میں لاتی ہے۔ اگر خدا نے اسے حرام نہ کیا ہوتا تو دنیا میں اس جیسی کوئی اور چیز نہ تھی۔
اس نے کہا سینگی لگانے کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کنیز نے جواب دیا یہ اس کے لیے ہے جس میں خون کی زیادتی ہو اور خون میں کوئی خرابی نہ ہو۔ سینگی اس روز لگائی جائے جب کہ چاند گھٹ رہا ہو، بادل بھی نہ ہوا نہ بارش، چاند کی سترھویں ہو اور منگل کا دن ہو تو کیا کہنا۔ دماغ، آنکھوں اور ذہن کی صفائی کے لیے سینگی سے بہتر کوئی چیز نہیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو ترپنویں رات

جب چار سو ترپنویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! حکیم نے پوچھا کہ سینگی لگانے کا بہترین وقت کون سا ہے؟ کنیز نے کہا نہار مُنہ کیونکہ اس سے عقل اور حافظے میں زیادتی ہوتی ہے۔ رسول اللہؐ سے روایت ہے کہ جو کوئی آپ سے سر یا پاؤں کے درد کی شکایت کرتا، آپ کہتے کہ سینگی لگا اور جب وہ سینگی لگاتا تو نہار مُنہ۔ نمکین چیز نہ کھاتا، اس سے کھجلی پیدا ہوتی ہے اور سینگی کے بعد کھٹی چیز نہ کھاتا۔ اس نے کہا جماع کے بارے میں بیان کر۔ کنیز نے یہ سوال سنا تو اس نے سر نیچا کر لیا اور امیرالمومنین کے سامنے اُسے شرم آنے لگی اس نے کہا اے امیرالمومنین، میں جواب دینے سے بالکل قاصر نہیں ہوں بلکہ مجھے شرم آتی ہے، جواب میری زبان کے اوپر ہے خلیفہ نے کہا اے لڑکی! کہہ۔ کنیز نے کہا نکاح میں بہت فائدے ہیں، منجملہ ان کے وہ سوداوی بدن کو ہلکا کر دیتا ہے، عشق کی گرمی کو بجھاتا ہے، محبت کی کشش اور دل کو خوش کرتا ہے، وحشت دُور ہوتی ہے، اس کی زیادتی گرمیوں اور خزاں میں زیادہ مضر ہے بہ نسبت جاڑوں اور بہار کے۔ اس نے کہا اس میں فائدے کیا ہیں؟ کنیز نے کہا اس سے غم اور وسواس دُور ہوتا ہے، عشق اور غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اور زخموں کو فائدہ دیتا ہے۔ یہ باتیں اُس وقت ہوتی ہیں جب طبیعت پر سردی اور خشکی غالب ہو، ورنہ اس کی زیادتی سے نظر کمزور ہوتی ہے، پنڈلیوں، سر اور کمر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ بڑھیا سے ہرگز جماع نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ قاتل ہے۔ امام علیؑ کرم اللہ وجہہ کا قول ہے کہ چار چیزیں قاتل ہیں جو بدن کو دبلا کر دیتی ہیں: بھرے پیٹ پر حمام

جانا، زیادہ نمکین غذا، سیری کے وقت جماع، مریض عورت سے ہم بستر ہونا، ان سے قوت زائل ہوتی ہے، بدن بیمار پڑتا ہے، اور بڑھیا تو قاتل زہر ہے۔ اس نے پوچھا بہترین جماع کون سا ہے؟ کنیز نے کہا جب عورت کم سن، خوش قد خوب رُو، حسب نسب والی اور اس کا سینہ اُبھرا ہوا ہو، ایسی عورت سے بدن کی تندرستی بڑھتی ہے۔ اس نے کہا جماع کے لیے بہترین وقت کون سا ہے؟ اگر رات ہو تو ہضم کے بعد اور اگر دن ہو تو دوپہر کے کھانے کے بعد۔ اس نے پوچھا بہترین پھل کون سے ہیں؟ کنیز نے کہا انار اور نارنگی۔ اس نے کہا بہترین ترکاری؟ کنیز نے جواب دیا ککروندا۔ اس نے پوچھا بہترین پھول کون سے ہیں؟ کنیز نے کہا گلاب اور بنفشہ۔ اس نے کہا مرد کی منی کس طرح بنتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا مرد کے بدن میں ایک رگ ہے جو تمام رگوں میں سے پانی کھینچ کر جمع کرتی ہے، یہ پانی سرخ لہو کی شکل میں بائیں فوطے میں جمع ہوتا ہے اور مزاج کی گرمی سے پک کر سفید گاڑھا پانی ہو جاتا ہے۔ اُس میں کھجور کے فُضلے جیسی بُو آتی ہے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا وہ کیا چیز ہے کہ جب تک وہ بند رہتی ہے تو جیتی ہے اور جب وہ ہوا میں آتی ہے تو مر جاتی ہے؟ کنیز نے کہا مچھلی۔ اُس نے کہا وہ کون سا سانپ ہے جو انڈے دیتا ہے؟ کنیز نے کہا اژدہا۔ آخر طبیب سوال کرتے کرتے تھک کر چُپ ہو گیا۔ کنیز نے کہا اے امیر المومنین، وہ تو سوال کرتے کرتے تھک گیا، اب میں اس سے محض ایک سوال کرتی ہوں، اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکا تو میں اس کے کپڑے اتاروں گی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو چرنویں رات

جب چارسو چرنویں رات ہوئی تو اُس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! کنیز نے کہا ورنہ میں اس کے کپڑے اتاروں گی۔ خلیفہ نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی گولائی زمین کی طرح ہے، کم قیمت ہے، سینہ اور گلا تنگ ہے، مقید ہے بھاگتی نہیں، جکڑی ہوئی ہے مگر چور نہیں۔ اس پر نیزے لگتے ہیں مگر لڑائی میں نہیں، زخمی ہے مگر تیراندازی سے نہیں، زمانے کی کڑوی سے کڑوی چیزیں کھاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ پانی پیتی ہے، کبھی بغیر گناہ کے اُسے مارتے ہیں اور اس سے بے حد خدمت لیتے ہیں، وہ حاملہ ہے مگر اس کے پیٹ میں بچہ نہیں، گندی ہوتی ہے پھر پاک ہو جاتی ہے اور نماز پڑھتی ہے؟ طبیب کی سٹی گم ہو گئی کچھ جواب نہ دے سکا، اس کا رنگ فق ہو گیا، تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اور کوئی بات نہ کی۔ کنیز نے کہا اے طبیب، بول ورنہ اپنے کپڑے اُتار دے۔ طبیب کھڑا ہو کر کہنے لگا اے امیرالمومنین، خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز طب وغیرہ میں مجھ سے زیادہ ماہر ہے اور وہ میرے بس کی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اُتار دیے اور وہاں سے نکل بھاگا۔

اب امیرالمومنین نے کنیز سے کہا بتا وہ کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا بٹن اور کاج۔

اس کے بعد منجموں کی باری آئی۔ کنیز نے کہا تم میں سے جو منجم ہو اُٹھے۔ یہ سن کر ایک منجم اُٹھا اور آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کنیز نے اُسے دیکھا تو ہنسی اور کہنے لگی تو منجم، حاسب و کاتب ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ کنیز نے کہا پوچھ جو تیرا جی چاہے، خدا تیری مدد کرے! اس نے کہا سورج اور اس کے طلوع و غروب ہونے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا سُن، سورج کئی چشموں سے نکلتا اور کئی میں ڈوبتا ہے۔ نکلنے کے چشمے مشرق

کے حصے ہیں اور ڈوبنے کے مغرب کے، دونوں کی تعداد ایک سو اسی ہے۔ اس نے کہا چاند کی منزلیں بتا۔ کنیز نے کہا چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں: سرطان، بُطین، ثریا، دَبَران، ہَقعہ، ہَنعہ، ذِراع، نثرہ، طَرف، جَبہہ، زُبرہ، صَرفہ، عوّاء، سماک، غَفر، زُبانیا، اکلیل، قلب، شَولہ، نعائم، بَلدہ، سعد الذابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، فرغ مقدم، فرغ موخر، رشاء۔ ان کی تعداد ابجد ہوز کے حروف کی تعداد ہے اور اس میں بڑا بھید ہے جو سوا خدا اور ماہرین کے کسی کو معلوم نہیں، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چار سو پچنویں رات

چار سو پچنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے منزلیں بیان کیں تو منجم نے کہا شاباش! اب سیاروں اور ان کے طبائع اور برجوں کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سیارے سات ہیں: سورج، چاند، عطارد، زُہرہ، مریخ، مشتری اور زُحل۔ سورج گرم خشک ہے اور ہر بُرج میں تیس دن ٹھیرتا ہے۔ چاند سرد و تر اور ہر بُرج میں دو یا تین دن ٹھیرتا ہے۔ عطارد معتدل اور ہر برج میں ساڑھے سترہ دن ٹھیرتا ہے۔ زہرہ معتدل اور ہر برج میں پچیس دن ٹھیرتا ہے۔ مریخ ہر بُرج میں دس مہینے ٹھیرتا ہے اور مشتری ایک سال۔ زحل سرد و خشک ہے اور ہر بُرج میں تیس مہینے ٹھیرتا ہے۔ جب منجم نے دیکھا کہ وہ اتنی ماہر اور عالم اور فصیح ہے تو اس نے پوچھا کہ کسی دھوکے سے اسے زیر کرے، وہ کہنے لگا اے کنیز بتا کہ

اس مہینے میں پانی برسے گا۔ کنیز نے یہ سن کر سر جھکا لیا یہاں تک کہ امیرالمومنین کو گمان ہوا کہ اس سے جواب نہیں بن پڑتا۔ منجم نے کہا بولتی کیوں نہیں؟ کنیز نے کہا جب تک خلیفہ اجازت نہ دے میں نہیں بول سکتی۔ خلیفہ ہنسنے لگا اور کہا یہ کیوں؟ کنیز نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے ایک تلوار دے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ ملحد ہے۔ اس پر امیرالمومنین اور درباری سب ہنس پڑے اور کنیز نے کہا اے منجم، پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوا خدا کے کسی کو نہیں پھر اس نے یہ آیت پڑھی: اِنَّ اللّٰہَ عِنۡدَہٗ عِلۡمُ السَّاعَۃِ وَ یُنَزِّلُ الۡغَیۡثَ وَ یَعۡلَمُ مَا فِی الۡاَرۡحَامِ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌ مَّاذَا تَکۡسِبُ غَدًا ؕ وَمَا تَدۡرِیۡ نَفۡسٌۢ بِاَیِّ اَرۡضٍ تَمُوۡتُ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ۔ اس نے کہا شاباش! خدا کی قسم میں تو تیرا امتحان لیتا تھا۔ کنیز نے کہا جس دن سے نیا سال شروع ہوتا ہے اس کے بھی معنے ہیں۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ کنیز نے کہا اگر سال کا پہلا دن اتوار ہو تو وہ سورج سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہوں اور والیوں کی طرف سے زبردستی ہوگی، پانی کم برسے گا اور بادشاہوں میں جنگ ہوگی واللہ اعلم۔ پیر کا روز قمر کا ہے حکمراں اور عمال اس میں نیکی کریں گے، پانی زیادہ برسے گا، غلہ اچھا ہوگا، روئی خراب ہوگی، طاعون بڑھے گا، واللہ اعلم، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو چھپنویں رات

چارسو چھپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب

کنیز پیر کے متعلق بیان کر چکی تو اس نے کہا کہ منگل مریخ کا دن ہے اور وہ
اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ بڑے آدمی مریں گے اور بہت خونریزی ہوگی
غلہ مہنگا ہوگا اور بارش کم، واللہ اعلم۔ بدھ کا تعلق عطارد سے ہے اور وہ اس
بات پر دلالت کرتا ہو کہ بارش نہ کم ہوگی نہ زیادہ، چوپائے اور بچے بہت
مریں گے اور بحری جنگیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ جمعرات کا تعلق مشتری سے
ہے، اس میں وزرا عدل و انصاف سے کام لیں گے اور دین دار لوگوں میں
نیکیاں پھیلیں گی، بارش بہت ہوگی واللہ اعلم۔ جمعے کا تعلق زُہرہ سے ہے، اس
میں الزام اور بہتان کی بہت زیادتی ہوگی، برّو بحر میں فساد برپا ہوگا، واللہ اعلم۔
سنیچر کا تعلق زحل سے ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہو کہ غلاموں میں ایثار
زیادہ ہوگا، قحط زیادہ پڑے گا، بارش خوب ہوگی، انسان زیادہ مریں گے
اور مصر اور شام میں حکمرانوں کی طرف سے ظلم و جور ہوگا، واللہ اعلم منجم نے
سر نیچا کر لیا اور کنیز نے کہا اب میں تجھ سے ایک سوال کرتی ہوں، اگر تو نے
اس کا جواب نہ دیا تو میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ منجم نے کہا پوچھ۔ کنیز نے
کہا ستارے کی حصوں میں تقسیم کیے گئے ہیں؟ منجم اس کا کوئی جواب نہ دے
سکا۔ کنیز نے کہا کپڑے اتار اس نے اتار دیے۔ کنیز نے انھیں لے کر کہا اے
امیر المومنین، تین حصوں میں، ایک حصہ وہ ہے جو دنیا کے آسمان میں قندیلوں
کی طرح لٹکے ہوتے ہیں اور زمین کو روشن کرتے ہیں، دوسرا حصہ وہ ہے جو
شیطانوں پر مارا جاتا ہے اور تیسرا ہوا میں معلق ہے۔ منجم نے کہا ایک سوال اور
باقی ہے، اگر کنیز نے اس کا جواب دے دیا تو میں اس کا لوہا مان جاؤں گا۔
کنیز نے کہا بول، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی
بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

چارسو ننانویں رات

جب چارسو ننانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ!
منجم نے کہا وہ چار متضاد چیزیں کیا ہیں جن کا دارومدار دوسری چار متضاد چیزوں پر ہے؟ کنیز نے کہا گرمی، سردی، تری اور خشکی۔ خدا نے گرمی سے آگ پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور خشک ہے، خشکی سے مٹی پیدا کی جس کی طبیعت سرد اور خشک ہے، سردی سے پانی پیدا کیا جس کی طبیعت سرد اور تر ہے، اور تری سے ہوا پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور تر ہے۔ اس کے بعد خدا نے بارہ برُج بنائے: حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت۔ منجم اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ خدا گواہ ہے یہ مجھ سے زیادہ جانتی ہے اور چپکے سے چلتا بنا۔

اب امیرالمومنین نے پوچھا فلسفی کون ہے؟ ایک شخص اٹھ کر کنیز کے پاس آیا اور پوچھا دہر کیا ہے؟ کنیز نے کہا دن اور رات کے اوقات کا نام دہر ہے۔ اس نے کہا انسان کے پاس کفر کس طرح پہنچتا ہے؟ کنیز نے کہا رسول اللہؐ کا قول ہے کہ کفر انسان کے بدن میں اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح رگوں میں خون۔ اس نے پوچھا پانچ چیزیں کیا تھیں جو کھاتی پیتی تھیں لیکن ماں باپ سے ان کی پیدائش نہ تھی؟ کنیز نے کہا آدمؑ، شمعون، حضرت صالحؑ کی اونٹنی، حضرت اسمٰعیلؑ کا مینڈھا اور وہ چڑیا جسے حضرت ابوبکرؓ نے غار میں دیکھا تھا۔ فلسفی نے کہا وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جو جنت میں ہیں مگر نہ انسان ہیں نہ جنات نہ فرشتے؟ کنیز نے کہا حضرت یعقوبؑ کا بھیڑیا، اصحاب کہف کا کتا، عزیرؑ کا گدھا، صالحؑ کی اونٹنی

اور نبیؐ کا دُلدُل فلسفی نے کہا وہ کون شخص ہے جس نے نماز پڑھی مگر نہ زمین پر نہ آسمان پر؟ کنیز نے کہا سلیمانؑ جب کہ انھوں نے اپنی جانماز پر نماز پڑھی جو ہوا پر تھی۔ فلسفی نے کہا وہ کون شخص ہے جس نے فجر کی نماز پڑھ کر ایک کنیز پر نظر ڈالی تو وہ اس کے لیے حرام تھی۔ پھر ظہر کا وقت آیا تو وہ حلال ہو گئی۔ عصر کے وقت وہ پھر اس پر حرام ہو گئی اور مغرب کے وقت حلال۔ پھر عشا کے وقت حرام اور فجر کے وقت حلال ہو گئی؟ کنیز نے جواب دیا یہ کنیز کسی دوسرے کی ملکیت تھی جس پر اس کی نظر پڑی اس لیے وہ اس کے لیے حرام تھی۔ ظہر کے وقت اس نے اُسے خرید لیا اور وہ حلال ہو گئی۔ عصر کا وقت ہوا تو اس نے اسے آزاد کر دیا اور وہ حرام ہو گئی۔ مغرب کے وقت اس نے اس سے نکاح کر لیا اور وہ حلال ہو گئی۔ عشا کے وقت اس نے طلاق دے دی اور وہ حرام ہو گئی اور جب فجر ہوئی تو اس نے اس کی طرف رجوع کی اور وہ حلال ہو گئی۔ اس نے کہا وہ کون سی قبر ہے جو اپنے مدفون کو لے کر چلی تھی؟ کنیز نے کہا یونس بن متیٰؑ کی مچھلی جب وہ انھیں نگل گئی تھی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اٹھّاونویں رات

جب چارسو اٹھاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! فلسفی نے پوچھا کہ وہ کیا چیز ہے جس میں روح نہیں مگر سانس لیتی ہے؟ کنیز نے کہا خدا کہتا ہے کہ وَالصُّبْحِ اِذَا تَنَفَّسَ۔ اس نے کہا چند کبوتر اُڑتے

ہوئے آئے اور ایک اونچے درخت کے پاس پہنچ کر کچھ درخت پر بیٹھ گئے اور کچھ اُس کے نیچے۔ اوپر والے کبوتروں نے نیچے والوں سے کہا اگر تم میں سے ایک کبوتر نیچے اُتر جاتے تو ہم تم برابر ہو جائیں گے۔ بتا وہ کتنے تھے اور اُن کی تقسیم کس طرح ہوئی؟ کنیز نے کہا بارہ، ان میں سے سات اوپر بیٹھے اور پانچ نیچے۔ اگر نیچے سے ایک کبوتر اوپر جائے گا تو اوپر والوں کی تعداد نیچے والوں سے دگنی ہو جائے گی اور اگر ایک اوپر سے نیچے اترا تو دونوں کی تعداد برابر رہے گی۔ واللہ اعلم۔ فلسفی اپنے کپڑے اتار کر بھاگتا نظر آیا۔

اب کنیز کا قصّہ نظّام کے ساتھ سنیے۔ کنیز نے موجودہ علما کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے تمام علوم و فنون میں متکلّم کون ہے؟ یہ سُن کر نظّام اُٹھا اور کہنے لگا مجھے دوسروں کی طرح مت سمجھیو۔ کنیز نے کہا مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی ہار جائے گا کیونکہ تو بڑے دعوے کے ساتھ آیا ہے اور خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا حتیٰ کہ میں تیرے کپڑے بھی اتروالوں گی۔ بہتر ہوتا کہ تو ابھی سے کپڑے منگانے کے لیے کسی کو بھیج دیتا۔ نظّام نے کہا واللہ میں تجھے نیچا دکھاؤں گا اور لوگ تیرا قصّہ نسلاً بعد نسلٍ بیان کریں گے۔ کنیز نے کہا اپنی قسم کا کفّارہ دے۔ اس نے کہا خیر دیکھا جائے گا تو یہ بتا کہ وہ پانچ چیزیں کون سی ہیں جنھیں خدا نے مخلوق سے پہلے پیدا کیا؟ کنیز نے کہا پانی، مٹّی، اندھیرا، اُجالا اور پھل۔ اس نے پوچھا کہ کن چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے؟ کنیز نے کہا عرش، طوبیٰ، آدم اور عدن کی جنّت۔ اِن چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ باقی چیزوں کے متعلق اس نے کہا کہ ہو جاؤ اور وہ ہو گئیں۔ اس نے پوچھا تیرا اسلامی باپ کون ہے؟ کنیز نے کہا کہ محمدؐ۔ اس نے پوچھا محمدؐ کا باپ؟ کنیز نے کہا ابراہیم خلیل اللہ

اس نے پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا اس بات کا اقرار کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اس نے پوچھا تیری ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ کنیز نے کہا ابتدا گندہ نطفہ اور انتہا ناپاک لاشہ، یا یوں کہو کہ ابتدا مٹی اور انتہا مٹی۔ اُس نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی ابتدا لکڑی ہے اور انتہا روح۔ کنیز نے کہا موسیٰؑ کا عصا۔ اس نے کہا وہ کون عورت ہے جو مرد سے پیدا ہوئی ہے اور وہ کون مرد ہے جو محض عورت سے پیدا ہوا ہے؟ کنیز نے کہا حوّا آدمؑ سے پیدا ہوئی ہیں اور عیسیٰؑ مریمؑ سے۔ اس نے پوچھا وہ چار آگیں کون سی ہیں جن میں سے ایک کھاتی اور پیتی ہے، دوسری کھاتی ہے پیتی نہیں، تیسری پیتی ہے کھاتی نہیں اور چوتھی نہ کھاتی ہے نہ پیتی؟ کنیز نے کہا جو آگ کھاتی ہے اور پیتی نہیں دنیا کی آگ ہے۔ جو آگ کھاتی بھی ہے اور پیتی بھی جہنم کی آگ ہے، جو آگ پیتی ہے اور کھاتی نہیں سورج کی آگ ہے اور جو آگ کھاتی ہے نہ پیتی چاند کی آگ ہے۔ اُس نے پوچھا مفتوح اور مُغلق سے کیا مراد ہے؟ کنیز نے کہا اے نظّام، مفتوح سنّت ہے اور مُغلق فرض۔ اُس نے کہا وہ چودہ چیزیں کون سی ہیں جنھوں نے خدا سے باتیں کیں؟ کنیز نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں جب انھوں نے کہا کہ "اَتَيْنَا طَائِعِيْنَ" اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو اُنسٹھویں رات

چار سو اُنسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ جب کنیز جواب دے چکی تو نظّام نے پوچھا کہ آدمؑ اور ان کی پیدائش کی ابتدا

کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے جواب دیا خدا نے آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا، مٹی کو پھین سے، پھین کو سمندر سے، سمندر کو اندھیرے سے، اندھیرے کو روشنی سے، روشنی کو مچھلی سے، مچھلی کو پتھر سے، پتھر کو یاقوت سے، یاقوت کو پانی سے، پانی کو اپنی قدرت سے۔ اس نے کہا جہنم کے کے دروازے ہیں؟ کنیز نے کہا سات، اس نے کہا صراط کیا ہے اور اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ کنیز نے تین ہزار سال، ہزار چڑھائی کی، ہزار اتار کی اور ہزار ہموار، وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چار سو ساٹھویں رات

چار سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جب کنیز نے صراط کی حالت بیان کی تو نظّام نے پوچھا کہ رسول اللہؐ کی کی شفاعتیں ہیں؟ کنیز نے کہا تین۔ اس نے پوچھا کیا ابوبکرؓ پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے؟ کنیز نے کہا ہاں۔ اس نے کہا ابوبکرؓ سے پہلے علیؓ اسلام لائے۔ کنیز نے کہا حضرت علیؓ کی عمر سات سال کی تھی جب وہ آنحضرتؐ کے پاس آئے اور خدا نے انھیں ہدایت دی۔ انھوں نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔ اس نے کہا بتا علیؓ افضل ہیں یا عباسؓ؟ نظّام کا بیان ہے کہ وہ سمجھ گئی کہ یہ ایک چال ہے۔ اگر وہ کہے کہ علیؓ افضل ہیں عباسؓ سے تو وہ امیرالمومنین کو کیا جواب دے گی۔ کنیز نے سر نیچا کر لیا کبھی اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ اس کے بعد اس نے کہا تو مجھ سے فاضل شخصوں کے متعلق پوچھتا ہے جن میں سے دونوں

فضیلت والے ہیں۔ اس بحث کی طرف رجوع کر جس میں ہم تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے کنیز کی یہ بات سُنی تو وہ کھڑا ہوگیا اور کنیز سے کہا شاباش، ای تودد! نظّام نے کہا اب میں تجھ سے کئی باتیں ایک ساتھ پوچھتا ہوں۔ کنیز نے کہا وہ کیا؟ اس نے کہا کیا چیز شہد سے زیادہ میٹھی ہے، کون سی تلوار سے زیادہ تیز، کس میں ایک لمحے کی خوشی ہے، کس سچائی سے جھوٹا شخص بھی انکار نہیں کر سکتا، قبر کا قید خانہ کیا ہے اور دل کی فرحت کیا ہے، زندگی کی موت کیا ہے اور وہ بیماری کون سی ہے جس کا علاج نہیں، وہ عیب کون سا ہے جو دُھلتا نہیں، وہ جانور کیا ہے جو بستی میں نہیں رہتا بلکہ کھنڈروں میں اور جسے انسان سے عداوت ہے اور اُس کی خلقت سات جانوروں کی سی ہے؟ کنیز نے کہا اپنی باتوں کا جواب سُن اور اپنے کپڑے اتار دے تاکہ میں ان کی تشریح کروں۔ امیرالمومنین نے کہا تو تشریح بیان کر، وہ اپنے کپڑے اتار دے گا۔ کنیز نے کہا شہد سے زیادہ میٹھی اولاد میں سے ان کی محبت ہے جو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں، تلوار سے تیز زبان ہے، ایک لمحے کی لذت جماع ہے، سچائی جس سے کوئی جھوٹا شخص انکار نہیں کر سکتا موت ہے، قبر کا قید خانہ بُری اولاد ہے، دل کی فرحت وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی فرماں بردار ہو، زندگی کی موت غریبی ہے، بیماری جس کا علاج نہیں بُری خصلت ہے، عیب جو دُھلتا نہیں بُری بیٹی ہے، جانور جو بستیوں میں نہیں رہتا الخ ٹڈی ہے، اس کا سر گھوڑے کا سا، گردن سانڈ کی سی، بازو شاہین کے سے، پانو اونٹ کے سے، دم سانپ کی سی، پیٹ بچھو کا سا اور سینگ غزال کے سے ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اس کی عقل و فہم پر بڑا تعجب ہوا اور اُس نے نظّام سے کہا اپنے کپڑے اتار دے۔ نظّام اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ تم سب

گواہ رہو کہ کنیز مجھ سے اور تمام عالموں سے زیادہ عالم ہی۔ اس نے اپنے کپڑے اتار دیے اور کہا انھیں لے، خدا تجھے مبارک نہ کرے! امیرالمومنین نے دوسرے کپڑے منگوا کر اُسے پہنائے اور پھر کنیز سے کہنے لگا کہ اے تودد، ایک چیز اور باقی رہ گئی ہی جس کا تو نے وعدہ کیا ہی اور وہ شطرنج ہی۔ اس نے شطرنج، گنجفہ اور نرد کے اُستادوں کو بلوایا۔ وہ آئے تو شطرنج والا کنیز کے سامنے بیٹھا، ان کے بیچ میں بساط بچھائی گئی اور دونوں اپنی اپنی چالیں چلنے لگے۔ اُستاد جو چال چلتا کنیز اُسے فوراً بے کار کر دیتی، اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اُس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

چارسو اکسٹھویں رات

جب چارسو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! اُستاد جو چال چلتا کنیز اُسے بے کار کر دیتی یہاں تک کہ کنیز نے اُسے مات دے دی۔ اُستاد نے کہا میں تو محض تجھے کھلا رہا تھا تاکہ تو ذرا خوش ہو جائے، دوبارہ بساط بچھاؤں تجھے دکھاؤں کہ اس طرح کھیلتے ہیں۔ کنیز نے دوبارہ بساط بچھائی تو اُستاد نے اپنے دل میں کہا اب کے آنکھیں کھول کر کھیلنا چاہیے ورنہ شیخی کرکری ہو جائے گی۔ غرض کہ جو چال چلتا حساب سے چلتا، ہر مُہرے پر اس کی نظر تھی کہ یکایک کنیز نے کہا مات۔ اُستاد دنگ ہو گیا۔ کنیز نے کہا اے اُستاد، میں تیسری بار تجھ سے شرط لگا کر کھیلتی ہوں بلکہ فرزیں، داہنا رُخ اور بایاں گھوڑا اٹھائے لیتی ہوں، اگر تو جیت جائے تو میرے کپڑے اتار لیجیو اور اگر میں جیت جاؤں تو تیرے کپڑے لے لوں گی۔ اُس

نے کہا منظور۔ اب دونوں نے مُہرے رکھے۔ کنیز نے فرزیں، رُخ اور گھوڑا اُٹھا لیا اور کہا اُستاد، چل۔ وہ چلا اور دل میں کہنے لگا کہ ان مُہروں کے اُٹھ جانے کے بعد اب میرے جیتنے میں کیا کسر باقی ہی، اس نے قلعہ بندی کی۔ کنیز نے چند ہی چالوں کے بعد فرزیں بنا لیا اور پیادہ اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے اُسے مار لیا۔ کنیز نے کہا طمع انسان کے لیے قاتل ہی۔ تجھے معلوم نہیں کہ مَیں نے تجھے لالچ دیا تھا، دیکھ یہ مات ہی۔ اب اپنے کپڑے اُتار دے۔ اس نے کہا شلوار رہنے دے، خدا تجھے اس کا اجر دے گا! اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک تودد بغداد میں ہی مَیں کسی کے آگے اُستادی کا دعویٰ نہ کروں گا۔ پھر اس نے کپڑے اُتار کر کنیز کے حوالے کیے اور چلتا ہوا۔

اس کے بعد امیرالمومنین نے ساز بجانے والے بلوائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو امیرالمومنین نے کنیز سے پوچھا کہ باجے بجانے میں بھی تجھے مشق ہی؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ خلیفہ نے عود منگوایا، عود لایا گیا تو وہ سُرخ اطلس کے غلاف میں تھا۔ کنیز نے اسے غلاف سے نکال کر اپنی گود میں رکھا اور اپنا سینہ اُس کے اوپر جھکایا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماں بچّے کو دُودھ پلا رہی ہی اور بارہ مختلف راگ بجائے یہاں تک کہ مجلس وجد میں آگئی۔ امیرالمومنین خوش ہوگیا اور کہنے لگا خدا تجھے برکت دے اور تیرے معلّم پر رحمت بھیجے۔ کنیز نے اُٹھ کر خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ خلیفہ نے آقا کے سامنے ایک لاکھ دینار رکھ دیے اور کنیز سے کہا ای تودد، مانگ کیا مانگتی ہی۔ اس نے کہا مَیں یہ مانگتی ہوں کہ تو مجھے میرے آقا کو واپس کر دے جس نے مجھے بیچا ہی۔ خلیفہ نے کہا اچھا، اور اُسے واپس کر دیا، اُس کے خرچ کے لیے پانچ ہزار دینار دیے اور اس کے آقا کو ہمیشہ کے لیے اپنا ندیم بنا لیا،

اور شہرزاد کو صبح ہوتی نظر آئی اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اُسے اجازت ملی تھی۔

مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی رام مینیجر چھپی اور سید صلاح الدین جمالی مینیجر انجمن ترقی اردو (ہند) نے دہلی سے شائع کی